

میزان الحق

یعنی
دلیلی بریلوی اختلاف
شرعی فیصلہ

مکمل ترین ہے

اس کتاب میں علامہ محمد رفیع الدین صاحب دہلوی نے جو مسائل شرعیہ اور فروعیہ
میں اختلاف ہے، ان کے حوالہ سے دلائل شرعیہ اور فقہیہ جمع کر کے ایک
مکمل ترین اور مفید ترین کتاب رقم فرمائی ہے۔ اس کتاب میں جو مسائل
میں اختلاف ہے، ان کے حوالہ سے دلائل شرعیہ اور فقہیہ جمع کر کے ایک
مکمل ترین اور مفید ترین کتاب رقم فرمائی ہے۔

ترجمہ

محمد رفیع الدین صاحب دہلوی

محمد رفیع الدین صاحب دہلوی

۱۹۰۷ء

میزان الحق

یعنی
دیوبندی، بریلوی اختلاف کا
شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختارِ کل، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مؤلف:

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گویند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب _____ میزان الحق

مرتب _____ سید مشتاق علی شاہ

تاریخ طباعت اول _____ نومبر ۱۹۹۳ء

قیمت _____ 150/- روپے

تعداد _____ گیارہ سو

کتابت _____ سید جعفر بخاری موضع کھیکے ضلع گوجرانوالہ

سرورق _____ امان اللہ قادری

ناشر _____ مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

ملنے کے پتے

مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

| صفحہ نمبر | عنوان | صفحہ نمبر | عنوان |
|-----------|----------------------------------------|-----------|------------------------------------|
| ۱۷۸ | علم وسیع و بسیط | ۱۲ | مقدمہ |
| " | آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے | ۳۷ | حصہ اول |
| " | اللہ سب جانتا ہے۔ | " | حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ |
| ۱۸۰ | مستقین و ظالمین، مصلحین و مفسدین | " | پر انکار ختم نبوت کا بہتان |
| " | مہتدین و مضلین اور شاکرین و | " | حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر |
| " | معتدین اللہ تعالیٰ سب کو جانتے ہیں | ۶۱ | تکذیب رب العزت جل جلالہ |
| " | اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اور اس کی ہر | " | کاناپاک بہتان |
| " | حالت و کیفیت کو جانتا ہے۔ | " | حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ |
| ۱۸۱ | اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔ | ۷۶ | پر تحقیق شان سید الانبیاء صلی اللہ |
| " | اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن خفی و علنی اور | " | علیہ وسلم کاناپاک بہتان |
| " | عیان و نہاں سب جانتا ہے۔ | " | حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ |
| ۱۸۲ | اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے سب حالات | ۱۳۶ | پر تو بن شان سید الانبیاء صلی اللہ |
| " | جانتا ہے۔ | " | علیہ وسلم کا بہتان نامہ |
| " | اللہ تعالیٰ سب اعمال کو جانتا ہے | ۱۷۵ | حصہ دوم |
| " | پہلی آیت | ۱۷۶ | بحث علم غیب |
| " | دوسری آیت | " | علم غیب علم کل، علم محیط و |
| " | اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے | " | علم بسیط خاصہ و خدا ہے۔ |
| ۱۸۳ | گناہوں کی خبر ہے۔ | " | علم غیب |
| " | اللہ تعالیٰ کو سب اعمال و افعال | ۱۷۷ | علم کل |
| " | کا علم ہے۔ | " | علم محیط |

| صفحہ | عنوان | صفحہ |
|------|-----------------------------------------|------|
| ۲۰۰ | فتاویٰ تاتارخانیہ کا حوالہ | ۱۹۳ |
| " | غزوہ بتوک کے سفر کا واقعہ | ۱۹۴ |
| " | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد | " |
| " | احادیث سے ثبوت کرنبی صلی اللہ علیہ وسلم | " |
| " | عالم الغیب نہیں ہیں | ۱۹۵ |
| " | پہلی حدیث | " |
| " | دوسری حدیث | " |
| " | تیسری حدیث | " |
| ۲۰۱ | چوتھی حدیث | ۱۹۶ |
| " | پانچویں حدیث | " |
| " | چھٹی حدیث | " |
| " | ساتویں حدیث | " |
| " | آٹھویں حدیث | " |
| ۲۰۲ | نویں حدیث | ۱۹۸ |
| " | فقہائے اسلام کے اقوال | " |
| " | فتاویٰ قاضی خان کا حوالہ | ۱۹۹ |
| " | بحر الرائق کا حوالہ | " |
| ۲۰۳ | فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ | " |
| " | صاحب ہدایہ کا حوالہ | " |
| " | خلاصۃ الفتاویٰ کا حوالہ | " |
| " | شرح فقہ اکبر کا حوالہ | " |
| " | فتاویٰ بزازیہ کا حوالہ | " |
| " | تاتارخانیہ کا حوالہ | " |
| " | یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا | " |
| " | شیخ عبدالقادر جیلانی کا حوالہ | " |

| صفحہ نمبر | عنوان | صفحہ نمبر |
|-----------|------------------------------------------------------------------------|-----------|
| ۱۸۳ | اللہ تعالیٰ کو سب اعمال کی خبر ہے۔ | ۱۸۳ |
| ۱۸۴ | اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں | ۱۸۴ |
| " | اللہ رب العزت کی صفت علم | " |
| " | (۱) واسع علیم | " |
| " | (۲) علیم حکیم | " |
| " | (۳) علیم قدیر | " |
| " | (۴) سمیع علیم | " |
| ۱۸۵ | اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ | ۱۸۵ |
| ۱۸۹ | پہلی دوسری تیسری چوتھی پانچویں چھٹی آیت | ۱۸۹ |
| " | قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں۔ | " |
| ۱۸۶ | خلاصہ | ۱۸۶ |
| " | اللہ تعالیٰ کے سوا سب مخلوق سے علم غیب کی نفی۔ | " |
| " | پہلی آیت قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ | " |
| " | دوسری آیت وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ | " |
| " | جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب نہیں تھے۔ قرآن سے ثبوت | " |
| ۱۸۷ | پہلی آیت قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي | ۱۸۷ |
| " | دوسری آیت وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ | " |
| " | عَلَى الْغَيْبِ | " |
| " | دوسری آیت عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا | " |
| " | يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ | " |
| " | غیب کیا ہے اور کیا نہیں | " |
| " | نمبر اس شرح عقائد کا حوالہ | " |
| " | نواب صدیق حسن غیر مقلد کا حوالہ | " |
| " | ملا علی قاری وسعد الدین تفتازانی کا حوالہ | " |

| نمبر شمار | مضمون | نمبر شمار | مضمون |
|-----------|---------------------------------------|-----------|---------------------------------------------------|
| ۲۳۱ | { کا مالک۔ صرف اللہ تعالیٰ ہے | ۲۲۷ | { علامہ عبدالحی لکھنوی کا حوالہ |
| ۲۳۱ | قرآن سے ثبوت | ۲۲۵ | { فتاویٰ بزازیہ و بحر الرائق کا حوالہ |
| ۲۳۲ | پہلی اور دوسری آیت | ۲۲۶ | بحث مختار کل |
| ۲۳۲ | تیسری چوتھی آیت | ۲۲۷ | { قدرت کاملہ کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے |
| ۲۳۲ | اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا پہلی آیت | ۲۲۷ | { اللہ تعالیٰ ہی مختار کل ہے |
| ۲۳۲ | اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا | ۲۲۷ | { قرآن سے ثبوت |
| ۲۳۲ | اجالی بیان | ۲۲۷ | { پہلی آیت |
| ۲۳۲ | دوسری تیسری آیت | ۲۲۷ | { دوسری تیسری آیت |
| ۲۳۲ | معبودان باطل نفع نقصان | ۲۲۸ | { چوتھی پانچویں آیت |
| ۲۳۲ | کا اختیار نہیں رکھتے | ۲۲۹ | { چھٹی آیت |
| ۲۳۲ | غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فیصلہ | ۲۳۰ | { ساتویں آٹھویں نویں دسویں گیارہویں بارہویں آیت |
| ۲۳۲ | اللہ کی عبادت کی بنیاد | ۲۳۱ | { خلاصہ |
| ۲۳۲ | غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد | ۲۳۱ | { قدرت کاملہ اور کل اختیارات |

| نمبر شمار | عنوان | نمبر شمار | عنوان |
|-----------|-----------------------------------------------------------------|-----------|-------------------------------------------------------------------------------------|
| ۲۱۰ | { احادیث سے ثبوت کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے۔ | ۲۰۳ | علامہ جلال الدین سیوطی کا حوالہ |
| ۲۱۰ | { حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث | ۲۰۴ | بحث حاضر و ناظر |
| ۲۱۱ | { حضرت عبد اللہ بن معاویہ عامری کی حدیث | ۲۰۴ | حاضر و ناظر کا مفہوم |
| ۲۱۱ | { حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث | ۲۰۴ | { اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے ناموں میں حاضر و ناظر نام نہیں ہے لیکن شہید بصیر ہیں۔ |
| ۲۱۱ | { حضرت ابو ہریرہ کی حدیث | ۲۰۴ | { شہید و بصیر کا معنی المنجی سے صراح |
| ۲۱۲ | { حضرت نواسق بن سمعان کی حدیث | ۲۰۴ | { لغات القرآن کے حوالے |
| ۲۱۲ | { ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ و علت | ۲۰۴ | { حضرت ابو سعید خدری کی حدیث |
| ۲۱۵ | خلاصہ | ۲۰۴ | { تسکین الخواطر و جاء الحق کا حوالہ کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر نہیں۔ |
| ۲۱۶ | ایک مسلمہ اصول | ۲۰۴ | { قرآن سے اس بات کا ثبوت کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے |
| ۲۱۶ | { کتاب و سنت میں اس اصول کی رعایت | ۲۰۴ | { اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و موجود ہیں |
| ۲۱۸ | { نبی کریم کے لئے علم غیب یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ | ۲۰۴ | { اللہ تعالیٰ ناظر و بصیر ہے۔ |
| ۲۱۹ | { اللہ کی شان اور نبی کا مقام | ۲۰۸ | { اللہ تعالیٰ سمیع و قریب بلکہ اقرب ہے |
| ۲۲۲ | { شان خلاق و رزاقی | ۲۰۸ | { اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہیں |
| ۲۲۳ | { غیر رسول کے متعلق حکم | ۲۰۹ | { اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں۔ |
| ۲۲۴ | { فقہائے اسلام کے اقوال | ۲۰۹ | { اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں۔ |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|---------------------------------|-----------|------------------------------------------------|
| ۲۴۲ | یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا | ۲۶۱ | دعا |
| ۲۴۳ | ذاتی نہ، بلکہ عطائی خلاصہ | ۲۶۲ | شفاعت |
| ۲۴۴ | بحث نور و بشر | ۲۶۳ | بنی کریم کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ |
| ۲۴۵ | حضور کو بشر اور بھائی کہنا | ۲۶۴ | صبح و شام کا وظیفہ |
| ۲۴۶ | اپنے عقیدہ اور مسلک کی وضاحت | ۲۶۵ | دن بھر میں توبہ لار لار لا اللہ |
| ۲۴۷ | حضور اکرمؐ بشر تھے قرآن سے ثبوت | ۲۶۶ | گھر سے نکلتے وقت کا وظیفہ |
| ۲۴۸ | پہلی آیت | ۲۶۷ | ہر وقت کا وظیفہ |
| ۲۴۹ | دوسری تیسری چوتھی آیت | ۲۶۸ | اللہ کے سوا کوئی بھی نفع نقصان کا مالک نہیں |
| ۲۵۰ | پانچویں چھٹی آیت | ۲۶۹ | آثار صحابہ کرام و اقوال سلف |
| ۲۵۱ | سوال | ۲۷۰ | حجر اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب |
| ۲۵۲ | ساتویں آٹھویں آیت | ۲۷۱ | حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد |
| ۲۵۳ | نویں دسویں آیت | ۲۷۲ | کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں |
| ۲۵۴ | احادیث سے ثبوت | ۲۷۳ | مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے |
| ۲۵۵ | پہلی دوسری حدیث | ۲۷۴ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۵۶ | تیسری حدیث | ۲۷۵ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۵۷ | چوتھی حدیث | ۲۷۶ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۵۸ | ساتویں حدیث | ۲۷۷ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۵۹ | آٹھویں حدیث | ۲۷۸ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۶۰ | نویں حدیث | ۲۷۹ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۶۱ | دسویں حدیث | ۲۸۰ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۶۲ | ایک سو پہلی حدیث | ۲۸۱ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۶۳ | ایک سو دوسری حدیث | ۲۸۲ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۶۴ | ایک سو تیسری حدیث | ۲۸۳ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۶۵ | ایک سو چوتھی حدیث | ۲۸۴ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۶۶ | ایک سو پانچویں حدیث | ۲۸۵ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۶۷ | ایک سو چھٹی حدیث | ۲۸۶ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۶۸ | ایک سو ساتویں حدیث | ۲۸۷ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۶۹ | ایک سو آٹھویں حدیث | ۲۸۸ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۰ | ایک سو نویں حدیث | ۲۸۹ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۱ | ایک سو دسویں حدیث | ۲۹۰ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۷۲ | ایک سو ایک حدیث | ۲۹۱ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۷۳ | ایک سو دو حدیث | ۲۹۲ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۴ | ایک سو تین حدیث | ۲۹۳ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۵ | ایک سو چار حدیث | ۲۹۴ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۷۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۲۹۵ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۷۷ | ایک سو چھ حدیث | ۲۹۶ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۸ | ایک سو سات حدیث | ۲۹۷ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۷۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۲۹۸ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۸۰ | ایک سو نو حدیث | ۲۹۹ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۸۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۰۰ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۸۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۰۱ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۸۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۰۲ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۸۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۰۳ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۸۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۰۴ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۸۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۰۵ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۸۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۰۶ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۸۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۰۷ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۸۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۰۸ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۰۹ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۱۰ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۹۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۱۱ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۹۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۱۲ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۱۳ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۱۴ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۲۹۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۱۵ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۲۹۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۱۶ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۱۷ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۲۹۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۱۸ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۰۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۱۹ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۰۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۲۰ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۰۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۲۱ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۰۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۲۲ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۰۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۲۳ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۰۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۲۴ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۰۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۲۵ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۰۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۲۶ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۰۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۲۷ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۰۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۲۸ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۲۹ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۳۰ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۱۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۳۱ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۱۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۳۲ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۳۳ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۳۴ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۱۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۳۵ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۱۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۳۶ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۳۷ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۱۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۳۸ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۲۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۳۹ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۲۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۴۰ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۲۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۴۱ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۲۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۴۲ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۲۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۴۳ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۲۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۴۴ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۲۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۴۵ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۲۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۴۶ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۲۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۴۷ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۲۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۴۸ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۴۹ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۵۰ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۳۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۵۱ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۳۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۵۲ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۵۳ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۵۴ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۳۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۵۵ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۳۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۵۶ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۵۷ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۳۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۵۸ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۴۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۵۹ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۴۱ | ایک سو دس حدیث | ۳۶۰ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۴۲ | ایک سو ایک حدیث | ۳۶۱ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۴۳ | ایک سو دو حدیث | ۳۶۲ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۴۴ | ایک سو تین حدیث | ۳۶۳ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۴۵ | ایک سو چار حدیث | ۳۶۴ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۴۶ | ایک سو پانچ حدیث | ۳۶۵ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |
| ۳۴۷ | ایک سو چھ حدیث | ۳۶۶ | حضرت زبیرؓ کا واقعہ |
| ۳۴۸ | ایک سو سات حدیث | ۳۶۷ | غزوہ احد کا واقعہ |
| ۳۴۹ | ایک سو آٹھ حدیث | ۳۶۸ | حضرت علاء بن الحضرمیؓ کا واقعہ |
| ۳۵۰ | ایک سو نو حدیث | ۳۶۹ | حضرت عبداللہ بن ثواب ابو مسلم خولانیؓ کا واقعہ |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|------------------------------------------|-----------|--------------------------------------------------|
| ۲۵۰ | ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں | ۲۴۱ | اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مختار کل نہیں |
| ۲۵۱ | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی | ۲۴۲ | قرآن سے ثبوت |
| ۲۵۲ | مختار کل نہیں تھے | ۲۴۳ | پہلی آیت |
| ۲۵۳ | احادیث سے ثبوت | ۲۴۴ | دوسری تیسری چوتھی آیت |
| ۲۵۴ | پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے | ۲۴۵ | پانچویں آیت |
| ۲۵۵ | دوسری حدیث حضرت ابوامامہؓ سے | ۲۴۶ | تفسیر روح المعانی کا حوالہ |
| ۲۵۶ | اسعد بن زرارہ سے | ۲۴۷ | مختار کل صرف ایک اللہ ہے |
| ۲۵۷ | تیسری حدیث حضرت عائشہؓ سے | ۲۴۸ | باقی بے اختیار ہیں |
| ۲۵۸ | چوتھی حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے | ۲۴۹ | قرآن سے ثبوت |
| ۲۵۹ | پانچویں حدیث مشکوٰۃ شریف | ۲۵۰ | پہلی دوسری آیت |
| ۲۶۰ | کے حوالہ سے | ۲۵۱ | تیسری چوتھی پانچویں چھٹی آیت |
| ۲۶۱ | چھٹی حدیث حضرت انسؓ سے | ۲۵۲ | ساتویں آٹھویں نویں آیت |
| ۲۶۲ | ساتویں حدیث حضرت عائشہؓ سے | ۲۵۳ | دسویں آیت |
| ۲۶۳ | آٹھویں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم | ۲۵۴ | امام المرسلین سید الانبیاء بھی مختار کل نہیں تھے |
| ۲۶۴ | کی دعا | ۲۵۵ | پہلی دوسری آیت |
| ۲۶۵ | نویں حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے | ۲۵۶ | علامہ آلوسی کا بیان |
| ۲۶۶ | دسویں حدیث حضرت معاویہؓ سے | ۲۵۷ | امام نسفی کا حوالہ |
| ۲۶۷ | امام ابن تیمیہؒ کا حوالہ | ۲۵۸ | تیسری آیت |
| ۲۶۸ | گیارہویں حدیث حضرت جابرؓ سے | ۲۵۹ | اقلیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو |
| ۲۶۹ | بارہویں حدیث حضرت زبیرؓ سے | ۲۶۰ | |
| ۲۷۰ | | ۲۶۱ | |
| ۲۷۱ | | ۲۶۲ | |
| ۲۷۲ | | ۲۶۳ | |
| ۲۷۳ | | ۲۶۴ | |
| ۲۷۴ | | ۲۶۵ | |
| ۲۷۵ | | ۲۶۶ | |
| ۲۷۶ | | ۲۶۷ | |
| ۲۷۷ | | ۲۶۸ | |
| ۲۷۸ | | ۲۶۹ | |
| ۲۷۹ | | ۲۷۰ | |
| ۲۸۰ | | ۲۷۱ | |
| ۲۸۱ | | ۲۷۲ | |
| ۲۸۲ | | ۲۷۳ | |
| ۲۸۳ | | ۲۷۴ | |
| ۲۸۴ | | ۲۷۵ | |
| ۲۸۵ | | ۲۷۶ | |
| ۲۸۶ | | ۲۷۷ | |
| ۲۸۷ | | ۲۷۸ | |
| ۲۸۸ | | ۲۷۹ | |
| ۲۸۹ | | ۲۸۰ | |
| ۲۹۰ | | ۲۸۱ | |
| ۲۹۱ | | ۲۸۲ | |
| ۲۹۲ | | ۲۸۳ | |
| ۲۹۳ | | ۲۸۴ | |
| ۲۹۴ | | ۲۸۵ | |
| ۲۹۵ | | ۲۸۶ | |
| ۲۹۶ | | ۲۸۷ | |
| ۲۹۷ | | ۲۸۸ | |
| ۲۹۸ | | ۲۸۹ | |
| ۲۹۹ | | ۲۹۰ | |
| ۳۰۰ | | ۲۹۱ | |
| ۳۰۱ | | ۲۹۲ | |
| ۳۰۲ | | ۲۹۳ | |
| ۳۰۳ | | ۲۹۴ | |
| ۳۰۴ | | ۲۹۵ | |
| ۳۰۵ | | ۲۹۶ | |
| ۳۰۶ | | ۲۹۷ | |
| ۳۰۷ | | ۲۹۸ | |
| ۳۰۸ | | ۲۹۹ | |
| ۳۰۹ | | ۳۰۰ | |
| ۳۱۰ | | ۳۰۱ | |
| ۳۱۱ | | ۳۰۲ | |
| ۳۱۲ | | ۳۰۳ | |
| ۳۱۳ | | ۳۰۴ | |
| ۳۱۴ | | ۳۰۵ | |
| ۳۱۵ | | ۳۰۶ | |
| ۳۱۶ | | ۳۰۷ | |
| ۳۱۷ | | ۳۰۸ | |
| ۳۱۸ | | ۳۰۹ | |
| ۳۱۹ | | ۳۱۰ | |
| ۳۲۰ | | ۳۱۱ | |
| ۳۲۱ | | ۳۱۲ | |
| ۳۲۲ | | ۳۱۳ | |
| ۳۲۳ | | ۳۱۴ | |
| ۳۲۴ | | ۳۱۵ | |
| ۳۲۵ | | ۳۱۶ | |
| ۳۲۶ | | ۳۱۷ | |
| ۳۲۷ | | ۳۱۸ | |
| ۳۲۸ | | ۳۱۹ | |
| ۳۲۹ | | ۳۲۰ | |
| ۳۳۰ | | ۳۲۱ | |
| ۳۳۱ | | ۳۲۲ | |
| ۳۳۲ | | ۳۲۳ | |
| ۳۳۳ | | ۳۲۴ | |
| ۳۳۴ | | ۳۲۵ | |
| ۳۳۵ | | ۳۲۶ | |
| ۳۳۶ | | ۳۲۷ | |
| ۳۳۷ | | ۳۲۸ | |
| ۳۳۸ | | ۳۲۹ | |
| ۳۳۹ | | ۳۳۰ | |
| ۳۴۰ | | ۳۳۱ | |
| ۳۴۱ | | ۳۳۲ | |
| ۳۴۲ | | ۳۳۳ | |
| ۳۴۳ | | ۳۳۴ | |
| ۳۴۴ | | ۳۳۵ | |
| ۳۴۵ | | ۳۳۶ | |
| ۳۴۶ | | ۳۳۷ | |
| ۳۴۷ | | ۳۳۸ | |
| ۳۴۸ | | ۳۳۹ | |
| ۳۴۹ | | ۳۴۰ | |
| ۳۵۰ | | ۳۴۱ | |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|------------------------------------------|-----------|--------------------------------------------------------------------------|
| ۳۳۸ | غیر اللہ سے مدد مانگنا | ۳۳۰ | پانچویں صورت |
| " | ایاک نستعین کی تفسیر نعیم الدین صاحب سے | ۳۳۱ | نعرہ حیدری کی تقلید میں نعرہ رسالت نعرہ خوشیہ کا ایجاد کرنا |
| ۳۳۹ | اس کا رد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب | " | اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا وظیفہ پڑھنا۔ |
| " | علامہ خوہر سے اس کا رد | " | قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی کا حوالہ |
| ۳۴۲ | حجۃ اللہ البالغہ کا حوالہ | " | ارشاد الطالبین سے |
| " | بدور بازغہ کا حوالہ | " | مولانا مفتی عبدالرحیم راجپوری کا مضمون |
| " | حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب کا حوالہ | ۳۳۲ | فتاویٰ رحیمیہ سے |
| ۳۴۳ | حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کا حوالہ | " | سوال |
| " | بدور بازغہ کا حوالہ | " | جواب |
| ۳۴۴ | الفوز الکبیر کا حوالہ | " | پہلی حدیث |
| ۳۴۶ | موضع القرآن کا حوالہ | " | دوسری حدیث |
| ۳۴۷ | استعینوا بالصبر والصلوة کا مطلب | ۳۳۳ | دوسری حدیث |
| " | نبی اور ولی کو اختیارات حاصل نہیں | " | تفسیر حقانی کا حوالہ |
| ۳۴۸ | جناب پیر مہر علی شاہ صاحب | " | تیسری حدیث |
| " | گوڑ دی کا حوالہ | ۳۳۴ | الفتح الربانی کا حوالہ |
| ۳۴۹ | فریق مخالف کے دلائل کے جواب (تمت بالخیر) | " | فتوح الغیب کا حوالہ |
| " | | ۳۳۶ | فتاویٰ بزاز یہ کا حوالہ |
| " | | " | تفسیر عزیزی کا حوالہ |
| " | | " | انوار البہیہ کا حوالہ |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|-------------------------------------|-----------|-----------------------------------------------------------|
| ۲۹۴ | علامہ سعد الدین التفازانی کا ارشاد | ۲۹۶ | لفظ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق |
| " | علامہ کمال بن ابی شریف کا ارشاد | " | سوال |
| " | علامہ ابن ہمام کا حوالہ | " | جواب |
| ۳۲۳ | کتاب الشفاء کا حوالہ | ۳۰۰ | سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کو جھپٹ سمجھا۔ |
| " | صوفیاء کرام کے ارشادات | " | کی کوئی فوری بشری لباس اور بشری صورت میں دنیا میں آیا ہے۔ |
| " | محمد الف ثانی کا حوالہ | ۳۱۵ | قرآن حکیم میں آپ کی عبدیت کا اعلان |
| ۳۲۵ | جلال الدین رومی کا حوالہ | " | پہلی دوسری تیسری آیت |
| " | قصیدہ بردہ کا حوالہ | " | چوتھی پانچویں چھٹی ساتویں آٹھویں آیت |
| ۳۲۶ | حضور اقدس کے سایہ کی تحقیق | " | صحابہ کرام کے ارشادات |
| " | پہلی حدیث | ۳۲۸ | حضرت انس بن مالک کی روایت |
| " | دوسری حدیث | " | سیدنا علی کی شہادت |
| " | بحث یا رسول اللہ کہنا | ۳۱۸ | حضرت یراد بن عازب کی شہادت |
| " | یا رسول اللہ کہنے کی کئی صورتیں ہیں | " | علمائے مفسرین و محدثین کے ارشادات |
| " | اور سب کا حکم ایک نہیں | ۳۱۹ | علامہ آلوسی کا حوالہ |
| " | پہلی صورت | " | زرقانی کا حوالہ |
| ۳۲۹ | دوسری صورت | " | تفسیر ابن کثیر کا حوالہ |
| " | تیسری صورت | ۳۲۰ | علماء عقائد کے ارشادات |
| " | پہلی دوسری تیسری حدیث | " | |
| ۳۳۰ | چوتھی صورت | ۳۲۲ | |
| " | عبداللہ بن مسعود کا ارشاد | " | |

بریلوی فرقے کے بانی

مولانا مولوی احمد رضا خان بریلوی

مولانا احمد رضا خان بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل سنت والجماعت میں تفریق اور نفست کا بیج بویا ان کی پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن آئے مسلمانان ہند کا اعتماد ان محدثین دہلی (یعنی شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان) سے اٹھا دیا جائے اور دہلی کے اس علمی خاندان کو اس طرح بدنام کیا جائے کہ مسلمان پھر ایک جھنڈے کے نیچے کبھی جمع نہ ہو سکیں۔ انگریز ہندوستان میں تفریق ڈالو اور حکومت کر دو کی پالیسی لے کر آئے تھے اور ان کی کامیابی کا راز اسی تفرقہ بازی میں مضمر تھا۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے نہ صرف یہ کام کیا مولانا اسماعیل شہید کے خلاف رسالے لکھے، دہلی کے اس مرکز علمی کو بدنام کیا بلکہ تفریق بین المسلمین کے اس محاذ پر اپنی زندگی کے پچاس سال لگا دیئے۔ ملت اسلامی کا کوئی خیر خواہ اس پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے اپنی زندگی آخر کس کام پر لگائی۔ آپ کے ایک معتقد قاری احمد علی بھٹی سوانح العلی حضرت کے مقدمے (کلام اول) میں لکھتے،

مقدمہ

محترم ناظرین ہم یہاں پر بہت مختصر طور پر دیوبندی بریلوی اختلافات کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں کہ یہ اختلاف کیسے واقعہ ہوا اور کن کن باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ دیوبندیوں اور بریلویوں کا دعویٰ ایک ہے۔ دونوں اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت حنفی کہلاتے ہیں اور تصوف کے چاروں سلسلوں قادری چشتی نقشبندی سہروردی میں بیعت کرتے کرتے ہیں یہ دونوں فریق امام ابو حنیفہ کے مقلد بھی ہیں اور عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کو امام اور مقتدا مانتے ہیں۔ ہاں۔۔۔ نزدیک دیوبندیوں اور بریلویوں میں بنیادی طور پر تین اختلاف ہیں۔

(۱) کفر (۲) شرک (۳) بدعت

ان کی تفصیلات کو اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے اس کتاب کے تین حصے ہی بنائے ہیں۔ پہلے حصہ میں کفر کی بحث دو سکر میں شرک اور تیسرے حصہ میں بدعت کی بحث کی ہے۔

اختلاف کہاں سے شروع ہوا۔ والجماعت حنفی چلے آ رہے تھے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ برصغیر میں شیعہ سنی اختلاف تو کافی عرصہ کا تھا مگر اہلسنت کا آپس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۲۷ھ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۶ھ، امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۰۶ھ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۳ھ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۰ھ شاہ عبدالغنی المتوفی ۱۲۲۶ھ

” ۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں نے قلم اٹھایا، کثرت سے کتابیں لکھیں، فتوے صادر کئے، حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیر علماء حرمین شریفین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حاکم الحرمین کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ مولانا احمد رضا خاں پچاس سال مسلسل اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے، بریلوی اور دیوبندی۔ دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تسخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت ص ۷)

مولانا احمد رضا نے تفریق بین المسلمین کے سلسلہ میں تقریباً اپنے علاوہ ہر مسلمان کی توہین و تکفیر کی۔

محدثین دہلی کے نقشبندی سلسلے پر عتاب اور مجدد الف ثانی کی توہین

محدثین دہلی کا بیعت و ارشاد کا سلسلہ زیادہ تر نقشبندی تھا۔ مشائخ نقشبندی شرک و بدعت کے سخت خلاف تھے اس لئے مولوی احمد رضا خاں کو نقشبندی سلسلے کے بزرگ حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی (۱۵۳۵ھ) سے کچھ کدسی تھی، انہوں نے جہاں کہیں آپ کا ذکر کیا ہے کہیں آپ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں لکھا وہ انہیں اپنے بزرگوں میں ہی تسلیم نہیں کرتے، ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

”کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحیح (صحیح ہوش) سے بتایا، خدا کے فرمانے

۱۔ ۱۲۹۷ھ سے ۱۳۴۰ھ تک ۴۳ سال بنتے ہیں معلوم ہوتا ہے یہ قاری جی حساب نہیں جانتے تھے۔
۲۔ گویا مجدد الف ثانی آپ کے کچھ نہیں لگتے وہ جس کے ہیں وہ ان کو جانے۔

سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو زبانی دعوے کیے ہیں ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سکر (نشہ) ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہ سے ہوتی ہیں، ناواقفی یا سکر سکر تو یہی ہے“

مولانا احمد رضا خان پھر بڑے طنز سے انھیں خاندان دہلی کا بڑا لکھتے ہیں:
تمام خاندان دہلی کے آقا مئے نعمت

اس انداز کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولوی احمد رضا خان صرف مولانا اسماعیل شہید کے ہی خلاف نہ تھے۔ پورا خاندان دہلی ان کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا وہ ان کو ہی نہیں ان کے سب پیران و مشائخ کو بھی غیر آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پورے خاندان سے علم و معرفت کے چشمے جاری تھے توحید و سنت کی حمایت میں ان کا نقطہ نظر ایک سا تھا۔ ان کی فکر و نظر میں سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت کا بیج مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی نے ہی بویا ہوا تھا اور یہی نقشبندی شیوخ تھے جو ہندوستان میں شریعت کے چشمہ صافی کے گرد پہرہ دے رہے تھے اور ایک ایک بدعت کا انکار کر رہے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں کو اس لحاظ سے حضرت مجدد الف ثانی کی شخصیت سے کوئی عقیدت نہ تھی اور یہ حق ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان اکابر دہلی کی مخالفت سے سنت کی خدمت نہیں کی بدعت کو فروغ دیا ہے۔

فقہ اور حدیث میں کھرے کھوٹے کی پہچان اور کتاب و سنت کی صحیح تعبیر ان دنوں

۱۔ کیا حضرت مجدد الف ثانی کے دعوے صرف زبانی جمع خرق تھے اور کیا سب بے ہوشی کا نتیجہ تھے (معاذ اللہ) حضرت کی شان میں کس قدر گستاخی ہے۔

۲۔ ملفوظات مولوی احمد رضا خاں حصہ سوم ص ۷۷ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ

۳۔ المکتبہ الشہابیہ ص ۷۶ مکتبہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ

ہندوستان میں ان محدثین دہلی سے وابستہ تھی۔ اس خاندان کی مخالفت شاہراہ اسلام سے بغاوت اور انتشار کی طرف ایک نیا قدم تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور احمد رضا

بریلوی حضرات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بہت ذکر کیا کرتے ہیں اور ان کی مشہور کتاب مدارج النبوت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر انہوں نے لکھی ہے اس کے اکثر حوالہ دیتے ہیں مگر ان کے اعلیٰ حضرت مدارج النبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں وہ ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔

بریلوی حضرت ایک حدیث رسولؐ پیش کیا کرتے ہیں جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔
 اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورِيَّ اللهُ تَعَالَى نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا
 بریلوی حضرات اس حدیث سے حضور اکرمؐ کا نور ہونا ثابت کرتے ہیں۔ علمائے دیوبند اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں بریلویوں کو چاہیئے کہ اس کی سند بیان کریں یہ حدیث کس صحابیؓ نے حضور اکرمؐ سے سنی ہے اور کس محدث نے اس کو اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جب تک اس کی سند کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے استدلال درست نہیں۔
 بریلویوں پر لازم ہے کہ اس بات کا ثبوت پیش کریں کہ یہ روایت حدیث کی فلاں کتاب میں فلاں محدث نے اپنی سند سے نقل کی ہے۔ تاکہ اس کی سند چیک کی جائے۔ مگر آج تک کوئی مائی کالال بریلوی علماء میں سے اس بات کو پورا نہ کر سکا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحق نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ اسکی کچھ اصل ہے۔

علماء دیوبند یہ جواب دیتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا یہ کہنا درست نہیں کیونکہ جب تک اس کی سند معلوم نہ ہو تو کسی طرح بھی شیخ عبدالحق کی بات درست نہیں ہو سکتی شیخ عبدالحق کا ادب و احترام اپنی جگہ پر مگر ایک بے سند روایت کے متعلق بلا تحقیق یہ حکم لگانا بالکل غلط

ہے۔ بریلوی کہتے ہیں کہ دیکھو علمائے دیوبند شیخ کی بات تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں ہم بھی صرف ایک حوالہ ذکر کرتے ہیں جس میں اعلیٰ حضرت نے اس کا رد کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے استاذ حدیث اور مدارج النبوت کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں مولانا احمد رضا نقل کرتے ہیں

تنبیہ: بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوت میں ہے۔ واللہ در حرمین شریفین متعارف ست کہ چون خبر می رسد کہ فلاں مرد صالح در بلدے از بلاد اسلام فوت کرده است شافعیہ نماز بروئے میکنند و بعضے حنفیہ با ایشان شریک می شوند از قاضی علی بن جواد اللہ کہ شیخ حدیث این فقیر بود پر سیدہ شد کہ حنفیہ چون شریک می شوند در گزاردن این نماز گفت دعائے است کہ میکنند فلاں باس۔

(نوٹ اس فارسی عبارت کا ترجمہ عوام کے فائدہ کے لئے ہم مدارج النبوت اردو۔ مترجم الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی بریلوی نقل کرتے ہیں۔)

آج بھی حرمین شریفین زادہا اللہ تعظیما و تشریف میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہو گیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں قاضی علی بن جواد اللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوت کے شیخ حدیث ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مدارج النبوت اردو ص ۶۳۸ مطبوعہ کراچی) اس عبارت کا رد کرتے ہوئے احمد رضا صاحب لکھتے ہیں۔

تمام نصوص صریحہ کتب معتدہ و اجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل کیا رھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہوئے شرم چاہیئے تھی۔ کچھ آگے چل کر نقل کرتے ہیں پھر جسے ادنیٰ لیاقت اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذہب کے خلاف اس کی بات کیا قابل التفات۔

پر نقل کرتے ہیں اجماع آئمہ مذاہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی سخت جہالت شدیدہ ہے شک نہیں کہ قاضی مدوح گیارہویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم سے لغزش بھی ہوتی ہے۔ پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔

۳۵ پر لکھتے ہیں خدا را انصاف فرمایدوں ز من کردیکھئے کہ کتب مذہب میں جواز نماز غائب تکرار جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں اور ایک قاضی مدوح نہیں ان جیسے دوسو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتب مذہب کے مقابل ان دوسو سے سند لاتا تو دیکھئے کہ یہ حضرات کس قدر غل مچاتے اچھل اچھل پڑتے کہ دیکھو کتب مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارہویں کے دو قاضیوں کی سند دیتا ہے ہم ان کی مانیں یا کتب مذہب کو حق جانیں اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام آئمہ مذہب کا اجماع تمام کتب مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق اور تنہا قاضی مدوح کو تقلید کا استحقاق اس ظلم صریح و جہل قبیح کی کوئی حد ہے مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا۔ الغریق یتشبہت بالخشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے۔ و باللہ العزیز۔ مدارج النبوت نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے۔ (الہادی الحاجب ص ۳۳ ص ۳۴ مطبوعہ بزم فکر و عمل کراچی)

شاہ اسماعیل شہید اور مولانا احمد رضا خان بریلوی

شاہ اسماعیل شہید المتوفی ۱۲۶۱ھ کے مخالف لوگوں میں علامہ فضل حق خیر آبادی، فضل رسول بدایونی، عبدالقادر بدایونی مولانا تقی علی خان (ولد ماجد مولانا احمد رضا) کے بعد مولانا احمد رضا کا نمبر آتا ہے مولانا احمد رضا نے شاہ اسماعیل شہید کے خلاف بہت

لے ہم نے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ احمد رضا نے شاہ اسماعیل شہید کی مخالفت کی ہے اور ہمارے خیال میں جتنی مخالفت شاہ صاحب کی ہے کسی اور کی نہیں کی ہوگی شاہ صاحب کے متعلق احمد رضا کی تحریرات میں تضاد پائے جاتے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں عبارات اکابر ص ۱۰۹ تا ۱۰۹)

یہ فتوے دیئے اور کئی رسالے بھی لکھے جن میں سے الکوئبتہ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ اور سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ معروف بہ کفریات بابائے وہابیہ بحسب السوج عن عیب کذب مقبوح وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور فتاویٰ رضویہ، ملفوظات: عرفان شریعت، احکام شریعت اور اپنی دیگر تصانیف میں شاہ صاحب کا رد کیا ہے صرف الکوئبتہ الشہابیہ ہی میں ستر کفریات نقل کئے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں یہ بطور نمونہ طائفہ عائضہ اور اس کے امام کے کفری اقوال اور ان پر کتب آئمہ دین سے احکام کفر و اشد الضلال تھے جن کا شمار بظاہر ستر کفریات تک پہنچا اور حقیقتہً دیکھئے تو بے شمار ہیں کہ سات سے گیارہ تک پانچ کفریوں کے کلمات میں ہر کلمہ صد ہزار کفریہ کا خمیرہ ہے یہ ہیں کفریہ ۲۳ و ۲۹ بھی مجمع کفریات کثیرہ یہ ستر کیا ان میں سے جس ایک کو چاہیئے ستر کر دیکھائیے تو اب ان کفریات کو ستر کہیئے خواہ ستر ہزار کفریات ٹھہرائیئے (الکوئبتہ الشہابیہ ص ۵۸ مطبوعہ مکتبہ رضا مئے مصطفیٰ دار السلام گوجرانوالہ) ناظرین ہم یہاں پر صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ پر ہم یک روزی کے مقدمہ میں مفصل بحث کریں گے انشاء اللہ۔ اور کافی کتابیں اس مسئلہ پر پہلے آپ کی ہیں مثلاً (شاہ اسماعیل شہید) اور (نماز کا مقام توحید) از علامہ خالد محمود صاحب (شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات) از مولانا محمد منظور نعمانی۔ شاہ اسماعیل از عبداللہ بٹ۔ حیات طیبہ مرزا حیرت دہلوی غیر مقلد سید احمد شہید جماعت مجاہدین۔ سرگزشت مجاہدین۔ غلام رسول مہر اللہ بیان فی تائید تقویۃ الایمان عزیز الدین مراد آبادی غیر مقلد۔ شاہ اسماعیل شہید اور ان کے ناقدین مولانا اخلاق حسین دہلوی، شاہ اسماعیل شہید نسیم فریدی صاحب اللجنة للاهل السنة از مولانا عبدالغنی خان عبارات اکابر حصہ اول شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی مرتب سعید الرحمن علوی وغیرہ۔

(۲) شمس الاسلام فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

(۳) امام المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری

(۴) حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر

(۱) مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتاب حسام الحرمین کے ص ۲ پر مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہی اور ص ۲ پر مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا نام لئے بغیر ان کے متعلق لکھا ہے (گنگوہی کے دم چھلے ہیں کہ اس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ) اور ص ۲ پر مولانا اشرف علی تھانویؒ کے متعلق لکھا ہے۔

(اس فرقہ وہابیہ شیطانیہ کے بڑوں میں ایک اور شخص اسی گنگوہی کے دم چھلے میں ہے جسے اشرف علی تھانویؒ کہتے ہیں) ان چاروں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں ص ۳ پر لکھا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں (حسام الحرمین مترجم ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

اسی ص ۳ پر کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں۔

جوان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔

(۲) ایسے ہی وہابی دیوبندی نیچری چکڑالوی جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہاں میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی یا مرتد انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا خالص ہوگا اور اولاد ولد الزنا (ملفوظات حصہ دوم ص ۱۵۱ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ گوجرانوالہ)

(۳) آج کل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے

ہیں حکم دینا میں سب سے بدتر مرتد ہے۔ اس سے جز یہ نہیں لیا جاسکتا اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب ہوں یا مخالف مذہب غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا۔ محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو یا عورت۔ مرتدوں میں سب سے بدتر مرتد منافق ہے۔

یہی ہے وہ کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے۔

علمائے دیوبند

(مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ۔ مولانا اشرف تھانویؒ) اور

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے شوق تکفیر کو پورا کرنے کے لئے موصوف الصدور بزرگان ملت واساطین امت کو منتخب کیا چنانچہ زندگی بھر وہ خود اور اس کے بعد آج تک ان کی پارٹی مذکورہ بالا بزرگان دین کی تکفیر سازی و بدزبانی میں مصروف ہو کر اپنے نام اعمال کی سیاہی اور ان حضرات کے مراتب و حسنات میں اضافہ کر رہی ہے خانصاحب بریلوی نے مذکورہ بالا بزرگان ملت محافظین سنت شریعت کی جانب اپنے دماغ و ذہن کئے نکالے ہوئے ایسے ایسے گندے و ناپاک عقیدے منسوب کئے جن کی نقل سے بھی ایمانی روح کا پتی و اسلامی شرافت سرنگوں ہو جاتی ہے اس فرضی و دماغی عقیدوں کی بناء پر احمد رضا نے یہ فتویٰ دیا کہ معاذ اللہ یہ مقدس حضرات سب کے سب ایسے قطعی و یقینی کافر و مرتد ہیں کہ جوان کے کفر و ارتداد میں شک کرے یا ان کو اچھا جلنے تو وہ بھی کافر و جہنمی ہے آگے آپ اصل حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں گے۔

اکابر علمائے دیوبند کی تکفیر

یعنی

(۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہل سنت و جماعت کہتے۔ حنفی بننے چستی نقشبندی بننے نماز روزہ ہمارا سا کرتے ہماری کتابیں پڑھتے پڑھتے اور اللہ و رسول کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہ سب بدتر زہر قاتل ہیں۔

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۳ مدینہ پیشنگ کمپنی کراچی)

(۴) مولانا احمد رضا خان بریلوی ذبیحہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے دیوبندیوں کو مرتد قرار دیتے ہیں ہم یہاں پر سوال جواب دونوں نقل کرتے ہیں۔

مسئلہ ۲۷: ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

پھر ان دین و مفتیان شرح متین کیا فرماتے ہیں کہ ذبیحہ رافضی وہابی اور قادیانی کا جائز ہے یا نہیں جب کہ بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے؟ اور کافر اہل کتاب عیسائی۔ یہودی کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے جب کہ وہ بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں اور مسلمان عورت بھی ذبح کر سکتی ہے یا نہیں جب کہ کوئی مرد مکان میں نہ ہو؟ بیوا تو جردا۔

الجواب: عورت کا ذبیحہ جائز ہے جب کہ ذبح صحیح طور پر کر سکے۔ یہودی کا ذبیحہ حلال ہے جب کہ نام الہی عزوجل لے کر ذبح کرے۔ یونہی اگر کوئی واقعی نصرانی ہو نہ نیچری دہریہ جیسے آج کل کے عام نصاریٰ ہیں کہ نیچر کلمہ گو مدعی اسلام کا ذبیحہ تو مراد ہے نہ کہ مدعی نصرانیت کا۔ رافضی تہرائی۔ وہابی دیوبندی۔ وہابی غیر مقلد، قادیانی، چکڑالوی، نیچری ان سب کے ذبیحے محض نجس و مراد حرام قطعی ہیں اگرچہ لاکھ بار نام الہی لیں اور کیسے ہی متقی پرہیزگار بننے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں ولہذا ذبیحۃ المرتد ہاں غیر تہرائی یعنی تفضیلیہ کا ذبیحہ حلال ہے جبکہ ضروریات دین سے نہ کسی شے کا خود منکر ہونہ اس کے منکر رافضی وغیرہ کو مسلمان جانتا ہو واللہ تعالیٰ اعلم،

(احکام شریعت ص ۱۲۳ حصہ اول)

(۵) احکام دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہے اور مرتدوں میں سب سے خبیث تر مرتد منافق رافضی وہابی۔ قادیانی، نیچری۔ چکڑالوی کہ کلمہ پڑھتے۔ اپنے آپ کو مسلمان کہتے نماز وغیرہ افعال اسلام

بظاہر بجالاتے۔ بلکہ وہابی وغیرہ قرآن و حدیث کا درس دیتے اپنے اور دیوبندی کتب فقہ کے لٹنے میں بھی شریک ہوتے بلکہ چستی، نقشبندی وغیرہ بن کر پیری مریدی کرتے۔ اور علماء و مشائخ کی نقل اتارتے اور باہین ہمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتے یا ضروریات دین سے کسی شے کا انکار رکھتے ہیں۔ ان کی اس کلمہ گوئی و ادعا نے اسلام اور افعال و اقوال میں مسلمانوں کی نقل اتارنے ہی نے ان کو اجبٹ و افراد ہر کافر اصلی، یہودی، نصرانی، بت پرست، مجوسی، سب سے بدتر ٹھہرایا کہ یہ اگر پیٹھے دیکھ کر اُلٹے، واقف ہو کر اوندھے۔

(احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۳)

(۶) عرض اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیے۔

ارشاد۔ میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے ہم منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں البتہ غلام احمد۔ سید احمد، خلیل احمد، رشید احمد، اشرف علی کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر من شد فی کفرہ دَعَاہِمْ فَقَدْ کَفَر۔

(ملفوظات حصہ اول ص ۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ جلیل ٹاؤن گوجرانوالہ)

(۷) احمد رضا خان بریلوی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی کا نام ذکر کرنے کے بعد آگے لکھتے ہیں۔

یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ من شد فی کفرہ دَعَاہِمْ فَقَدْ کَفَر جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر نہ کہ ان کو پیشوا اور سر تاج اہل سنت جانتا بلاشبہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی و بد مذہب نہیں قطعاً کافر و مرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاویٰ الحرمین سے مقبول ہوئیں مورد ہے بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اور اس سے اپنے سے دور کرنا اس سے نفی کرنا حرام۔ اس کے پاس بیٹھنا حرام۔ اس کے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص اور بہار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا

اس کے جنازہ کی مشایعت حرام۔ اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عرفان شریعت حصہ دوم ص ۵۹ مسئلہ ۲۴ مطبوعہ نذیر سنز پبلشرز لاہور) احمد رضا نے یہاں پر بارہ دفعہ لفظ حرام کی گردان کی ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی کی تکفیر کی وجہ | مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند المتوفی ۱۲۹۶ھ لکھی تھی اس کی وجہ تالیف کیا بنی تھی وہ ہم یہاں پر ذکر کرتے ہیں۔

تخذیر الناس کی وجہ تالیف | مولانا محمد احسن بریلی میں علوم اسلامی کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے تھے مولانا کے مطبع صدیقی سے اسلامی تبلیغی لٹریچر خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے علوم و افکار کی خوب نشر و اشاعت ہو رہی تھی۔ مولانا بریلی کالج کے علاوہ طلباء کو گھر پر بھی درس دیتے تھے تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم تھا۔ مدرسہ مصباح التہذیب بریلی کے ذریعہ اسلامی علوم و فنون کی تعلیم جاری تھی مولانا محمد احسن کی یہ علمی و مذہبی خدمات بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بعض علماء کو ناگوار ہوئیں جن میں مولوی نقی علی خاں بریلوی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ صورت

ہوئی کہ ۱۲۸۸ھ میں شیخوپور ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناع نظیر پر مولانا عبدالقادر ایونی (المتوفی ۱۳۱۹ھ) اور شمس العلماء امیر احمد ہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا۔

اے مولوی نقی علی خان بن مولوی رضا علی خان بھڑیچ ۱۲۷۶ھ میں بریلی میں پیدا ہوئے ۱۲۹۷ھ میں شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے یہ عمر کا آخری زمانہ تھا ۱۳۹۶ھ انتقال ہوا۔ مولوی نقی علی خان کی تالیفات میں سرور القلوب فی ذکر المحبوب اور جوابہ البیان اسرار الارکان مشہور ہیں (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۳)

مولوی محمد نذیر ہسوانی (المتوفی ۱۲۹۹ھ) نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب "مناظرہ احمدیہ" کے نام سے طبع کردی تحریرات مناظرہ میں اثر ابن عباسؓ "ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کا آدمکم و نوح کنو حکم و ابراہیم کا براہیمکم و موسیٰ کمو شکم و عیسیٰ کعیسکم و نبی کنبیکم" بھی زیر بحث آیا مرتب رسالہ مولوی محمد نذیر ہسوانی نے آخر کتاب میں ایک جملہ یہ بھی لکھ دیا ہے

مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباسؓ) کے معقد ہیں اور اسی مضمون پر ان کی مہر ثبت ہے اور اسی کے علمائے دین قائل اور معتقد ہیں۔

صحت اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی نے ایک فتویٰ مرتب کیا تھا جس پر مفتی سعد اللہ مراد آبادی کی تصدیق تھی مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی نے اس فتویٰ پر مولانا محمد احسن سے بھی تصدیق و تصویب کے لئے مہر کرائی تھی اس کا حوالہ محمد نذیر ہسوانی نے مندرجہ بالا اقتباس میں دیا ہے۔

محمد نذیر ہسوانی کے نقل کردہ اقتباس پر مولانا محمد احسن کی تکفیر کی گئی۔ رجب ۱۲۹۰ھ میں مدرسہ مصباح التہذیب ختم ہو گیا۔ مخالفت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ نماز عید الفطر (شوال ۱۲۹۰ھ) کے موقع پر مولوی نقی علی خان نے عید گاہ میں مولانا محمد احسن کے نماز پڑھانے کو بھی پسند نہیں کیا اگرچہ مولانا محمد احسن ایک مدت سے عیدین کی امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے مولانا محمد احسن نے اس صورت حال کو دیکھ کر درج ذیل تحریر لکھنی ضروری سمجھی۔

اگر سید احمد شاہ صاحب نماز عید گاہ میں پڑھاویں گے تو کسی طرح کا نزاع اور تکرار پیش نہ ہوگا۔ نہ ہماری طرف سے نہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اور در صورت نہ ہونے

یا انکار کرنے سید صاحب کے قاضی غلام حمزہ صاحب کا امام ہونا مناسب ہے اس پر بھی کچھ تکرار نہ ہوگی اگر انہوں نے بھی قبول نہ کیا تو ہم کو کچھ بحث نہیں کسی کی امامت سے ہماری طرف سے نزاع نہ ہوگی۔ مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو پھر مولانا محمد احسن نے مولوی نقی علی خان کو عید گاہ سے یہ پیغام بھیجوا دیا کہ لے

”میں نماز پڑھنے کو آیا ہوں پڑھانا نہیں چاہتا آپ تشریف لائے جے چاہیے امام کیجئے میں اس کا اقتدار کروں گا۔“

مگر عید گاہ میں نماز مولانا محمد احسن ہی نے پڑھائی۔ دوسرے لوگوں نے مولوی نقی علی خان کے اقتدار میں حین باغ (بریلی) میں نماز عید ادا کی۔ نماز عید کے بعد مولوی نقی علی خان نے اثر ابن عباسؓ کی صحت تسلیم کرنے کی وجہ سے مولانا محمد احسن کی تکفیر کی مولانا محمد احسن نے آخر میں مولوی نقی علی خان کے ایک ساتھی رحمت حسین کو یہ لکھا لے

”جناب مخدوم دمکم بندہ دمام مجدہم۔ پس از سلام مسنون التماس یہ ہے کہ واقع میں جواب سلسلہ مولوی نقی علی خان صاحب میری تحریر کے مطابق ہے میں نے یہ جواب اس جواب کا خلاصہ لکھا تھا جو مولوی عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا تھا اور اس پر تصدیق مفتی سعد اللہ صاحب کی بھی ہے۔ اور مطبع علوی علی بخش خاں (لکھنؤ) میں چھپا ہے اور زبانی سامنے شاہ نظام حسین صاحب کے میں نے یہ اقرار کیا کہ مجھ کو اس تحریر پر پابندی نہیں جس وقت علماء کے اقوال باکتب مستندہ سے آئیں غلطی ثابت ہوگی میں فوراً اس کو مان لوں گا مگر مولوی صاحب نے براہِ مسافر نوازی کوئی غلطی تو ثابت نہ کی اور نہ مجھ کو اس کی اطلاع دی بلکہ اول ہی کفر کا حکم شائع فرمایا اور تمام بریلی میں لوگ اس طرح کہتے پھرے خیر میں نے خدا کے حوالے کیا اگر اس تحریر سے میں عند اللہ کافر ہوں خدا تعالیٰ قبول کرے زیادہ نیاز۔۔۔۔۔ عاصی محمد احسن عفی عنہ۔“

مولوی نقی علی خان اس تحریر سے بھی مطمئن نہ ہوئے ان کی رائے میں اثر ابن عباسؓ کی صحت قبول کرنے کے بعد مولانا محمد احسن منکر خاتم النبیین ٹھہرتے تھے اس نے مولوی نقی علی خان نے رام پور سے ایک فتویٰ منگوا دیا جس کی رو سے مولانا محمد احسن کی تکفیر مشہور کی گئی لے اس کے بعد مولانا محمد احسن نے اپنی صفائی بہ اشتہار ذیل پیش کی لے

”عید الفطر کے روز چرچا ہو رہا تھا کہ مولوی نقی علی خان صاحب نے ایک استفتاء نام پور سے منگوا دیا ہے جس کی رو سے میری تکفیر مشہور کی وہ استفتاء میری نظر سے بالتفصیل نہیں گزرا بعد تشریف آوری مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب کے اس کی نقل میں نے مفصل دیکھی اور اس عقیدہ والے کی تکفیر پر میں بھی علماء کے ساتھ متفق ہوں یعنی جو شخص خاتم النبیین سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے کو جانے اور آپ کی نبوت کو مخصوص کسی طبقے کے ساتھ مانے وہ شخص میرے نزدیک بھی خارج از دائرہ اسلام اور کافر ہے لہذا برنظر دور کرنے منظرہ عوام کے یہ اشتہار دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا نہ کوئی نبی خاتم النبیین ہوا نہ ہوگا پس خلاف اس عقیدہ کے غیر صحیح اور غلط تصور کیا جائے۔“ المشتہر محمد احسن صدیقی۔“

مولانا محمد احسن نے مندرجہ ذیل استفتاء اثر ابن عباسؓ کے متعلق مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی کو بھیجا لے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے بتبع ایک عالم کے جس کی تصدیق ایک مفتی مسلمین نے بھی کی تھی دربارہ قول ابن عباسؓ جو درنثور وغیرہ میں ہے ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کا آدم مکہ و نوح کنو حکم و ابراہیم کا ابراہیمکم و عیسیٰ کہیک و دنی کنیکم کے یہ عبارت تحریر کی میرا یہ عقیدہ ہے کہ حدیث مذکور صحیح اور معتبر ہے اور

زمین کے طبقات جدا ہیں اور ہر طبقہ میں مخلوق الہی ہے اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگرچہ ایک ایک خاتم کا ہونا طبقات باقیہ میں ثابت ہوتا ہے۔ مگر اس کا مثل ہونا ہمارے خاتم النبیین کے ثابت نہیں اور نہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ خاتم ماثل آنحضرتؐ کے ہوں اس لئے کہ اولاد آدم جس کا ذکر لقد کرمنا بنی آدم میں ہے اور سب مخلوقات سے افضل ہے تو بلاشبہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہوئے پس دوسرے طبقات کے خاتم جو مخلوقات میں داخل ہیں آپ کے ماثل کسی طرح نہیں ہو سکتے انتہی اور باوجود اس تحریر کے مزید یہ کہتا ہے کہ اگر شرع سے اس کے خلاف ثابت ہو گا تو میں اس کو مان لوں گا میرا اصرار اس تحریر پر نہیں پس علماء شرع سے استفسار یہ ہے کہ الفاظ حدیث ان معنوں کے متحمل ہیں یا نہیں اور زید بوجہ اس تحریر کے کافر یا فاسق یا خارج اہل سنت والجماعت سے ہو گیا یا نہیں بینود تو جرو۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کے جواب میں ایک مکمل رسالہ تحذیر الناس تحریر فرمایا۔ تحذیر الناس کے آخر میں مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی کا جواب بھی شامل ہے اور اس پر مفتی محمد نعیم کی بھی تصویب ہے۔

مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی (ف ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء) نے اس موضوع پر (۱) ذرا الناس علی انکار اثر ابن عباس (۲) آیات البینات علی وجود الانبیاء فی الطبقات (۳) دافع الوسواس فی اثر ابن عباس تین متقات رسالے لکھے ہیں آخر الذکر رسالہ ہمارے پیش نظر ہے یہ رسالہ مولانا عبدالحیٰ نے کشف الالتباس فی اثر ابن عباس کے رد میں لکھا ہے اس موضوع پر مولانا عبدالحیٰ فرنگی کے مجموعۃ الفتاویٰ جلد اول میں تین فتوے بھی شامل ہیں جن پر مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی کے علاوہ دوسرے علماء مفتی محمد سعید اللہ محمد لطف اللہ، محمد نعیم، محمد ابراہیم بن مولوی علی محمد، مولوی محمد عبد اللہ حسینی، ابوالخیر محمد معین الدین، مولوی امیر احمد ہسوانی، مولوی محمد حسین حفیظ اللہ، شریف حسین، محمد عبد العلی، محمد عبد العزیز شہاب الدین

لے مقدمہ عمدۃ الرعاہ فی حل شرح الوقاہ از مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی ص ۲۹-۳۲ (مطبع یونی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

لے دافع الوسواس فی اثر ابن عباس از مولانا عبدالحیٰ ص ۲ (مطبع علوی لکھنؤ ۱۹۲۲ء)

غزنوی، عبد الغفور لاہوری اور محمد عبد الغفار ٹونکی کی تصدیق و تصویب موجود ہیں اس مسئلہ کی تائید میں ایک رسالہ نصر المؤمنین فی رد قول الجاہلین بھی لکھا گیا مگر اس کی تفصیل معلوم نہ ہو سکی ہے۔ تحذیر الناس پہلی بار ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تحذیر الناس کے تیس سال بعد ۱۳۲۰ھ میں مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے ۲۳ سال بعد کتاب المقصد المنتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں تحذیر الناس کے تین مقام سے عبارتیں لے کر اور ان کو آگے پیچھے کر کے کفر کا فتویٰ لگا۔ تفصیل اصل کتاب کے حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

احمد رضا نے مولانا رشید احمد
مولانا رشید احمد گنگوہی کی تکفیر کی وجہ
گنگوہی پر الزام لگایا ہے کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بوتا ہے اس کے ثبوت میں وہ کہتا ہے کہ گنگوہی نے ایک فتویٰ دیا ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے حالانکہ یہ بات صریح جھوٹ ہے۔ حضرت کی کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ملتا اور حضرت کے فتاویٰ کا مجموعہ فتاویٰ رشیدیہ میں کوئی فتاویٰ ایسا نہیں ہے بلکہ اس عقیدہ کا حضرت نے رد کیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں آپ پڑھیں گے۔

مولانا خلیل احمد نے ایک
مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی تکفیر کی وجہ
اس کتاب مولانا عبد السمیع رامپوری
کے جواب میں لکھی تھی جس کا نام ۱۰ براہین القاطعہ علی ظلام الانوار الشاطعہ الملقب بالذلیل الواضحة علی کراہۃ المروج من المولود والفاطمہ ہے یہ کتاب کیوں لکھی گئی اس کا مختصر سا ذکر ہم یہاں

لے مجموعۃ الفتاویٰ از مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی جلد اول ص ۱۰۱-۱۱۲ ص ۹۹ ص ۱۴۱-۱۴۵

لے تنبیہ الجہال ص ۵۱۔

پر کرتے ہیں۔

ابراہین القاطعہ کی وجہ تالیف

مولانا عبدالسمیع رامپوری لکھتے ہیں۔

تھاب چودھوی شروع ہو دیکھے کیا قیامت ہو دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو ان ایام میں دہلی کے تین نفر اور چند علماء دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی جن توجہ سے اور مطبع خاص ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پر چھپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا ہے حاصل نتیجہ اس کا یہ ہے کہ محفل مولد شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گناہ ہے اور اسی طرح اموات کا فاتحہ در در جو ہندوستان میں رائج ہیں یہ سب خراب و تباہ ہے کچھ دن اس پر نہ گزرے تھے کہ ایک فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ مطبع ہاشمی میں چھپ کر در بدر پھرنے لگا۔

(انوار الساطعہ مدرجہ براہین القاطعہ ص ۸-۹)

اس فتویٰ کے جواب میں مولوی عبدالسمیع رامپوری نے انوار ساطعہ تالیف کی جس کے جواب میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے براہین قاطعہ لکھی۔ مولانا احمد رضا نے براہین قاطعہ کی ایک عبارات کی وجہ سے حضرت کبار پوری کی تکفیر کی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تکفیر کی وجہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ حفظ الایمان

کے نام سے لکھا ہے۔ یہ رسالہ کسی سائل کے تین سوالات پر مشتمل ہے اس میں ایک سوال یہ تھا کہ حضور اکرمؐ کی ذات مبارک پر علم الغیب کا اطلاق درست ہے یا نہیں۔ اس کا جواب جو حضرت تھانویؒ نے دیا۔ اس پر احمد رضا کو اعتراض ہے۔ جس کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کی تکفیر کی ہے۔ پوری بحث اصل کتاب میں ہی ملاحظہ فرمائیں۔

ہم نے مختصر طور پر وجہ تکفیر نقل کر دی ہے بریلویوں سے پہلا اختلاف ان ہی عبارات کا ہے۔ وہ ان عبارات کی وجہ سے علماء دیوبند کو کافر کہتے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا ہے جس کی وجہ

سے کفر اور اسلام کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور اہل سنت کے درمیان ایسا اختلاف رونما ہوا جو آج تک ختم نہیں ہوا۔ احمد رضا نے جو الزامات لگائے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے۔ وہ آپ حصّہ اول میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ بہر حال احمد رضا کے فتویٰ سے بریلوی اور دیوبندی اختلاف رونما ہوا۔

دوسرا اختلاف شرک کی تعریف میں

علمائے اہل سنت والجماعت (جن کی اس پہچان دیوبندی

ہے) قرآن، سنت صحابہ کرام کے ارشادات اور اقوال سلف صالحین۔ اور آئمہ مجتہدین خصوصاً فقہائے احناف کی روشنی میں جو شرک کی تعریف کرتے ہیں بریلوی حضرات اسے تسلیم نہیں کرتے مثلاً مسئلہ استعانت بغیر اللہ۔ مسئلہ علم غیب۔ مسئلہ حاضر و ناظر مسئلہ نور و بشر مسئلہ مختار کل۔ مسئلہ غیر اللہ کے لئے نذر و نیاز۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہ کو علماء دیوبند شرک کہتے ہیں مگر بریلوی ان مسائل کو دین کا جز قرار دیتے ہیں ہم نے حصہ دوم میں ان ہی مسائل پر بحث کی ہے۔

تیسرا اختلاف بدعت کی تعریف میں

یہ مسئلہ بھی شرک ہی کی طرح ہے۔ بدعت کی تعریف جو

علمائے دیوبند شریعت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ بریلوی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً عرس کرنا۔ محفل میلاد کرنا۔ عید میلاد النبیؐ۔ قبروں پر چراغ جلانا وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ بریلویوں سے ہمارے تین اختلاف ہیں۔ وہ ہم نے یہاں پر ذکر دیئے ہیں مگر ان تینوں میں سے بریلوی حضرات پہلے اختلاف کو ہی اصل قرار دیتے ہیں بریلویوں کے ایک عالم مولانا محمد عبدالحکیم اشرف قادری لکھتے ہیں

بریلوی (اہل سنت والجماعت) اور دیوبندی اختلاف کی نوعیت بھی ایسی ہی ہے

یہ دوسری بات ہے کہ عوام کو مغالطہ دینے کے لئے ایصال ثواب، عرس، گیارھویں شریف

نذر و نیاز، میلاد شریف، استمداد، علم غیب، حاضر و ناظر اور نور و بشر وغیرہ مسائل پر دھواں دار تقریریں کر کے یہ یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اختلاف انہی مسائل میں ہے، حالانکہ اصل اختلاف ان مسائل میں نہیں ہے۔ بلکہ بنائے اختلاف و عبارات ہیں۔ جن میں بارگاہ رسالت علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں کھلم کھلا گستاخی اور توہین کی گئی ہے (حسام الحرمین کا پیرایہ آغاز ص ۷) شرف قادری صاحب ہی ص ۷ پر لکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز نے تحذیر الناس کی تصنیف کے تیس سال بعد، براہین قاطعہ کی اشاعت کے قریباً سولہ سال بعد اور حفیظ الایمان کی اشاعت کے قریباً ایک سال بعد

۱۳۲۰ میں المقعد المتقد کے حاشیہ المعتمد المستند میں مرزائے قادیانی اور مذکورہ بالا قائلین مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انیسٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے بارے میں ان کی عبارات کی بناء پر فتاویٰ کفر صادر کیا۔ (حسام الحرمین ص ۷) علمائے دیوبند کے علاوہ احمد رضا نے کس کس کی تکفیر کی اور احمد رضا کے علاوہ دیگر بریلوی علمائے اس بارے میں کیا کیا فتوے صادر کئے۔ سب۔ بریلوی فتویٰ نامی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اس بحث کو یہاں ہی ختم کرتے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاءُ

والسلام مشاق علی ۹۳-۱۰-۲۹

حصہ اول

①

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی

انکارِ ختمِ نبوت کا بہتان

مولوی احمد رضا خان صاحب حسام الحرمین صفحہ ۱۲، ۱۳ پر (جہاں سے اکابر علمائے اہل سنت کی تحفیر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کے متعلق لکھتے ہیں :-

قاسم النانوتوی صاحب تحذیر الناس وهو القائل فيه لو فرض في زمانه صلى الله تعالى عليه وسلم بل لو حدث بعده صلى الله تعالى عليه وسلم نبى جديد لم يخل ذلك خاتميتهم وانما يتخيل العوام انه سلى الله تعالى عليه وسلم خاتم خيال في رسول الله كاختم هونا باين معنى ہے کہ تحذیر الناس میں رسول اللہ کے بعد صلعم چھپا ہوا ہے۔ شخص آج بھی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن مولوی احمد رضا صاحب نے مسلمانوں کو بظن کرنے کے لیے اس کو اڑا دیا، یہ ہے ان کی دیانت ۱۲۰

النبيين بمعنى آخر النبيين انه لا فضل فيه اصلا عند اهل الفهم الى آخر ما ذكر من الهذيان وقد قل في التتممة والاشباه وغيرهما اذا لم يعرف ان محمداً صلى الله تعالى عليه وسلم اخر الانبياء فليس قبله لانه من الضروريات

آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں الحالانکہ فتاوے تئمہ اور الاشباہ والنظائر وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب سے پچھلا نبی نہ جانے تو مسلمان نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا انبیاء سے زمانہ میں پچھلا ہونا ضروریات دین سے

(حسام الحرمین ص ۱۲) ہے۔ (ترجمہ حسام الحرمین ص ۱۲)

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ خاں صاحب بریلوی نے اس عبارت میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے متعلق کفر کا جو حکم لکایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک وہ دھوکا اور فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خاں صاحب موصوف اتنے بے علم اور کم سمجھ بھی نہیں تھے کہ ان کے اس فتوے کو ان کی کم علمی اور نا سمجھی کا نتیجہ سمجھا جا سکے۔ واللہ اعلم!

اس فتوے کے غلط اور محفل تابیس و فریب ہونے کے چند وجوہ یہ ہیں :-

پہلی وجہ | مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اس تحذیر الناس کی عبارت نقل کرنے میں نہایت افسوسناک تحریف سے کام لیا ہے جس کے کسی طرح اس کو تحذیر الناس کی عبارت نہیں کہا جاسکتا۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ عبارت

کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں اور انہیں کارروائیوں کو قرآن کی زبان میں تحریف کہتے ہیں۔

قرآن عزیز میں بنی اسرائیل کی تحریف کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ" اور خود خاں صاحب موصوف نے بھی ایک جگہ اس قسم کی کارروائی کو "خوفناک تحریف" بتلایا ہے کسی شخص نے جس کا فرضی نام خاں صاحب کے رسالہ "برق المنار" میں زید لکھا گیا ہے۔ تَتَّخِذُونَ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا كَوْنِ عَظِيمٍ کا لفظ لکھ دیا تھا۔ اس کے متعلق موصوف اسی "برق المنار" کے صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں کہ

"سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے کہ تَتَّخِذُونَ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا کو قرآن عظیم کا لفظ کریم بنا لیا حالانکہ یہ جملہ قرآن عظیم میں کہیں نہیں۔ یہ تینوں لفظ متفرق طور پر قرآن عظیم میں ضرور آئے ہیں۔

خاں صاحب کی اس عبارت سے صاف معلوم ہو گیا کہ کسی کتاب کے متفرق جگہ کے الفاظ کو جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنا کر اس کتاب کی طرف منسوب کر دینا نہایت خوفناک تحریف ہے اور اس قسم کی تحریفات سے اہل مضمون کا بدل جانا اور کسی اسلامی مضمون کا خالص کفر ہو جانا بالکل بعید نہیں۔ تحذیر الناس تو بہ خیال ایک بشر کی کتاب ہے اگر کوئی بد نصیب کلام اللہ میں اس قسم کی تحریف کر کے کفریہ مضامین بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے بلکہ اس کو شاید اتنی محنت بھی کرنی نہ پڑے جتنی کہ خاں صاحب نے کی کہ ایک فقرہ صفحہ ۱۲ کا لیا اور ایک صفحہ ۲۸ کا ۱۰ اور ایک صفحہ ۳ کا۔ وہ قرآن حکیم کی ایک ہی سورۃ بلکہ ایک ہی

"تحذیر الناس" کے تین مختلف صفحات کے متفرق فقروں کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اس طرح کہ ایک فقرہ ص ۳ کا ہے اور ایک صفحہ ۱۲ کا ۱۰ اور ایک صفحہ ۲۸ کا۔ اور صفحات کا نمبر درکنار فقروں کے درمیان امتیازی خط (ڈیش) تک نہیں دیا گیا ہے جس کی وجہ سے کسی طرح دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مختلف مقامات کے فقرے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گا کہ یہ مسلسل ایک عبارت ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ خالص کفر کا مضمون بنانے کے لیے خاں صاحب موصوف نے فقروں کی ترتیب بھی بدل دی ہے، اس طرح کہ پہلے صفحہ ۱۲ کا فقرہ لکھا ہے، اس کے بعد صفحہ ۲۸ کا پھر صفحہ ۳ کا۔

خاں صاحب کے اس ترتیب بدل دینے کا یہ اثر ہوا کہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کو اگر علیحدہ علیحدہ اپنی جگہ پر دیکھا جائے تو کسی کو انکار ختم نبوت کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں انہوں نے جس طرح تحذیر الناس کی عبارت نقل کی ہے اُس سے صاف ختم نبوت کا انکار مفہوم ہوتا ہے۔ اور یہ صرف آپ کی قلم کاری کا نتیجہ ہے ورنہ مصنف تحذیر الناس کا دامن اس سے بالکل پاک ہے جیسا کہ انشاء اللہ مارے آئندہ بیان سے مفصل معلوم ہو جائے گا اور تحذیر الناس کی ان عبارات کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا ہے، اُس میں تو اور بھی غضب دہیا ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ جمل سازی کی انتہا کر دی ہے۔ حرکت یہ کی ہے کہ صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۲۸ کے پہلے دونوں فقروں کو توڑ پھوڑ کے ایک ہی فقرہ بنا ڈالا ہے اس طرح کہ پہلے فقرہ کا مسند الیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسند الیہ کو پہلے کا بھی مسند الیہ بنا دیا جس

تیسری وجہ | تیسری وجہ اور تیسری دلیل ہمارے اس خیال کی یہ ہے کہ "تخذیر الناس" کے جو فقرے خاں صاحب نے اس موقع پر نقل کیے ہیں۔ ان کا "ما سبق و ما لحق" جس سے ان کا صحیح مطلب واضح ہو جاتا اور ناظرین کو غلط فہمی کا موقع نہ رہتا (حذف کر دیا ہے) (اس کا ثبوت آگے آتا ہے)

چوتھی وجہ | ہمارے خیال کی چوتھی وجہ اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ خاں صاحب کے اس حکم کفر کی تمام تر بنیاد اس پر ہے کہ "تخذیر الناس" میں ختم نبوت کا انکار کیا گیا ہے، حالانکہ اُس میں اول سے آخر تک ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا انکار نکل سکے۔ بلکہ تخذیر الناس کا تو موضوع ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی خاتمیت ذاتی، زمانی، مکانی وغیرہ کی حمایت اور حفاظت ہے اور بالخصوص ختم زمانی کے متعلق تو اس میں نہایت صاف اور واضح تصریحات ہیں۔ چنانچہ "تخذیر الناس" صفحہ ۳ پر اس فقرہ کے بعد جس کو جنرل بریلوی نے سب سے آخر میں نقل کیا ہے مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں :

"بلکہ بناءً خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخیر زمانی اور سبب مذکور (یعنی سبب مدعیان نبوت) خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دو بالا ہو جاتی ہے۔"

نیز اسی تخذیر الناس کے صفحہ ۱۰ پر مولانا مرحوم اپنے اصل مدعا کی توضیح سے فارغ ہو کر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے، ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بداللت التزامی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسى الا انه لا نبي بعدي او كما قال۔ جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا، گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں، سو یہ عریض تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی ہیں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ۔ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اس کا منکر کافر ہے، ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔"

اس عبارت میں مولانا مرحوم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کو پانچ طریقوں سے ثابت فرمایا ہے۔

لہٰذا یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ختم زمانی پر صراحت کرنا والی لا نبی بعدی جیسی حدیث بھی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے نزدیک قرآن کریم کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہیں۔ یعنی مولانا موصوف کا یہ خیال اور دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حدیثوں میں اپنا سب سے آخری نبی ہونا اور اپنے بعد کسی اور نبی کا نہ آنا بیان فرمایا ہے وہ قرآن پاک کے لفظ خاتم النبیین ہی سے ماخوذ ہے اور گویا اُسی کی تفسیر اور تشریح ہے اس صاف اور واضح تصریح کے ہوتے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ختم نبوت زمانی کا منکر قرار دینا یا یہ کہنا کہ وہ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی کا مطلب نکلنے کو عامیانا خیال کرتے ہیں کیسی بے شرمی کی بات ہے مولانا نے تو صرف حصہ کو عوام کا خیال بتلایا ہے جس کی تفصیل اور توضیح آگے آتی ہے۔

۱۔ یہ کہ حضور اقدس کے لیے خاتمیت زمانی نص "خاتم النبیین" سے بدلتی مطابقتی ثابت ہو، اس طور پر کہ خاتم کو ذاتی اور زمانی سے مطلق مانا جائے۔

۲۔ یہ کہ بطورِ عموم مجاز لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر مطابقتی ہو۔

۳۔ یہ کہ دونوں میں سے ایک پر مطابقتی ہو اور دوسرے پر التزامی، اور ان تینوں صورتوں میں خاتمیت زمانی نص قرآن سے ثابت ہوگی۔

۴۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی احادیث متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

۵۔ یہ کہ خاتمیت زمانی پر امت کا اجماع ہے۔

ان پانچ طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی ثابت کرنے کے بعد مولانا مرحوم نے یہ بھی تصریح فرمادی کہ خاتمیت زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جیسا کہ دوسرے ضروریات و قطعیات دین کا۔

"تحذیر الناس" کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اس میں ختم نبوت زمانی انکار کیا گیا ہے، سخت ظلم اور فریب نہیں تو کیا ہے۔

پھر اس قسم کی تصریحات تحذیر الناس میں ایک ہی وجہ نہیں، بلکہ مشکل سے اس کوئی صفحہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔ اس وقت ہم تحذیر الناس کی صرف ایک عبارت مدنیہ ناظرین کرتے ہیں جس میں مولانا نانوتوی مرحوم نے ایک نہایت ہی عجیب و غریب فلسفیانہ انداز میں ختم نبوت زمانی کو بیان فرمایا ہے۔ تحذیر الناس کے صفحہ ۴ پر ہے:

"در صورتیکہ زمانے کو حرکت کہا جائے تو اس کے لیے کوئی مقصود بھی ہوگا جس کے آنے پر حرکت منتهی ہو جائے، سو حرکت سلسلہ نبوت کے لیے نقطہ ذات محمدی منتهی ہے اور یہ نقطہ اس ساق زمانی اور ساق مکانی کے لیے ایسا ہے جیسے نقطہ راس زاویہ تاکہ اشارہ شناسان حقیقت کو یہ معلوم ہو کہ آپ کی نبوت کون و مکان، زمین و زمان کو شامل ہے۔" پھر اس کے چند سطر بعد اسی صفحہ پر فرماتے ہیں کہ

"منجملہ حرکات حرکت سلسلہ نبوت بھی تھی، سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلعم وہ حرکت مبدل بسکون ہوئی۔ البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۲۱)

پھر تحذیر الناس ہی پر منحصر نہیں، حضرت مرحوم کی دوسری تصانیف میں بھی بکثرت اس قسم کی تصریحات موجود ہیں بعض بطورِ نمونہ مناظرۃ عجیبہ کی چند عبارتیں ملاحظہ ہوں:

مناظرۃ عجیبہ کا مضمون جہاں سے شروع ہوتا ہے، اس کی پہلی سطر یہ ہے:

"حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے اور یہ بات بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ آپ

اول المخلوقات ہیں۔"

پھر اسی کے صفحہ ۳۹ پر فرماتے ہیں:-

”خاتمیتِ زمانی اپنا دین و ایمان ہے، ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔“

پھر اسی کے صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:

”خاتمیتِ زمانی سے مجھے انکار نہیں، بلکہ یوں کہیے کہ منکروں کے لیے گنجائش انکار نہ چھوڑی، فضیلت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جمادیے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔“

پھر اسی کے صفحہ ۶۹ پر فرماتے ہیں:

”ہاں یہ مسلم ہے کہ خاتمیتِ زمانی اجماعی عقیدہ ہے۔“

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ پر ہے:

”بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں؟“

یہ پانچ عبارتیں صرف ”منظرہ عجیبہ“ کی ہیں۔ اس کے بعد حضرت نانوتوی مرحوم آخری تصنیف ”قبلہ نما“ سے ایک عبارت اور نقل کی جاتی ہے۔ ”قبلہ نما“ کے صفحہ ۱۱ پر ہے:

”آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے اور چونکہ دین چکنا چرہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا، وہی شخص سردار ہوگا کیونکہ

اسی کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔“

حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی یہ کُل دس عبارتیں ہوئیں۔ کیا ان تصریحات کے ہوتے ہوئے کوئی صاحبِ دیانت اور صاحبِ عقل کہہ سکتا ہے کہ یہ شخص ختمِ نبوتِ زمانی کا منکر ہے؟ لیکن اقرارِ پر دازی کا کوئی علاج نہیں۔ ایسے ہی مقررین کے متعلق عارفِ جامیؒ نے کہا ہے:

چنیں کر دند و خلقے در تماشا ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا

کزین روئے نکو بدکاری آید وزین دلدارِ دل آزاری آید

حضرت نانوتوی مرحوم کی مختلف تصانیف کی مذکورہ بالا تصریحات اور دوسرے علمائے دیوبند کی وہ علمی اور عملی مساعی، جو فادائی جماعت کے مقابلہ میں اسی سلسلہ ختمِ نبوت کے متعلق اب تک کتابوں اور مناظروں کی شکل میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور جن سے تمام اسلامی دنیا واقف ہے۔ ختمِ نبوت کے متعلق بانی دارالعلوم دیوبند اور جماعتِ علمائے دیوبند کی پوزیشن واضح کرنے کے لیے انصاف والی دنیا کے نزدیک کافی سے زائد ہیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيُّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

ظَلَمُوا أَيُّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی و ذر تفصیل کے ساتھ تحذیرِ اناس کے ان تینوں فقرہوں کا صحیح مطلب بھی عرض کر دیا جائے جن کو جوڑ توڑ کر مولوی احمد رضا خاں

صاحب نے اس کے مصنف پر ختم نبوت زمانی کے انکار کا بہتان لگایا ہے لیکن اس کے لیے ضرورت ہے کہ اختصار کے ساتھ قرآن مجید کے لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے تعلق مولانا نانوتوی مرحوم کا مسلک اور نقطہ نظر واضح کر دیا جائے۔

حضرت نانوتوی مرحوم اور تفسیر خاتم النبیین

تہید | اولاً بطور تمہید گزارش ہے کہ رسول خدا (روحی و قلبی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے نفس الامر میں دو قسم کی خاتمیت ثابت ہے، ایک زمانی جس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ آپ سب سے آخر نبی ہیں اور آپ کا زمانہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ کے بعد اب کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرے خاتمیت ذاتی جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وصف نبوت کے ساتھ بالذات موصوف ہیں، اور دوسرے انبیاء (علیہم السلام) بالعرض یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست نبوت عطا فرمائی، اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور کے واسطے سے جس طرح (بلا تشبیہ) خداوند تعالیٰ نے آفتاب کو بغیر کسی واسطے کے روشن فرمایا اور اس کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسری روشن چیز سے مستفاد نہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات نبوت براہ راست بلا کسی واسطے کے عطا فرمائے، اور آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کی نبوت سے مستفاد نہیں — اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مہتاب اور دوسرے ستاروں

کو آفتاب کے واسطے سے منور فرمایا، اور وہ اپنی نورانیت میں آفتاب کے نور کے محتاج ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو کمالات نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عطا فرمائے گئے، اور وہ حضرات بالانکہ حقیقتہً نبی ہیں لیکن اپنی نبوت میں آفتاب آسمان نبوت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض کے دست نگر ہیں (وہذا کُلُّہ باذن اللہ تعالیٰ)، اور جس طرح کہ ہر موصوف بالعرض کا سلسلہ کسی موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں چلتا، مثلاً تہ خانوں میں آئینوں کے ذریعہ جو روشنی پہنچائی گئی ہے، اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ آئینہ سے آئی اور آئینہ کی روشنی کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ آفتاب کا عکس ہے لیکن آفتاب پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ آفتاب کی روشنی عالم اسباب میں فلاں روشن چیز کا عکس ہے، (کیونکہ آفتاب کو اللہ تعالیٰ نے خود روشن بنایا ہے) اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت سے مستفاد ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور آپ کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کی نبوت فلاں نبی کی نبوت سے مستفاد ہے، (کیونکہ آپ باذن اللہ تعالیٰ نبی بالذات ہیں) پس اسی کو خاتم ذاتی کہا جاتا ہے، اور اسی مرتبہ کا نام خاتمیت ذاتیہ ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن عزیز میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین

صورت میں بھی خاتمیت زمانی پر آیہ کریمہ کی دلالت بطور التزام ہوگی۔

ان مینوں صورتوں کے لکھنے کے بعد تحذیر الناس کے صفحہ ۹ پر حضرت مولانا نے جس کو خود اپنا مختار بتلایا ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمیت کو جنس مانا جائے اور ختم زمانی و ختم ذاتی کو اس کی دونوں عین قرار دیا جائے اور قرآن عزیز کے لفظ خاتم سے یہ دو نوعیں بیک وقت مراد لے لی جائیں جس طرح کہ آیہ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْدُ وَالْمَيِّتُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَمْوَالُ مَرْجُؤٌ مِنْ حَمْلِ الشَّيْطَانِ میں بیک وقت "مرجئ" سے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی نجاستیں مراد لی جاتی ہیں بلکہ غور کیا جائے تو یہاں ختم زمانی اور ختم ذاتی میں اس قدر بُعد نہیں جس قدر شراب کی نجاست اور جوئے کی نجاست میں۔

لفظ خاتم النبیین کی تفسیر کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے جس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم زمانی بھی ہیں اور خاتم ذاتی بھی، اور یہ دونوں قسم کی خاتمیت آپ کے لیے قرآن کریم کے اسی لفظ خاتم النبیین سے نکلتی ہے۔

تحذیر الناس کی عبارتوں کا صحیح مطلب | اس کے بعد ہم ان مینوں فقرہوں کا صحیح مطلب عرض کرتے ہیں جن کو جوڑ کر مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کفر کا مضمون بنالیا ہے :

ان میں سے پہلا فقرہ صفحہ ۱۴ کا ہے اور یہاں حضرت مرحوم اپنی مذکورہ بالا تحقیق

فرمایا گیا ہے۔ اس سے آپ کے لیے دونوں قسم کی خاتمیت ثابت ہوتی ہے ذاتی بھی اور زمانی بھی اور عوام اس سے محض ایک قسم کی خاتمیت مراد لیتے ہیں یعنی صرف زمانی بہر حال حضرت مولانا مرحوم اور عوام کا نزاع نہ ختم نبوت زمانی میں ہے نہ اس میں کہ قرآنی لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی مراد لی جائے کیونکہ مولانا کو یہ دونوں چیزیں تسلیم ہیں) بلکہ نزاع صرف اس میں ہے کہ لفظ خاتم النبیین سے خاتمیت زمانی کے ساتھ خاتمیت ذاتی بھی مراد لی جائے یا نہیں۔ حضرت مولانا اس کے قائل اور مثبت ہیں اور انھوں نے اس کی چند صورتیں لکھی ہیں :

ایک یہ کہ لفظ خاتم کو خاتمیت زمانی اور ذاتی کے لیے مشترک معنوی مانا جائے اور جس طرح مشترک معنوی سے اس کے متعدد افراد مراد لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں آیہ کریمہ میں بھی دونوں قسم کی خاتمیت مراد لی جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معنی کو حقیقی اور دوسرے کو مجازی کہا جائے اور آیہ کریمہ میں لفظ خاتم سے بطور عموم مجاز ایک ایسے عام معنی مراد لیے جائیں جو دونوں قسم کی خاتمیت کو حاوی ہوں۔

ان دونوں صورتوں میں لفظ خاتم کی دلالت دونوں قسم کی خاتمیت پر ایک ساتھ اور مطابقتی ہوگی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے لفظ خاتم سے صرف خاتمیت ذاتی مراد لی جائے، مگر چونکہ اس کے لیے بدلائل عقلیہ و نقلیہ خاتمیت زمانی لازم ہے لہذا اس

کے موافق خاتمیت ذاتی کا بیان فرما رہے ہیں۔ اس موقع پر تحذیر الناس کی پوری عبارت اس طرح تھی:

”غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“

خاں صاحب نے اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ جس سے ہر شخص یہ سمجھ لیتا کہ مولانا کی یہ عبارت خاتمیت ذاتی کے متعلق ہے نہ کہ زمانی کے متعلق حذف کر کے ایک نام تمام ٹکرا نقل کر دیا، اور پھر غضب یہ کیا کہ اس کو صفحہ ۲۸ کے ایک فقرہ کے ساتھ اس طرح جوڑا کہ صفحہ کے نمبر کا تو ذکر ہی کیا ہے، درمیان میں ختم فقرہ کی علامت (دیش) بھی نہیں دیا اور پھر اس دوسرے فقرہ کی نقل میں بھی صریح خیانت کی۔ اس موقع پر پوری عبارت اس طرح تھی:

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجیے جیسا اس بیچداں نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی

لہ یہ بالفرض کا لفظ بھی قابل لحاظ ہے۔ ۱۲

فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی، بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

اس عبارت میں بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب نے یہ کارروائی کی کہ اس کا ابتدائی حصہ (جس سے ناظرین کو صاف معلوم ہو سکتا تھا کہ یہاں صرف خاتمیت ذاتی کا ذکر ہے نہ کہ زمانی کا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے متعلق بھی مصنف تحذیر الناس کا عقیدہ اس سے معلوم ہو جاتا) اس اہم حصہ کو خاں صاحب نے یک قلم حذف کر کے صرف آخری خط کشیدہ فقرہ نقل کر دیا اور دوسری کارروائی یہ کی کہ اس نام تمام فقرہ کو بھی صفحہ ۳ کے ایک نام تمام فقرہ سے اس طرح جوڑ دیا کہ وہاں بھی درمیان میں ڈیش تک نہیں دیا۔

بہر حال صفحہ ۱۴ اور صفحہ ۲۸ کے ان دونوں فقروں میں حضرت مرحوم صرف خاتمیت ذاتی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اور کوئی نبی ہو، تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ رہی خاتمیت زمانی، اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور نہ کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت زمانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایک عام فہم مثال سے مولانا بلاشبہ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی ملک میں نالوتوی کے مطلب کی توضیح کوئی وبائی مرض پھیلا۔ بادشاہ کی طرف سے یکے بعد

دیگرے بہت سے طبیب بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی قابلیت کے موافق مریضوں کا علاج کیا۔ اخیر میں اس رحیم و کریم بادشاہ نے سب سے بڑا اور سب سے زیادہ حاذق طبیب جو پہلے تمام طبیبوں کا استاد بھی ہے، بھیجا، اور اعلان کر دیا کہ اب اس کے بعد کوئی طبیب نہیں آئے گا۔ آئندہ جب کبھی کوئی مریض ہو وہ اسی آخری طبیب کا نسخہ استعمال کرنے، اُسی سے شفا ہوگی۔ بلکہ اس کے بعد جو شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ جھوٹا اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ دنیا کا وہ آخری طبیب آیا اور اُس نے آکر اپنا شفا خانہ کھولا۔ جوق جوق مریض اس کے دار الشفا میں داخل ہو کر شفا یاب ہوئے۔ بادشاہ نے اپنے اس طبیب کو ایک حکمنامہ میں خاتم الاطباء کا خطاب بھی دیا۔ اب عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ طبیب زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی اور طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا اور اہل فہم کا ایک گروہ (جو بالیقین جانتا ہے کہ یہ طبیب فی الواقع آخری ہی طبیب ہے) کہتا ہے کہ اس عظیم الشان طبیب کو خاتم الاطباء صرف اسی وجہ سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ آخری طبیب ہے بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تمام پہلے طبیبوں کی طب کا سلسلہ اسی جلیل القدر طبیب پر ختم ہے یعنی وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے فن طب اسی سے سیکھا ہے۔ لہذا اس دوسری وجہ سے بھی وہ خاتم الاطباء ہے، اور یہ دونوں قسم کی خاتمت اُسی خاتم الاطباء کے لفظ سے نکلتی ہے، بلکہ اگر تم غور کرو گے تو تم کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ بادشاہ نے اس حاذق

طبیب کو جو سب سے آخر میں بھیجا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ فن طب میں سب سے خالق، سب سے ماہر اور سارے طبیبوں کا اُستاد ہے اور قاعدہ ہے کہ بڑے سے بڑے طبیب کی طرف اخیر ہی میں رجوع کیا جاتا ہے۔ مقدمات تمام تحافی مراحل طے کرنے کے بعد ہی بادشاہ معظم کی عدالت عالیہ میں پہنچتے ہیں۔ بہر حال یہ طبیب صرف زمانہ ہی کے اعتبار سے خاتم نہیں ہے، بلکہ اپنے فن کے کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہے اور یہ دوسری خاتمت ایسی ہے کہ اگر بفرض اس کے زمانہ میں یا اس کے بعد بھی کوئی طبیب آجائے تو اس کی اس خاتمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ اہل فہم کے اس گروہ کے متعلق ان کے کسی معاند دشمن کا یہ کہنا کہ یہ لوگ اس خاتم الاطباء کو آخری طبیب نہیں مانتے اور اس کی اس حیثیت کے منکر ہیں، کتنی بڑی تلبیس اور کس قدر غریباں بے حیائی ہے۔ جب کہ اہل فہم کا یہ گروہ اس شاہی طبیب کو ذاتی اور مرتبی حیثیت سے خاتم الاطباء ماننے کے ساتھ یہ بھی صاف صاف کہتا ہے کہ زمانہ کے لحاظ سے بھی یہی آخری طبیب ہے اور اس کے بعد اب کوئی طبیب بادشاہ کی طرف سے نہیں آئے گا، بلکہ جو کوئی اس کے بعد شاہی طبیب ہونے کا دعویٰ کرے، وہ واجب القتل ہے۔

یہاں تک تحذیر الناس کے صفحہ ۱۴ : ۲۸ کے فقرہوں کا صحیح مطلب عرض کیا گیا ہے۔ رہا تیسرا فقرہ جس کو خانصاحب نے سب سے اخیر میں نقل کیا ہے، وہ تحذیر الناس کے تیسرے صفحہ کا ہے اور یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا تحذیر الناس وہیں سے شروع ہوتی

ہے۔ الفاظ یہ ہیں :

”بعد حمد و صلوة کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنا چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔“

اس عبارت میں دو چیزیں قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مولانا مرحوم مسئلہ ختم نبوت پر کلام نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ لفظ خاتم کے معنی پر کلام کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خاتم سے ختم زمانی مراد لینے کو مولانا نے عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور عوام کے اسی نظریہ سے مولانا کو اختلاف ہے ورنہ خاتمیت زمانی مع خاتمیت ذاتی مراد لینا خود مولانا مرحوم کا مسلک مختار ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور تحذیر الناس کے صفحہ ۸ و ۹ پر مولانا نے پوری تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

بہر حال چونکہ خود حضرت مولانا کے نزدیک لفظ خاتم النبیین سے ختم زمانی بھی مراد

لے اس پر پوری روشنی اور پڑالی جا چکی ہے اور مولانا مرحوم کی یہ تصریح چند صفحے پہلے گزر چکی ہے کہ اُن کے نزدیک ختم نبوت زمانی پر صراحت دلائی کرنے والی ”لانی بعدی“ جیسی ساری حدیثیں ”خاتم النبیین“ ہی کے لفظ سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ۱۲

تھے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں صرف حصر کو مولانا نے عوام کا خیال بتلایا ہے اور مولانا کا مطلب صرف یہ ہے کہ عوام تو یہ سمجھتے ہیں کہ حضور کے لیے لفظ ”خاتم النبیین“ سے صرف خاتمیت زمانی ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں ثابت ہوتا اور اہل فہم کے نزدیک اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کے اس لفظ سے حضور کے لیے خاتمیت زمانی بھی ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت ذاتی بھی۔

یہیں سے مولوی احمد رضا خان صاحب کے اُس اعتراض کا بھی جواب ہو گیا جو انھوں نے تحذیر الناس کی اسی عبارت پر ”الموت الاحمر“ میں کیا ہے کہ ”اس میں خاتم النبیین سے خاتم زمانی مراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا گیا ہے حالانکہ خاتم کے یہ معنی خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں۔ پس مصنف تحذیر الناس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و تمام صحابہ کرام عوام میں داخل ہوئے (معاذ اللہ)“

جواب کی تقریر تفصیل یہ ہے کہ صاحب تحذیر الناس نے خاتم سے خاتم زمانی مراد لینے کو عوام کا خیال نہیں بتلایا بلکہ ختم زمانی میں حصر کرنے کو عوام کا خیال بتلایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی صحابی سے حصر ثابت نہیں بلکہ علماء و ائمہ میں سے بھی کسی نے حصر کی تصریح نہیں فرمائی اور کیونکہ کوئی حصر کی جرأت کر سکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں :

لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهَرَ وَ بَطْنٌ وَ لِكُلِّ حَدِّ مُطْلَعٌ -

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آیت قرآنی کے کم از کم دو مفہوم ضرور ہوتے ہیں اور اگر علمائے سلف میں سے کسی کے کلام میں حصر کا کوئی لفظ پایا بھی جائے تو وہ حصری نہیں ہے جس کو مولانا نانوتوی مرحوم عوام کا خیال بتلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد حصر اضافی بالنظر الی تاویلات الملاحدہ ہے۔

بہر حال جو شخص صاحب تحذیر الناس پر یہ بتان رکھتا ہے کہ انھوں نے معاذ اللہ آنحضرت کی بیان کردہ تفسیر کو خیال عوام بتلادیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے ایک ہی روایت حصر کی ثابت کر دے۔

پھر یہ کہ مولانا مرحوم نے اپنے مکتوبات میں اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ باب تفسیر میں عوام سے مراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مرحوم کے الفاظ یہ ہیں:

”وَجَزَّ انبیاء علیہم السلام یا راسخین باب تفسیر میں سوائے انبیاء علیہم السلام فی العلم ہمہ عوام اند“ اور علمائے راسخین کے سب عوام ہیں (قاسم العلوم نمبر اول مکتوب دوم ص ۱)

ان تصریحات کے ہوتے صاحب تحذیر الناس کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام کو عوام میں داخل کر دیا، سخت ترین بدیانتی ہے خاتم النبیین کی تفسیر میں حضرت مولانا نانوتوی کے مسلک کی تائید خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے

اس کے بعد ہم یہ بھی بتلادینا چاہتے ہیں کہ جو لوگ لفظ خاتم النبیین سے صرف ایک ہی معنی (خاتم زمانی) مراد لیتے ہیں اور معنی خاتم النبیین کو اُسی میں حصر کرتے ہیں وہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام میں داخل ہیں، اہل فہم میں سے نہیں۔ فاضل مرسٹ ”الدولۃ المکیہ، صفحہ ۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یفقه الرجل کل الفقہ حتیٰ یجعل للقرآن وجوہاً قلت اخرجہ عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن سعد فی الطبقات و ابن نعیم فی الحلیۃ و ابن عساکر فی تاریخہ و اوردہ مقاتل بن سلیمان فی صدر کتابہ فی وجوہ القرآن مرفوعاً بلفظ لا یكون الرجل فقیہاً کل الفقہ حتی یری للقرآن وجوہاً کثیرۃ۔ قال فی الاقتان قد فسرہ بعضهم بان المراد ان یری اللفظ الواحد یحتل

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے متعدد وجوہ نہ نکالے (میں کہتا ہوں کہ تخریج کی ہے اس روایت کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ابن سعد نے طبقات میں، اور ابونعیم نے حلیہ میں، اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، اور مقاتل بن سلیمان نے اپنی صدر کتاب میں، وجوہ قرآن میں اس کو بدیں الفاظ مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ”آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے لیے وجوہ کثیر نہ دیکھے۔ علامہ سیوطی القان میں فرماتے ہیں کہ بعض

معانی متعدده فیجملہ علیہا اذا
کانت غیر متضاده ولا یقتصر
بل علی معنی واحد
(انتہی صفحہ ۴۳)

لوگوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ مطلب یہ
ہے کہ لفظ واحد جو متعدد معانی کے لیے محمول ہو
اس کو ان سب پر محمول کرے جبکہ وہ آپس میں
مکمل نہ ہوں اور ایک ہی معنی پر منحصر نہ کرے

مولوی احمد رضا خاں صاحب کی اس عبارت بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
کی اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو شخص کسی آیت قرآنی سے صرف ایک ہی معنی
مُراد لے اور اسی میں حصر کرے تو وہ عوام میں داخل ہے۔ اہل فہم (فقہاء) میں سے نہیں
ہے۔ کامل فقیہ جب ہی ہو گا جب کہ ایک آیت کو بہت سے غیر متعارض معانی پر محمول
کر سکے، جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے ایک لفظ خاتم النبیین سے تین قسم کی خاتمت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کی یعنی خاتمت ذاتی، زمانی، مکانی۔

الحمد للہ تحذیر الناس کے تینوں فقروں کا صحیح مطلب بیان کر دیا گیا اور ناظرین
کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صفحہ ۳ کے فقرے میں حضرت نانوتوی مرحوم نے جن لوگوں کو عوام
بتلایا ہے۔ وہ فاضل بریلوی کے نزدیک بھی عوام ہی میں داخل ہیں۔ اس کے بعد ہم
یہ بھی بتلادینا چاہتے ہیں کہ یہ تحقیق کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم زمانی ہونے کے ساتھ
خاتم مرتبی اور خاتم ذاتی بھی ہیں یعنی آپ نبی بالذات ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم السلام
نبی بالعرض۔ آپ کو کمالات نبوت اللہ تعالیٰ نے براہ راست عطا فرمائے اور دیگر انبیاء
علیہم السلام کو آنحضرتؐ کے واسطے سے، اس میں بھی حضرت نانوتوی مرحوم متفرد نہیں بلکہ

بہت سے اگلے علماء محققین بھی اس کی تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن یہاں ہم ان کی عبارت
مقل کر کے بات کو طویل کرنے اور کتاب کو ضخیم بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ خود
مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو اس طرح لکھ دیا ہے کہ اس کے بعد
کسی اور کی عبارت نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے ہم ان ہی کی ایک
عبارت اس سلسلہ میں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

فاضل موصوف اپنے رسالہ "جزائر اللہ عدوہ" کے صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں:
"اور نصوص متواترہ اولیاء کرام وائمہ عظام و علماء اعلام سے ممبرین ہو
چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی
ظاہری یا باطنی۔ روزِ اول سے اب تک اور اب سے قیامت تک،
قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا ناجز
ملک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ماسوی اللہ میں جسے جو کچھ ملے
یا ملتی ہے یا ملے گی، اُس کی کلی انھیں کے صبا ئے کرم سے کھلی، اور
کھلتی ہے یا کھلے گی۔ انھیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی،
یہ سرِّ الوجود اور صلِّ الوجود، خلیفۃ اللہ الاعظم و ولی نعمت عالم ہیں،
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "انا
ابوالقاسم اللہ یعطی و انا اقسام" رواہ الحاكم فی المستدرک صحیحہ
واقرہ الناقدون"

(۲)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ

تکذیبِ العزت جلّ جلالہ کا ناپاک بہتان

اور
اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب حسام الحرمین کے صفحہ ۱۳ پر حضرت مولانا گنگوہی کے متعلق لکھتے ہیں:

ثم تمادی به الحال في الظلم و
الضلال حتى صرح في فتوى
له (قد رايتها بخطه وخاتمه
بعينى وقد طبعت مراراً في
مبئى وغيرها مع ردّها) ان
من يكذب الله تعالى بالفعل و
يهر تو ظلم و گمراہی میں اس کا حال یہاں تک
بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اُس کا ٹہری
و دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے
بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا
صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو
بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے

فاضل بریلوی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عالم میں جو کچھ نعمتِ روحانی یا
جسمانی، دنیوی یا دینی، ظاہری یا باطنی کسی کو ملی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی
کے دستِ کرم کا نتیجہ ہے اور چونکہ نبوت بھی ایک اعلیٰ درجہ کی روحانی نعمت ہے،
لہذا وہ بھی دوسرے انبیاء علیہم السلام کو حضور ہی کے واسطے سے ملی ہے اور اسی حقیقت
کا نام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اصطلاح میں خاتمیت ذاتی اور خاتمیت
مرتبی ہے۔

اس وقت ہم اس بحث کو اسی پر ختم کرتے ہیں اور مولوی احمد رضا خاں صاحب
نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ پر تکذیبِ رب العزت جلّ جلالہ
کا جو بہتان لگایا ہے، اب اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یصریح انہ سبحانہ و تعالیٰ قد کرمنا اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ کذب و صدارت منہ ہذا بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اُسے کفر بالائے العظیمة فلا تنسبوا الی فسیق طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو، اس لیے فضلاً عن ضلال فضلاً عن کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں جیسا اُس کفر فان کثیراً من الائمة نے کہا۔ بس نہایت کا یہ ہے کہ اس نے تاویل قد قالوا بقیلہ و انما قصاری میں خطا کی..... یہی وہ ہیں جنہیں اللہ امرہ انہ مخطئ فی تاویلہ... تعالیٰ نے برا کیا اور ان کی آنکھیں اندھی..... اولئک الذین اصہم کر دیں۔

اللہ تعالیٰ و اعمی ابصارہم و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم! لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (حسام المؤمن ص ۱۳)

یہ ناچیز بندہ عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف کسی ایسے فتوے کی نسبت کرنا سراسر افترا اور بہتان ہے۔ پہلی بحث میں تو مولوی احمد رضا خان صاحب نے تحذیر الناس کی متفرق عبارتیں جوڑ کر کفر کی مسل تیار بھی کر لی تھی۔ یہاں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بحمد اللہ ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مرحوم کے کسی فتوے میں یہ الفاظ موجود نہیں، نہ کسی فتوے کا یہ مضمون ہے۔ بلکہ حقیقت یہ صرف خان صاحب یا ان کے کسی دوسرے ہم پیشہ بزرگ کا افترا اور بہتان ہے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اور آپسے

اکابر اس شخص کو کافر، مرتد، ملعون سمجھتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے اور اس سے بالفعل صدور کذب کا قائل ہو بلکہ جو بد نصیب اس کے کفر میں شک کرے، ہم اس کو بھی خاسر از اسلام سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (جن پر خان صاحب نے یہ ناپاک بہتان باندھا ہے) خود انہیں کے مطبوعہ فتاویٰ کی جلد اول صفحہ ۱۱۸ پر ہے :

”ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے، اس سے کہ متصف بصفات کذب کیا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز شائبہ کذب کا نہیں، قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلاً۔ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے، یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر و ملعون ہے اور مخالف قرآن و حدیث کا اور اجماع امت کا ہے۔ وہ ہرگز مومن نہیں۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔“

ناظرین بالانصاف فیصلہ فرمائیں کہ اس صریح اور ٹھپے ہوئے فتوے کے ہوئے حضرت ممدوح پر یہ افترا کرنا کہ معاذ اللہ وہ خدا کو کاذب بالفعل مانتے ہیں یا ایسا کہنے والے کو مسلمان کہتے ہیں، کس قدر شرمناک کارروائی ہے؟ الحساب یوم الحساب! رہا مولوی احمد رضا خان صاحب کا یہ لکھنا کہ ”میں نے ان کا وہ فتویٰ مع مہر و دستخط بچشم خود دیکھا ہے۔“ اس کے جواب میں ہم صرف اس قدر عرض کریں گے کہ جب اس

چودھویں صدی کا ایک عالم اور مفتی ایک چھپی ہوئی کثیر الاشاعت کتاب (تذیر الناس) کی عبارتوں میں قطع و برید کر کے اور صفحہ ۲، ۱۴، ۲۸ کی عبارتوں میں تحریف کر کے ایک کُفر کا مضمون گھڑ کے تذیر الناس کی طرف منسوب کر سکتا ہے تو کسی جلسہ ساز کے لیے کسی کے مہر و دستخط بنالینا کیا مشکل ہے؟ کیا دنیا میں جعلی سکے اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے والے موجود نہیں؟ مشہور ہے کہ بریلی اور اُس کے اطراف میں تو اس فن کے بڑے بڑے کامل رہتے ہیں، جن کا ذریعہ معاش یہی جلسہ سازی ہے۔

بہر حال مولوی احمد رضا خان صاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کے جس فتوے کا ذکر کیا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جو تین جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے، وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہے بلکہ اس میں اُس کے صریح خلاف چند فتوے موجود ہیں، جن میں سے ایک اُوپر نقل بھی کیا جا چکا ہے اور اگر فی الواقع خاں صاحب نے کوئی فتویٰ اس قسم کا دیکھا ہے تو وہ یقیناً ان کے کسی ہم پیشہ بزرگ یا ان کے کسی پیشرو کی جلسہ سازی اور دسیہ کاری کا نتیجہ ہوگا۔

حضرات علماء و مشائخ کی عزت اور عظمت کو مٹانے کے لیے حاسدوں نے اس سے پہلے بھی اس قسم کی کارروائیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ کے چند عبرت آموز واقعات ہم یہاں نقل بھی کرتے ہیں:

اُمت کے جلیل القدر مجتہد اور محدث حضرت امام احمد بن حنبلؒ اُس دنیا سے کوچ فرما رہے ہیں اور کوئی بد نصیب حاسد غین اُسی وقت ان کے تکیہ کے نیچے کچھ

لکھے ہوئے کاغذات رکھ جاتا ہے، جن میں خالص ملحدانہ عقائد اور زندیقانہ خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ لوگ ان تحریرات کو امام احمد بن حنبلؒ ہی کی کاوش و دماغی کا نتیجہ سمجھیں گے اور جب ان کے مضامین اسلامی تعلیمات کے خلاف پائیں گے تو امام سے بدظن ہو جائیں گے اور لوگوں کے دلوں سے ان کی عزت و عظمت نکل جانے لگی۔ پھر ہماری دوکان جو امام کے فیض عام کے مقابلہ میں ہیکلی پڑ گئی ہے، چمک اُٹھے گی۔

امام لغت علامہ محمد الدین فیروز آبادی صاحب کا موس زندہ تھے۔ مشہور امام اور مرجع خواص و عوام تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے محدث نے اُن کے خرمین علم سے خوشہ چینی کی۔ حاسدین ان کی اس غیر معمولی مقبولیت کو نہ دیکھ سکے اور اُن کی عظمت و شہرت کو بڑے لگانے کے لیے ان کے نام سے پوری ایک کتاب حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مطاعن میں تصنیف کر ڈالی جس میں خوب زور شور سے حضرت امام اعظمؒ کی تکفیر بھی کی اور یہ جعلی کتاب دُور دراز مقامات تک شائع کر دی گئی جنہی دُنیا میں علامہ فیروز آبادیؒ کے خلاف نہایت زبردست ہوجان برپا ہو گیا۔ لیکن بیچارے علامہ کو اس کی بالکل بھی خبر نہیں یہاں تک کہ جب وہ کتاب ابو بکر الغیاط البغوی الیامانی کے پاس پہنچی تو انھوں نے علامہ فیروز آبادیؒ کو خط لکھا کہ "آپ نے یہ کیا کیا؟ علامہ موصوف نے اس کے جواب میں لکھا:

"اگر وہ کتاب جو افتراء میری طرف منسوب کر دی گئی ہے آپ کے

آپ بتی لکھتے ہیں کہ

”بعض حاسدوں نے میری کتاب ”البحر المورود فی المواثیق والعمود“ میں میری زندگی ہی میں عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ بڑھادیے اور تین سال تک مصر و مکہ مکرمہ میں خوب اس کی اشاعت کی جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے مشاہیر علماء سے اصل نسخہ پر تصدیقیں لکھوا کر ان ملکوں میں بھیجا۔ وہ حسد و کینہ کے مریض اس پر بھی باز نہ آئے اور ان کمینوں نے اس کے بعد یہ پروپیگنڈہ کیا کہ جن علماء نے ان پر تصدیقات لکھی تھیں، اب وہ اس سے رجوع کر رہے ہیں اور اکثر کرچکے ہیں (امام شعرانی لکھتے ہیں کہ) جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو میں نے پھر ان حضرات علماء کو تکلیف دی اور خود انھیں کے قلم سے حاسدوں کے اس نئے پروپیگنڈے کی تردید لکھوا کر عرب روانہ کیں، جب کہیں اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔

یہ گنتی کے چند واقعات ہیں۔ تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اگر دیکھی جائیں تو بد نصیب حاسدوں کی دسیہ کاریوں کے ان جیسے سیکڑوں شرمناک واقعات ملیں گے پس اگر درحقیقت فاضل بریلوی اپنے اس بیان میں سچے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ بالا مضمون کا کوئی فتویٰ حضرت گنگوہی مرحوم کے مہر و دستخط کے ساتھ دیکھا، تو یقیناً وہ اسی قبیلہ سے ہے۔ لیکن پھر بھی مولوی احمد رضا خان صاحب کو اس

پاس ہو تو فوراً اس کو نذر آتش کر دیجئے۔ خدا کی پناہ! میں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تکفیر و انا اعظم المعتقدين في الامم ابی حنیفہؒ (حالانکہ مجھ کو امام کی جناب میں بے انتہا عقیدت ہے) میں نے تو ایک ضخیم کتاب بھی امام کے مناقب عالیہ میں لکھی ہے۔

امام مصطفیٰ قرمانی حنفی نے نہایت جانکاہی سے ”مقدمہ ابو اللیث سمرقندی کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ جب ختم کرچکے تو مصر آئے کہ وہاں کے علماء کو دکھلانے کے بعد اس کی اشاعت کریں گے۔ تصنیف بحمد اللہ کامیاب تھی۔ بعض حاسدوں کی نظر میں کھٹک گئی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اس کی اشاعت سے ہماری دکانوں کی رونق پھیکی پڑ جائے گی۔ کچھ اور تو نہ کر سکے البتہ یہ خباثت کی کہ اس کے باب آداب العلماء کے اس مسئلہ میں کہ قضائے حاجت کے وقت آفتاب و مابتاب کی طرف رخ نہیں کرنا چاہیے اپنی دسیہ کاری سے اتنا اضافہ کر دیا کہ چوتھے ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ منہ) علامہ قرمانی کو اس شرارت کی کیا خبر تھی۔ انھوں نے لاعلمی میں وہ کتاب علماء مصر کے سامنے پیش کر دی۔ جب ان کی نظر اس دلیل پر پڑی سخت برہم ہوئے اور تمام مصر میں علامہ قرمانی کے خلاف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قاضی وقت نے واجب القتل قرار دیا۔ بیچارے راتوں رات جان بچا کر مصر سے بھاگے۔ ورنہ سر دیے بغیر پھینچوٹنا مشکل تھا۔

عارف ربانی امام عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب ”الواقیت والجواہر“ میں

کی بنا پر کفر کا فتویٰ دینا ہرگز جائز نہ تھا، تا وقتیکہ وہ یہ تحقیق نہ کر لیتے کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا کا ہے بھی یا نہیں؟ فقہ کا مسلم اور مشہور مسئلہ ہے کہ "الخط يشبه الخط" یعنی ایک انسان کا خط دوسرے کے خط سے مل جاتا ہے اور خود خاں صاحب بھی اس سے ناواقف نہیں۔ چنانچہ خط یا تار سے عدم ثبوت روایت ہلال پر استدلال کرتے ہوئے آپ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"تمام کتابوں میں تصریح ہے "الخط يشبه الخط" الخط لا يعمل به"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد ۲، ص ۵۲)

بہر حال جبکہ روایت ہلال جیسی معمولی باتوں میں خط کا اعتبار نہیں تو پھر تکفیر جیسے اہم معاملہ میں کیونکر اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

رہے وہ دلائل جو خاں صاحب نے حضرت گنگوہی مرحوم کی طرف اس جعلی فتوے کی نسبت صحیح ہونے پر اپنی کتاب "تمہید ایمان" میں پیش کیے ہیں وہ نہایت لچر پوچ اور تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہیں۔

ناظرین ذرا ان کو خود بھی دیکھ لیں اور جانچ لیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب موصوف اس جعلی فتوے کے متعلق "تمہید ایمان" ص ۹۳ پر لکھتے ہیں:

"یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے ۳۰۸ ہجری میں رسالہ

"صیانتہ الناس" کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہو چکا،

پھر ۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسنی ممبئی میں اس کا مفصل رد چھپا، پھر ۳۲۲ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا اور قابرہ رد چھپا، اور فتویٰ دینے والا جمادی الآخرہ ۳۲۳ھ میں مرا اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتویٰ میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوے کا انکار کر دینا سہل تھا، نہ یہی بتلایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سنت بتا رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔ نہ کفر صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔

حشو و زوائد حذف کر دینے کے بعد خاں صاحب کی اس دلیل کا حاصل صرف یہ قدر ہے کہ

۱۔ یہ فتویٰ مع رد کے مولانا گنگوہی مرحوم کی حیات میں تین مرتبہ چھپا۔

۲۔ انھوں نے تازلیت اس فتوے کی نسبت سے انکار نہیں کیا، نہ اس کا اور کوئی مطلب بتایا۔

۳۔ اور چونکہ معاملہ سنگین تھا، اس لیے اس خاموشی کو عوام التفات پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا، لہذا ثابت ہو گیا کہ یہ فتویٰ انھیں کا ہے اور اس کا مطلب بھی وہی ہے، جس کی بنا پر ہم نے تکفیر کی ہے۔

اگرچہ خاں صاحب کی اس دلیل کا لچر پوچ اور مہمل ہونا ہمارے نقد و تبصرہ کا محتاج نہیں۔ ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی تھوڑے سے غور و فکر سے اس کی لغویت کو سمجھ سکتا ہے

تاہم سب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر جُز پر تھوڑی سی روشنی ڈال کر ناظرین سے بھی خاں صاحب کے علم و مجددیت کی کچھ داد و لوا دی جائے۔

خاں صاحب کی دلیل کا پہلا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ :

”یہ فتویٰ مولانا گنگوہی کی حیات میں تین مرتبہ مع رد کے چھپا“

اسی مقدمہ سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ یہ جعلی فتویٰ صرف مولانا کے مخالفین نے چھپا پایا ہے۔ مولانا یا آپ کے متوسلین کی طرف سے کبھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی (خیر اس راز کو تو اہل بصیرت ہی سمجھیں گے) ہم کو تو اس کے متعلق صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر خاں صاحب کے بیان کو صحیح سمجھ کر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فتویٰ متعدد بار مع رد کے حضرت گنگوہی مرحوم کی حیات میں چھپ کر شائع ہوا، جب بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت کے پاس بھی پہنچا ہو یا ان کو اس کی اطلاع بھی ہوئی ہو، اور اگر ان کے پاس بھیجا گیا تو سوال یہ ہے کہ ذریعہ قطعی تھا یا غیر قطعی؟ پھر کیا خاں صاحب کو اس کی وصولیابی کی اطلاع ہوئی؟ اگر ہوئی تو وہ ذریعہ قطعی تھا یا قطعی! بحث کے اتنے پہلوؤں سے چشم پوشی کر کے کُفر کا قطعی یقینی فتویٰ دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ بہر حال جب تک قطعی طور پر یہ ثابت نہ ہو جائے کہ فی الواقع حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسا فتویٰ لکھا تھا جس کا قطعی اور متعین مطلب وہی تھا جو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا ہے اس وقت تک ان یحییٰ بنیادوں پر تکفیر قطعاً ناروا اور معصیت ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی مرحوم تو ایک گوشہ نشین عارف باللہ تھے جن کا حال بلا مبالغہ یہ تھا ۷

بسودائے جاناں زجاں مشتغل بذکر حبیب از جہاں مشتغل
یہ خاکسار جس کے اوقات کا خاصہ حصہ اب تک اہل باطل ہی کی تواضع میں صرف ہوا ہے آج تک اس جعلی فتوے کے ان تینوں ایڈیشنوں کی زیارت سے محروم ہے جن کا ذکر خاں صاحب فرما رہے ہیں، پس ہو سکتا ہے بلکہ قرین قیاس ہے کہ حضرت مرحوم کو اس قصہ کی خبر بھی نہ ہوئی ہو۔

خاں صاحب کی دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ تھا کہ مولانا گنگوہی مرحوم نے اس فتویٰ سے انکار نہیں کیا، نہ اس کی کوئی تاویل بیان کی۔

اس کے متعلق پہلی گزارش تو یہی ہے کہ جب اطلاع ہی ثابت نہیں تو انکار کس چیز کا اور تاویل کس بات کی؟ اور فرض کر لیجئے ان کو اطلاع ہوئی، لیکن انھوں نے ناخدا اتریں مفتریوں کی اس ناپاک حرکت کو ناقابل توجہ اور شائستہ اعتناء ہی نہ سمجھا، یا ان کے معاملہ کو حوالہ بخدا کر کے سکوت اختیار فرمایا۔

ربا یہ کہ کُفر کی نسبت کوئی معمولی بات نہ تھی جس کی طرف التفات نہ کیا جاتا، سو اول تو یہ ضروری نہیں کہ دوسرے بھی آپ کے اس نظریہ سے متفق ہوں، ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اس لیے انکار کی ضرورت نہ سمجھی ہو کہ ایمان والے خود ہی ایسے ناپاک افترا کی تکذیب کر دیں گے۔ یا انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ گندگی اُچھالنے والے علمی اور مذہبی دنیا میں کوئی مقام نہیں رکھتے، لہذا ان کی بات کا کوئی اعتبار ہی نہ کر گیا۔ بہر حال سکوت کے لیے یہ وجوہ بھی ہو سکتے ہیں اور پھر قطع نظر ان تمام باتوں سے، یہ کہنا ہی غلط

ہے کہ کفر کا معاملہ سنگین تھا "بے شک خاں صاحب کی "مجددیت" کے دور سے پہلے تکفیر ایسی ہی غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی، لیکن خاں صاحب کی روح اور ان کی موجود ذریت مجھے معاف فرمائے کہ جس دن سے افتاء کا قلمدان خاں صاحب کے بے باک ہاتھوں میں گیا ہے، اس روز سے تو کفر اتنا سستا ہو گیا کہ اللہ کی پناہ !

ندوة العلماء والے کافر، جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر علماء دیوبند کافر، جو انھیں کافر نہ کہے وہ کافر غیر مقلدین اہل حدیث کافر، مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کافر اور تو اور تحریک خلافت میں شرکت کے جرم میں اپنے براہِ ان طریقیت مولوی عبداللہ صاحب یدائیونی کافر، مولوی عبدالقدیر صاحب بدائیونی کافر، کفر کی وہ بے پناہ مشین گن جلی کر الہی توبہ۔ بریلی کے ڈھائی لاکھ انسانوں کے سوا کوئی بھی مسلمان نہ رہا۔

پس ہو سکتا ہے کہ خاں صاحب اور ان جیسے کفر باز کسی اللہ والے کو کافر کہیں اور وہ اس شور و غوغا کو نباحِ کلاب سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کرے اور اس کا اصول یہ ہو کہ

وَلَقَدْ أَمَرْتُ عَلَى اللَّيْلِ أَنْ يَسْجُدَ لِي
فَمَضَيْتُ ثُمَّ قُلْتُ لَا يَعْزُبُ عَنِّي

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کو اطلاع ہوئی ہو اور انھوں نے اس جلی فترے سے انکار بھی فرمایا ہو لیکن خاں صاحب کو اس انکار کی اطلاع نہ ہوئی ہو پھر عدم اطلاع سے عدم انکار کیونکر سمجھا جاسکتا ہے؟ کیا عدم علم، عدم الشیء کو مستلزم ہے؟ اہل علم اور ارباب انصاف غور فرمائیں کہ کیا اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے

بھی تکفیر جائز ہو سکتی ہے؟ دعویٰ تو یہ تھا کہ

"ایسی عظیم احتیاط والے (یعنی خود بدولت جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب) نے ہرگز ان دشنامیوں (حضرت گنگوہی وغیرہ) کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو گیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش کوئی تاویل نہ رکھ سکی۔" (تمہید ص ۴۴)

اور دلیل اس قدر لچر کہ یقین کیا معنے ظن کی بھی مفید نہیں، اور اگر ایسی ہی دلیلوں سے کفر ثابت ہوتا ہے تو پھر تو اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ کوئی جاہل یا دیوانہ کسی با خدا کو کافر کہے، وہ اس کو ناقابلِ خطاب سمجھتے ہوئے اعراض کرے اور اس کے سامنے اپنی صفائی پیش نہ کرے، بس خاں صاحب کی دلیل سے کافر ہو گیا۔ چہ خوش! گر ہمیں یقینی و ہمیں مستوی کارایاں تمام خواہ شد

ادھر فہمائے کرام کی وہ تصریحات کہ اگر ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور صرف ایک احتمال اسلام کا، تب بھی تکفیر جائز نہیں، اور ادھر چودھویں صدی کے ان خود خستہ مجدد صاحب کی یہ تیز دستی کہ صرف خیالی و وہمی مقدمے جوڑ کر نتیجہ نکالا اور تکفیر یقینی قطعی "بہر کہ شک آرد کافر گردد"۔

بہیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بعض متوسلین نے گنگوہ عریفیہ لکھ کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس کے جواب میں بھی حضرت مرحوم نے اپنی بنیاری ظاہر فرمائی اور حضرت مرحوم کی وہ جوابی تحریر عینہ خالصاً کو دکھلائی بھی گئی مگر پتھر کے اس دل پر کوئی اثر نہ ہوا اور خدا کا خوف غلطی کے اقوار پر اس کو آمادہ نہ کر سکا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدَّ قَسْوَةً
وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ أَلْهَافٌ فَإِنْ مِنْهَا لَمَّا يَشَقُّ فَيُخْرَجُ
مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنْ مِنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ

یہی وہ حالات اور واقعات ہیں جن کی وجہ سے ہم یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہیں کہ خاں صاحب کے فتوے کفر کی بنیاد پہلے دن سے کسی غلط فہمی یا علمی لغزش پر نہ تھی بلکہ وحقیقت اس کی تہ میں صرف حسد و جاہ پرستی اور نفس پروری کا بے پناہ جذبہ کار فرما تھا۔ وَ سَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

لہ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بیشک پتھروں میں سے تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ رہی ہیں، اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بعضے ان میں وہ ہیں جو خدا کے خوف سے نیچے آگرتے ہیں۔

یہاں تک تو مناظرانہ بحث تھی لیکن اس کے بعد ہم یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اخیر زمانہ حیات میں جب آپ کے بعض متوسلین کو اہل بدعت کی اس افتراء پر دازی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے عریفیہ لکھ کر حضرت مرحوم سے اس کے متعلق دریافت کیا، حضرت نے جواب میں اپنی برارت اور جعلی فتوے کے لغتی مضمون سے کامل بنیاری ظاہر فرمائی اور خالصاً صاحب کو اس کی اطلاع بھی ہوئی، لیکن کفر کا فتویٰ پھر بھی جوں کا توں رہا۔ یہیں سے تکفیر کے ان علمبردار اور ان کی ذریت کی نیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔

چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ نے جب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے خاص الخاص عقیدت کیش میاں محمد الرحمن کپھر بروی کے ایک رسالہ میں اس جعلی فتوے کا ذکر دیکھا تو اسی وقت حضرت کی خدمت میں گنگوہ عریفیہ لکھا کہ حضرت کی طرف اس مضمون کے فتوے کی نسبت کی جا رہی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو جواب آیا کہ

یہ سراسر افتراء اور محض بہتان ہے۔ بھلا میں ایسا کیسے لکھ سکتا ہوں؟
حضرت مرحوم کے اس جواب کا ذکر حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ کے متعدد رسائل "السحاب المذلل"، "تزکیۃ الخواطر" وغیرہ میں آچکا ہے اور یہ تمام رسالے خاں صاحب کی حیات میں ان کے پاس پہنچ بھی چکے ہیں۔
نیز جب پہلے پہل اس بہتان کا چرچا بریلی میں ہوا، تو یہاں سے بھی حضرت کے

۳

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تنقیص شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ناپاک بہتان

مولوی احمد رضا خاں صاحب حُسام الحرمین ص ۱۵ پر لکھتے ہیں :

وهؤلاء اتباع شيطان الأفاق اور یہ شیطان آفاق ابلیس لعین کے پیرو ہیں
ابلیس اللعین و هم ایضاً اذ ناب اور یہ بھی اُسی تکذیب خدا کرنے والے گنگوہی
ذلك المكذب الكنکوهی فانه کے دُم چھلے ہیں کہ اُس نے اپنی کتاب "براہین
قد صرح فی کتابہ البراہین القاطعہ قاطعہ" میں تصریح کی (اور خدا کی قسم وہ قطع
وما ہی واللہ الا القاطعہ لما امر نہیں کرتی مگر ان چیزوں کو جن کے جوڑنے
اللہ بہ ان یوصل بان شیخہم کا اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے) کہ ان کے پیر
ابلیس اوسع علماً من رسول اللہ ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و هذا زیادہ ہے اور یہ اس کا بُرا قول خود اس کے
نصّہ الشنیع بلفظہ الفظیع (ص ۴۷) بد الفاظ میں ص ۴۷ پر ہے۔
شیطان و ملک الموت کو الزای ان شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص
هذه السعة فی العلم ثبتت للشیطان سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون
و ملک الموت بالنص و ای نص قطعی سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے
فی سعة علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی تُردّ به النصوص ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ اور اس سے پہلے
جميعاً و یثبت شرک و کتب قبلہ لکھا کہ شرک نہیں تو کونسا ایمان کا جھٹہ ہے۔
ان هذا الشرک لیس فیہ حجة خردل من ایمان -

پھر مؤلف براہین کو کچھ "صلواتیں" سُنا کر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں :

وقد قال فی نسیم الریاض اور بے شک نسیم الریاض میں فرمایا (جیسا
کما تقدم من قال فلان اعلم منه کہ اس کا نص اصل کتاب میں گزر چکا ہے)
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقد کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عابہ و نقصہ فهو سائب و الحکم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بے شک
فیہ حکم الساب من غیب فوق لا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگایا اور
نستثنیٰ منه صورة و هذا کله حضور کی شان گھٹائی تو وہ گالی دینے والا ہے اور اس

اجماع من لدن الصحابة رضی کا حکم وہی ہے جو کالی دینے والا ہے، اصلاً فرق
 اللہ تعالیٰ عنہم ثم اقول انظروا نہیں اس میں سے ہم کسی صورت کا استثناء نہیں
 الی اشار ختم اللہ کیف یصیر البصیر کرتے، اور ان تمام احکام پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ
 اعنی، وکیف یختار علی الہدی عنہم کے زمانہ سے اب تک برابر اجماع چلا آیا
 العی، یومن بعلم الارض الحیط ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ اللہ کی مہر کر دینے کا
 لبلیس واذ جاء ذکر محمد رسول اثر دیکھو، کیونکہ انکھیا را اندھا ہو جاتا ہے اور
 اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال راہ حق چھوڑ کر چوپٹ ہونا پسند کرتا ہے۔ بلیس
 هذا شرك وانما الشرك اثبات کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لاتا ہے
 الشريك لله تعالى فالشيء اذا كان اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 اثباته لاحد من المخلوقين شركا کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے، حالانکہ شرک
 كان شركاً قطعاً لكل الخلائق اذ لا تو اسی کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی
 یصح ان یکون احد شریکاً للہ تعالیٰ شریک ٹھیرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق میں سے
 فانظروا کیف امن بان ابلیس شریک کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام
 له سبحانه وانما الشریکة منتفیة جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک
 عن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوگا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا تو دیکھو بلیس
 ثم انظروا الی غشاة غضب اللہ لعین کے اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ہونے کا کیا
 تعالیٰ علی بصراً یطالب فی علم محمد ایمان رکھتا ہے۔ شرک تو محمد رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالنص و تعالیٰ علیہ وسلم سے منتفی ہے پھر غضب اللہ کا گھٹا ٹپ
 لا یرضی بہ حتی یکون قطعاً فاذا اس کی آنکھوں پر دیکھو۔ علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تو
 جاء علی سلب علمہ صلی اللہ تعالیٰ نص مانگتا ہے اور نص پر بھی راضی نہیں جب تک
 علیہ وسلم تمسک فی هذا البیان قطعی نہ ہو اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے
 نفسه علی صفحہ ۴۶ بستہ اسطر علم کی نفی پر آیا تو خود اسی بحث میں صفحہ ۴۶ پر اس
 قبل هذا الکفر المہین بحديث ذلت دینے والے کفر سے چھ سطر پہلے ایک طہل
 باطل لا اصل له فی الدین وینسبہ روایت کی سند پکڑی ہے جس کی دین میں بالکل اصل
 کذباً الی من لم یرد بل ردہ بالرد نہیں اور ان کی طرف اس کی نسبت کر رہا ہے جنہوں
 المبین حیث یقول روی الشیخ نے اسے روایت نہ کیا بلکہ اس کا صاف رد کیا کہ
 عبد الحق قدس سرہ عن النبی صلی کہتا ہے شیخ عبدالحق رحمہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال لا اعلم دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں حالانکہ شیخ نے مدارج
 ما وراہ هذا الجدار اہ مع ان الشیخ النبوة میں یوں فرمایا ہے کہ یہاں یہ اشکال پیڑ
 قدس اللہ تعالیٰ سرہ انما قال فی کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی صلی اللہ
 مدارج النبوة ہکذا یشکل ہہنا علیہ وسلم نے یوں فرمایا میں تو ایک بندہ ہوں اگر
 بان جاء فی بعض الروایات انہ قال دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں اس کا جواب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما یہ ہے کہ یہ قول بے اصل ہے اس کی روایت
 انا عبد لا اعلم وراہ هذا الجدار صحیح نہ ہوئی۔ دیکھو کیسی لافقت ہوا الصلوٰۃ سے

وجوابہ ان هذا القول لا اصل له ولم تصح به الرواية اه فانظروا كيف يجتمع بلا تقربوا الصلوة ويتركوا انتم سكارى۔ (حسام، ص ۱۵)

اس موقع پر شوقِ تکفیر لوہا کرنے کے لیے مولوی احمد رضا خان صاحب نے دین و دیانت پر جو ظلم کیا ہے اُس کی فریادیں واحد قہار سے ہے۔ اُس کی باز پرس انشاء اللہ روز جزا ہوگی۔ لیکن دنیا میں ارباب انصاف بھی فیصلہ فرمائیں کہ اس مدعی مجددیت کے بیان اور اُس کے فتوے میں کتنی صداقت ہے؟

اس عبارت میں خاں صاحب نے مصنف براہین قاطعہ پر مندرجہ ذیل چار اعتراض کیے ہیں:

۱۔ (معاذ اللہ) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطانِ رحیم کے علم سے گھٹایا۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین کے علم محیط کے اثبات کو شرک بتلایا اور شیطانِ لعین کے لیے اس کو ثابت مانا حالانکہ کسی ایک مخلوق کے لیے جس چیز کا ثابت کرنا شرک ہے دوسری مخلوقات کے لیے بھی اس کا ثابت کرنا یقیناً شرک ہے تو گویا مصنف براہین نے (معاذ اللہ) شیطان کو خدا کا شریک مان لیا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر نفسِ منطقی کا مطالبہ کیا، اور جب حضور اقدس کے

علم کی نفی کی، تو ایک باطل الروایۃ حدیث سے استناد کیا۔

۴۔ پھر اس حدیث کی روایت کو ازراہ دروغ بیانی اس شخص کی طرف منسوب کیا، جس نے روایت نہیں کی بلکہ نقل کر کے ردِ بیغ کیا۔

یہ ہے خانصاحب کی اس ساری عبارت کا خلاصہ اور مصنف براہین قاطعہ کے خلاف ان کی فردِ قوادِ مجرم۔ ہم تحریرِ جواب سے پہلے چند تمہیدی مقدمات عرض کرتے ہیں۔

پہلا مقدمہ | علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عطائی۔ ذاتی وہ ہے جو از خود ہو، کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ اور عطائی وہ ہے جو کسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہو۔ پہلی قسم (علم ذاتی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ مخلوقات میں سے جس کو بھی کوئی علم ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا اور بتلایا ہوا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی یا فرشتے کے لیے بھی علم ذاتی ثابت کرے گا تو سب کے نزدیک مشرک ہوگا، چونکہ یہ تمام امت کا مشہور اجماعی مسئلہ ہے لہذا ہم اس کے ثبوت میں صرف خاں صاحب بریلوی ہی کی تصریحات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ع

مدعی لاکھ پہرباری سے گواہی تیری

موصوف "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۸ پر رقمطراز ہیں:

"علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بہ عطائے خدا مل سکتا ہے تو ذاتی و عطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یوں ہی محیط و غیر محیط کی تقسیم بدیہی"

لا تتناهى لان لكل ذرة مع
ذرة كانت او تكون او يمكن ان
تكون نسبة بالقرب والبعد والجهة
مختلفة في الزمنه باختلاف
الامكنة الواقعة والممكنة من
اول يوم الى ما لا اخر له والكل
معلوم له سبحانه وتعالى بالفعل
فعلمه عز وجله غير متناه في
غير متناه في غير متناه
ومعلوم ان علم المخلوق لا يحيط
في ان واحد غير المتناهي كما بالفعل
تفصيلاً تاماً حيث يمتاز فيه كل
فرد عن صاحبه امتيازاً كلياً
نیز اسی الدولۃ المکیۃ کے صفحہ ۲۱۲ پر ہے :

ان بیئت ان له سبحانه في كل ذرة
ذرة علوم لا تتناهى فكيف ينكشف
شي لخلق كما نكشافه للخالق عزو
يتحقق من بيان كبرها ان الله سبحانه تعالى ان
هر ذرة في غير متناهي علوم هي - پس کوئی چیز کسی
مخلوق کے لیے اس طرح کیسے منکشف ہو سکتی ہے جیسے

ان میں اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر تقسیم کی تقسیم
اول ہے یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی :
نیز اسی خالص الاعتقاد کے صفحہ ۲۲ پر فرماتے ہیں :
بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں ، اس قدر خود ضرورت
دین سے ہے اور منکر کافر :
اور الدولۃ المکیۃ کی نظر اول صفحہ ۶ پر ہے :

فالاول (العلم الذاتي) مختص بالمولى علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے
سبحانه وتعالى لا يمكن لغيره ومن غير کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز
اثبت شيئاً منه ولو ادنى من ادنى اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے
من ذرة لاحد من العالمين فقد كفروا لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہو گیا اور ہلاک و
اشرك و باد و هلك - برباد ہوا ۔

دوسرا مقدمہ کائنات کے ہر ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور چونکہ
کسی مخلوق کا علم معلومات غیر متناہیہ کرنا ہیٹ نہیں ہو سکتا۔ لہذا کہا جا
سکتا ہے کہ کسی مخلوق کو ایک ذرہ کا بھی حقیقی معنی میں علم ہیٹ نہیں ہو سکتا ۔

اس کے ثبوت میں بھی ہم خاں صاحب بریلوی کی تصریحات پر قناعت کریں گے
موصوف الدولۃ المکیۃ صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

بل له سبحانه وتعالى في كل ذرة علوم بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہر ذرہ میں علوم

جل

کہ اس کا انکشاف خداوند تعالیٰ کے لیے ہے۔

تیسرا مقدمہ عقیدہ قائم کرنے کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور نفی کے لیے صرف عدم دلیل ثبوت کافی ہے۔ اسی لیے قرآن عزیز میں جا بجا منکرین کے خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ کی تردید میں فرمایا گیا ہے کہ یہ ان کے ذاتی خیالات اور شیطانی وساوس ہیں۔ خدا کی طرف سے اُن پر کوئی دلیل و بُرہان نہیں۔

نیز خود مولوی احمد رضا خاں صاحب نے بھی ابناء المصطفیٰ میں عقائد کے اثبات کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے۔

چوتھا مقدمہ علوم و دقہم کے ہیں۔ ایک وہ جن کو دین سے تعلق ہے (جیسے تمام علوم دینیہ شرعیہ) اور دوسرے وہ جن کو دین سے تعلق نہیں (جیسے زید، عمرو، گنگا پرشاد، جناد اس، سرہنگ اور لارڈ ونگٹن، مسٹر چرچل وغیرہ کے جزئی حالات کا علم، زمین کے کیڑے مکوڑوں اور سمندر کی مچھلیوں کی تعداد اور ان کے خواص کا علم، ان کی عام نقل و حرکت، اکل و شرب اور بول و براز کا علم) ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے علم کو دین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان علوم کو کمال انسانی میں کوئی دخل، اور نہ ان کے نہونے سے انسان میں کوئی نقصان!

اگرچہ یہ مقدمہ بدیہی ہے اور ہر معمولی سی عقل رکھنے والا بھی اس کو تسلیم کرے گا، مگر اب چند روز سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روحانی ذریت نے اس سے انکار شروع کر دیا ہے اور وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی علم ایسا نہیں جس کا دین سے تعلق نہ

ہو اور جس کو کمال انسانی میں دخل نہ ہو، لہذا یہاں بھی ہم صرف خاں صاحب ہی کی ایک عبارت پیش کر دنیا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف کے ملفوظات حصہ دوم صفحہ ۶۲ پر ہے "سیمیا ایک ناپاک علم ہے" خاں صاحب کے اس مختصر مگر پر معنی فقرے سے صرف اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ بعض علم ناپاک بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو علم ناپاک ہو، وہ نہ دینی علم ہو سکتا ہے اور نہ کسی انسان کے لیے باعث کمال۔

پانچواں مقدمہ شریعت میں جس علم کی مدح کی گئی ہے اور انسانوں کو جس کی ترغیب دی گئی ہے اور جو رضائے الہی کا باعث ہے، وہ صرف وہ علم ہے جس

کا تعلق دینیات سے ہو اور جس سے کمال انسانی وابستہ ہو، مثلاً قرآن عزیز میں ہے:

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

کیا علم والے اور بے علم سب برابر ہو سکتے ہیں۔ (برگز نہیں)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَنَجَّاتٍ

وہ جسے بلند کرے گا۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں علم سے نہ انکشاف مراد ہے نہ سنسکرت یا بھاشا، نہ سائنس نہ جغرافیہ، نہ جادوگری نہ شاعری، بلکہ صرف علم دین ہی مراد ہے، اور وہی خدا کو محبوب ہے

اور حدیث شریف میں ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى

طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

كُلِّ مُسْلِمٍ

اور ایک دوسری حدیث میں ہے :

إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَوْرَثُوا دِينًا
وَلَا دِرْهَمًا وَ إِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ
فَمَنْ أَخَذَ مِنْهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَافِرٍ

بہ تحقیق انبیاء علیہم السلام نے وراثت کی
میراث نہیں چھوڑی، ان کی میراث صرف علم ہے،
جس نے اس کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ پایا۔

ان احادیثِ کریمہ میں بھی علم سے علمِ شریعت اور علمِ دین ہی مراد ہے۔ کون بدبخت کہہ سکتا ہے کہ دنیاوی علوم کا حاصل کرنا بھی مسلمان کا مذہبی فرض ہے، اور کون محرومِ بصیرت خیال کر سکتا ہے کہ جادوگری و شعبدہ بازی جیسے لغو علوم بھی میراثِ نبوت ہیں۔ بہر حال یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ شریعت میں جس علم کی ترغیب دی گئی ہے اور جس کو کمالِ انسانی میں دخل ہے وہ صرف علمِ دین ہے۔ بلکہ بیکار اور غیر متعلق باتوں کی کھود کرید سے تو شریعت نے منع فرمایا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ
مَا لَا يَعْنِيهِ (حدیث نبوی)

انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیکار
باتوں میں نہ پڑے۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کسی شخص نے تعزیر داری اور امور متعلقہ تعزیری داری کے متعلق چند سوال کیے تھے۔ منجملہ ان کے بارہواں سوال (شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق) یہ تھا کہ :

”بعد شہادت کس قدر مبارک و مشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس آئے“

اس کے جواب میں مولوی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں :

”حدیث میں فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باقیں چھوڑے“

خاں صاحب کا وہ پورا فتویٰ جس میں یہ سوال و جواب درج ہے کئی جگہ متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکا ہے اور اس کی اصل بہ ٹر و دستخط بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اگر ان کے یہاں نقل فتاویٰ کا پورا اہتمام ہوگا (جیسا کہ میں نے سنا ہے) تو غالباً وہاں بھی اس کی نقل محفوظ ہوگی۔

فتوے پر تو کوئی تاریخ درج نہیں اور لغافہ پر ڈاک خانہ کی مٹہر بھی کچھ زیادہ صاف نہیں تاہم بعد غور بسیار ظن غالب یہ ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں بریلی کے ڈاکخانہ سے وہ فتویٰ روانہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم !

خاں صاحب کے اس فتوے سے بھی صاف معلوم ہو گیا کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جو بیکار ہیں اور ان کا حاصل نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ جس سوال کے جواب میں خاں صاحب نے یہ تحریر فرمایا ہے وہ سوال نہ یہ، عمرو، بکر، حیوانات و بہائم، دریا کی مچھلی، مینڈک یا حشرات الارض کے متعلق نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل بیت کرام و شہدائے عظام کے مقدس سروں کے متعلق سوال ہے اس کا جواب خاں صاحب یہ دیتے ہیں کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتوں کو چھوڑ دے جو علوم انسان کے لیے باعث کمال نہیں اور جن کے حصول کے لیے چھٹا مقدمہ | انسان خدا کی طرف سے مامور نہیں (جیسے روزمرہ کے جزئی حوادث

اور مخصوص افراد کے شخصی اور خانگی حالات) اُن میں ایک مفضل کا دائرہ علم افضل سے اور ایک مردود کا مقبول سے وسیع ہو سکتا ہے بلکہ غیر دینی اور غیر ضروری اُمور میں غیر نبی کا علم بھی کبھی نبی سے بڑھ سکتا ہے لیکن علوم شرعیہ و اُمور ضروریہ اور اصول دینیہ میں ہمیشہ نبی ہی کا دائرہ علم زیادہ وسیع ہوگا کیونکہ ان علوم کے فیضان میں وہ تمام اُمت کے لیے واسطہ کبریٰ ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے یہ علوم افراد امت تک پہنچتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :

يجوز ان يكون غير النبي فوق جائز ہے کہ غیر نبی نبی سے بڑھ جائے ان علوم النبي في علوم لا تتوقف نبوته عليها میں کہ جن پر نبی کی نبوت موقوف رہے۔

(ج ۵، ص ۴۹۵)

ساتواں مقدمہ | دین سے غیر متعلق اور غیر ضروری امور کے نہ جاننے کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر مقبولین بارگاہِ اُمدیت کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آتی اور نہ اُن کے کمال علمی کو اس سے کچھ صدمہ پہنچتا ہے بلکہ ایسا سمجھنا انتہائی سفاہت اور منسوب رسالت سے اعلیٰ درجہ کی جہالت ہے۔

علامہ قاضی عیاض جن کو حضرت رسالت کے ساتھ قابل تقلید عشق ہے، شفا شریفہ میں اس نکتہ پر تنبیہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :

فاما ما تعلق منها بامور الدنيا فلا بهر حال وہ علوم جن سے تعلق دُنیاوی باتوں سے يشترط في حق الانبياء العصمة من ہو، سو اُن میں سے بعض کے نہ جاننے سے

عدم معرفة الانبياء ببعضها او اعتقادها على خلاف ما هي عليه ولا وصم عليهم فيه اذ هم متعلقة بالآخرة وانبائها وامر الشريعة وقوانينها وامور الدنيا تضادها بخلاف غيرهم من اهل الدنيا الذين يعلمون ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم عن الآخرة هم الغافلون -

اور ان کے متعلق خلاف واقعہ اعتقاد قائم کر لینے سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری نہیں (یعنی ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض دُنیاوی باتوں کا علم نہ ہو) اور اس کے نہ جاننے کی وجہ سے اُن پر کوئی دُخبتہ نہیں کیونکہ ان کی توجہ آخرت اور اس کی خبریں اور شریعت اور اس کے قوانین کے ساتھ متعلق ہے اور دُنیاوی باتیں اُن کے برعکس ہیں بخلاف اور اہل دُنیا کے جو اسی دُنیاوی زندگی کو جاننے

(شفا - ص ۲۵۴)

ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

پھر اس مضمون کو متعدد اُمادِ شریفہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۳۰۲ پر لکھتے ہیں :

فمثل هذا و اشباهه من امور الدنيا التي لا مدخل فيها لعلم ديانة ولا اعتقادها ولا تعليمها يجوز عليه فيها ما ذكرنا اذ ليس في هذا كله نقص ولا محطه و انما هي امور اعتيادية يعرفها

پس دُنیاوی امور میں سے ایسی باتیں کہ جن کو نہ دین کے علم میں کوئی دخل ہے نہ اُس کی تعلیم میں نہ اس کے اعتقاد میں (سو ایسی باتوں کے بارے میں) جائز ہے۔ نبی علیہ السلام پر وہ جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اُن باتوں کا نہ جاننا) اس لیے کہ ایسی باتوں کے نہ جاننے کی وجہ سے نہ تو کچھ نقصان

من جَرَّبَهَا وَجَعَلَهَا هَمَّةً و پیدا ہوتا ہے نہ درجہ اور مرتبہ میں کوئی کمی آتی
 مشغل نفسه بها والنبي مشغون ہے۔ یہ امور تو عادت پر موقوف ہیں ان کو وہ
 القلب بمعرفة الربوبية ملآن شخص خوب جانے گا جس نے ان کا تجربہ کیا
 الجوانح بعلوم الشريعة ہو اور انھیں اپنا مقصد بنالیا ہو اور جس نے اپنے
 انتہی بقدر الحاجة شفا قاضی کو انھیں باتوں میں مشغول کر دیا ہو اور رسول اللہ
 عیاض، صفحہ ۳۰۲ - صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تو معرفت الہیہ
 سے اور سینہ فیض گنجینہ علوم معرفت سے لبریز ہے

بہر حال جو امور دین سے غیر متعلق ہوں، اگر ان میں سے بعض کا علم کسی غیر نبی کو ہو
 جائے، اور نبی کو نہ ہو تو اس میں اس نبی (علیہ السلام) کی کوئی تنقیص نہیں، کیونکہ ان امور
 سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو کوئی خاص تعلق ہی نہیں۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ
 وسلم نے ارشاد فرمایا:

انتم اعلم بامر دنیاکم - اپنی دنیا کی باتوں کے تم زیادہ جاننے والے
 (رواہ مسلم) ہر۔

صحیح مسلم کی یہ روایت ہمارے مدعا کے لیے نہایت واضح اور روشن دلیل ہے نیز آپ
 ارشاد فرماتے ہیں:

اذا كان شيء من امر الدنيا کم جب کہ کوئی چیز تمہارے دنیاوی امور میں سے
 فانتم اعلم به واذا كان شيء ہو جب تو تم ہی اس کے زیادہ جاننے والے ہو

من امر دينكم فآلي رعاة احمد اور اگر کوئی دینی معاملہ ہو تو میری طرف رجوع
 ومسلم عن انس) وابن ماجه کرو۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور امام مسلم
 عن انس وعائشه م معا) وابن نے حضرت انس سے اور ابن ماجہ نے حضرت
 خزيمة عن ابی قتادة) - انس اور حضرت عائشہ دونوں سے اور ابن خزيمة
 (کنز العمال - ج ۶، ص ۱۱۶) نے حضرت ابو قتادہ سے۔

اٹھواں مقدمہ | اگر بعض جزئی واقعات کا علم کسی ادنیٰ درجے کے شخص کو ہو اور اعلیٰ
 کو نہ ہو، یا کسی اُمّتی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو صرف اس کی وجہ سے
 اُس ادنیٰ کو اعلیٰ سے اور اس اُمّتی کو نبی سے اعلم (زیادہ علم والا) نہیں کہا جاسکتا، مثلاً
 آج کل کی مادی ایجادات اور صنعتی اختراعات کے متعلق جو معلومات یورپ کے ایک مُلحد
 کو حاصل ہیں یقیناً وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کو حاصل نہ تھے۔ اگر اموفون بنانے
 کا علم جو اس کے غیر مسلم مُوجد کو تھا، وہ یقیناً حضرت غوث پاکؒ کو نہ تھا۔ لیکن کون اُمّتی ہے
 جو ان مادی اور دنیوی علوم کی وجہ سے یورپ کے ان مُلحدین کو حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام
 مالکؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے اعلم (زیادہ علم والا) کہنے کی جرأت کرے۔ سنیما اور
 تھیٹر کے متعلق جو معلومات ایک فاسق و فاجر بلکہ ایک کافر و مشرک تماشاہ بین کو ہیں وہ
 یقیناً ایک بڑے سے بڑے متقی عالم کو نہیں۔ تو کیا کوئی تارکک دماغ بہر تماشاہ بین کو اس
 عالم سے اعلم کہہ سکتا ہے اور اسی پر کیا موقوف، جرائم پیشہ لوگوں کو جو معلومات اپنے جرائم
 کے متعلق ہوتے ہیں حضرات علمائے دین کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تو کیا سب چور، ڈاکو،

گرہ کٹ، پاکٹ مار، شرابی، کبابی، ہر علم دین کے مقابلہ میں اعلیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ نجاست کھانے والے کیرٹے کو نجاست ذغلاط کا ذائقہ معلوم ہوتا ہے اور ہر شریف انسان اُس سے ناواقف ہے، تو کیا اب نجاست کا ہر کیرٹہ بھی تمام انسانوں سے اعلم کہا جاسکتا ہے۔

بہر حال یہ مقدمہ بالکل بدیہی ہے کہ جو علوم دین سے غیر متعلق ہوں اور جن علوم کو کمال انسانی میں کوئی دخل نہ ہو۔ وہ اگر کسی شخص کو زیادہ بمقدار میں حاصل ہو جائیں، تو صرف اس کی وجہ سے اس کو زیادہ علم داں نہیں کہا جاسکتا۔ اعلم (زیادہ علم والا) بھی کہا جائے گا جب کہ علوم کمالیہ اور علم دینیہ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو۔

نواں مقدمہ | قرآن وحدیث میں اس کی نظیریں بجزرت ملی ہیں کہ حضور کی حیات طیبہ میں بہت سے واقعات جزئیہ کی اطلاع دوسرے لوگوں کو ہو گئی، جو اس کے کہ وہ واقعہ انھیں پر گزرا تھا یا ان سے اس کا کوئی خاص تعلق تھا، اور حضور کو اس وقت اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ غزوہ تبوک میں عبداللہ بن ابی منافق نے کسی موقع پر یہ کہا:

لَا تَنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ
رَسُولِ اللَّهِ۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اسی مجلس میں اُس نے یہ بھی کہا:

وَلَنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ
لِيُخْرِجَنَا أَوْ نَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ

اگر ہم مدینہ پہنچے تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وہ ذلیلوں کو نکال دے گا (یعنی ہم مہاجرین کو مدینہ سے بھگا دیں گے)

اُس کی یہ بکواس حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سنی اور انھوں نے اپنے چچا سے اس کا ذکر کر دیا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا حضور نے عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ اُن منافقین نے جھوٹی قسم کھائی کہ ہم نے نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تصدیق کر دی اور زید بن ارقم کو جھوٹا قرار دے دیا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ مدت العمر کبھی ایسا صدمہ نہ ہوا تھا، یہاں تک کہ میں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تاکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں جن میں حضور کو اطلاع دی گئی کہ درحقیقت ان منافقین نے ناشائستہ کلمات کہے تھے۔ تو حضور نے مجھ کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مطمئن ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

(۲) بعض منافقین کے متعلق سورہ توبہ میں ارشاد ہے:

وَمِنْ حَوْلِكُم مِّنَ الْأَعْدَابِ
مُنافِقُونَ وَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ

اور بعض ان لوگوں میں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں بدی منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ میں سے منافقت میں بہت مشاق ہیں آپ ان کو نہیں مَرَدُوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ -

جانتے، ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں خود مدینہ طیبہ اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں کچھ ایسے منافق تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ ان کو نہیں جانتے، اور ظاہر ہے کہ خود ان منافقین کو اپنے نفاق کا ضرور علم ہوگا۔

(۳) وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ آلدُّ الْخِصَامِ - اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کی بات اس دنیاوی زندگی میں آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر خدا کو شاہد بناتے ہیں اور فی الحقیقت وہ نہایت جھگڑالو ہیں۔

(سورہ بقرہ)

تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن وغیرہ میں ہے کہ یہ آیت اُخس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ شخص دیکھنے میں بہت اچھا اور نہایت شیریں زبان تھا حضور کی خدمت میں آتا اور اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا اور بہت زیادہ اظہارِ محبت کرتا تھا اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتا تھا۔ حضور اُس کو اپنے پاس بٹھاتے تھے، اور حقیقت وہ منافق تھا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

فَنَدَّ فِيهِ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ آلدُّ الْخِصَامِ - اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن کی بات آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور آپ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آپ کے دل میں اس کی عظمت

(خازن، جلد اول، ص ۱۶۱) ہوتی ہے۔

اس آیت کریمہ اور اس کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ اُخس بن شریق کے وطن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ بد بخت اپنے حال سے ضرور آگاہ تھا۔

۴۔ نیز منافقین ہی کی ایک جماعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے: وَإِذَا رَأَوْهُمْ تَعْجَبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ - اور جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خشنا معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ ان کی سن لیں گے۔ (سورہ منافقین)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں: وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ کی تفسیر میں ہے:

۱۔ فتحسب انه صدق یعنی آپ اس کو سچا سمجھیں (ج، ص ۸۲) ان مینوں آیتوں سے بطور قدر مشترک اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ ہی کے اندر کچھ ایسے سیاہ باطن منافق بھی تھے جن کے نفاق (یا عداوت نفاق) کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تھا۔ ظاہر حال دیکھ کر آپ ان کو اچھا جانتے تھے۔ ان کی جھوٹی باتوں کو سچ سمجھتے تھے، اور وہ بدکردار اپنے حال سے خود یقیناً خبردار تھے (اگرچہ بعد میں بذریعہ وحی حضور کو بھی مطلع فرما دیا گیا ہو)۔

اس کے بعد ہم اس سلسلہ میں صرف ایک آیت اور پیش کرتے ہیں۔ ارشاد

خداوندی ہے :

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ - (سورہ طیس) اور ہم نے اپنے رسول کو شعر نہیں سکھایا اور نہ وہ ان کے لیے مناسب ہے۔

اس آیت کریمہ سے نہایت صاف طور پر معلوم ہوا کہ آپ کو علم شعر نہیں عطا فرمایا گیا حالانکہ یہ علم کافروں تک کو حاصل ہوتا ہے۔

بہر حال قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ بعض غیر ضروری اور امور رسالت سے غیر متعلق علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں عطا فرمائے گئے، اور دوسروں کو حتیٰ کہ مشرکوں اور کافروں کو وہ حاصل تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے ان دوسروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وسیع العلم کہ دینا انتہائی بلاوت اور اعلیٰ درجہ کی حماقت اور رسالت ہے اگر اس قسم کے وائعات احادیث میں تلاشی کیے جائیں تو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مل آویں گے۔ یہاں نمونہ کے طور پر جنس چہرہ پیمیں والا ذکر کی جاتی ہیں :

(۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں بھاڑو لگایا کرتی تھی۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو نہ پایا تو حال دریافت فرمایا۔ عرض کیا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا

أَفَلَا كُنْتُمْ أَذَنْتُمْوَنِي

چہر تم نے مجھ کو اطلاع کیوں نہیں کی۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا :

دُتُوْنُ عَلٰی قَبْرِهَا یعنی مجھے اس کی قبر بتلاؤ، چنانچہ قبر فدّوْہ فَصَلِّ عَلَیْہَا بتلا دی گئی۔ پس آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس عورت کے انتقال کی اطلاع نہ ہوئی اور صحابہ کو اطلاع تھی۔ نیز اس کی قبر کی اطلاع بھی صحابہؓ ہی نے حضورؐ کو دی۔

(۲) سنن نسائی میں حضرت یزید بن ثابت سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز حضورؐ کے ساتھ باہر نکلے تو حضورؐ کی نظر ایک نئی قبر پر پڑی۔ فرمایا :

مَا هَذَا ؟ یہ کیا ہے ؟ (یعنی یہ کس کی قبر ہے)

عرض کیا گیا کہ یہ فلاں شخص کی فلاں کنیز کی قبر ہے۔ دوپہر میں اس کا انتقال ہو گیا اور حضورؐ چونکہ قیلو کہ فرما رہے تھے اور حضورؐ روز سے بھی تھے۔ اس لیے ہم نے جگانا بہتر نہ سمجھا۔ پس حضورؐ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے پیچھے صف باندھی اور حضرتؐ نے نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا :

لَا يَمُوتُ فَيَكُم مَيِّتٌ مَا دُمْتُ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جب تک میں

بین ظہرانیکم الا اذنتمونی تمہارے درمیان موجود ہوں تو مجھ کو ضرور اس

بہ فان صلوتی لہ رحمةؐ کی خبر دیا کہ کیونکہ میری نماز اس کے واسطے رحمت ہے۔

اس روایت سے بھی ہمارے مدعا پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے اور اس سے

صرف ایک وقتی واقعہ ہی نہیں بلکہ آپ کی زندگی کی ایک عام مستمر حالت معلوم ہوتی ہے۔

(۳) صحیح بخاری اور سنن اربعہ میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم غزوہ احد میں شہدائے اُحد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرماتے تھے اور قبر میں اتارنے وقت لوگوں سے دریافت فرماتے تھے۔

ایہما اکثر اخذا للقرآن ان دونوں میں سے کون زیادہ قرآن حاصل کرنے فاذا اشیر الی احدهما قدمہ والا ہے پس جب ان میں سے کسی ایک کی طرف فی اللحد۔ اشارہ کر دیا جاتا تو آپ اس کو کھد میں پہلے اتارتے

(۴) صحیح مسلم اور سنن نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر سے کچھ آواز سنی، فرمایا :

متی مات هذا؟ یہ شخص کب مرا ہے؟

قالوا مات فی الجاہلیۃ لوگوں نے عرض کیا، دُور جاہلیت میں۔

فسر بذلک تو آپ کو اس سے سرت ہوئی

(۵) مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک غزوہ میں حضور کی خدمت میں پیڑ حاضر کیا گیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ

این صنعت هذا؟ یہ کہاں کا تیار شدہ ہے؟

فقالوا بفارس! لوگوں نے عرض کیا کہ فارس کا بنا ہوا ہے

(۶) ابو داؤد و جامع ترمذی میں ابی بن جہال سے مروی ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مقام مارب میں جو

نور ہے۔ وہ مجھ کو عنایت فرما دیا جائے۔ چنانچہ حضور نے درخواست منظور فرمائی۔

بامارب میں آپ شریکے کچھ چٹے تھے جن سے نمک تیار کیا جاتا تھا، ابی بن جہال نے انہیں کی درخواست کی تھی۔

اور وہ ان کو دے دیا گیا۔ جب وہ واپس چل دیے تو حاضرین مجلس میں سے ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے اُن کو کیا دے دیا؟

اتدری ما قطعت له یا رسول آپ نے تو ان کو بنا بنایا پانی (جو بلا کہ وکاوش

اللہ انما قطعت له الماء العید کے نمک بن سکتا ہے، دے دیا۔ تو حضور نے ان

فانتزعه منه الم تزدی؟ سے وہ واپس لے لیا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور کو پہلے اس سرزمین کی مخصوص حیثیت معلوم نہیں

تھی اور اسی لاعلمی کی وجہ سے وہ ابی بن جہال کو عطا فرما دی تھی۔ لیکن جب بعد میں اُن

صحابی کے عرض کرنے سے اس کی حیثیت معلوم ہوئی (کہ اس سے عام پلک کے منافع

وابستہ ہیں) تو حضور نے اس کو واپس لے لیا۔

(۷) صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنہما سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ قضائے حاجت کے لیے)

بیت الخلا تشریف لے گئے تو میں نے حضور کے وضو کے لیے پانی بھر کر رکھ دیا۔ جب

آپ باہر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ

من وضع هذا فأخبر فقتال یہ کس نے رکھا ہے؟ تو حضور کو اطلاع دی گئی کہ

اللهم فقه فی الدین وعلیمہ میں نے رکھا ہے تو حضور نے میرے لیے تفقہ فی الدین

التاویل اور علم تاویل قرآن کی دعا فرمائی۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس موقع پر حضور کو پانی رکھنے والے کی اطلاع

دوسروں نے دی ۔

(۸) سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بخار میں مبتلا تھا اور مسجد میں پڑا ہوا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پس آپ نے فرمایا :

من احسن الفتی الدوسی ثلث کسی نے دوسری جوان (ابو ہریرہ) کو دیکھا ہے؟
مرات فقال رجل یا رسول اللہ یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا، تو ایک شخص نے عرض
هوذا یوعلک فی جانب المسجد کیا حضرت وہ یہ ہیں! بخار میں مبتلا ہیں مسجد
فاقبل یمشی حتی وصل الی کے گوشہ میں ہیں۔ پس آپ میری طرف کو چلے اور
فوضع یدہ علی الخ میرے پاس پہنچ کر اپنا دست مبارک مجھ پر رکھ دیا۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مسجد میں ہونے کی اطلاع حضور کو نہ تھی۔ دوسرے شخص کے مطلع کرنے سے حضور کو خبر ہوئی۔

(۹) مصنف ابن ابی شیبہ میں عبد الرحمن ابن الازہر سے مروی ہے کہ :

نایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ میں نے فتح مکہ کے سال (جبکہ میں جوان لڑکا
وسلم عام الفتح وانا غلام شاب تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ خالد
یسئل عن منزل خالد بن الولید ابن الولید کے گھر کا پتہ پوچھتے تھے۔

(۱۰) صحیح بخاری صحیح مسلم سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس

سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خالد بن ولید نے بیان کیا کہ میں ایک بار اپنی خال

حضرت میمونہ کے پاس حاضر ہوا، تو میں نے ان کے پاس بھنی ہوئی "گوہ" دیکھی جس کو ان کی
بہن حفیدہ "نجدہ" سے لائی تھیں۔ وہ گوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر
دی گئی اور حضور کی عادت شریفہ تھی کہ جب تک کھانے کی کیفیت نہ بیان کر دی جاتی اور
اس کا نام نہ بتلایا جاتا، آپ اس کی طرف بہت کم ہاتھ بڑھاتے تھے۔

وکان قلما یقدم یدہ لہ لطمعہ پس آپ نے اپنا دست مبارک گوہ کی طرف بڑھایا
حتی یحدث عنہ ویسمی لہ فاھوی تو ایک عورت نے کہا کہ حضور کو بتلا دو کہ حضور
بیدہ الی الضب فقالت امراة کے سامنے کیا رکھا گیا ہے (بخاری زوجہ مطہرہ
اخبون رسول اللہ صلی اللہ علیہ میں سے جو حاضر تھیں) انھوں نے عرض کیا، کہ
وسلم بما قدمتن لہ قلن هو الضب حضور یہ گوہ ہے، تو آنحضرت نے اپنا ہاتھ
یا رسول اللہ فرفع یدہ الخ اٹھالیا۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب گوہ حضور کے سامنے رکھی گئی تو آپ کو معلوم
نہ تھا کہ یہ گوہ ہے حتیٰ کہ آپ نے کھانے کے لیے ہاتھ بھی بڑھا دیا اور بعد میں جب دوسروں
کے بتلانے سے اس کا علم ہوا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔

(۱۱) طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میرے پاس
معمولی درجہ کی کھجوریں تھیں۔ میں نے ان کھجوروں کو دے کر ان کے بدلے میں ان سے آدھی
عمدہ کھجوریں لے لیں اور حضور کی خدمت میں حاضر کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ان سے اچھی

لہ حضرت میمونہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور خالد بن ولید اور عبداللہ بن عباس کی
حقیقی خالہ ہیں۔ ۱۲ منہ

کھجوریں آج تک ہم نے نہیں دیکھیں۔ تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ (حضرت بلال کہتے ہیں)۔

من این هذا لك يا بلال؟ میں نے وہ تباد لے کا واقعہ بیان کر دیا تو حضورؐ فحادثہ بسمًا صنعت فقال انطلق نے فرمایا ابھی جاؤ اور ان کو واپس کر کے آؤ فردہ علی صاحبہ الخ (کیونکہ یہ ربلو ہو گیا)۔

(۱۲) مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں بہت عمدہ کھجوریں دیکھیں۔ دریافت فرمایا یہ کھجوریں تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ انھوں نے عرض کیا:

من این لكم هذا؟ قلنا ابدلنا ہم نے دو صاع اپنی معمولی کھجوریں دے کر یہ صاعین بصاع فقال (صلی اللہ علیہ وسلم) لا صاعین بصاع و فرمایا، ایک صاع کے بدلے میں دو صاع، اور لا درہمین بدرہیم الخ ایک درہم کے بدلے میں دو درہم جائز نہیں۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اس ناجائز تبادلہ کی اطلاع دوسروں کے عرض کرنے سے ہوئی۔

(۱۳) روایت کیا ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور امام احمد نے مسند میں اور ابو نعیم نے کتاب المعرفة میں حضرت عبداللہ بن سلام سے، اور عبد الرزاق نے ابوامامہ سے اور ابن جریر نے ابن ساعدہ سے کہ

جب اہل قبا کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

ما هذا الطهور الذي قد خصتم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا کو بلا کر بہ فی هذه الآية وفي بعض الروايات دریافت فرمایا کہ تمہاری وہ کیا خاص طہارت ہے فما طهروكم وفي بعضها ان الله جس کی تعریف خداوند تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں قد اثنى عليكم في الطهور خيرا الخ فرماتا ہے: انھوں نے عرض کیا کہ ہم استنجا میں ڈھیلے کے ساتھ پانی کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۴) صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ہجرت پر حضورؐ سے بیعت کی اور حضرت کو یہ علم نہ تھا:

ولم يشعر انه عبد فجاء سيده کہ وہ غلام ہے۔ بعد میں اس کے لینے کے ارادے پر یریدہ فقال له صلی اللہ وسلم اس کا آقا آیا تو حضورؐ نے اُس سے فرمایا کہ تم اس بعنیہ فاشتراه بعبدین اسودین غلام کو ہمارے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چنانچہ آپ نے دو ثم لم یباع احدا بعده حتی حبشی غلام دے کر اس کو خرید لیا اور اس کے بعد یسئل اعبدا هو؟ آپ کسی کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک کہ یہ دریت نہ فرمائیں کہ وہ غلام تو نہیں ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری اور جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ (مدینہ میں سریانی زبان کے جاننے والے صرف یہودی تھے۔ اگر کہیں سے سریانی میں

کوئی خط آتا تو وہی پڑھتے اور کسی کو سربانی میں کچھ لکھوانا ہوتا تو وہ انہیں سے لکھواتا جب حضور کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے مجھ کو سربانی سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا، خدا کی قسم میں اپنی خط و کتابت میں یہودیوں کی طرف سے مطمئن نہیں (واللہ ما آمن یہود علی کتابی) پس نصف مہینہ پورا نہیں ہوا تھا کہ میں نے سربانی سیکھ لی اور مجھے اس میں خاصی مہارت ہو گئی۔ پھر میں ہی آنحضرت کی طرف سے یہودیوں کو خط لکھتا تھا، اور میں ہی اُن کے خطوط پڑھتا تھا۔

اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے جس خطرے کا ذکر ہے وہ جب ہی ممکن ہے کہ حضور کو اس سربانی زبان کا علم نہ ہو جس کا علم اس زمانہ کے یہودیوں کو تھا۔ اگرچہ اس مدعا کے لیے حضور کا امی ہونا بھی کافی ہے جس کی شہادت قرآن مجید میں دی گئی ہے مگر میں نے یہ روایت اس لیے نقل کر دی کہ یہ اُس اُمتیت کی ایک عملی تفسیر ہے جس کے بعد کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ تاویل صرف اقوال والفاظ میں چل سکتی ہے نہ کہ واقعات و حالات میں۔

یہاں تک پانچ آیتوں اور پندرہ حدیثوں سے صرف یہ ثابت کیا گیا ہے کہ غمد رسالت میں بہت سے جزئی واقعات پیش آتے تھے اور حضور کو ان کی اطلاع نہیں ہوتی تھی اور دوسرے لوگوں کو ہو جاتی تھی۔ لیکن صرف ان جزئی معلومات کی وجہ سے (جن کو امور دین و دیانت اور فرائض نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق بھی نہیں) نہ ان دوسرے

لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ علم داں کہا جاسکتا ہے اور ان علوم کے عدم حصول سے حضور کے کمال علمی میں کوئی کمی آتی ہے۔

علامہ سید محمود الوسی مفتی بغداد علیہ الرحمۃ اپنی بے نظیر تفسیر "روح المعانی" میں ارقام فرماتے ہیں:

ولا اعتقد فوات کمال بعدم اور میں دنیوی اور جزئی حوادث کے علم نہ ہونے العلم بحوادث دنیویۃ جزئیۃ کعدم کی وجہ سے کمال کے فوت ہو جانے کا قائل نہیں العلم بما یصنع زیدٌ مثلاً فی جیسے کہ زید کے روزمرہ کے خانگی حالات کا بیتہ وما یجرى علیہ فی یومہ علم (سوائے علموں کے نہ ہونے سے کمال وغدلا (روح المعانی ج ۸ ص ۳۵) نہیں جاتا)۔

دسواں مقدمہ اگر زید کو ایک ہزار باتوں کا علم ہو اور عمر کو لاکھوں کروڑوں باتوں کا لیکن زید کے اُن ایک ہزار معلومات میں سے دس برس ایسے ہوں جو عمر کو حاصل نہ ہوں تو ان دس برس علوم کی وجہ سے (جو زید کو حاصل ہیں اور عمر کو حاصل نہیں) زید کو علی الاطلاق "اعلم من عمر" (عمر سے زیادہ علم داں) نہیں کہا جاسکتا (درال حالانکہ عمر کو لاکھوں اور کروڑوں وہ علوم عالیہ حاصل ہیں جن کی زید کو ہوا بھی نہیں لگی) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ زید کو فلاں فلاں معلومات ہیں اور عمر کو نہیں، مثلاً حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو شریعت کے لاکھوں اور کروڑوں علم حاصل تھے اور ابن رشد کو بھی علوم شرعیہ میں خاصی دستگاہ تھی، لیکن حضرت امام ابو حنیفہ کے عشر عشر

بھی نہیں تھی مگر فلسفہ یونان کے متعلق جو معلومات ابن رشد کو حاصل تھے، وہ یقیناً حضرت امام ابو حنیفہؒ کو حاصل نہ تھے کیونکہ ان کے زمانے میں فلسفہ یونان عربی میں منتقل ہی نہیں ہوا تھا لیکن اس کی وجہ سے ابن رشد کو حضرت امام ابو حنیفہؒ سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔

علیٰ ہذا حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو کتاب و سنت کے لاکھوں علوم حاصل تھے مگر تاریخ و سیر میں جو معلومات ابن خلدون اور ابن خلکان کے تھے وہ تمام بحیثیت مجموعی ان حضرات کو یقیناً حاصل نہ تھے کیونکہ ابن خلکان اور ابن خلدون کے علم میں تو بہت سے وہ تاریخی واقعات بھی تھے جو ان حضرات ائمہ کی وفات کے بعد وقوع

میں آئے۔ لیکن اس کی وجہ سے ابن خلکان و ابن خلدون کو یا آج کل کے کسی مورخ کو ان ائمہ دین سے اعلم نہیں کہا جاسکتا۔ علیٰ ہذا ایک موٹر ڈرائیور کو ڈرائیوری کے متعلق اور ایک موچی کو جنت دوزی کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتے ہیں وہ یقیناً خود مولوی احمد خان صاحب کو حاصل نہ تھے۔ لیکن میرے نزدیک کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق بھی اس کی وجہ سے ہر موٹر ڈرائیور اور موچی کو خاں صاحب موصوف سے زیادہ وسیع علم کہنے کی جرأت نہ کرے گا۔ بہر حال جب کسی ایک شخص کو دوسرے کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم (زیادہ

علم والا) کہا جائیگا، تو مجموعہ علوم کے اعتبار سے اور بالخصوص علوم دینیہ شرعیہ ہی کے اعتبار سے کہا جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص زید کے لیے کسی خاص علم کی وسعت تسلیم کرے اور عمرو کے لیے تسلیم نہ کرے تو اس سے بہرگز لازم نہیں آتا کہ اس نے زید کو عمرو سے غلم مان لیا۔ بالخصوص جبکہ وہ علم علوم عالیہ کمالیہ میں سے بھی نہ ہو۔ اور پھر خصوصاً جبکہ شخص مذکور

عمرو کے لیے اعلیٰ درجہ کے لاکھوں اور کروڑوں علوم ایسے مان رہا ہو جن کی زید کو بلکہ دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہ لگی ہو۔ — تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ —

یہاں تک دس مقدمے ہوئے۔ ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس بحث میں بھی جواب دینے سے پہلے ہم کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کی دیانت کا مریہ پڑھنا پڑتا ہے۔ اگر جناب موصوف عبارات ”براہین قاطعہ“ کے نقل کرنے اور ان کا مطلب بیان کرنے میں خیانت سے کام نہ لیتے تو آج اس کے جواب میں ہم کو اس قدر طوالت اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

”براہین قاطعہ“ میں نہ تو مطلق علم کی وسعت میں کلام تھا، نہ علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی، بلکہ صرف علم روئے زمین کی وسعت میں گفتگو تھی۔ مولوی احمد رضا خان صاحب کے ہم مشرب مولوی عبدالسمیع صاحب نے ”انوار ساطعہ“ میں شیطان و ملک الموت کے لیے اسی وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر قیاس کیا اور اسی قیاس کی بنا پر حضورؐ کے لیے علم زمین کی وسعت ثابت کی تھی، اور حضرت مولانا فیصل احمد صاحب مصنف ”براہین قاطعہ“ نے اسی قیاس کو رد کیا۔ (”براہین قاطعہ“، ”انوار ساطعہ“ ہی کا جواب ہے)۔

بہر حال ”براہین قاطعہ“ کی ساری بحث صرف علم زمین کی وسعت میں تھی، جس کو دین و دیانت اور فرائض نبوت و رسالت سے کوئی خاص تعلق نہیں (اور ایسے علوم کے متعلق بذیل مقدمہ ۷ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہم تفسیر کبیر سے نقل کر چکے ہیں) کہ

ان میں غیر نبی کا علم نبی سے بڑھ سکتا ہے۔^{۱۰}

لیکن مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنی مجددانہ طبیس سے لکھ مارا کہ
انہ قد صرح فی کتابہ البراہین اُس نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں تصریح کی
القاطعة..... بان شیخہم کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
ابلیس اوسع علما من رسول اللہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

غور فرمایا جائے کہماں صرف علم زمین کی وسعت اور گہا مطلق علم کی وسعت۔
ہیں تفاوت رہ از گجاست تا بہ گجا

ہم ناظرین کی سہولت کے لیے ایک مثال بھی پیش کرتے ہیں اور اُسی سے اشارۃً
عبارتِ براہین کی پوری توضیح بھی ہو جائے گی۔

فرض کیجئے کہ مصنف انوارِ ساطعہ کی ذہنیت رکھنے والا مولوی احمد رضا خاں صاحب
کا کوئی دوسرا بھائی مثلاً "زید" کہتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعر" کا علم حاصل تھا اور
دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ بہت سے فاسقوں اور کافروں کو یہ فن آتا ہے۔ امراءِ اعیس بدترین
کافر تھا اور ساتھ ہی اعلیٰ درجہ کا شاعر بھی۔ فردوسی فاسد العقیدہ شیعہ تھا، اور فارسی کا
بہترین شاعر بھی۔ پس جبکہ فاسقوں اور کافروں تک کو یہ فن حاصل ہے تو رسول خدا صلی اللہ

۱۰ یہ مقدمہ نمبر ۲ کے ذیل میں نہایت واضح دلائل سے ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اگر ایسے علوم میں کسی کا دائرہ علم
زیادہ وسیع ہو تو اس کو دوسروں کے اعتبار سے علی الاطلاق اعلم نہیں کہا جاسکتا جب کسی کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم
کہا جائے گا تو علوم کا لیاؤ و مجرّمہ عام ہی کے اعتبار سے کہا جائیگا جیسا کہ آخری مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔

علیہ وسلم کو جو فضل المرسلین سید الاولین و الآخرین ہیں ضرور حاصل ہوگا۔ اس کے جواب میں
دلانا خلیل احمد صاحب کا کوئی ہم مسلک مسلمان کہے کہ :

"امراءِ اعیس اور فردوسی کا حال تاریخ کی متواتر شہادتوں سے معلوم ہوا، اب
اُس پر کسی فضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضل سے ثابت
کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔ اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں قیاس
سے ثابت ہو جائیں، بلکہ قطعی ہیں قطعیاتِ نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ
خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں لہذا اس کا اثبات جب قابل التفات ہو کہ قطعیات
سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ
خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے۔

قرآن پاک میں ہے :

| | |
|---------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| وَاَعْلَمْنَاهُ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ | یعنی ہم نے ان کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) شعر کا علم نہیں دیا، اور وہ ان کے لیے (سورہ لیس) |
|---------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------|

اور کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ نے مدتِ العمر بھی ایک شعر بھی نہیں
کہا، اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب "فتاویٰ قاضی خاں" میں ہے :

قال بعض العلماء من قال ان جو شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

رسول الله صلى الله عليه وسلم ایک شعر بھی کہا ہے، وہ کافر ہے۔

قال شعراً ففقد كفر۔

تیسرے اگر افضلیت ہی اس کی موجب ہے تو تمام نیک مسلمان امراء القیس اور فردوسی سے اچھے شاعر ہونے چاہئیں..... علیٰ ہذا القیاس غور کرنا چاہیے کہ امراء القیس اور فردوسی کا حال دیکھ کر علم شعر کا فخر عالم کو خلافِ نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا بدینی نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

امراء القیس اور فردوسی کو علم شعر کی وسعت تاریخ کی متواتر شہادتوں سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم شعر کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک خلافِ شریعت عقیدہ ثابت کرتا ہے؟^۱ اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کا کوئی روحانی فرزند فتویٰ دے کہ ”اس شخص نے اپنی عبارت میں تصریح کی ہے کہ امراء القیس اور فردوسی کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے..... اور بیشک نسیم الریاض میں فرمایا کہ جو کسی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائے اس نے بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ تریم کر دی گئی ہے۔“ البتہ خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں جن میں تمثیل کی ضرورت سے کچھ تریم کر دی گئی ہے، ورنہ خاکہ بالکل براہین قاطعہ ہی کا ہے۔ ۱۲ منہ

وسلم کو عیب لگایا اور حضور کی شان گھٹائی تو وہ (حضور کو) گالی دینے والا ہے۔ (لہذا کافر و مرتد ہے)

ناظرین! بالصفات غور فرمائیں کہ کیا اس مفتی نے خیانت نہیں کی؟ کیا مذکورہ بالا عبارت میں مطلق علم، یا علوم عالیہ کمالیہ کی بحث تھی؟ اور کیا شخص مذکور نے امراء القیس اور فردوسی کے لیے مطلق علم کی یا علوم عالیہ کمالیہ کی وسعت تسلیم کی ہے؟ اور کیا اُس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مطلق وسعت علمی سے انکار کیا ہے؟ یا علوم متعلقہ نبوت و رسالت و علوم عالیہ و کمالیہ سے اس کو انکار ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بلکہ یہاں صرف علم شعر کی بحث ہے۔ اُسی کی وسعت کو امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی وغیرہ کے لیے تسلیم کیا گیا ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شخص مذکور نے امراء القیس جیسے کافر اور فردوسی جیسے فاسد العقیدہ کو حضور سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔۔۔۔۔ یا تو ایسے عیار و معیار کا کام ہے جو اپنا اُلٹا دیا کرنے کے لیے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چاہتا ہے یا ایسے جاہل اور احمق کا کام ہے جو ”اعلم“ اور ”اوسع علماً“ کے معنی سے بھی نا آشنا ہے۔ ہم دسویں مقدمہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ ایک کو دوسرے کے اعتبار سے اعلم (زیادہ وسیع العلم) علوم عالیہ کمالیہ اور مجموعہ علوم ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ایک موچی اور ایک موٹر ڈرائیور بلکہ نجاست

۱۔ منقولہ بالا عبارت بعینہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی ہے ہم نے صرف تطبیق مثال کے لیے اہلیس کے بجائے امراء القیس اور فردوسی کا نام لکھ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

کے ایک ناپاک کیرے کو بھی مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مقابلہ میں اعلم کہنا صحیح ہو، اس کی تفصیل آٹھویں اور دسویں مقدمے کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

اگرچہ ارباب فہم کے لیے اسی قدر کافی ہے مگر بد قسمتی سے سابقہ ایسی جماعت سے پڑا ہے جس میں جہل کی کثرت ہے اور پھر اللہ کی عنایت سے جو علماء ہیں وہ بھی جہلاء سے کمتر نہیں بلکہ بدتر ہیں۔ لہذا مزید تفصیل کے لیے ہم ایک مثال اور عرض کرتے ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک اُلُو کی عجیب و غریب کہانی بیان فرمائی ہے :

خاں صاحب بریلوی کا کراماتی اُلُو

خاں صاحب ارشاد فرماتے ہیں :

”تین صاحب جبار ہے تھے۔ دُور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے جو اُڑی حاضر ہیں۔ ایک فاحشہ ناچ رہی ہے شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیر اندازی کے بڑے مشتاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق و فجور کو دیر ہم برہم کرنا چاہیے۔ کیا تیر کی جانے؟“

ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کر دو کہ سب کچھ اُسی نے کیا ہے دوسرے

نے کہا، اس ناچنے والی عورت کو قتل کرو۔ تیسرے نے کہا کہ اسے بھی نہ قتل کرو کہ وہ خود نہیں آئی، راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا دیرم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کر دو۔ یہ رائے پسند ہوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی نوپر تیر مارا۔ شمع گل ہوئی، اب نہ وہ راجہ رہا، نہ فاحشہ، نہ مجمع۔ نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اُلُو مرا پڑا ہے اور اُس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ سب کام اُسی اُلُو کی رُوح کر رہی تھی۔“

اب فرض کیجیے کہ خاں صاحب کا ایک مرید (علیم الدین) جو خاں صاحب کو محدث مفسر، فقیہ، صوفی، حافظ، قاری سبھی کچھ سمجھتا ہے مگر کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمر نریم نہیں آتا تھا، اور ایک دوسرا مرید (حفیظ الدین) کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کو مسمر نریم آتا تھا اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ بالا ملفوظ شریف سے معلوم ہوا کہ ایک اُلُو مسمر نریم کا اتنا ماہر تھا کہ اپنی ایک نگاہ میں اچھا خاصہ بھانستی کا تماشا دکھاتا تھا تو ہمارے اعلیٰ حضرت مجددِ ملت جو خدا کے بڑے مقبول بندے تھے اور اس اُلُو سے بے تینا ہزاروں بلکہ لاکھوں درجہ افضل تھے تو بھلا ان کو کیوں نہیں آتا ہوگا۔ اس پر علیم الدین کہتا ہے کہ اُلُو کی مسمر نریم دانی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے ملفوظ شریف سے معلوم ہوئی مگر اعلیٰ حضرت کی مسمر نریم دانی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کو اُلُو پر قیاس کرنا — قیاسِ نارسہ

لے جناب خاں صاحب نے یہ قصہ مسمر نریم کی حقیقت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے ملا علی قلی خان نے یہ قصہ پہلے ہی بیان کیا تھا۔ مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۲۰ منہ

(بلکہ نہایت ہیودہ حرکت) ہے۔

تو کیا خاں صاحب کے کسی مُرد یا وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس غریب علیم الدین پر اعلیٰ حضرت کے علم کی تنقیص کا دعویٰ دائر کر دے اور یہ کہے کہ اس نے ایک اُلُو کو حضور پرورد اعلیٰ حضرت علیم البرکت مجدّد الملت صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جیبہ وعلیہ وسلم سے زیادہ وسیع علم مان لیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سمجھنے والا اور کہنے والا ہی اُلُو ہے، اور اگر بیچارے علیم الدین کو رضا خانی برادری سے خارج کرنے کے لیے دانستہ طور پر ازراہ عیاری اُس کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا فریبی اور پلے سرے کا خائن ہے۔

بہر حال خاں صاحب کی پہلی خیانت تو یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ایک خاص علم کی وسعت یعنی علمِ روئے زمین کی وسعت میں کلام تھا۔ اُسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب نے شیطان اور ملک الموت کے لیے دلائل سے ثابت کر کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نابرا فضیلت قیاس سے ثابت کیا تھا اور مصنف براہین نے اسی قیاس کو رد کیا تھا، نیز عبارت میں ایسے الفاظ بھی موجود تھے جنہوں نے بحث کو صرف علمِ زمین کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ چنانچہ براہین قاطعہ کے صفحہ ۴۴ سے خاں صاحب نے جو فقرہ نقل کیا ہے، اس کے شروع میں یہ الفاظ موجود ہیں:

”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم

لہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے مریدین و تبعین یوں ہی کہتے ہیں۔

محیطِ زمین کا فخرِ عالم کو خلافِ نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟

اس فقرے میں ”علمِ محیطِ زمین“ کا لفظ موجود ہے جس کے بعد کوئی شبہ ہی نہیں رہتا مگر خاں صاحب کی دیانت ملاحظہ ہو کہ آپ نے ”حسام“ میں اس فقرے کا آخری خبا کشیدہ جُز یعنی صرف ”خبر“ تو نقل کر دی، لیکن پہلا جُز یعنی مبتدا جس میں علمِ محیطِ زمین کی تصریح تھی صاف مہضم کر گئے، اور اس پر آپ کا لقب ہے مجددِ مائتہ حاضرہ، مویدِ ملتِ طاہرہ وغیرہ وغیرہ۔

پھر اسی جگہ اسی قسم کی ایک اور خیانت ملاحظہ ہو، خاں صاحب کی نقل کردہ عبارت براہین سے ٹھیک دوسطر کے بعد اُسی صفحہ پر یہ عبارت شروع ہوتی ہے:

”پس اعلیٰ علیین میں رُوح مبارک علیہ السلام کے تشریف رکھنے اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علمِ آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چکا نیکہ زیادہ۔“

اس عبارت میں بھی ”ان امور“ کا لفظ صاف بتلا رہا ہے کہ بحث صرف علمِ روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی۔ نہ علومِ عالیہ کمالیہ کی جن پر فضلِ انسانی کا مدار ہے، لیکن خاں صاحب نے اس عبارت کو بھی صاف اڑا دیا۔

بہر حال براہین قاطعہ میں یہ تمام تصریحات ہوتے ہوئے بھی (جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بحث صرف علمِ روئے زمین کی ہے نہ مطلق علم کی) خاں صاحب نے بے دریغ

دیکھ مارا کہ :

”اُس نے اپنی کتاب براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر پطیس کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ ہے۔“

یہاں تک خاں صاحب کی پہلی خیانت کا ذکر تھا اور اس کے ضمن میں موصوف کے پہلے اعتراض کا ثانی جواب بھی ہو گیا جس کے بعد کسی مصنف بلکہ متعنت اور متعصب کو بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ **فللہ الحمد !**

حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں ملک الموت اور شیطان کے لیے دلائل کی بنا پر جو مولوی عبد السمیع صاحب مصنف انوارِ ساطعہ نے پیش کیے ہیں (صرف علم زمین کی وسعت تسلیم کی گئی ہے اور اسی مخصوص وسعت کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بالنفس کہا گیا ہے اس کو مطلق وسعت علمی کے انکار پر محمول کرنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف کو شیطان کے علم سے کم بتلادیا صرف اسی جاہل اور احمق کا کام ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم عالی کو اسی عالم سفلی میں محدود سمجھتا ہو لیکن جس کے نزدیک آپ کے علم کی پرواز عرش و کرسی سے بھی بالاتر ہو وہ ایسی حماقت کا ارتکاب کیونکر کر سکتا ہے ؟

اگر آج کوئی شخص کہے کہ تعمیرات کے فن میں فلاں یورپین انجینیئر کے معلومات حضرت امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ وسیع ہیں تو کوئی احمق سے احمق بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس شخص نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم کو اس کا فر انجینیئر کے علم سے گھٹا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

پس اگر اس عالم سفلی کے کچھ علوم شیطان کو حاصل ہوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل نہ ہوں تو کون احمق اور شیطان کا کون سا امتی ہوگا جو صرف علوم سفلیہ کی وجہ سے شیطان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے نبی علیہ السلام سے زیادہ وسیع العلم کہ دے دے اوراں حالیکہ علوم الہیہ اور معارف ربانیہ سے ان کو وہ وافر حصہ ملا ہے جو کسی مقرب سے مقرب فرشتہ کو بھی نصیب نہیں۔

ہم مقدمات کے ذیل میں اس موضوع پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اب یہاں صرف ایک چیز اور عرض کرتے ہیں اور اسی پر انشاء اللہ اس بحث کا خاتمہ ہے دشمنان صداقت سے تو ہمیں کوئی توقع نہیں، ہاں جن حق پسندوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے اُن سے ضرور قبول حق کی اُمید ہے ملاحظہ ہو :

حضرت مولانا خلیس احمد صاحب کی صفائی میں

مولوی عبد السمیع و مولوی احمد رضا خاں صاحبان کی زبردست شہادت

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنگھاں کا

ہمارے بیان سابق سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف براہین قاطعہ کا جرم صرف

اس قدر ہے کہ اُس نے ایک خاص علم یعنی علم زمین کی وسعت (بنا برآں دلائل کو جو آپ کے

مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں پیش کیے ہیں) ملک الموت اور شیطان کے

(۱) مولوی عبدالسمیع صاحب اس عبارت کی وجہ سے کافر ہوئے یا نہیں؟

(۲) اور خود خاں صاحب اُس پر تقریظ لکھنے کی وجہ سے کہاں پہنچے؟

اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو دیدہ بصیرت دے۔ آپ حضرات نے مصنف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت دیکھی؟ اُن خاں صاحب نے جو الزام ان پر رکھا تھا، وہ خود ہی اُس میں گرفتار ہو گئے۔

اس وقت ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مناسب سمجھتے ہیں کہ خاتمہ بحث میں رسالہ ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ سے مصنف براہین قاطعہ (علیہ الرحمۃ) کا وہ کلام بھی نقل کر دیں جو اُن مرحوم نے خاں صاحب کے اسی شیطان والے ہتھان کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

جب مولوی احمد رضا خاں صاحب اپنی محنت اور کمائی کا یہ نتیجہ (فتویٰ کفر) لے کر حرمین شریفین پہنچے اور وہاں سے ان علمائے کرام سے جو حقیقت حال سے ناواقف تھے دھوکا دے کر تصدیق کرائی اور حرمین شریفین میں بھی علمائے دیوبند کے متعلق یہ چرچے ہوئے تو وہاں کے بعض اہل علم نے حضرات علمائے دیوبند و سہارنپور سے اُن کے عقائد کے متعلق چھبیس سوال کیے ان سوالوں کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مصنف براہین قاطعہ نے تحریر فرمایا۔ پھر یہ مجموعہ بغرض تصدیق و توثیق حرمین شریفین، شام، دمشق، حلب، مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ کے علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان علمائے کرام و مفتیان عظام نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اور پھر وہ جواب مع ان تصدیقات کے

کے کہ فلاں شرابی کو شراب کے متعلق بہت کچھ معلومات ہیں اور فلاں غوث و قطب کو وہ معلومات حاصل نہیں تو اس سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ اُس شخص نے اُس شرابی کو غوث و قطب سے زیادہ وسیع العلم مان لیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو جن وسائل کی ضرورت تھی (بندوں کی آزمائش کے لیے) حق تعالیٰ نے وہ سب اس کو عنایت فرمائے۔ قیامت تک کی عمر دی۔ وہ عجیب و غریب قدرت دی کہ انسان کی رگ و پے میں خون کی طرح دھڑکے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لیے جس علم کی ضرورت تھی، وہ بھرپور دیا تاکہ وہ اپنی ابلیسانہ کوششیں ختم کر لے اور دنیا دیکھ لے کہ ”عباد الرحمن“ کے مقابلے میں اس کے سارے ہتھیار کس طرح بیکار ہوتے ہیں۔

اُس کو ضرورت ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے ان کے امیال و عواطف (جذبات و خواہشات) سے واقف ہو، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں جگہ تنہائی میں ایک نوجوان عورت ہے اور فلاں آوارہ نوجوان کو اس تدبیر سے وہاں تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ فلاں جگہ مجلس رقص ہے اور شرقین مزاج نوجوانوں کا فلاں جگہ مجمع ہے اور اس جگہ سے ان کو اس مجلس فواحش میں بھیجا جاسکتا ہے۔ بہر کیف اس کو ان شیطانی امور کی تکمیل کے لیے اس عالم سفلی کے وسیع معلومات کی ضرورت ہے لیکن مقربانِ بارگاہِ خداوندی کو ان لغو بات سے کیا غرض؟ ان کا کام تو ارشاد و ہدایت ہے اور اس کے لیے جن پاکیزہ علوم کی ضرورت ہے وہ حق تعالیٰ نے ان کو بے نہایت عطا فرمائے۔

یہ تسلیم کی ہے اور اسی وسعت علمی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیر ثابت بانقص کہا ہے لیکن ————— این گناہیت کہ در شہر شام نیز گنند

فرا اسی بحث میں انوارِ ساطعہ کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں :

”اور تماشایہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام پاک ناپاک مجالیں مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوے کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اُس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک، ناپاک، کفر، غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔“

کہیے ! اتنی صفائی کے ساتھ تو مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی نہیں لکھا۔ انھوں نے تو صرف علم زمین کی اُس مخصوص وسعت کو غیر منصوص بتلایا تھا۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے یہ مشربی بھائی مولوی عبد السمیع صاحب تو صاف فرماتے ہیں کہ ”ملک الموت اور شیطان کا حاضر ہونا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہی نہیں بلکہ) زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔ منقولہ بالا عبارت انوارِ ساطعہ کے اُس پہلے ایڈیشن میں بھی ہے جو براہین قاطعہ سے پہلے شائع ہوا ہے، اور اس میں بھی جو بعد میں مولوی عبد السمیع صاحب کی نظر ثانی اور ترمیم کے بعد شائع ہوا ہے اور جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تقریباً چار صفحات کی تقریظ بھی ہے جس میں مولوی عبد السمیع صاحب اور ان کی انوارِ ساطعہ کی تعریف میں خوب زمین آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں۔ لہذا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اخلاف و متبعین فرمائیں کہ :

چھپا دیا گیا اور اسی زمانہ میں ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ کے نام سے اس کا پہلا ایڈیشن مع ترجمہ کے شائع ہو گیا۔ پھر اس کے بعد سے اس وقت تک اس کے بہت سے ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

اس میں انیسواں سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اسی شیطان والے بہتان کے متعلق ہے۔ ذیل میں ہم وہ سوال و جواب بحسب نقل کرتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے وہ درحقیقت اسی اجمالی جواب کی تفصیل ہے جو خود مصنف براہین نے اپنی زندگی میں دیا ہے۔

السؤال التاسع عشر انیسواں سوال

اترون ان ابليس اللعين اعلم
من سيد الكائنات عليه السلام
واوسع علما منه مطلقا وهل
كتبتم ذلك في تصنيف ما وجم
تحكمون على من اعتقد ذلك -
کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم
سید الکائنات علیہ السلام کے علم سے زیادہ اور
مطلقا وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی
کسی تصنیف میں لکھا ہے جس کا یہ عقیدہ ہو تو
اُس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قد سبق منا تحرير هذه المسئلة
ان النبي عليه السلام اعلم الخلق
على الاطلاق بالعلوم والحكم و
اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام
کا علم حکم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقا تامی
معلومات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ

الاسرار وغیرہا من ملکوت
الافاق و نتیقن ان من قال ان
فلانا اعلم من النبی علیہ السلام
فقد کفر وقد افق مشائخنا بتکفیر
من قال ان ابلیس اللعین اعلم من
النبی علیہ السلام فکیف یمکن ان توجه
هذه المسئلة فی تالیف ما من کتبنا
غیر انہ غیبیہ بعض الحوادث الخبیثہ
الحقیرة عن النبی علیہ السلام لعدم
التقاة الیہ لا یورث نقصاً ما فی
اعلمیۃ علیہ السلام بعد ما ثبت
انہ اعلم اخلق بالعلوم الشریفۃ اللائقۃ
بمنصبہ الاعلیٰ کما لا یورث الاطلاع
علی اکثر تلك الحوادث الحقیرة لشدة
التفات ابلیس الیہا شرفاً و کمالاً
علمیاً فیہ فانہ لیس علیہا مدار
الفضل و الکمال ومن ہونہا لا یمیز

جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم علیہ السلام سے
اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس
شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو
یوں کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ
ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ سکہ کہاں پایا
جاسکتا ہے۔ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیرہ کا حضرت
کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی
جانب توجہ نہیں فرمائی۔ آپ کے اعلم ہونے میں کسی
قسم کا نقصان پیدا نہیں کر سکتا جب کہ ثابت ہو
چکا کہ آپ اُن شریف علوم میں جو آپ کے منصب
اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے
ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں
کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے
اس مراد میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں
ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل و کمال کا مدار نہیں ہے
اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم
سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم

ان یقال ان ابلیس اعلم من سیدنا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمالاً
یصح ان یقال لصبی علم بعض الجزئیات
انہ اعلم من اعلم متبحر محقق فی
العلوم والفنون الذی غابت عنہ
تلك الجزئیات ولقد تلونا علیک
تقعة الهدم مع سلیمان علی
نبینا وعلیہ السلام وقوله المخط
بما لم تخط به وروایین الحدیث و
دنا فی التفسیر مشحونۃ بنظائیر المنکارة
المشہورة بین الانام وقد اتفق الحكماء
علی ان الاناطون وحیا ایسوس وامثالہما

سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں بھیا کہ کسی ایسے
بچہ کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے یوں کہنا
صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اُس متبحر و محقق سے
زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم ہیں مگر
یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہدمد کا سیدنا سلیمان
علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا
چکے ہیں۔ اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ
اطلاع ہے جو آپ کو نہیں اور کتب حدیث و
تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں نیز حکما کا
اس پر اتفاق ہے کہ اناطون و جالیفوس وغیرہ
بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و
حوالات کا بہت زیادہ علم ہے اور یہ بھی

عن یہ واقعہ سورۃ غفرہ میں مذکور ہے کہ اس کے خلاصہ یہ ہے کہ ایک بچہ جس کا نام سلیمان تھا اس نے ہدمد کو قید کر لیا تو نہیں پایا تو بہت
زیادہ دنا رافعی کا اظہار فرمایا جب کہ وہ دیکھ کر ہدمد کو حاضر ہوا تو اس سے باز پرس کی تو اس نے کہا کہ میں ملک سبا سے ایک
نہایت عظیم الشان خبر معلوم کر سکا لایا ہوں جس کا آپ کو علم نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہدمد بچہ سے بڑا ہے اور اس کا ایک
القبول بات معلوم ہو گئی ہے جو بچہ وقت کے علم میں نہ ہو۔ ۱۲
عہد ہم نویں ہزار میں کہ اس قصہ کی پانچ آیتیں مع اقوال مفسرین اور سب سے بڑے محدثین پیش کر
چکے ہیں۔ ۱۲

من اعلم الاطباء بکيفيات الادوية
واحوالها مع علمهم ان دیدان النجاسة
اعرف باحوال النجاسة وذوقها وكيفياتها
فلم تصور عدم معرفة افلاطون جالينوس
هذه الاحوال الودية في علميتها ولم
يرض احد من العقلاء والحمقى بان
يقول ان الديدان اعلم من افلاطون
مع انها اوسع علما من افلاطون باحوال
النجاسة ومبتدعة ديارنا يشبثون
للذات الشريفة النبوية عليه الف
الف تحية وسلام جميع علوم الاسافل
الاراذل والافاضل الاكابر قائلين
انه عليه السلام لما كان افضل
الخلق كافة فلا بد ان يحتوي على
علومهم جميعها كل جزئ جزئ و
كل كل ونحن انكرنا اثبات هذا
الامر بهذا القياس الفاسد بغير

معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کے جانور
اور مرے اور کیفیت سے زیادہ واقف ہیں
تو افلاطون و جالینوس کا ان ردی حالات
سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو منہ
نہیں اور کوئی عقلمند جبکہ احمق بھی یہ کہنے پر
راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ
ہے حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون
کی نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور
ہمارے ملک کے بتدعین سرور عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے لیے تمام شریف و ادنیٰ و اعلیٰ و اذل
علوم ثابت کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ جب
آنحضرت ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور
سب ہی کے علوم جزئی ہوں یا کلی آپ کو معلوم
ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی مستبر نص کے محض
اس فاسد قیاس کی بنا پر اس علم کلی و جزئی
کے ثبوت کا انکار کیا۔ ذرا غور تو فرمائیے ہر
مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے پس

نص من النصوص المعتد بها الا
تری ان كل مو من افضل و اشرف
من ابليس فيلزم على هذا القياس
ان يكون كل شخص من احاد الامة
حاويا على علوم ابليس
ويلزم على ذلك ان يكون
سليمان على نبينا وعليه السلام
عالمًا بما علمه الهدى الهد و ان
يكون افلاطون و جالينوس عارفين
بجميع معارف الديدان و اللوازم
باطلة باسرها كما هو المشاهد هذا
خلاصة ما قلناه في البراهين القاطعة
نعروق الاغبياء المارقين القاصمة
لا عناق الدجاجة المفترين فلم
يكن بحثنا فيه الا عن بعض الجزئيات
المستحدثة ومن اجل ذلك اتينا
فيه بلفظ الاشارة حتى تدل ان

اس قیاس کی بنا پر لازم آئے گا کہ ہر امتی بھی
شیطان کے جھکندوں سے آگاہ ہو اور لازم آئے گا
کہ سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی
جسے ہر مہر نے جانا اور افلاطون و جالینوس
واقف ہوں۔ کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے
اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو
رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین
قاطعہ میں بیان کیا ہے جس نے کند ذہن بد نیل
کی رگیں کاٹ دیں اور دجان و منقری گروہ کی
گردیں توڑ دیں سو اس میں ہماری بحث صرف
بعض حوادث جزئی میں تھی اور اسی لیے اشارہ
کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ
نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جزئیات
ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں
اور شاہنشاہی محاسبہ سے نہیں ڈرتے ہیں
اور ہمارے پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا
قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ

اثبات شرک ہی ہوگا تو گویا مصنف براہین قاطعہ نے شیطان کو خدا کا شرک مان لیا (سُبْحَانَ
اللہ و بھمد) لیکن اگر ناظرین کرام غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ خاں صاحب کا یہ اعتراض
پہلے سے بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کو حقیقت سے آنا ہی بعد ہے جتنا کہ خاں صاحب
اور ان کے فتوے کو دیانت و صداقت سے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ براہین قاطعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی کے
اثبات کو شرک بتلایا گیا ہے اور (ان دلائل کے موجب جو خاں صاحب کے مشربی بھائی
مولوی عبد السمیع صاحب نے انوارِ ساطعہ میں پیش کیے ہیں) شیطان کے لیے صرف علم عطائی
تسلیم کیا گیا ہے، اور شرک علم ذاتی ثابت کرنے سے لازم آتا ہے جیسے کہ پہلے مقدمہ کے
ذیل میں ہم خود خاں صاحب کی تصریحات سے اس کو ثابت کر چکے ہیں۔

براہین قاطعہ میں جا بجا ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ
شیطان کے لیے صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے۔
(جس سے خاں صاحب کو بھی اختلاف نہیں) مگر افسوس ہے ان کی اس مجہد دانہ دیانت پر
کہ براہین قاطعہ کی ان تمام تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے صاحب براہین کے متعلق ضنا
لکھ ڈالا کہ :

اہل بیت کے لیے تو زمین کے علم محیط پر ایمان لایا ہے اور جب محمد رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا تو کہتا ہے یہ شرک ہے۔ حالانکہ شرک تو اسی
کا نام ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے کوئی شرک ٹھہرایا جائے تو جس چیز کا مخلوق

المقصود بالنفی والاثبات ههناك
تلك الجزئيات لا غير لكن المفسدين
يعرفون الكلام ولا يخافون محاسبة
الملك العلم وانا جازمون ان
من قال ان فلانا اعلم من النبي
عليه السلام فهو كفر كما صرح به غير
واحد من علماءنا الكرام ومن افتري
علينا بغير ما ذكرناه فعليه بالبرهان
خافنا عن مناقشة الملك البيان
والله على ما نقول وكيل۔

لہذا انصاف! کیا خود مصنف براہین کے اس جواب کے بعد بھی اس بہتان کی
کوفی گنجائش باقی رہتی ہے۔ لا والله الحساب يوم الحساب۔

براہین قاطعہ پر مولوی احمد رضا خان صاحب | مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولانا
کے دوسرے اعتراض کا جواب | خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر

خاں صاحب بریلوی کا دوسرا سنگین اعتراض یہ تھا کہ انھوں نے شیطان کے لیے علم محیط
تسلیم کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسی علم کے اثبات کو شرک کہا حالانکہ جس چیز
کا کسی ایک مخلوق کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔ دوسری تمام مخلوقات کے لیے بھی اس کا

میں سے کسی ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہو، وہ تو تمام جہان میں جس کے لیے ثابت کی جائے یقیناً شرک ہو گا۔

ہم کو خاں صاحب کے اس کلمے سے اتفاق کُلی ہے کہ مخلوق میں سے کسی ایک کے لیے جس کا اثبات شرک ہے وہ تمام جہان میں سے جس کے لیے بھی ثابت کی جائے یقیناً شرک ہو گا (یہ نہیں ہو سکتا کہ مشرکین عرب اگر اپنے بتوں کے لیے تصرف ثابت کریں تو شرک ہو اور مشرکین ہند قبروں یا قبر والوں کے لیے وہی تصرف ثابت کریں تو شرک نہ ہو اور اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جو امور عادات طاقبت بشریہ سے خارج ہیں مثلاً اولاد دنیا، کاروبار میں نفع دنیا، مارنا جلانا، وغیرہ وغیرہ ان امور میں بتوں سے مدد مانگنا تو شرک ہو اور زندہ یا مردہ بزرگوں سے مدد مانگنا اور ان کو غافل باختیار سمجھنا شرک نہ ہو جیسا کہ تبریکہ ستوں کا خیال ہے۔)

بہر حال مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اس کلمے سے ہم کو بالکل اتفاق ہے لیکن صاحب براہین پر اس کو چسپاں کرنا، خاں صاحب کی وہی مخصوص کارروائی ہے جس کو خیانت یا تفرہیف کہتے ہیں۔

علاوہ اُس ذاتی اور عطائی فرق کے اس موقع پر خاں صاحب نے ایک کھلا افتراء یہ کیا کہ صاحب براہین نے شیطان کے لیے علم محیط مان لیا، حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس میں سچائی کا شائبہ تک نہیں۔

مگر افسوس ہے کہ رضا خانی جماعت میں کوئی ایسا دینا ندارد اور راستیاز بھی نظر نہیں آتا

جو اپنے مقتدا کی اس قابل نفرت حرکت کو اگر خیانت نہیں تو نادانستہ غلطی ہی تسلیم کر لے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے برادر مشربی مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں شیطان کے علم کی وسعت ثابت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ”در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ نہ کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے، مگر جس کو اللہ نے بچا لیا۔ بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدرہ علی ذالک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذالک۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔“ (انتہی کلامہ انوار ساطعہ)

پس مولوی عبد السمیع صاحب کی اس دلیل سے شیطان کے لیے جتنا علم ثابت ہوتا ہے اس کو بیشک مولانا خلیل احمد صاحب نے تسلیم کیا ہے، اگر اسی کو مولوی احمد رضا خاں صاحب روئے زمین کا علم محیط سمجھتے ہیں، تو یہ ان کی علمی قابلیت ہے جس کی داد اہل علم ہی دیں گے ورنہ کجا شیطان کا آدمیوں کے ساتھ رہنا اور کجا روئے زمین کا علم محیط جس کے لیے ذرے ذرے قطرے قطرے اور پتے پتے کا علم ضروری ہے۔

اور اگر خاں صاحب کی خاطر اسی کو علم محیط مان لیا جائے تو بھی شیطان کے علم محیط پر پہلے ایمان لانے والے بلکہ دوسروں کو ایمان لانے کی دعوت دینے والے خاں صاحب کے

کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے جو انوارِ ساطعہ کے حوالہ سے مذکور ہو چکی (تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فضیلت کی وجہ سے اس سے زیادہ یعنی روئے زمین کا علم خود ہی پیدا کر لیں گے اور اسی خیال کو صاحبِ براہین نے شک قرار دیا ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ملاحظہ ہو :

براہین قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر ہے :

”تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کتب شرعیہ سے یہی استفادہ ہے۔“

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صاحبِ براہین کے نزدیک صرف اس علم کا ثابت کرنا شرک ہے جو علاوہ عطا پر خداوندی کے کسی مخلوق کے لیے ثابت کیا جائے اور اسی کا نام علم ذاتی ہے۔ پھر اسی بحث میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :

”عقیدہ اہلسنت کا یہ ہے کہ کوئی سفت حق تعالیٰ کی بندے میں نہیں ہوتی اور جو کچھ اپنی صفات کا ظل کسی کو عطا فرماتے ہیں، اُس سے زیادہ ہرگز کسی میں ہونا ممکن نہیں..... پھر جس کو جس قدر علم عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ وہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا۔ شیطان اور ملک الموت کو جس قدر وسعت دی (جس کو مولوی عبدالسمیع صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے)“

برادرِ بزرگوار مولوی عبدالسمیع صاحب ٹھہری گئے اور اس کفر و شرک کے فتوے کے اولین مصداق وہی ہوں گے کیونکہ انھوں نے ہی شیطان کے لیے یہ وسعت علم دلائل سے ثابت کی ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ تو صرف ”مسئلاً“ کہنے والے ہیں۔ بحال مخالف صاحب نے اس موقع پر ایک افتراء تو یہ کیا کہ بالکل خلاف واقعہ مصنفِ براہین کے متعلق لکھ دیا کہ ”ابلیس کے لیے زمین کے علم محیط پر ایمان لایا“ اور دوسری خیانت یہ کہ براہین قاطعہ میں شیطان کے لیے مولوی عبدالسمیع صاحب کے پیش کردہ دلائل کے بموجب صرف علم عطائی تسلیم کیا گیا تھا، اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک قرار دیا تھا۔ جناب خاں صاحب نے یہ ذاتی اور عطائی کا زبردست فرق بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ اب ہم ان دونوں باتوں کا ثبوت عرض کرتے ہیں کہ تسلیم علم عطائی کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کو کہا گیا ہے۔

امر اول کا ثبوت | براہین قاطعہ کی اسی بحث بلکہ اسی قول میں صفحہ ۵ کی چودھویں سطر میں ہے :

”شیطان کو جس قدر وسعت علم دی“ الخ

پھر اُسی کے چار سطر بعد ہے :

”اور شیطان و ملک الموت کو جو یہ وسعت علم دی“ الخ

ان دونوں فقروں میں تصریح ہے کہ شیطان کے لیے علم کی جو وسعت تسلیم کی گئی ہے وہ خدا کی دی ہوئی ہے۔

امر دوم کا ثبوت | پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مصنفِ براہین قاطعہ اس بحث میں اس قیاس

”اور یہ بحث اس میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کہے جیسا جہلا کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کہ حاضر کر دیا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدولت ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں غور فرمایا جائے مصنف براہین نے کتنی وضاحت کے ساتھ اس کو بیان کر دیا کہ شرک کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کوئی شخص حضور کے لیے علم ذاتی ثابت کرے اور ہم پہلے مقدمہ کے ذیل میں ”الدولة المکیة“ اور ”خالص الاعتقاد“ کے حوالہ سے خود خان صاحب کی تصریح نقل کر چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر کا علم ذاتی ثابت کرے تو وہ مشرک ہے۔

لے مولوی احمد رضا خاں صاحب نے اپنے رسالہ ”الموت الاحمر“ میں براہین قاطعہ کی اس عبارت پر بڑا بیج و تاب کھایا ہے اور بہت زیادہ زور اس پر دیا ہے کہ مولوی عبد السمیع صاحب نے انوار ساطعہ میں کہیں علم ذاتی ثابت نہیں کیا۔ پس ان کے جواب میں علم ذاتی کا ابطال کسی طرح امر معقل نہیں۔ نیز دوسرے رضا خانی صاحبان بھی اس بحث میں ان ہی کی پیروی میں یہی کہا کرتے ہیں سیر دست اس کے متعلق ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ یہ بات تو صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شرک کا حکم صرف علم ذاتی کے اثبات پر ہے۔ اب یہ کہنا کہ جانب مخالف جب اس کا مثبت نہیں تو اس کا ابطال اور شرک کا حکم لگانا کیسا؟ ایک الگ علمی بحث ہے جس کا مبعوث تکفیر سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تکفیر کی غلطی تسلیم کر لینے کے بعد ہم سے یہ سوال کیا جائے تو انشاء اللہ اس کا بھی ایسا تشفی بخش جواب دیا جائے گا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کی روح بھی حیرت کرے کہ اتنی کھلی ہوئی چیز مجھ سے کیوں مخفی رہی۔ ۱۲

(مؤلف)

پس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جرم ایسا نہیں جس میں خاں صاحب برابر کے شریک ہوں اور اگر بفرض براہین میں یہ تصریح بھی نہ ہوتی اور سیاق و سباق کے وہ قوانین بھی نہ ہوتے جو علم ذاتی کے مراد لینے پر مجبور کر رہے ہیں تب بھی اس جگہ وسعت علم سے علم عطائی کی وسعت مراد لینا بالخصوص مولوی احمد رضا خاں صاحب کے لیے کسی طرح جائز نہ تھا، وہ خالص الاعتقاد صفحہ ۲۸ پر بطور قاعدہ کلیہ کے لکھ چکے ہیں کہ

”آیات و احادیث و اقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثبات علم غیب سے اسکا ہے ان میں قطعاً یہی دو ہیں (ذاتی یا غیبت کل) مراد ہیں۔“

پس براہین قاطعہ میں جس علم کے اثبات کو شرک کہا گیا ہے وہ بدرجہ اولیٰ ذاتی یا محیط کل پر محمول ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس ہے کہ شوق تکفیر نے اپنا کھانا اصول بھی ٹھنڈا دیا۔ بیچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّيْءُ يَحْيِي وَيَمِيتُ۔

یہاں تک براہین قاطعہ کے متعلق خاں صاحب کے دورے اعتراض کا جواب ہوا جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ اعتراض حب وارد ہو سکتا تھا کہ شیطان کے لیے جو علم تسلیم کیا گیا تھا اسی کے اثبات کو شرک کہا گیا ہوتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے شیطان کے لیے علم عطائی تسلیم کیا گیا ہے اور شرک علم ذاتی کے اثبات کو کہا گیا ہے وشتان مابینہما۔

براہین قاطعہ پر خان صاحب کے مؤلف براہین قاطعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

تیسرے اعتراض کا جواب رحمۃ اللہ علیہ پر خاں صاحب کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ

جس روایت کو نقل کر کے رد کیا، اُس کو ان کی طرف منسوب کر کے نقل کر دیا اور رد کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تو گویا "لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ" تو لے لیا "أَنْتُمْ سُكَارَى" کو چھوڑ دیا۔ خاں صاحب کی فوریت ہمیں معاف فرمائے یہاں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ چونکہ وہ خود اس قسم کی کارروائیوں کے عادی تھے۔ اس لیے انھوں نے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھا لیکن ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ ان باتوں کی ضرورت صرف اہل باطل کو پیش آتی ہے۔ حق پرستوں کو اس کی حاجت نہیں، مگر چونکہ خاں صاحب کا یہ اعتراض بھی موضوع تکفیر سے غیر متعلق ہے۔ اس لیے اس کے جواب میں بھی یہاں ہم مختصار ہی سے کام لیں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ اس موقع پر صاحب براہین کے الفاظ کیا ہیں؛ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۱ کی ساتویں سطر میں فرماتے ہیں :

"اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔" یہاں صاحب براہین نے شیخ کی کسی خاص کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ پس اگر شیخ کی کسی ایک کتاب میں بھی یہ روایت بغیر جرح و تعدید مذکور ہو تو صاحب براہین کا حوالہ بالکل صحیح ہے اور یہ سمجھا جائیگا کہ انھوں نے وہیں سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ملاحظہ ہو مشکوٰۃ الصالحین باب صفة الصلوة کی فصل ثالث کے اخیر میں ذیل کی حدیث درج ہے :

عن ابی ہریرۃ قال صلی بنا رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر وفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو (ایک
 موخر الصفوف رجل فاساء الصلوة دفعہ) ظہر کی نماز پڑھائی اور پچھلی صفوں میں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم شریف پر ترنقص قطعی کا مطالبہ کرتا ہے اور نفی کے موقع پر خود ایک باطل روایت سے استدلال کیا۔"

روایت کی حیثیت کے متعلق تو انشاء اللہ ابھی چوتھے اعتراض کے جواب میں عرض کیا جائے گا۔ یہاں تو ہم صرف خاں صاحب کے اس علمی مغالطہ کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ ثبوت کے لیے نفس قطعی کا مطالبہ کیا اور نفی کے موقع پر خود ایک روایت پیش کی۔ کاش خاں صاحب اعتراض کرنے سے پہلے یہ خود فرمالیتے کہ مصنف براہین نے موقع پر جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ مدعی اور مستدل ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہیں یا مانع اور معارض ہونے کی حیثیت سے۔ اور کاش اصول مناظرہ کی کسی کتاب میں ان مسائل میں سے کسی کو بھی ملاحظہ فرمالیتے۔

واقعہ یہ ہے کہ صاحب براہین نے عقیدہ کے اثبات کے لیے نفس قطعی کا مطالبہ کیا ہے اور مولوی عبد السمیع صاحب مصنف "انوار المناظرہ" کے قیاس کے معارضہ میں خود احادیث پیش کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں صحیح ہیں عقیدہ کے ثبوت کے لیے بیشک نفس قطعی ہی کی ضرورت ہے۔ خود مولوی احمد بنما خاں صاحب کو بھی اُسولاً یہ تسلیم ہے (ملاحظہ ہو انوار المناظرہ) اور بیشک قیاس کے معارضہ میں احادیث کیا معنی قیاس جو پیش کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو مناظرہ رشیدیہ اور اس کے حواشی)۔

براہین قاطعہ پر چوتھا اعتراض | چوتھا اعتراض یہ تھا کہ صاحب براہین نے نقل میں
 اور اس کا جواب | خیانت کی، اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے

فناداه رسول الله صلى الله عليه
 وسلم يا فلان الا تتقى الله الاترى
 كيف تفعل انكم ترون انه يخفى
 على شيء مما تصنعون والله انى
 لارى من خلفي كما ارى من بين
 يدي (رواه احمد)

ایک شخص تھا جس نے نماز اچھی طرح نہیں
 پڑھی۔ پس جب سلام پھیر دیا تو رسول خدا صلی
 اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکارا کہ اے فلان
 کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے
 کہ تم کیسی نماز پڑھتے ہو؟ تم سمجھتے ہو کہ جو کچھ
 تم کرتے ہو اس میں سے کوئی بات مجھ پر پوشیدہ
 رہتی ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے پیچھے کے (گوں کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے
 والوں کو۔) (روایت کیا اس کو امام احمد نے)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات

صفحہ ۳۹۲ پر ارقام فرماتے ہیں :

ہاں کہ ایں دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ و
 آلہ واصحابہ وسلم از پس و پیش بطریق خرق
 عادت بود بوجہ یا بالہام و گاہ گاہ بود
 نہ دائم و مؤید آن است آنچه در خبر آمدہ
 است کہ چون ناقہ آنحضرت گمشدہ و
 در یافت کہ گمارفت منافقان گفتند کہ
 محمدی گوید کہ خبر آسمان می رسانم و نمی داند
 جان کہ دیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
 آگے اور پیچھے سے بطور خرق عادت تھا، وہی
 یا الہام سے اور کبھی کبھی تھا، نہ ہمیشہ۔ اور اس
 کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جب آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ گم ہو گئی اور یہ
 نہ معلوم ہوا کہ کہاں گئی۔ تو منافقوں نے کہا کہ
 محمد (علیہ السلوۃ والسلام) کہتے ہیں کہ میں آسمان

کر ناقہ او کجا است۔ پس فرمود آنحضرت
 واللہ من نمی دانم مگر آنچه بدانام مرا پڑوگا
 من اکنون بنمود مرا پروردگار من کہ سے
 در جائے چنین و چنان است و ہمارے
 در شاخ درختے بند شدہ است و نیز
 فرمودہ است کہ من بمشرم نمی دانم کہ در
 پس ایں دیوار چیست یعنی بے دانانیدن
 حق سبحانہ۔

کی خبر دیتا ہوں اور ان کو کچھ خبر نہیں کہ ان کی ناقہ
 کہاں ہے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نہیں جانتا مگر وہ کہ میرے
 پروردگار نے مجھ کو بتلادیا ہے۔ اب میرے پروردگار
 نے مجھ کو دکھا دیا ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے اور
 اس کی ہمارا ایک درخت کی شاخ میں بندھی ہوئی
 ہے اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے کہ میں بشر ہوں
 میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی

(اشعۃ اللمعات جلد اول، صفحہ ۳۹۲) بے ہمتائے حق سبحانہ کے :

یہاں شیخ نے اس روایت کو نقل فرمایا اور کوئی جرح نہیں فرمائی لہذا حضرت
 مولانا خلیل احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا حوالہ بالکل صحیح ہوا۔ بلکہ غور کیا جائے تو شیخ کی اس عبارت
 سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ یہاں اس کو
 شیخ نے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے اور شیخ کی ثقاہت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی
 روایت کو باطل محض سمجھتے ہوئے اپنے دعوے کی تائید میں پیش کریں۔ پس مقام تائید میں
 شیخ کا اس روایت کو نقل فرمانا مترجہ دلیل اس کی ہے کہ یہ ان کے نزدیک معتبر ہے۔ اب رہا
 یہ سوال کہ شیخ نے مدارج النبوة میں ایک جگہ اسی روایت کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو
 کوئی اہل نہیں سو اگرچہ اس سوال کا جواب ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر تاہم ناظرین کے دفع ظہان

کے لیے اس کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مشہور محتاط اور متشدد محدث حافظ ابن جوزی (حدیث کے بارے میں جن کی غیر معمولی احتیاط اور حد اعتدال سے بڑھا ہوا تشدد اہل علم کو معلوم ہے) نے اس روایت کو اپنی بعض کتابوں میں بلا اسناد کے نقل فرمایا ہے اور ان جیسے محتاط ناقد بصیر محدث کا کسی روایت کو بغیر حرج کے نقل کرنا اس کے معتبر ہونے کی کافی دلیل ہے، اور اسی وجہ سے شیخ علیہ الرحمۃ نے روایت کو معتبر سمجھا اور اشعة اللمعات کی مذکورہ بالا عبارت میں اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر دیا مگر چونکہ اس روایت کی اسناد منقول نہیں اس لیے مدارج النبوة میں ایک جگہ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کی کوئی اصل نہیں" یعنی اسناد نہیں۔ اس طرح شیخ کے کلام کا تعارض بھی دفع ہو جاتا ہے اور کوئی اشکال بھی باقی نہیں رہتا۔ اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا کلام بھی اس روایت کے متعلق بظاہر اسی طرح متعارض ہے چنانچہ قسطلانی "مواہب لدنیہ" میں حافظ سخاوی کی "مقاصد حسنہ" سے ناقل ہیں کہ :

حدیث ما اعلم ما خلف جداری هذا یہ حدیث کہ میں نہیں جانتا جو میری اس دیوار کے قال شیخنا شیخ الاسلام ابن حجر "نیچے ہے" ہمارے شیخ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر لا اصل له قلت ولكن في تلخيص اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کی اصل نہیں" تخريج احاديث الرافعي عند قوله في میں کتابوں کے مگر تخریج احادیث رافعی کی تلخیص میں الخصائص ویاری من وراء ظهره كما خصائص کے بیان میں اس کے اس قول کے پاس کہ یاری من قدامه هو فی الصحيحین و "اور آپ دیکھتے تھے اپنے پس پشت جس طرح دیکھتے تھے

غیرهما من حدیث انس وغیره و اپنے آگے۔ خود انھی (حافظ ابن حجر) نے فرمایا ہے کہ الاحادیث الواردة بذالك مقبلة یہ حضرت انس وغیرہ سے صحیحین اور ان کے علاوہ دوسری بحالة الصلوة و بذالك يجمع بينہ کتب حدیث میں مروی ہے اور جن احادیث میں مضمر و بین قوله عليه السلام لا اعلم ما (یعنی حضرت اقدس کا پس پشت کی چیزوں کو دیکھنا) وارد و آجدارى هذا انتهى وهذا ہوا ہے وہ غازی کی حالت کے ساتھ مقید ہیں اور اس توجیہ مشعر بو و رده سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں کہ : "میں نہیں جانتا اس کو جو میری اس دیوار کے نیچے ہے۔"

ختم ہوا (کلام حافظ ابن حجر کا) اس کے بعد حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ (ہمارے شیخ کے) اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں حافظ سخاوی کے اس قول کے بعد فرماتے ہیں کہ : فینا فی قوله لا اصل له فهو تناقض پس ان کا (یعنی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا) یہ قول ان منه و يمكن ان مراده لا اصل کے اس قول کے منافی ہے (جس میں انھوں نے له معتبر لكونه ذكر بلا اسناد اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ) اس کی اصل نہیں" لا ان مراده بطلانه۔ پس یہ ان کی جانب سے (کھلے ہوا) تناقض ہے اور ممکن ہے کہ اس قول سے ان کی مراد یہ ہو کہ اس حدیث کی اصل معتبر نہیں" کیونکہ وہ بلا اسناد منقول ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ سرے سے باطل ہے۔

پس ہم نے شیخ علیہ الرحمۃ کے مدارج والے قول کی جو توجیہ کی ہے وہ بعینہ وہی ہے

جو علامہ زرقانی نے حافظ ابن حجر کے کلام کی ہے۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ شیخ کے قول "اصلے ندارد" کی توجیہ سے متعلق تھا اور اپنے فرائض سے زائد، ورنہ ہمارے ذمہ صرف اسی قدر تھا کہ شیخ کی کسی تصنیف سے بس اتنا ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اس کو بلا جرح نقل فرمایا ہے۔ یہ ہمارا تبرع تھا کہ ہم نے شیخ کے طرز عمل سے روایت کا معتبر ہونا بھی ثابت کر دیا اور ان کے دونوں قول کے ظاہری تعارض کو بھی اٹھا دیا۔ **فلله الحمد والمنة !**

اور قطع نظر ان تمام چیزوں سے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ یہ روایت معنا صحیح ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین اور سنن نسائی میں حضرت زینب زوجہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں زکوٰۃ کے متعلق ایک سلسلہ پوچھنے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی جب میں پہنچی تو اسی ضرورت سے ایک انصاری بی بی بھی وہاں کھڑی ہوئی تھیں.... پس حضرت بھلے ہمارے پاس آئے تو ہم نے اُن سے کہا :

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرَسَ رَسُوْلٍ خُذَ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي خَدْمَتِ قَدَسَ فَاخْبِرْهُ اَنْ اَمْرَاتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْلُكُ فِيْ جَانِبِيْهِ اَوْرَانِ كُو اَطْلَاعَ دِيْخِيْ كُو دَعْوَتِيْ دُوْا اَتَجْزِي الصَّدَقَةَ عَنْهَا عَلٰى اَنْ اُجْهَمَا پُر کھڑی ہیں اور یہ سلسلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں کہ عَلٰى اِيْتَامِ فِيْ حُجُوْدِهِمَا وَلَا تَخْبِرْهُ اَمْرُوْهُ اِنْسَانِيْ شُوْهَرُوْلٍ اَوْرَانِ تَمِيْمِ بَجَلِیْ پُر جو ان کی مَن مَن فُسَّالَهُ بَلَالُ فَمَالُ لَه رَسُوْلُ پُر دُش مَن مَن صَدَقَہ کر دیں تو کیا ادا ہو جائے گا؟

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ہما اور (اے بلال دیکھو) حضرت کو یہ سنت خبر دینا فقال امراة من الانصار وزینب کہ ہم کون ہیں۔ پس حضرت بلال نے حضور سے فقال له ای الزیانب قال امراة وہ سلسلہ اسی طرح دریافت کیا حضور نے دریافت عبد اللہ فقال لہما اجران اجر فرمایا کہ وہ پوچھنے والیاں کون ہیں؟ حضرت بلال نے عرض کیا کہ ایک کوئی انصاری بی بی ہیں اور ایک

زینب حضور نے فرمایا کہ کون زینب؟ حضرت بلال نے عرض کیا کہ عبد اللہ بن مسعود کی بیوی۔ تو حضور نے فرمایا کہ اس صورت میں ان کو دو اجر ملیں گے۔ ایک صدقہ کا، ایک قرابت کا۔ سو اگر حضور کو دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو حضرت بلال سے نام دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟ پس آپ کا نام دریافت فرمانا اور زینب نام معلوم ہونے پر یہ فرمانا کہ کونسی زینب؟ صریح دلیل اس کی ہے کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کی بعض باتیں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔

نیز حیات طیبہ کے اخیر دنوں میں حالت مرض میں حضور کا اپنی جماعت کو دیکھنے کے لیے حجرہ مبارکہ کے دروازہ پر تشریف لانا اور پردہ ہٹا کر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والی جماعت کو دیکھنا (جس کا ذکر کتب صحاح میں ہے) اور بالخصوص آخری دن بار بار یہ دُعا فرمانا کہ اَصَلِّی النَّاسَ؟ "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" حالانکہ مسجد مبارک اور حجرہ شریفہ میں صرف دیوار ہی حائل تھی، صریح دلیل اس کی ہے کہ دیوار کے پیچھے کی کچھ باتیں حضور کو معلوم نہیں ہوئی تھیں۔ پس اگر کسی حدیث میں یہ وارد ہوا ہو کہ "واللہ لا ادری ما واء جداری، هذا او كما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام (یعنی اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا

یہاں تک عبارات براہین قاطعہ کی بحث ختم ہو گئی اور خاں صاحب کے چاروں اعتراضوں کے جوابات سے ہم بعون اللہ تعالیٰ فارغ ہو گئے۔ اب حسام الحرمین کی آخری بحث متعلق عبارت حفظ الایمان شروع ہوتی ہے۔

لے واضح رہے کہ خاں صاحب کے دوسرے اعتراض کے جواب میں جو ذاتی اور عطائی کا فرق ہم نے دکھلایا ہے۔ وہ پہلے اعتراض کے جواب میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ فافہم وقامل۔ ۱۲ منہ

اس کو جو اس دیوار کے پیچھے ہے) تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بہر حال اس روایت کی معنوی صحت سے تو کسی کو بھی انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

اور پھر اگر ان باتوں سے بھی قطع نظر کر لیا جائے تو یہ ہر منصف مزاج کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ صاحب براہین نے اس روایت کو علم ذاتی کی نفی کے موقع پر پیش کیا ہے کیونکہ ہم خود صاحب براہین کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ ان کی وہ تمام بحث علم ذاتی کے متعلق ہے تو گویا اس روایت کو انہوں نے علم ذاتی کی نفی پر محمول کیا ہے اور ہم خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کی تصریحات سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بھی علم ذاتی کے قائل نہیں بلکہ جو شخص ایک ذرہ یا اس سے بھی کمتر سے کمتر کا علم ذاتی غیر اللہ کے لیے مانے وہ ان کے نزدیک بھی کافر و مشرک ہے۔ پس اس اعتبار سے تو یہ روایت خاں صاحب کے نزدیک بھی معنیاً صحیح ہے اور وہ تو خود فرما چکے ہیں کہ ”آیات و احادیث و اقوال علماء جہن میں دوسروں کے لیے اثبات علم غیب سے انکار ہے۔ ان میں قطعاً یہی دو قسمیں (یعنی ذاتی یا محیط کل) ہر لوہیں۔“ خلاص الاعتقاد صفحہ ۲۸۔

پس جب کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو علم ذاتی کی نفی پر محمول فرما رہے ہیں تو پھر خاں صاحب یا ان کی ذریت کے لیے کیا محمل اعتراض ہے۔

ہم شروع ہی میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بحث موضوع تکفیر سے غیر متعلق ہے اس لیے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۴)

حکیم الامت حضرت تھانوی

پر

توہین شان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بہتان

اور

اُس کا جواب

مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حسم الحرمین صفحہ ۲۰ و ۲۱ پر فرماتے ہیں :

ومن كبار هؤلاء الوهابية اور اس فرقہ واپس شیطانیہ کے بڑوں میں
الشیطانیہ رجل اخر من اذئاب امیک اور شخص اسی گنگوہی کے دم پھلوں میں ہے
الگنگوہی يقال له اشرف على التانوی جسے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں، اُس نے ایک
صنف رسالة لا تبلغ اربعة اوراق پھوٹی سی رسالہ تصنیف کی چار ورق کی بھی نہیں

و صرح فيها بان العلم الذي لرسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
بالمغيبات فان مثله حاصل لكل
صبي وكل مجنون بل لكل حيوان
وكل بهيمة وهذا الفظه الملعون
ان صح الحكم على ذات النبي المقدسة
بعدم المغيبات كما يقول به زريد
فالمسئول عنه انه ما ذا اراد بهذا
ابعض الغيوب ام كلها فان اراد
البعض ناي خصوصية فيه لحضرة
الرسالة فان مثل هذا العلم
بالمغيب حاصل لزيد وعمر و
بل لكل صبي ومجنون بل لجميع
الحيوانات والبهائم و ان اراد
الكل بحيث لا يشذ منه فرد
فبطلانه ثابت نقلا وعقلا اهـ
اور اُس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا
علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو
ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارہ پائے
کو حاصل ہے۔ اور اس کی ملعون عبارت یہ ہے:
آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا
جانا اگر بقدر زید جمع ہو تو دریافت طلب یہ امر
ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل
اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حشر کی کیا
تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر
صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی
حاصل ہے۔ الی قولہ۔ اور اگر تمام علوم غیب
مراد ہیں، اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی
خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی
سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی
فہر کا اثر دیکھو، یہ شخص کیسی برابری کر رہا
ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور
لہ بیان خط الامان میں مصلی اللہ علیہ وسلم پھیا ہوا ہے، خانصاحب نے اس کو اڑا دیا۔

اقول فانظر الى اثار ختم الله تعالى چنیں وچھاں میں -

کیف یسوی بین رسول الله صلی الله

تعالیٰ علیہ وسلم و بین کذا و کذا -

اس جگہ خاں صاحب نے حضرت حکیم الامتؒ کے متعلق جو سخت اور مستحق کلمات استعمال کیے ان کا جواب تو ہم کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اس کا ترکی برکی کلمہ جگہ جواب دہی بازاری دے سکتا ہے جو گالیوں کے فن میں بھی مجتہدانہ شان رکھتا ہو۔ ہم تو اس فن سے بالکل عاری اور عاجز ہیں۔ اُدھر قرآن حکیم کا ارشاد ہے :

قل لعبادی يقولوا التی هی احسن لے رسول آپ میرے (ایمان والے) بندوں سے
ان الشیطان ینزغ بینہم انت کیسے کہ وہ بات کہیں جو اچھی ہو۔ بتحقیق شیطان
الشیطان کان للانسان عدوا پھوٹ ڈلواتا ہے ان کے درمیان، بیشک
مبینا۔ شیطان انسان کا گھلا دشمن ہے۔

دوسری جگہ خود حضورؐ کو ارشاد ہے :

ادفع بالتی هی احسن السیئة آپ بدی کا جواب نیکی سے دیجیے۔

پس حسب فرمودہ قرآن ہم خاں صاحب کی ان گالیوں کے جواب میں صرف حق تعالیٰ سے یہ عرض کریں گے کہ خداوند! خاں صاحب تو اس دنیا سے جا چکے، اب اُن کے اخلاف کو ایسی بُری عادتوں سے بچا جو دنیا میں دولت و رسوائی اور آخرت میں حرمان و خُسران کا باعث ہوں۔

اس کے بعد ہم اصل بحث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد معلوم ہوتا ہے کہ حسام الحرمین لکھتے وقت خاں صاحب نے قسم کھائی تھی کہ کسی معاملہ میں بھی سچائی اور دیانتداری سے کام نہ لوں گا۔ غور تو کیجئے، کہاں حفظ الایمان کی اصل عبارت اور اس کا حقیقی اور واقعی مطلب، اور گجا خاں صاحب کا تصنیف کردہ یہ یعنی مضمون کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر باگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے (معاذ اللہ منہ) کاش خاں صاحب اپنا فیصلہ کفر سنانے سے پہلے "حفظ الایمان" کی پوری عبارت بغیر قطع و برید کے نقل کر دیتے تو ناظرین کو خود ہی حقیقت معلوم ہو جاتی اور ہم کو جواب دہی کے لیے قلم اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

حفظ الایمان حضرت حکیم الامتؒ (دامت برکاتہم) کا ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں تین بحثیں ہیں اور تیسری بحث یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں۔ واضح رہے کہ مولانا کی بحث اس میں نہیں ہے کہ حضور اقدس کو علم غیب تھا یا نہیں اور تھا تو کتنا تھا؛ بلکہ وہاں مولانا مدظلہ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور کو علم غیب اور تھا تو کتنا تھا؛ بلکہ وہاں مولانا مدظلہ صرف اتنا ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور کو علم غیب

کہ نہیں سکتے۔ اور ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کسی صفت کا واقع میں کسی ذات کے لیے ثابت ہونا اُس کو مستلزم نہیں کہ اس کا اطلاق بھی اس پر جائز ہو۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق بتلایا گیا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ عالم کی ہر چیز صغیر ہو یا کبیر عظیم ہو یا حقیر سب اُسی کی مخلوق ہے۔ لیکن با این ہمہ فقہاء کرام تصریح فرماتے ہیں کہ

لہ الله خالق كل شيء وخلق كل شيء فقد رقت دياراً ○ (الغیر ذلک من الآیات)

اس کو "خالق القدرۃ والحنان" کہنا ناجائز ہے، علیٰ ہذا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے زرع (کھیتی) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے لیکن اس کی ذات پاک پر زرع کا اطلاق درست نہیں، اسی طرح بادشاہ کی طرف سے لشکر کو جو عطا یا اور وظائف دیے جاتے ہیں اہل عرب اُن پر رزق کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی عام کتابوں میں یہ محاورہ لکھا ہوا ہے کہ "رزق الامیر الجند"۔ لیکن باایں ہمہ بادشاہ کو رازق یا رزاق کہنا درست نہیں اور حضور کے خصائل مبارکہ کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "آپ خود ہی اپنی نعل مبارک کو ٹانگ لیا کرتے تھے اور خود ہی اپنی بکری دودھ لیا کرتے تھے"۔ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس کو "خاصف النعل" (جفت دوز) اور "حالب الشاة" (بکری دوہنے والا) نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ بعض اوقات ایک صفت کسی ذات میں پائی جاتی ہے اور اس کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ اس تمہید سے ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ "حضور کو علم غیب ہونا نہ ہونا ایک الگ بحث ہے اور آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کے اطلاق کا جواز عدم جاز یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور ان دونوں میں باہم تلازم بھی نہیں جب یہ بات ذہن نشین ہوگئی تو اب سمجھیے کہ حفظ الایمان میں اس موقع پر حضرت مولاناؒ کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حضور کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق ناجائز ہے اور حضور کو جس طرح خاتم النبیین سید المرسلین، رحمۃ للعالمین وغیرہ القابات سے یاد کر سکتے ہیں۔ اس طرح لفظ عالم الغیب کا دعویٰ ہے کہ :

سے حضور کو یاد نہیں کیا جاسکتا، اور اس مدعا کی دو دلیلیں مولانا نے پیش کی ہیں پہلی دلیل کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ چونکہ عام طور پر شریعت کے محاورات میں عالم الغیب اسی کو کہا جاتا ہے جس کو غیب کی باتیں بلا واسطہ اور بغیر کسی کے بتلائے ہوئے معلوم ہوں (اور یہ شان صرف حق تعالیٰ کی ہے) لہذا اگر کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جائے گا تو اس عرف عام کی وجہ سے لوگوں کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ ان کو بھی بلا واسطہ غیب کا علم ہے (اور یہ عقیدہ صریح شرک ہے) پس حق جل مجدہ کے سوا کسی اور کو عالم الغیب کہنا بغیر کسی ایسے قرینہ کے جس سے معلوم ہو سکے کہ قائل کی مراد علم غیب بلا واسطہ نہیں ہے اس لیے نادرست ہوگا کہ اس سے ایک مشرکانہ خیال کا شبہ ہو سکے۔ قرآن و حدیث میں ایسے کلمات سے منع فرمایا گیا ہے جن سے اس قسم کی غلط فہمیوں کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضور کو لفظ راعنا سے خطاب کرنے کی ممانعت، اور حدیث شریف میں اپنے غلاموں اور باندیوں کو عبدی و امتی کہنے سے بھی منع کیا گیا ہے کہ یہ کلمات ایک باطل معنی کی طرف مبہم ہو جاتے ہیں، اگرچہ خود متکلم کا قصد ایسا نہ ہو۔ یہ ہے حضرت مولاناؒ کی پہلی دلیل کا خلاصہ۔ مگر چونکہ خاں صاحب کو مولاناؒ کی اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تقریباً ہی مضامین خود خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب "الدولۃ المکیہ" میں ایک جگہ پوری تفصیل سے لکھا ہے اس لیے اس کی تصویب و تائید میں ہم کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور اب مولاناؒ کی دوسری دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی میں وہ عبارت واقع ہے جس کے متعلق خاں صاحب کا دعویٰ ہے کہ :

”اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر بچے اور ہر باگل اور ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔“

لیکن ”ہم حفظ الایمان“ کی اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ناظرین کی سہولت فہم کے لیے یہ بتلادینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اس دوسری دلیل میں مولانا نے مسلکی دو شقیں کر کے ان میں سے ہر ایک کو غلط اور باطل ثابت کیا ہے اور حاصل مولانا کی اس دوسری دلیل کا صرف یہ ہے کہ جو شخص حضورؐ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اور آپؐ کو عالم الغیب کہتا ہے (مثلاً زید) وہ یا تو اس وجہ سے کہتا ہے کہ اس کے نزدیک حضورؐ کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپؐ کو کل غیب کا علم ہے۔ یہ دوسری شق تو اس لیے باطل ہے کہ آنحضرتؐ کو کل غیب کا علم نہ ہونا، دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے (اور خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بھی یہی کہتے ہیں) اور پہلی شق (یعنی بعض غیب کی وجہ سے حضورؐ کو عالم الغیب کہنا) اس لیے باطل ہے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر انسان بلکہ حیوانات تک کو عالم الغیب کہا جائے کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو سب کو ہے، کیونکہ ہر جاندار کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ضرور ہے جو دوسرے سے مخفی ہے۔ پس اس شق کی بنا پر چونکہ سب کو عالم الغیب کہنا لازم آتا ہے اور یہ عقلاً نقلاً عرفاً غرض ہر حیثیت سے باطل ہے لہذا لازم (یعنی زید کا حضورؐ کو بعض علوم غیبیہ کی وجہ سے عالم الغیب کہنا) بھی باطل ہوگا۔ یہ ہے مولانا کی ساری تقریر کا خلاصہ۔ اس کے بعد ہم حفظ الایمان کی اصل عبارت مع توضیح کے درج کرتے ہیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ پہلی دلیل کی تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ارقام فرماتے ہیں

”حفظ الایمان کی عبارت اور اس کی توضیح“ آپؐ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا اور آپؐ کی ذات قدسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب (اسی زید سے) یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد (یعنی اس غیب سے جو لفظ ”عالم الغیب“ میں واقع ہے اور جس کی وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ”عالم الغیب“ کہتا ہے) بعض غیب ہے یا کل غیب (یہاں حضرت مولانا اس شخص سے جو حضرت کو عالم الغیب کہتا ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے جس کا فونی نام زید ہے۔ یہ دریافت فرما رہے ہیں کہ تم جو حضورؐ کو عالم الغیب کہتے ہو تو کس اعتبار سے؟ آیا اس وجہ سے کہ حضورؐ کو بعض غیب کا علم ہے یا اس وجہ سے کہ آپؐ کو کل غیب کا علم ہے؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں (یعنی تم حضورؐ کو بعض علوم غیب کی وجہ سے ”عالم الغیب“ کہتے ہو) اور تمہارا یہی اصول ہے کہ جس کو غیب کی بعض باتیں ہی معلوم ہوں گی اس کو تم عالم الغیب کہو گے) تو اس میں (یعنی مطلق بعض غیب کے علم میں اور اس کی وجہ سے عالم الغیب کہنے میں) حضورؐ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا (بعض) علم غیب (کہ کسی کے عالم الغیب کہنے کے لیے جس کی تم ضرورت سمجھتے ہو یعنی مطلق بعض مغیبات کا علم) تو زید و عمرو بلکہ ہر جہی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی

بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ (تمہارے اس اصول کی بنا پر کہ مطلق بعض غیب کے علم کی وجہ سے بھی عالم الغیب کہا جاسکتا ہے) سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

حفظ الایمان کی عبارت میں خالص صاحب | یہ تھی حضرت مولانا کی اصل عبارت اور بریلوی کی تحریفیات کی تفصیل تھا اس کا صاف اور صریح مطلب یہ

ہم نے عرض کیا لیکن خاں صاحب نے اپنی حاشیہ آرائی سے اُس میں وہ معنی ڈالے کہ شیطان بھی جس کو سن کر پناہ مانگے۔ اس سلسلہ میں خاں صاحب نے جو تحریفیات کیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے :

(۱) حفظ الایمان کی عبارت میں ایسا "کا لفظ آیا تھا اور اُس سے مطلق بعض غیب کا علم مراد تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اقدس، مگر خاں صاحب نے اُسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف مراد لے لیا اور لکھ مارا کہ

"اس میں تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے (حسام ص ۲۰)

(۲) حفظ الایمان کی اصل عبارت اس طرح تھی کہ :

"ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و معنون، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو

دوسرے شخص سے مخفی ہے۔"

خاں صاحب نے اس کا آخری خط کشیدہ حصہ درمیان میں سے بالکل اڑا دیا کیونکہ اس سے صراحت معلوم ہو جاتا ہے کہ زید عمرو وغیرہ کے متعلق جو علم تسلیم کیا گیا ہے وہ مطلق بعض غیب کا علم ہے، نہ کہ معاذ اللہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف (۳) حفظ الایمان میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد الزامی نتیجہ کے طور پر یہ فقہ تھا۔

تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے

خاں صاحب نے اس کو بھی صاف اڑا دیا، کیونکہ اس فقرے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مصنف حفظ الایمان حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی مقدار میں کلام نہیں فرما رہے۔ بلکہ ان کی بحث صرف عالم الغیب کے اطلاق میں ہے اور اتنا معلوم ہو جانے کے بعد خاں صاحب کی ساری کارروائی کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ بہر حال خاں صاحب نے صاحب حفظ الایمان کو کافر بنانے کے لیے یہ خیانتیں کیں اور جن فقروں سے عبارت حفظ الایمان کا صحیح مطلب باسانی معلوم ہو سکتا تھا وہ درمیان سے بالکل حذف کر دیے اور عبارت کا صرف ابتدائی اور آخری حصہ نقل فرما دیا، اور ایک بڑی چالاکی یہ کہ عبارت حفظ الایمان کا جو عربی ترجمہ آپ نے علماء حرمین کے سامنے پیش کیا، اس میں اس قسم کا کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جس سے وہ حضرات سمجھ سکتے کہ اس عبارت کے درمیان میں سے کچھ فقرے حذف کر دیے گئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ناظرین حسام الحرمین کی اُس عربی عبارت میں خاں صاحب کی یہ دستکاری ملاحظہ فرما سکتے ہیں جو ہم نے شروع

بحث میں حسام الحرمین سے بلفظہ نقل کی ہے :

عبارت حفظ الایمان کی مزید توضیح | اگرچہ خاں صاحب کی دیانت اور اُن کے فتوے کا حال تو ہمارے ناظرین کو اسی قدر

بیان سے معلوم ہو گیا ہو گا مگر ہم بحث کی مزید توضیح اور تفہیم کے لیے اس کے خاص خاص گوشوں پر کچھ اور روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مظہر کی دوسری دلیل کا حاصل صرف اس قدر تھا کہ :

حضور کو عالم الغیب کئے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ کُل غیب کی وجہ سے آپ کو عالم الغیب کہا جائے۔ دوسری یہ کہ بعض غیب کی وجہ سے۔ پہلی شق تو اس لیے باطل ہے کہ آپ کو کُل غیب کا علم نہ ہونا دلائل نقلیہ و عقلیہ سے ثابت ہے اور دوسری اس لیے باطل ہے کہ بعض غیب کا علم دنیا کی دوسری حقیر چیزوں کو بھی ہے تو اس اصول پر سب کو عالم الغیب کہنا پڑے گا جو ہر طرح سے باطل ہے۔ اگر اس دلیل کے اجزاء کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بنیادی مقدمات صرف یہ ہیں :

(۱) جب تک مبدا کسی چیز کے ساتھ قائم نہ ہو، اس پر شق کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً کسی کو عالم جب ہی کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کی ذات میں علم کی صفت پائی جاتی ہو اور زائد اسی کو کہا جائے گا جس کے ساتھ زہد کی صفت قائم ہو اور کاتب وہی کہلائے گا جو وصف کاتب کے ساتھ موصوف ہو (الی غیر ذلک من الامثلة)

(۲) علت کے ساتھ معلول کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ علت موجود ہو اور معلول نہ ہو۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کُل غیب کا علم حاصل نہ تھا۔

(۴) مطلق بعض مغیبات کی خبر غیر انبسیا علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے

(۵) ہر زید و عمرو کو عالم الغیب نہیں کہہ سکتے۔

(۶) لازم کا بطلان ملزوم کے بطلان کو مستلزم ہے یعنی جس بات کے ماننے سے کوئی امر باطل لازم آجائے وہ خود باطل ہے۔

ان مقدمات میں سے پہلے دونوں اور آخری دونوں تو عقلی مسلمات میں سے ہیں اور گویا بدیہی ہیں جس سے دنیا کا کوئی عاقل بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس لیے سروسر ہم صرف تیسرے اور چوتھے مقدمہ کو خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں :

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گراہی تیری

حفظ الایمان کے اہم مقدمات کا ثبوت | حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل خود خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے : کا تیسرا مقدمہ یہ تھا کہ :

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیب کا علم حاصل نہ تھا“

اس کا ثبوت فاضل بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کُل غیب کا علم حاصل نہ تھا

فاضل موصوف ”للدولة المکتبہ“ صفحہ ۲۵ پر رقمطراز ہیں :

فانا لا ندعى انه صلي الله عليه و سلم قد احاط بجميع معلومات الله سبحانه و تعالى فانه محال للمخلوق .
 ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم شریف تمام معلومات الہیہ کو محیط ہے کیونکہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔

اور اسی "الدولة المکیة" میں ہے :
 ولا نثبت بمطاء الله تعالى ايضاً
 الا البعض
 اور ہم عطاء الہی سے بھی بعض علم ہی ملتا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔

(الدولة المکیة، ص ۲۸) (خالص الاعتقاد، ص ۲۳)

اور یہی خاں صاحب تمہید ایمان صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں :
 "حضور کا علم بھی جمیع معلومات الہی کو محیط نہیں۔"
 نیز اسی تمہید کے صفحہ ۲۴ پر ہے :

"اور جمیع معلومات الہیہ کو علم مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے۔"

خاں صاحب کی ان تمام عبارات کا مفاد بلکہ مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع غیوب کا علم حاصل نہ تھا۔ بلکہ تمام غیوب کے علم تفصیلی کا حصول آپ کے لیے بلکہ بر مخلوق کے لیے محال ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا باطل اور اکثر علماء کے خلاف ہے۔ اور یہی بعینہ حضرت مولانا تھانویؒ کی دلیل کا تیسرا مقدمہ تھا جو بعد اللہ خاں صاحب اہل حق کی

تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ ﷺ الحمد۔
 حضرت مولانا کی دلیل کا چوتھا قابل غور مقدمہ یہ تھا :
 "مطلق بعض منغیبات کی خبر غیر انبیاء علیہم السلام بلکہ غیر انسانوں کو بھی ہو جاتی ہے۔"

اس کا ثبوت بھی خاں صاحب بریلوی کی تصریحات سے ملاحظہ ہو :
 ہر مومن کو کچھ غیوب کا علم تفصیلی ضرور ہوتا ہے
 فاضل موصوف الدولة المکیة "صفحہ ۱۳ پر اتمام فرماتے ہیں :

انا اماناً بالقيمة وبالجنة و بشك هم ايمان لان في قيامت پر اور جنت بالتار و بالله تعالى و بالامهات اور دوزخ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ساتوں السبع من صفاته عز وجل و صفات اصلیہ پر اور یہ سب کچھ غیب ہے اور کل ذلک غیب وقد علمنا کذا ہم کو اس کا علم تفصیلی حاصل ہے اس طور پر کہ بحیالہ ممتازاً عن غیرہ فوجب ہمارے علم میں ان میں سے ہر ایک دوسرے حصول مطلق العلم التفصیلی سے ممتاز ہے پس غیب کے مطلق علم تفصیلی کا بالغیوب لكل موہن۔ حصول ہر مومن کے لیے واجب ہوا۔

نیز یہی خاں صاحب "خالص الاعتقاد" صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں :
 "(اللہ تعالیٰ) "مسلمانوں کو فرماتا ہے، "يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ" غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شے کا اصلاً

علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیوں کر ممکن؟ لاجرم تفسیر کبیر میں ہے: "لا یمتنع ان نقول نعلم من الغیب ما لنا علیہ دلیل" یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اُس غیب کا علم ہے جس پر ہمارے لیے دلیل ہے۔
 خاں صاحب کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ہر مومن کو غیب کا کچھ علم ضرور ہے۔

خاں صاحب کے والد بزرگوار کو بھی غیب کا علم تھا

موصوف اپنے والد ماجد کی ایک پیشین گوئی کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتے ہیں: "یہ چودہ برس کی پیشین گوئی حضرت نے فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام کے کشف بردار نہیں، علومِ غیب دیتا ہے۔" (ملفوظات اعلیٰ حضرت)

خاں صاحب کے نزدیک گدھے کو بعض غیب کا علم

خاں صاحب نے (اس کے ثبوت میں کہ کشف فی نفسہ کوئی کمال کی چیز نہیں بلکہ وہ غیر مسلموں حتیٰ کہ غیر انسانوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے) اپنے کسی بزرگ سے (جس کے ولی اللہ ہونے کی تصریح بھی آپ نے فرمائی ہے) ایک صاحب کشف گدھے کی عجیب و غریب حکایت نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اُن بزرگ صاحب نے فرمایا: ہم بھر گئے تھے وہاں ایک جگہ جلسہ بڑا بھاری تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص ہے۔ اُس کے پاس ایک گدھا ہے۔ اُس کی آنکھوں پر ایک پٹی بندھی ہوئی

ہے۔ ایک چیز ایک شخص کی دوسرے کے پاس رکھ دی جاتی ہے بس گدھے سے پوچھا جاتا ہے۔ گدھا ساری مجلس میں دورہ کرتا ہے جس کے پاس ہوتی ہے، سامنے جا کر سر ٹیک دیتا ہے۔" (ملفوظات حصہ چہارم ص ۱۱)
 اس کے بعد خاں صاحب فرماتے ہیں:

تس یہ سمجھیے کہ وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی ہے (یعنی کشف) انسان کے لیے کمال نہیں الخ (حصہ چہارم ص ۱۱)

خاں صاحب کے اس ملفوظ سے معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک اس گدھے کو بھی بعض مخفی باتوں کا کشف ہوتا تھا۔ و ہذا ہو المقصود

دنیا کی ہر چیز کو بعض غیب کا علم حاصل ہے

ہم ابھی ابھی الدولۃ المکیۃ سے خاں صاحب کی ایک عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے صفات اور جنت و دوزخ ملائکہ وغیرہ وغیرہ یہ سب امور غیب میں سے ہیں (اور یہ بالکل صحیح ہے)

علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بذاتِ خود غیب نہیں لیکن آپ کی رسالت بے شک امرِ غیب ہے کیونکہ وہ کوئی محسوس و مبصر چیز نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے درمیان ایک مخفی تعلق ہے جو ہمارے ظاہری احساس کی دسترس سے بالاتر ہے اور صرف پیغمبر کی صدا کے اعتماد پر اُس پر ایمان لایا جاتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ کے وجود اُس کی وحدت یا اس کے رسول کی رسالت کا علم حاصل ہو تو اُس کو بعض غیب کا علم حاصل ہوا اور خاں صاحب کو

تسلیم ہے کہ کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ درختوں کے پتے اور رگیٹانوں کے ذرے بھی توحید و رسالت پر ایمان لانے کے مکلف ہیں، وہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔

چنانچہ خاں صاحب کے ملفوظات حصہ چہارم صفحہ ۷۷ پر ہے :

”ہر شے مکلف ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور خدا کی تسبیح کے ساتھ۔“

نیز اسی کے صفحہ ۷۸ پر ہے :

”ایک ایک روحانیت تو ہر نبات ہر ہر جہاد سے متعلق ہے اُسے خواہ اُس کی روح کہا جائے یا کچھ اور۔ اور وہی مکلف ہے ایمان و تسبیح کے ساتھ، حارث میں ہے :

مَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا وَيَعْلَمُ اَنِي رَسُولٌ كُوْنِي شَيْءٍ اَيْسِي نَحِيْثٍ جُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْجُوْJ

(۱) ہر مومن کو غیب کی کچھ باتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔

(۲) غیر مسلموں کو بھی کشف ہوتا ہے۔

(۳) گدھے جیسے احمق جانور کو بھی بعض مخفی باتوں کا علم ہو جاتا ہے۔

(۴) کائنات کی ہر چیز حتیٰ کہ نباتات و جمادات کو بھی غیب کی کچھ باتیں معلوم ہیں۔

اور یہی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا چوتھا بنیادی مقدمہ تھا۔
الحاصل مولانا کی دلیل جن چھ مقدمات پر مبنی تھی، اُن میں سے چار تو سلمات عقلیہ اور بالکل بدیہی تھے اور دو محتاج ثبوت تھے سو اُن کو ہم نے مجدد اللہ خاں صاحب ہی کی تصریحات سے ثابت کر دیا اور ہمارے ناظرین کو معلوم ہو گیا کہ حضرت مولانا کی وہ دلیل جس پر خاں صاحب نے کفر کا حکم لگایا تھا بجمیع اجزاء خاں صاحب کو مسلم ہے اور اگر وہی موجب کفر ہو سکتی ہے تو پھر خاں صاحب بھی اس کفر میں برابر کے حصہ دار ہیں چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہاں گویم

اگرچہ اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق کچھ اور عرض کرنے کی حاجت نہیں رہتی لیکن مزید توضیح کے لیے آخر میں ہم عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی نوٹو پیش کرتے ہیں۔

عبارت حفظ الایمان کا ایک مثالی نوٹو | فرض کیجیے کہ خاں صاحب مولوی احمد رضا صاحب کے کوئی مرید یا جانشین حضور کو عالم الغیب کہتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں اُس پر میں اُن سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہتے ہیں تو آیا کل غیب کی وجہ سے یا بعض غیب کی وجہ سے۔ اگر کل غیب کی وجہ سے کہتے ہیں تو وہ تو بقول مولوی احمد رضا خاں صاحب کے عقلاً و نقلاً باطل بلکہ محال ہے اور اگر آپ بعض غیب کی وجہ سے حضور کو عالم الغیب کہتے ہیں اور آپ کا یہی اصول ہے کہ جس کو بھی غیب کی بعض باتیں معلوم ہوں گی تو آپ اس کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر

حضورؐ کی اس میں کوئی تخصیص نہیں رہی کیونکہ غیب کی بعض باتوں کا علم تو تمام مومنین بلکہ تمام انہ میں اور بلکہ تمام کائنات حتیٰ کہ نباتات اور جمادات کو بھی ہے تو آپ کے اس اصول پر لازم آئے گا کہ آپ دنیا کی ہر چیز کو عالم الغیب کہیں۔ اگر آپ فرمائیں کہ ہاں ہم سب کو عالم الغیب کہیں گے تو پھر بتلایا جائے کہ اس صورت میں عالم الغیب کئے میں حضورؐ کی کیا تعریف نکلی جب کہ آپ کے نزدیک سب کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ کیا دنیا کا کوئی باہر ش انسان میرے اس کلام سے یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ معاذ اللہ میں نے دنیا کی ہر چیز کو علم میں حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کر دیا۔

اسی کی ایک دوسری اس سے بھی زیادہ عام فہم مثال ملاحظہ ہو۔ فرض کیجیے کہ کسی ملک کا بادشاہ بہت بڑا مخیر ہے۔ اس کے یہاں لنگر خانہ جاری ہے اور صبح و شام ہزاروں محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اب کوئی احمق مثلاً نیکو کہتا ہے کہ میں تو اس بادشاہ کو رازق کہوں گا۔ اُس پر ایک دوسرا شخص مثلاً عمر و کہے کہ بھائی تم جو اس بادشاہ کو رازق کہتے ہو تو کس وجہ سے؟ آیا اس وجہ سے کہ وہ ساری مخلوق کو رزق دیتا ہے؟ یا اس وجہ سے کہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے؟ پہلی شق تو بدلتہ ہل ہے اب رہی دوسری صورت یعنی یہ کہ اس بادشاہ کو صرف اس وجہ سے رازق کہا جائے کہ وہ بعض انسانوں کو کھانا کھلاتا ہے تو اس میں اس کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ ایک غریب انسان اور ایک معمولی مزدور بھی کم از کم اپنے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے اور انسان تو انسان

چھوٹی چھوٹی چڑیاں اپنے بچوں کو دانہ دیتی ہیں، تو پھر تمہارے اس اصول پر چاہیے کہ سب کو رازق کہا جائے الخ غور فرمایا جائے کہ کیا عمرو کے اس کلام کا مطلب یہی ہے کہ اُس نے اُس مخیر اور فیاض بادشاہ اور ہر غریب انسان اور ہر معمولی مزدور کو بالکل برابر کر دیا، یا اُس نے ہر غریب انسان اور معمولی مزدور کو اس بادشاہ کے برابر فیاض مان لیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا سمجھنے والے کی حماقت ہے۔ پس حفظ الایمان میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں۔

اس کے بعد ہم اہل سنت کے مسلم امام علامہ سید شریف رحمہ اللہ کی شرح مواقف سے ایک عبارت پیش کرتے ہیں جو بالکل عبارت حفظ الایمان کے مشابہ ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد کوئی سنی مسلمان حفظ الایمان کے متعلق لب کشائی کی جرأت نہ کرے گا کیونکہ حفظ الایمان میں جو کچھ ہے وہ قریب قریب شرح مواقف کی اسی عبارت کا ترجمہ ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت علامہ فرماتے ہیں :

و اما الفلاسفة فقالوا النبي هو
من اجتمع فيه خواص ثلث يمتاز
بهما من غيره احدها اى احد
الامور المختصة به ان يكون
له اطلاع على المغيبات الكائنة
في الماضي و الآتية
بہر حال فلاسفہ پس ذورہ کہتے ہیں کہ نبی وہ ہے
کہ جس میں تین باتیں خاص طور پر پائی جائیں جن
کی وجہ سے وہ نبی غیر نبی سے ممتاز ہو سکے ان
میں سے ایک بات یہ ہے کہ نبی کو اطلاع ہونی
چاہیے ان مغیبات کائنات پر جو ہوتے ہیں یا ہو چکے
میں یا ہونے کو ہیں۔

اس کے بعد چند سطر میں فلاسفہ کی طرف سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بات انبیاء علیہم السلام کے لیے چنداں مستبعد نہیں۔ اس کے بعد انھیں فلاسفہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ

وکیف یستنکر ذلک الاطلاع اور انبیاء علیہم السلام کا ان مغیبات پر مطلع ہونا

فی حق النبی، وقد یوجد ذلک کیونکہ مستبعد ہو سکتا ہے حالانکہ یہ اطلاع علی

فیمن قلت شواغله لریاضۃ بانواع المغیبات ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے جن

المجاہدات او مرض صارف للنفس کے شواغل نفسانی مجاہدوں کی ریاضت یا کسی

عن الاشتغال بالبدن واستعمال ایسے مرض کی وجہ سے کم ہوں جو نفس کو اشتغال

الاولۃ او نوم یقطع بہ احساساتہ بہ بدن اور آلات کے استعمال سے روکنے والا

الظاہرۃ فان هؤلاء قد یضلعون ہو یا یہ شواغل ایسی نیند کی وجہ سے کم ہوں جس کی

علی مغیبات وغیرہ وہاں کہا وجہ سے اس سونے والے کے احساسات ظاہری

یشہد بہ السامع والتجارب حیث منقطع ہو گئے ہوں پس تحقیق یہ لوگ (یعنی ریاضت

لا یشقی فیہ شہۃ للمنصفین اور مجاہدے کرنے والے اور مرض جن کو مایہ خلیا

ہوتا ہے اور سونے والے بھی) کبھی مغیبات پر مطلع ہو جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ شائد ہے یہاں

تک کہ اہل انصاف کو اس میں شبہ تک نہیں رہتا۔

یہاں تک تو فلاسفہ کا مذہب اور اس کے دلائل تھے: اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

قلنا ما ذکرتم مردود بوجہ جو کچھ تم نے کہا چند وجہ سے مردود ہے اس

اذا الاطلاع علی جمیع المغیبات لیے (کہ تمہاری مراد اس اطلاع علی المغیبات سے

لا یجب للنبی اتفاقا منا ومنکم کیا ہے، کل مغیبات پر اطلاع ہونی چاہیے بعض

ولهذا قال سید الانبیاء و لو پر کل مغیبات پر مطلع ہونا تو کسی کے نزدیک بھی

كنت اعلم الغیب لا استکثرت من ضروری نہیں۔ نہ ہمارے نزدیک نہ تمہارے

الخیر وما مسنی السوء۔ والبعض نزدیک اور اسی وجہ سے جناب رسول خدا صلی اللہ

ای الاطلاع علی البعض لا یختص علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا

به النبی کما اقررت بہ حیث تو میں نے خیر سے بہت ساجع کر لیا ہوتا اور مجھ کو

جو زتموہ للمرتاضین والمرضی برائی نہ چھوٹی اور بعض مغیبات پر مطلع ہو جانا نبی

والنائصین فلا یتمیز بہ النبی کیساتھ خامن نہیں (یعنی یہ غیر نبی میں بھی پایا جاتا ہے)

عن غیرہ جیسے کہ خود تم کو اقرار ہے، اس لیے کہ تم اس کو

جائز رکھتے ہو۔ ریاضت کرنے والوں کے لیے اور مرضیوں کے لیے اور سونے والے کے لیے

لہذا نبی غیر نبی سے ممتاز نہ ہوگا۔

ناظرین بالانصاف غور فرمائیں کہ شرح مواقف کی اس عبارت اور حفظ الایمان کی زیر بحث عبارت میں کیا فرق ہے؟

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے اس قدر بیان کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پر مخالفین کو کوئی شبہ نہ رہے گا۔ اس کے مزید اتمام حجت کے لیے ہم اختصار کے ساتھ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جواب بھی نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اسی افتراء کی تردید

میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب کا یہ فتویٰ ————— "حسام الحرمین" جب شائع ہوا اور اُس سے ایک فقرہ برپا ہوا تو جناب مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ کو خط لکھا کہ

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی آپ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ آپ نے نعاذ اللہ حفظ الایمان میں یہ تصریح کی ہے کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، ایسا تو ہرنچے اور ہر پاگل اور ہر جانور کو حاصل ہے۔ کیا کہیں حفظ الایمان میں آپ نے یہ لکھا ہے؟ یا آپ کا یہ عقیدہ ہے؟ اگر آپ کا عقیدہ نہیں تو آپ اس شخص کو کیا سمجھتے ہیں جو ایسا غیث عقیدہ رکھے؟" ملخص از بسط البنان

حضرت مولانا تھانویؒ جواب دیتے ہیں :

"میں نے یہ نسبت مضمون کسی کتاب میں نہیں لکھا، لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا کبھی خطرہ نہیں گذرا۔ میری کسی عبارت سے مضمون لازم بھی نہیں آتا، جیسا کہ اخیر میں عرض کروں گا۔ جب میں اس مضمون کو غیث سمجھتا ہوں..... تو میری مراد کیسے ہو سکتا ہے جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحت یا اشارہ یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصو ص قطعہ کی اور

تقیص کرتا ہے حضور سرورِ عالم فخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے اُسی گرامی نامہ میں جو اسی زمانہ میں بسط البنان کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے، خاں صاحب کے اس الزام کا تفصیلی جواب بھی دیا ہے اور حفظ الایمان کی زیر بحث عبارت کا مطلب بیان کیا ہے، لیکن اب یہاں اس کے نقل کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ ہم نے جو کچھ اس عبارت کی توضیح میں اوپر لکھا ہے وہ گویا حضرت مولانا کے اسی جواب کی شرح ہے۔

ناظرین کرام انصاف فرمائیں کہ فاضل بریلوی اپنے فتویٰ کفر میں صداقت اور دیانت سے کتنے دُور ہیں۔

واللہ الہادی الی سبیل الرشاد

کو دُعا دیتے ہوئے دلی مسرت کے ساتھ اس مشورہ کو قبول فرمایا اور عبارت کو اس طرح بدل دیا کہ قدیم عبارت میں "ایسا علم غیب کے الفاظ سے جو فقرہ شروع ہوتا تھا اُس کے بجائے یہ فقرہ لکھ دیا کہ

"مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر بسیار عظیم السلام کو بھی حاصل ہیں۔"

یہ واقعہ ماہ صفر ۱۳۴۲ھ کا ہے، گویا اب سے قریباً بتیس سال پہلے "حفظ الایمان" کی عبارت میں یہ ترمیم ہو چکی ہے، اور اس کے بعد سے "حفظ الایمان" اسی ترمیم کے ساتھ چھپ رہی ہے بلکہ اس ترمیم کا پورا واقعہ اور حضرت مصنفؒ کی طرف سے اُس کا اعلان بھی "تغییر العنوان" کے نام سے "حفظ الایمان" کے ایک ضمیمہ کے طور پر اس کے ساتھ چھپا رہا ہے پھر اس کے بعد مجاہدی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک صاحب کے توجہ دلانے پر خود اس ناچیز راقم سطور (محمد منظور نعمانی) نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ "حفظ الایمان" کی جس عبارت پر معاندین کا اعتراض ہے اُس کے بالکل ابتدا میں "علم غیب کا حکم کیا جانا" کے جو الفاظ ہیں اُس کا مطلب بلاشبہ لفظ "علم غیب" کا اطلاق کرتا ہے، جیسا کہ خود اسی عبارت کے بسباق و سباق سے بھی ظاہر ہے اور "بسط البنان" اور "تغییر العنوان" میں حضرت نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ پس اگر اصل عبارت میں بھی یہاں محکم کے بجائے اطلاق ہی کا لفظ کر دیا جائے تو بات اور زیادہ صاف اور بے غبار ہو جائے گی۔ حضرت نے بلا تامل اس کو بھی قبول فرمایا اور اس فقرہ کو اِس طرح بدل دیا :

لے اب قریباً بیالیس برس ہو گئے ہیں۔

تمت

مصنف حفظ الایمان کی حق پرستی اور نفسی عبارت حفظ الایمان میں ترمیم کا اعلان

حضرات! مولوی احمد رضا خاں صاحب نے "حسام الحرمین" میں "حفظ الایمان" کی طرف ایک کافرانہ مضمون کی نسبت کر کے کفر کا جو فتویٰ دیا تھا اس پر مناظرانہ بحث ختم ہو چکی اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا کہ اس کی حقیقت افتراء اور بہتان کے سوا کچھ ہی نہیں ہے، اور مصنف حفظ الایمان کا دامن اس ناپاک کافرانہ عقیدے سے بالکل پاک ہے۔ اس کے بعد یہ معلوم کر کے آپ حضرات کو انشاء اللہ اور زیادہ قلبی اطمینان ہوگا کہ بعض غلطیوں نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ جب اس طرف مبذول کر لی کہ "اگرچہ حفظ الایمان کی عبارت واقعہ میں بالکل صحیح اور بے غبار ہے لیکن ناخدا ترس اور غرض پیشہ معاندین اس کے جن الفاظ سے بے چارے نا فہم عوام کو دھوکا دیتے ہیں اگر ان الفاظ کو اس طرح بدل دیا جائے کہ اس کے بعد وہ فتنہ پرداز عوام کو یہ دھوکا بھی نہ دے سکیں تو بے چارے عوام کے حق میں یہ بہتر ہوگا۔" تو حضرت مدوح نے مشورہ دینے والوں

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صبیح ہو اور اس ناچیز سے فرمایا کہ میری طرف سے آپ ہی اس ترمیم کا اعلان بھی کر دیں چنانچہ جب ۱۳۵۲ھ کے الحرقان میں اسی وقت اس کا اعلان ہو گیا تھا۔ بہر حال ان دو ترمیموں کے بعد حفظ الایمان کی عبارت اب اس طرح ہے :

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صبیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے؟ مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔“

الغرض ہمارے بزرگوں نے اُن کا فرائض عقیدوں سے اپنی برارت اور اپنی بیزاری کا اعلان بھی کیا جن کو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے محض ازراہ عناد اُن کی طرف منسوب کر کے تکفیر کی تھی اور اسی کے ساتھ اپنی عبارتوں کا وہ صحیح اور واقعی مطلب بھی بیان کیا جس کے سوا اُن کا کوئی اور مطلب ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ ان میں کوئی بات بھی اسلامی تعلیمات اور عقائد اہل سنت کے خلاف نہیں ہے اور اس سب کے بعد جب بیچارے نامفہم عوام کو فتنہ سے بچانے کے خیال سے اللہ کے کسی بندہ نے مخلصانہ طور پر عبارت میں تبدیلی کا کوئی مشورہ دیا تو اس کو بھی بے تامل اور بلا دریغ قبول فرما کر اپنی عبارت کو بدل بھی دیا۔ بلاشبہ یہ ان حضرات کی حق پرستی اور للہیت و سلطنت کی روشن

دلیل ہے۔ افسوس! کیسے ظالم اور شقی ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ان بندوں کو کافر کہتے ہیں۔! —

میزان الحق

یعنی
دیوبندی، بریلوی اختلاف کا
شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مؤتب:

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

بحث علم غیب !

علم غیب، علم کل، علم محیط و علم بسیط خاتمہ خدا ہے۔ اللہ عالم الغیب الشہادۃ کے سوا کسی کو علم غیب ہے نہ علم کل، ہر کسی کا علم محدود ہے، غیر محدود و محیط علم ایک اللہ رب العزت کا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم قرآن حکیم میں اپنے علم کی وسعت و بیکرانی اور کلیت و ہمہ گیری سے متعلق نہایت بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور بار بار متعدد اسلوب و انداز سے اپنی ذات واحد کے لئے علم غیب و علم کل کا جو ثبات فرمایا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

انداز علم غیب

- ۱۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پورے قرآن میں ۱۰ بار آیا ہے
- ۲۔ عِلْمُ الْغُيُوبِ " ۳ بار آیا ہے
- ۳۔ عَالِمُ الْغَيْبِ " ۲ بار آیا ہے
- ۴۔ لِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ " ۵ بار آیا ہے

۱۔ الغیب ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو، اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے، ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ (مفردات القرآن) امام راغب اصفہانی (لفظ الغیب) سورہ انعام ع ۱۹، التوبہ ع ۱۴، رد ع ۲، مومن ع ۵، زمر ع ۵، الحجہ ع ۱، آخر حشر، غاثہ تاج

صرف اعراب میں فرق ہے۔

۲۔ سورہ مائدہ ع ۱۱، توبہ ع ۱، سباء آخری رکوع۔

۳۔ آخر حشر اور سباء اول اعراب میں فرق ہے۔

- ۵۔ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ (یونس ع ۲۴) ۱ بار آیا ہے
 - ۶۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ الْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (زل ع ۵) ۱ بار آیا ہے
 - ۷۔ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (انعام ع ۵) ۱ بار آیا ہے
- میزان = ۲۵ بار

انداز علم کل

- ۱۔ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ پورے قرآن میں ۱۰ بار آیا ہے
 - ۲۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا " ۳ بار آیا ہے
 - ۳۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یسین ع ۵) ۱ بار آیا ہے
 - ۴۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ (انبیاء ع ۶) ۱ بار آیا ہے
 - ۵۔ وَاحْصِيَ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (آخر حشر، یسین ع اول) ۳ بار آیا ہے
- میزان = ۲۵ بار

انداز علم محیط

- ۱۔ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (آل عمران ع ۱۲، نساء ع ۱۶) ۳ بار آیا ہے
- ۲۔ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (ہود ع ۸) ۱ بار آیا ہے
- ۳۔ وَإِنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (آخر طلاق) ۱ بار آیا ہے
- ۴۔ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا (نساء ع ۱۸) ۱ بار آیا ہے
- ۵۔ وَاحْاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ (آخر سورہ حشر) ۱ بار آیا ہے

میزان = ۷ بار

۱۔ بقرہ ع ۲، ۲۹، ۳۹، خاتمہ نساء خاتمہ انفال توبہ ع ۱۴، مائدہ ع ۱۳، انعام ع ۱۳، عنکبوت ع ۶

شوری ع ۲، نور ع ۵، خاتمہ نور حجرات ع ۲، حدید ع اول اور مجادلہ ع ۲، ادنی تغیر الفاظ کے ساتھ۔

۲۔ نساء ع ۵، اعراب ع ۵، فتح ع ۲، ادنی تغیر کے ساتھ۔ ۳۔ الفاظ میں فرق ہے۔

۴۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى
وَمَا تَعْبِضُ الْاَسْرَحَامُ وَمَا تَزْدَادُ
وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ سَوَاءٌ
مِنْكُمْ مَنْ اَسْرَعَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ
وَمَنْ هُوَ مُسْتَخَفٌ بِاللَّيْلِ سَارِبٌ
بِالنَّهَارِ رِپارہ ۱۳۔ (عدد - ۲۷)

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا :-
 ۵۔ یٰبُنَیَّ اِنَّكَ مُثْقَلٌ حَبِیۡۃً | اے میرے بیٹے! اگر کوئی عمل رائی کے
 مِّنْ خَرَدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ | دانہ کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر کے

۱۷ بسیط وسیع، کشادہ، پھیلا ہوا، (المتجدد) یعنی جس سے کوئی ٹھیکر باہر نہ ہو۔
۱۸ صرف ایک لفظ میں تقویر اس فرق ہے۔

(پارہ ۱۱، یونس، ع ۷ و پارہ ۲۲، شروع سیاء)

۲ بار

اور آسمان وزمین میں ایسی کوئی چیز مخفی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔ ۱ بار

قیامت کا علم خدا ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول میں سے نہیں نکلتا اور کوئی عورت حاملہ نہیں ہوتی، اور نہ وہ بچہ جنتی ہے، مگر یہ سب اللہ کے علم سے ہوتا ہے۔ ۲ بار

(پارہ ۲۵ شروع و پارہ ۲۲ - فاطر، ع ۲)

میزان = ۱۲ بار

اندازہ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ سب جانتا ہے!

۱- يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ه (عنكوت ع ۶ تغابن ركوع اول) ۵ بار
 ۲- وَرَبِّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (بنی اسرائیل ع ۶) ۱ بار
 ۳- قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - (انبیاء ع ۱) ۱ بار
 ۴- وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (ابراہیم ع ۲) ۲ بار
 ۵- يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (فرقان ركوع اول) ۱ بار

۱۲۔ آل عمران ۴۲، مادہ ۱۱۳ اور حج ۹ میں مفعول سے فرق کے ساتھ
یہ الفاظ ہیں۔

۴۔ يَعْلَمُ مَا يَلْجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ دُمًا يُعْرَجُ فِيهَا ط
سب، رکوع اول، حدید رکوع اول۔
چرہ ہوتا ہے، یہ سب کچھ اللہ جانتا ہے۔

جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے مثلاً بارش، پانی، اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے (مثلاً نباتات، معدنیات) اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں

۲ بار
میزان = ۱۲ بار

اندازہ ۷

متّقین و ظالمین، مصلحین و مفسدین، مہتدین و مضلّین اور
شاکرین و معتدین اللہ سب کو جانتے ہیں !

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ۔
 ۲۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی (نجم ع ۲)
 ۳۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِيْنَ (بقرہ ع ۱۱، ع ۳۲، توبہ ع ۷، جمعہ اور انعام ع ۵)
 ۴۔ فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ (آل عمران ع ۶، یونس ع ۴)
 ۵۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يُّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْذِبِيْنَ
 (انعام ع ۱۴، نحل ع ۱۶، طہ ع ۱۷، قصص ع ۶ و نجم ع ۳)
 ۶۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ (انعام ع ۱۴)
 ۷۔ (انعام ع ۶، بقرہ ع ۲۷ اور بنی اسرائیل ع ۹ میں شاکرین وغیرہ کے متعلق یہی مضمون ہے)

میزان = ۱۹ بار

اِنَّدَارَكُ
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ

(تمہارا پروردگار تم سب کا حال خوب جانتا ہے)

اللہ ہر شخص کو اور اس کی ہر حالت و کیفیت کو جانتا ہے

۱۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ۔ (پتی اسرائیل ۶۷)
۲۔ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ۔ (نور آخر سورہ)
۱ بار
۴ بار

۱۔ علم کی جگہ اعم ہے ۲۔ بار فی تغیر الفاظ ۳۔ مَنْ یَضِلُّ کی جگہ مِنْ ضَلَّ ہے ۴۔ آیت کا من
آخری جفتہ ہے۔ ۵۔ بالہتدین کی جگہ بمن اہتدی ہے۔

۳۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَيِّمَانِكُمْ
۴۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ
۵۔ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ
۶۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ
۷۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا
۸۔ سورہ توبہ ع ۴، نور ع ۹، عنکبوت ع ۴، احزاب ع ۲، شوریٰ ع ۴
اور خاتمہ ق میں بھی یہی مضمون ہے۔

اندازے

اللہ دلوں کے راز جانتا ہے!

۱۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ پورے قرآن میں ۱۲ بار آیا ہے
۲۔ یَعْلَمُ خَاسِئَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تَخْفٰی الصُّدُوْرُ (مومن ع ۲)
۳۔ وَ رَبُّكَ یَعْلَمُ مَا تَكْنُ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ۔
۴۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔ (احزاب ع ۴، نساء ع ۹)
۵۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ۔ (سجود ع ۳، بنی اسرائیل ع ۳)
۱۱۔ بقرہ ع ۳۰ فتح ۳ اور ق ۲ میں بھی یہی مضمون ہے۔
میزان ۲۳ بار
انداز ع ۹

اتدازع ۹

اللہ ظاہر و باطن، بخفی و جلی، اور عیاں و نہاں سب جانتا ہے

۱- اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ
۲- وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

۱۔ ایک لفظ میں فرق ہے۔ ۲۔ آل عمران ع ۱۶ ایدید رکوع اول تغابن رکوع اول ع ۱۲۔
۳۔ انفال ع ۵ ہود ع ۱۱ نمل ع ۳ فاطر رکوع آخر زمر ع اول شوری ع ۳ اور ملک رکوع اول ادنی فرق ہے۔
۴۔ نمل ع ۶ وقصص ع ۱۱۔ ۵۔ الفاظ میں فرق ہے۔
۶۔ یقرہ ع ۹ ہود رکوع اول نحل ع ۳ اور یسین رکوع آخر الفاظ میں فرق ہے۔
۷۔ تغابن رکوع اول نحل ع ۲ و نمل ع ۲ الفاظ میں فرق ہے۔

انداز ۱۲

إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا، انہیں دیکھنے والا ہے)

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں اور ان کے گناہوں کی خبر ہے

- ۱۔ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا (بنی اسرائیل ع ۳۷ وادناطر ع ۳۷ وشموری ع ۳۷) بار ۴
 - ۲۔ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا (بنی اسرائیل ع ۲) بار ۱
 - ۳۔ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا (فرقان ع ۵) بار ۱
- میزان = ۲۳ بار

انداز ۱۳

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کو سب اعمال و افعال کا علم ہے!

- ۱۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (پورے قرآن میں) بار ۴
 - ۲۔ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (نحل ع ۴) بار ۱
 - ۳۔ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (حج ع ۹، شعراء ع ۱۰) بار ۲
 - ۴۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ (محمد ع ۴، انعام ع ۴، رعد ع ۴) بار ۳
 - ۵۔ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ (یونس ع ۴، نحل ع ۱۳) بار ۲
 - ۶۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ (یوسف ع ۹، مومنون ع آخر) بار ۲
- میزان = ۱۹ بار

انداز ۱۴

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہیں)

اللہ کو سب اعمال کی خبر ہے

۱۔ لے لے تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ ۱۱ بقرہ ع ۳۹ نور ع ۴ یوسف ع ۲۷ و مومنون ع ۴۱ و مائدہ ع ۴۱ و شوری ع ۴۱
 ۲۔ لے لے ایک دو لفظوں میں فرق ہے۔ ایضاً ۱۱ نور ع ۴ عنکبوت ع ۵ قاطر ع ۲ زمر ع ۴ و شوری ع ۴
 تغیر الفاظ سے۔

- ۳۔ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ (پارہ ۳۰ اعلیٰ، طہ ع اول) بار ۲
 - ۴۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۵
 - ۵۔ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ (آخر انبیاء ع ۱) بار ۱
 - ۶۔ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ (انعام ع ۱) بار ۱
 - ۷۔ آل عمران ع ۳ و ۱۷ مائدہ ع ۹ و بقرہ ع ۱۰ ابراہیم ع ۴ و بنی اسرائیل ع ۵
- محمد ع ۳ اور مختصر ع اول میں بھی یہی مضمون ہے۔

میزان = ۲۳ بار

انداز ۱۵

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

(اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے احوال کو خوب جانتا ہے)

اللہ اگلے پچھلے سب حالات جانتا ہے

- ۱۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (بقرہ ع ۳۴، طہ ع ۴، انبیاء ع ۲۷ و حج ع آخر) بار ۴
 - ۲۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ؟ قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ۔ (طہ ع ۲) بار ۱
 - ۳۔ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ إِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بَطُونٍ أَمْهَتِكُمْ (نجم ع ۲) بار ۱
- اور وہ تم کو اس وقت سے خوب جانتا ہے جب تم کو زمین سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔

میزان = ۶ بار

انداز ۱۶

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتے والا ہے)

اللہ سب اعمال خیر کو جانتا ہے

- ۱۔ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۵
 - ۲۔ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ ۱
- ۱۔ لے لے تھوڑا سا فرق ہے۔ ۱۱ مائدہ ع ۳ نور ع ۴ و بقرہ ع ۱۱ و انعام ع ۱۱ و شوری ع ۴
 ۲۔ لے لے ۱۱ میزان = ۶ بار

۴۔ سَمِيعٌ عَلِيمٌ يَا سَمِيعُ الْعَلِيمِ۔ کم و بیش ۲۸ مقامات پر ہے
میزان = ۹۴ بار

انداز ع ۱

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(ارشاد فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)

اللہ سب کچھ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا

فرشتوں سے فرمایا۔ ۱۔ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (بقرہ ع ۴) ۱ بار

۲۔ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (بقرہ ع ۲۶)

۵۔ (آل عمران ع ۷، نور ع ۲ و نحل ع ۱۰) فرمایا

رسول کریم سے فرمایا ۳۔ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ (توبہ ع ۱۳ و انفال ع ۸) ۲ بار

۴۔ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ۔ (ابراہیم ع ۲) ۱ بار

۵۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر رکوع اول) ۱ بار

۶۔ نَعْلِمُ مَا لَمْ تَعْلَمُوا۔ (فتح ع ۴) ۱ بار

میزان = ۱۱ بار

انداز ع ۱

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهُ عِنْدَ اللَّهِ۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم (خاص) اللہ کو ہے)

قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں

۱۔ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهُ عِنْدَ اللَّهِ۔ (اعراف ع ۲۳ و احزاب ع ۸ و اعراف ع ۲۳) ۳ بار

۲۔ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان آخر سورہ، آخر زخرف) ۲ بار

۳۔ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ۔ (ملک ع ۱۲) ۱ بار

۴۔ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا۔ (التازعت ع ۲) ۱ بار

میزان = ۷ بار

۱۔ واللہ کی جگہ ان اللہ ہے۔ ۲۔ الفاظ میں معمولی سا فرق ہے۔

۱۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (بقرہ ع ۳۰ و بقرہ ع ۳۷ آل عمران ع ۱۸)

۲۔ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (آل عمران ع ۱۶، توبہ ع ۲، مجادلہ ع ۲)

۳۔ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ (ہود ع ۱۰، لقمان ع ۳، احزاب رکوع اول اور فتح ع ۴) ۴ بار

۴۔ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ (نور ع ۲، نور ع ۳، نمل ع ۷) ۲ بار

۵۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (نساء ع ۱۳، ہود ع ۱۹ و ع ۲۰) ۳ بار

میزان = ۲۳ بار

انداز ع ۱

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

(اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال سے بے خبر نہیں!

۱۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (بقرہ ع ۹ و ۱۰ و آل عمران ع ۱۰) ۵ بار

۲۔ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ (بقرہ ع ۱۱، انعام ع ۱۶) ۲ بار

۳۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (ہود آخری آیت، نمل آخری آیت) ۲ بار

۴۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ (ابراہیم آخری رکوع) ۱ بار

میزان = ۱۰ بار

انداز ع ۱

مختصر انداز محض دو الفاظ میں اللہ رب العزت نے اپنی صفت علم کو جو بیان

فرمایا ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

۱۔ واسع عليم کا ارشاد قرآن کریم میں قریباً

۲۔ عليم حکيم يا عليمًا حکيمًا يا العليم الحكيم يا حليم عليم يا عليم خبير

الحکيم العليم يا الحکيم الخبير يا حکيم خبير کم و بیش ۴۰ مقامات پر

۳۔ عليم قدیر يا العليم القدیر يا العزيز العليم يا الخلاق العليم

عليم حليم يا عليمًا حليمًا يا شاکرًا عليمًا يا لطيف خبير وغيرہ ۱۰ مقامات پر

ب۔ حضرت ام المومنین سیدہ صدیقہ عائشہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جس نے تجھے خبر دی کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا یا کلام اللہ میں سے کوئی بات چھپائی۔

أَوْ يَعْلَمُ الْخُسْرَىٰ الَّتِي قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ... فَقَدْ اعْظَمَ الْغُفْرَةَ

ج۔ اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ جو تجھ سے بیان کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَجَسَّ نَصَبُهُ بِيَانِ كَيْفَ آتَىٰ غَيْبِ جَانْتِ هِي تَو

بیشک اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

د۔ اور بروایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خُمُسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ، لَا يَعْلَمُ مَا فِي عَدَايِ اللَّهِ مَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدًا إِلَّا اللَّهُ وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ

ہوگی، اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں مرے گا اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے کہ قیامت کب ہوگی۔

اے ”مشکوۃ المعانیج“ باب ردیۃ اللہ تعالیٰ۔ لے صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ مَا لَمْ يَلِدْ

صرف پانچ باتوں کا نہیں بلکہ کسی غیب کی بات کا بھی کسی کو علم نہیں

یہاں یہ مراد نہیں کہ صرف ان پانچ باتوں کا علم اللہ کے سوا دوسرے کسی کو نہیں اور ان کے علاوہ دوسری غیب کی باتوں کا علم لوگوں کو ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ غیب کی کسی بات کا بھی کسی کو کوئی علم نہیں۔

یہاں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے ایک بڑی عجیب اور صحیح بات فرمائی ہے، کہ،

جب قیامت کے وقت کی خبر کسی کو نہیں جس کا آنا بہت مشہور اور نہایت یقینی ہے تو اگر کسی چیز کے ہونے کی خبر کسی کو کیا ہوگی جیسے کسی کی فتح، شکست، بیماری، تندرستی وغیرہ، کہ یہ باتیں نہ تو قیامت کے برابر مشہور ہیں نہ ویسی یقینی!

اسی طرح مینہ برسنے کے وقت کی خبر کسی کو نہیں حالانکہ اس کا موسم معلوم ہے، اور نبی، ولی، بادشاہ، حکم سارے اس کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔

بھرا اسی چیزوں کا علم کسی کو کیا ہوگا جن کا نہ تو موسم معلوم ہے اور نہ سب لوگ بل کر ان کی خواہش رکھتے ہیں مثلاً مرنا، جینا، اولاد کا ہونا، یا غنی یا فقیر ہونا۔

اسی طرح جب کسی کو یہ علم نہیں کہ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ؟ ایک ہے یا دو کامل ہے یا ناقص خوبصورت ہے یا بد صورت حالانکہ حکیم لوگ ان سب چیزوں کے اسباب لکھتے ہیں تو آدمی کے دل و دماغ میں اور مخفی چیزوں کا کسی کو کیا علم ہوگا مثلاً خیالات، ارادے، اور نیتیں اور ایمان اور نفاق، اسی طرح جب کسی کو اپنا حال معلوم نہیں کہ کل گیا کرے گا تو وہ دوسرے کے حالات کا علم کیسے رکھ سکتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کو اپنی موت کا علم نہیں کہ کس جگہ آئے گی تو دوسروں کی موت و حیات، وغیرہ کا کسی کو کیا علم ہوگا۔

عرض کہ اللہ کے سوا کوئی کچھ آئندہ کی بات اپنے اختیار سے

نہیں جان سکتا۔

۵۔ يَكْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ
اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے رُوبرُو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر بتا دیتی چاہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط اور کامل ہے۔ مخلوقات میں سے کسی کا بھی علم کامل اور محیط نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو جس قدر علم دینا چاہتے ہیں۔ دے دیتے ہیں۔

۴۔ يَكْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا
اللہ تعالیٰ ان سب کے اگلے پچھلے سوال کو جانتا ہے اور اس کو ان کا علم احاطہ نہیں کر سکتا۔

خدا کا علم ساری مخلوق کو محیط ہے۔ اور کسی کا علم اللہ رب العزت کی ذات کا یا اس کی معلومات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب کا علم محدود ہے اور اتنا ہے جتنا اللہ رب العزت نے کسی کو دیا ہے۔

اطلاع علی الغیب
اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو بعض غیب پر مطلع فرمادیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ
لَٰكِنَّ اللَّهَ يَنْشِئُ مِنْ شَرْائِهِ مَا يَشَاءُ ۚ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ لَا يَفْقَهُونَ كَلَامَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ لَا يَفْقَهُونَ كَلَامَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ لَا يَفْقَهُونَ كَلَامَ اللَّهِ

فصل دوم نہ گئی اللہ کی برائی۔ تعویذ الایمان، توحید کی حقیقت اور شرک کی مذمت میں حضرت شہید رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق تالیف ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے حضرت شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے بھتیجے اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے صاحبزادے ہیں، اسلامی حکومت کے قیام کی مسلح جدوجہد میں بکثرت کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بالاکوٹ ضلع ہزارہ میں ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۳۶ھ کو جام شہادت نوش کیا۔ رحمہم اللہ۔

مَنْ يَشَاءُ (پارہ ۴۔ آل عمران ۱۸۷) | جس کو چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں۔
عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب پر اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو غیب کی جس بات پر چاہیں اطلاع دے دیتے ہیں۔
دوسری جگہ فرمایا:۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُفْهِمُهُمْ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۚ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَنْفِخُ فِيهِ رُوحَهُ (آخر سورہ جن)
اللہ عالم الغیب ہے۔ سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو اس کے آگے اور پیچھے محافظ (فرشتے) چلاتا ہے۔

تو غیب حق اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ اپنے برگزیدہ و پسندیدہ۔ رسولوں کو اپنے غیب کی جس بات پر چاہے اطلاع دے دیتا ہے۔ اور یہ اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہے اور وحی کے ساتھ فرشتوں کا چوکی پیرہ ہوتا ہے۔

غیب کیا ہے اور کیا نہیں | الحافظ علامۃ الجبر الحق حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۴۰ھ
”شرح عقائد کی“ شرح میں رقم فرماتے ہیں کہ:۔

مسئلہ علم غیب میں عوام کے لئے بحث منقطع نہیں۔
وَالْحَقِيقُ أَنَّ الْغَيْبَ مَا غَابَ عَنِ الْخَوَاسِرِ الْعِلْمِ الصَّرُورِيِّ دَامَ لُحْمُ الْأُسْتِدْلَالِ وَقَدْ نَطَقَ الْقُرْآنُ بِغَيْبِ عِلْمِهِ عَنْ سِوَاهُ تَعَالَىٰ فَمَنْ ادَّعَىٰ أَنَّهُ يَعْلَمُ كَقَوْلِهِ مَنْ صَدَّقَ الْمُدَّعِي كَفَرًا أَوْ كَقَوْلِهِ مَنْ كَفَرَ دَاثِمًا مَا عَلِمَ بِحَاسِدٍ أَوْ ضَرُورَةٍ أَوْ كَرِئِيلَ فَلَيْسَ بِغَيْبٍ كَقَوْلِهِ مَنْ كَفَرَ دَاثِمًا مَا عَلِمَ بِحَاسِدٍ أَوْ ضَرُورَةٍ
تو غیب وہ ہے جو خواہ اس ظاہری سمع و بصر سے غائب ہو اور علم ضروری وحی و الہام اور علم استدلالی علامات و دلائل پر اس کی بنیاد نہ ہو، کتاب اللہ اور ارشادات و احادیث نبوی میں اللہ کے سوا جس علم غیب کی نفی فرمائی گئی ہے وہ یہی علم غیب ہے اور اس کا مدعی و مستدق بالاتفاق کافر ہے۔ لیکن جو امور سمع و بصر سے محسوس و مدبرک ہوں یا وحی یا الہام یا علامات و دلائل سے معلوم ہوں وہ غیب

ہیں اور نہ ہی ان سے متعلق علم، علم غیب ہے، مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام یا حضرات اولیاء اللہ کی پیش گوئیاں یا خبریں علم غیب میں داخل نہیں کیونکہ یہ وحی و الہام سے مستفاد ہیں، لہذا ان کا مدعی و مُتَدَعی کافر نہیں۔

۲۔ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات متعلقہ غیب سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:-

فَلَا يَنَافِي الْآيَاتِ الدَّالَّةُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا النَّبِيُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةِ كُلِّ مَا وَرَدَ عَنْهُ مِنَ الْغُيُوبِ لَيْسَ هُوَ إِلَّا عَنْ عِلْمِ اللَّهِ عَلَيْهِ
جو آیات علم غیب کی نفی پر دلالت کرتی ہیں وہ اس کی تردید نہیں کرتیں کیوں کہ آپ کے علم (غیب) کی نفی بغیر واسطہ کے ہے اور حضرت سے غیب کے متعلق جو باتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے آپ کو بذریعہ وحی وغیرہ علم دینے کی بنا پر ہیں (یعنی واسطے سے ہیں)۔

ان تصریحات سے جہلاء کے اس اشکال و اعتراض کا بھی دفعہ ہو گیا جو کہتے ہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن تو غیر ممالک کی خبریں دیتے ہیں ان پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ یا محکمہ موسمیات جو بارش وغیرہ سے متعلق مستقبل کی خبریں دیتا ہے وہ عموماً سچی نکلتی ہیں۔ تو ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن یا محکمہ موسمیات یہ واسطہ و ذریعہ اور دلیل و علامات سے بات کرتے ہیں، اور علم غیب وہ ہے جو کسی واسطہ یا ذریعے یا علامت و دلیل کے بغیر ہو۔

ٹھنڈی ٹھنڈی اور مرطوب ہوا چل رہی ہے، گھنگھور گھٹا چھائی ہے، بجلی چمک رہی ہے، بادل گرج رہا ہے، اب اگر کوئی کہے کہ بارش ہوگی، تو یہ علم غیب نہیں ہے کیونکہ اس کی بنیاد تو حواس اور علم استدلالی پر قائم ہے۔ جب بارش کی علامات ظاہر و موجود ہیں تو بارش ہوگی، اسی طرح اگر ایک قابل و ماہر طبیب نبض دیکھ کر مریض کا حال اور اس کے مرض کی کیفیت بتا دیتا ہے تو اس کی بنیاد اس کے علم و استدلال پر قائم ہے۔ لہذا یہ علم غیب نہیں۔

۱۔ چنانچہ رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) اور علامہ

سعد الدین نقضانی (متوفی ۹۲۰ھ) رحمہما اللہ لکھتے ہیں:-

لے ماشیہ "نیراس" ص ۵۵

و بِالْحَمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ مُتَفَرِّدٌ بِاللهِ تَعَالَى لَا سَبِيلَ لِلْعِبَادِ إِلَيْهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ
مِنْ أَوَّلِ الْهَامِ بِطَرِيقِ الْكَوْنِ أَوْ الْكِرَامَةِ أَوْ إِرْشَادِ إِلَى الْأَسْتِدْلَالِ
بِأَلَمَاتٍ فِيمَا يُمَكِّنُ فِيهِ ذَلِكَ

۲۔ اسی طرح تانا خانہ میں ہے:-

يَكْفُرُ بِقَوْلِهِ أَنَا أَعْلَمُ الْمَسْرُورَاتِ
أَوْ أَنَا خَيْرُ عَنْ أَخْيَارِ الْجِنِّ إِنِّي
دَأَمًا مَا دَقَمْتُ بَعْضَ الْخَوَاصِرِ كَالنَّبِيَّاتِ وَأَوَّلِيَّاتِ
بِالْوَحْيِ أَوَّلَ لَهَا فَهَوَ بِأَعْلَمٍ مِنَ اللَّهِ
تَعَالَى فَلَيْسَ مِمَّا خَنَى بَيْنَهُ
کوئی شخص کہے کہ میں چوری شدہ مال کو جانتا ہوں اور میں ان خبروں کی بناء پر بات کرتا ہوں جو مجھے جن دیتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور بعض خواص جیسے حضرات انبیاء و اولیاء سے ثابت ہے وہ وحی یا الہام کے ساتھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم دینے کی بناء پر ہے اس سے ہماری بحث نہیں۔

تو اللہ رب العزت اپنے رسول معصوم کو یا اولیاء کرام کو وحی و الہام سے بطور معجزہ و کرامت جو کچھ بتلایا دکھلا دیں، اس میں بحث نہیں، کیونکہ وہ علم غیب نہیں، ہاں وحی یا الہام وغیرہ کے واسطہ کے بغیر غیب کا علم، علم غیب ہے اور بحث اسی میں ہے اور یہ خاتمہ خدا ہے۔ کسی غیر اللہ۔ نبی یا ولی کے لئے اس کا دعویٰ کرنا کفر ہے۔

خلاصہ علم غیب وہ ہے جو عادی وسائل و اسباب اور وسائط کے بغیر از خود ہو اور جو علم، وسائل و ذرائع اور وسائط سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں خواہ وہ وسائل و ذرائع حسی و ظاہری ہوں خواہ باطنی و معنوی، یعنی خواہ حواس، علامات تجربے اور عقل و خرد سے وہ علم حاصل ہو خواہ وحی یا کشف و الہام سے! وہ علم غیب نہیں ہے۔
انتباہ:- فقہاء امت کے اس فتویٰ میں ان لوگوں کے لئے عظیم انتباہ ہے۔ جو بعض شکوک کے پاس جا کر اپنے مال مسروقہ کا اتہ پتہ پوچھتے ہیں اور وہ عیار و پیرکار، چالاک و مکار لوگ جتنوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے یا مٹی کا (وضو کرنے والا) لوٹا گھمانے کا ڈھونگ رچا کر ان جاہل مسلمانوں کے مال کے ساتھ ان کے متاع ایمان پر بھی

لے شرح فقہ اکبر ص ۵۵ "شرح العقائد" ص ۴۴، د ۵۵، و "نمای" جلد ۳، کتاب الجہاد، باب التہذیب

ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صراحت سے ان ٹھکوں کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بدایت عطاء فرمائیں۔

حضرات فقہاء و محدثین اور ائمہ علم کلام رحمہم اللہ نے بذریعہ وحی والہام جس اطلاع علی الغیب پر بحث کی ہے۔ خود لسان رسالت اس کا بیان و ارشاد ملاحظہ ہو۔
امام ابن اسحاق رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں :-

غزوہ تبوک میں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی، آپ کے اصحاب اس کی تلاش میں نکلے، زید بن اللصیب (منافق) کہنے لگا محمد تو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور تمہیں آسمانوں کی خبر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وَاللّٰہِ مَا اَعْلَمُ اِلَّا مَا عَلَّمَنِیَ اللّٰہُ وَقَدْ دَلَّنِیَ اللّٰہُ عَلَیْہَا وَہِیَ فِی ہٰذِہِ الْوَادِیِّ فِی شَعْبٍ کَذَا وَکَذَا قَدْ حَبَسَتْہَا شَجَرَةٌ بِزَمَامَہَا۔
واللہ میں نہیں جانتا مگر وہ جس کا اللہ مجھے علم دیتا ہے۔ اور ابھی اللہ نے مجھے دکھلایا ہے کہ وہ اس وادی میں اس درو میں موجود ہے درخت کی شاخ میں

اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے چنانچہ صحابہ کرام گئے اور اونٹنی کو لے آئے ۳

اگر اللہ رب العزت اپنے محبوب رسول کو یا غیر رسول کو بھی بطور معجزہ و کرامت کسی غیب پر اطلاع دے دیں، تو اس کا انکار نہیں۔ یہ خود کتاب و سنت سے بصراحت ثابت ہے، اور یہ وحی والہام کے واسطہ و ذریعہ سے جو علم و خبر کسی نبی یا ولی کو حاصل ہوگی، یہ غیب نہیں، اور جو غیب ہے۔ یعنی بغیر واسطہ و ذریعہ، بغیر علامت و دلیل غیر مشہود و غیر موجود حقائق و اشیاء کا علم، یہ خاصہ خدا ہے۔ یہ نہ کسی آسمان لے امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) سیرت و معازی کے مسلک امام ہیں، بڑے جلیل القدر محدث ہیں، تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انسؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

۴ "سیرت ابن ہشام" مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۱۰۶ ذکر غزوہ تبوک ۱ ص ۲۹۲ ص ۲۹۳
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) کی صحابہ کرام کے حالات پر بڑی عجیب و غریب تفسیر ہے، ہزاروں صحابہ و صحابیات کے مفصل حالات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلام بڑے بلند پایہ محدث اور عظیم و جلیل مصنف ہیں۔ رحمہ اللہ۔

والے کو حاصل ہے نہ زمین والے کو، نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ کسی فرشتے کو اور نہ ہی کسی اور کو۔

سنت رسولؐ سے رسول کریمؐ کے علم غیب و علم کل کی نفی

کتاب اللہ کے بعد اب سنت رسولؐ سے علم غیب و علم کل کا خاصہ خدا ہونا اور غیر اللہ سے اس کی نفی ملاحظہ ہو۔ نبی کریمؐ نے خود اپنے لئے علم غیب و علم کل کی ہر موقع پر صراحت سے نفی فرمائی ہے۔ چند احادیث پیش ہیں :-

۱۔ بروایت ربیع بنت معوذہؓ۔ ان کی شادی کے موقع پر نبی کریمؐ کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دف بجا کر ان کے آبا کے مناقب پر پڑھ رہی تھیں جو بدر میں شہید ہو گئے تھے، ان بچیوں میں سے ایک نے کہہ دیا :- وَفِیْنَا بِنْتٌ یَّعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ کہ ہم میں نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فوراً فرمایا :-
دُعِیْ ہٰذِہٖ وَقُولِیْ بِالَّذِیْ کُنْتُ تَقُولِیْنَ۔ رواہ البخاری۔
اس بات کو چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھی۔

اللہ اکبر، مجلس تعلیم و تعلم نہیں بلکہ محفل فرح و سرور ہے، پھر کہنے والی ایک معصوم لڑکی ہے، کوئی شیخ الحدیث یا علامہ نہیں، پھر بات گیت کے ایک مصرعہ کی ہے، کسی عقیدہ و ایمان سے متعلق کوئی عبارت نہیں مگر اللہ کے محبوب رسولؐ اس ایک کلمہ بھی برداشت نہ فرما سکے اپنے متعلق علم غیب کی ذرا سی نسبت کی بھی اجازت نہ دی اور فوراً منع فرما دیا کہ یہ نہ کہو۔ اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ!

۲۔ بروایت خارجہ بن زیدہ۔ ایک انصاری بی بی حضرت اُمّ العلاءؓ صحابیہ تھیں خبر دی کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہیں غسل دے کر کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے کہا ابو سائب (یہ حضرت عثمانؓ کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت! میں تمہارے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمایا ہوگا اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور

اِنِّیْ وَجَدْتُ تَمْرَةً تَحْتَ جَنْبِیْ
فَاَكَلْتُهَا ثُمَّ تَخَوَّفْتُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ
میں نے اپنے پہلو تلے ایک کھجور کا دانہ
پڑا پایا اور اسے کھا لیا۔ اب مجھے خوف
ہے کہ کہیں وہ صدقہ کے مال میں سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کھا تو لی مگر اس خوف سے کہ میا دایہ عشر کے مال میں سے ہو جو عموماً آپ کے دولت کدہ میں جمع ہوتا اور پھر مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس فکر سے آپ کی نیند اچاٹ ہو گئی، شب بھر آپ پیچ و تاب کھاتے رہے۔ یہ ساری کیفیت اس بات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ کی ہے تو حضرت تناول ہی نہ فرماتے اور اگر علم ہوتا کہ صدقہ کے مال میں سے نہیں تو رات بھر پریشان اور فکر مند اور بے چین نہ رہتے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستے سے گزرے تو آپ کو ایک کھجور پڑی ہوئی ملی ارشاد فرمایا:-

تو آپ نے اس عدم علم و یقین کی وجہ سے کہ وہ کھجور صدقہ کی نہیں، کھجور کو تناول نہ فرمایا۔ اگر مال صدقہ میں سے نہ ہونے کا یقین ہو جاتا تو تناول فرما لیتے۔

۶۔ حضرت عباد بن صامت سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں یلۃ القدر کی خبر دیں، مسلمانوں میں سے دو شخص باہم جھگڑنے لگے تو آپ نے فرمایا: میں آیا تھا تاکہ تمہیں یلۃ القدر کی خبر دوں۔ لیکن فلاں فلاں باہم جھگڑنے لگے۔

۲۹
فَرَفَعْتُ وَعَسَىٰ أَن يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ
۳۰
فَالْتَمِسُوهُنَّ فِي الثَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ
۳۱
پچیسویں، ستائیسویں اور انیسویں (شب) میں تلاش کرو۔

۷۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے ارشاد فرمایا ہے۔

له "طبقات ابن سعد"، جلد اول ص ۳۹۰ - ۳۹۱. "شکوۃ المصائب"، باب من المأخوذ للصدقۃ

۳۷ مشکوٰۃ المصابیح، باب لیلة القدر، مسوطا مالک میں یہ روایت حضرت انس سے مروی ہے۔

تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات شریفہ اور حلت مبارکہ کا بھی علم نہیں آپ دربارے ہیں کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو تو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ مگر خالق دہا ملک جل جلالہ کی طرف سے پیغام و سال پہنچا اور آپ (محرم سے ۱۱ ربیع الاول تک) صرف دو ماہ بعد ہی اپنے رب اعلیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتاب اللہ کی متعدد نصوص قطعیہ کے بعد سنت رسول سے نو بار خود خلاصہ انبیاء الانبیاء سید المرسلین کی ذات پاک کے لئے علم غیب و علم کل کی نفی ثابت ہے۔ اس کے بعد اور کون ماں کا لال ہے جس کے لئے علم غیب کا دعویٰ کیا جائے۔

فقہاء اسلام غیر اللہ حتیٰ کہ رسول کریم کے لئے علم غیب کے مدعی کو کافر کہتے ہیں!

کتاب و سنت کے بعد اس مسئلہ سے متعلق فقہاء امت کے اقوال درج ذیل ہیں۔
۱۔ امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بقاضی خاں (المتوفی ۵۹۲ھ) رقمطراز ہیں۔
ایک شخص نے ایک عورت سے (گواہوں کے بغیر) اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا۔ یہ باطل ہے۔

وَبَعْضُهُمْ جَعَلُوا ذَلِكَ كُفْرًا لِّكَ
يَعْتَقِدُونَ أَنَّ الرَّسُولَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَهُوَ كُفْرٌ
(فتاویٰ قاضی خاں جلد اول کتاب النکاح)
اور بعض نے اسے کفر قرار دیا ہے، کیونکہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، اور یہ کفر ہے۔

۲۔ علامہ زین الدین ابن نجیم المصری (المتوفی ۷۹۷ھ) تحریر فرماتے ہیں۔
كُفْرٌ وَجْهٌ بِشَهَادَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَا يَنْعَقِدُ النِّكَاحُ وَيَكْفُرُ لِعَقْدِهِ
أَنَّ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ بِحُجْرَاتِ جِلْدِهِ (م)

۱۔ فقہ حنفی کے مشہور قاضی "تاتارغانیہ" میں بھی قریباً ہی الفاظ ہیں۔ اور خزائنہ المفتیین، بزازہ جمع البحار، شامی وغیرہ میں بھی!

رَبِّتْ هَذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ انْسِبْهَا
فَالْتَمَسُوَهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ
وَالْتَمَسُوَهَا فِي كُلِّ وَتَرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا امام مالک اور ابوداؤد وغیرہ میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔
۸۔ ایک روایت میں ہے، ارشاد فرمایا،

إِنِّي أُرَبِّتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَإِنِّي نَسِيتُهَا
فَالْتَمَسُوَهَا فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ فِي تَرٍ ۝
بے شک مجھے لیلۃ القدر بتلائی گئی تھی۔
مگر وہ بھلا دی گئی۔ پس اب تم اسے
رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔

یہ عظیم رات جو ہزار مہینوں سے بھی قدر و عظمت میں خیر و افضل اور برتر ہے۔ امت کو آپ متعین کر کے نہ بتلا سکے کہ کون سی رات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا قطعی علم عطا نہیں فرمایا۔ عطاء فرمایا بھی تھا مگر دو مسلمانوں کے باہمی نزاع کی وجہ سے وہ علم واپس لے لیا گیا۔ اب آپ نے اندازہ سے فرمایا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ کیونکہ رمضان المبارک میں اس کہ ہونا تو قرآن کریم سے ثابت ہے۔ باقی قطعی تاریخ کا تعین آپ نے نہ فرمایا۔
۹۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ نے (س۱۷ھ) عاشوراء (محرم) کا روزہ رکھا اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن کی تو یہود و نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
لَنْ يَبْقِيَتْ إِلَيَّ قَابِلٌ لِأَصُومَ ۝
التاسع۔ رواہ مسلم
اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو محرم کا روزہ (بھی) رکھوں گا (تاکہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہو جائے)۔ مگر آپ اگلے سال تک زندہ نہ رہے، ربیع الاول ۱۱ھ ہی میں وفات پا گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب لیلۃ القدر۔

۲۔ صحیح بخاری باب الاعتکاف وخرج البیہی صلی اللہ علیہ وسلم بیحجۃ عشرین۔

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب صیام القنوع۔ ۱۹۸

۳۔ السلطان العادل اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے مرتب کرائے ہوئے فتویٰ میں ہے:-

تَزَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً وَلَمْ يَحْضَرْ الشَّهَادَةَ وَقَالَ:-

خدا نے رسول را گواہ کر دیم..... بحکم (فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ ص ۱۲)

۴۔ نیز امام فقیہ علی بن ابی بکر صاحب ہدایہ (المتوفی ۵۹۳ھ) اپنی کتاب تجنیس ص ۲۹۶

پر علامہ طاہر بن احمد (۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۴ ص ۳۵۴ پر امام عبدالرحیم (۵۶۱ھ)

فصول عمادیہ ص ۲۴ پر امام محمد بن محمد الخوارزمی المعروف بالزاذمی (۵۶۲ھ) فتاویٰ

بزازیہ ص ۳۲۵ پر اور محدث کبیر علامہ بدر الدین عینی (۸۵۵ھ) عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۵۲

امام ابن ہمام محمد بن عبد الواحد (۸۶۱ھ) مسائرہ جلد ۲ ص ۸۸ مع المسامرہ پر اور

علامہ ابن عابدین الحنفی (۲۵۲ھ) شامی جلد ۳ ص ۳۰۴ اور دوسرے جلیل القدر و شہرہ آفاق

فقہاء اسلام نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو علم غیب حاصل تھا وہ کافر ہے۔ حتیٰ کہ "مالا بدامنہ" پر خاتم الفقہاء حضرت

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) رحمہ اللہ بھی یہی لکھتے ہیں۔ لہ

۵۔ امام الفقہاء والمحدثین حضرت ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۶ھ) احناف کے چوٹی کے

امام و فقیہ امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) سے شرح فقہ اکبر میں نقل فرماتے ہیں:-

إِعْلَمَنَّ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ لَوْ كُنْ بِالْيَقِينِ حَضَرَاتِ أَنْبِيَاءٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

غيب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے

اس کے جو علم اللہ تعالیٰ انہیں کبھی دیدے

اور احناف صراحت کے ساتھ اس

(اعتقاد رکھنے والے) کی تکفیر کی ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

بایں وجہ کہ یہ اعتقاد قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا

يَعْلَمُ مَنْ هُوَ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ۔ کذا فی المسمرہ

یَعْلَمُ مَنْ هُوَ الْغَيْبُ إِلَّا اللَّهُ (الایۃ) کے معارض و مقابل ہے یہ سارہ میں ہے۔

دجو امام ابن ہمام کی تالیف ہے۔

۱۔ یہ تمام تفصیلات حضرت مولانا محمد سر فرار خاں صاحب صفدر کی تالیف "بزم النواظر" میں

شریعت نے تو اس معاملہ میں یہاں تک حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص چاند کے گرد

ہالہ دیکھ کر علم غیب کا مدعی بن کر کہے کہ بارش ہوگی تو وہ بھی کافر ہو گیا۔

میکفر بقولہ عند روية الدائرة التي تكون حول القمر يكون مطراً مدعياً

علم الغیب کذا فی بحر الرائق لہ

۶۔ امام الاحناف حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:-

ذَكَرَ فِي الْفَتَاوَى أَنَّ قَوْلَ الْقَائِلِ عِنْدَ

رويته هالة القمر يكون مطراً مدعياً

علم الغیب لا بعلم منه كفر لہ

جس نے چاند کے گرد دائرہ دیکھ کر بارش

کی علامت کے طور پر نہ بلکہ علم غیب کا

مدعی بن کر کہا کہ بارش ہوگی۔ یہ کفر ہے۔

۷۔ فقیہ کبیر قاضی خاں

کاہنوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کا حکم

ابو بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا:-

أَنَا أَعْلَمُ الْمَسْرُوقَاتِ... هَذَا الْقَائِلُ

وَمَنْ صَدَّقَهُ يَكُونُ كَافِرًا

کرنے والا کافر ہو گیا۔

ان سے کہا گیا کہ وہ قائل کہتا ہے کہ جن مجھے خبر دیتے ہیں اور میں ان کی خبر کی بناء

پر کہتا ہوں تو فرمایا:-

هُوَ وَمَنْ صَدَّقَهُ يَكُونُ كَافِرًا

بِاللَّهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ اتَّقَا كَافِرًا

فَصَدَّقَهُ نِيْمًا قَالَ كَفَرًا بِمَا نَزَلَ

عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْلَمُ

الغيب الا الله لا الجنة ولا النار

يقول الله تعالى في الاخبار عَنِ

الجنة فَمَا خَرَّ تَبَيَّنَتْ الْجَنَّةُ

اللہ تعالیٰ جنوں کے حالات سے متعلق (قرآن میں)

[تشریح فقہ اکبر میں ہے۔ ات تصدین الکاهن بما یخبر من الغیب کفر بزار یہ میں ہے۔
 یکفر باذاعلم الغیب فبانتیان الکاهن تصدق یعنی علم غیب کا دعویٰ کرنے اور کاہن
 کے پاس جانے اور اس کی تصدیق کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تانا ر خانیہ میں ہے
 ینکفر بقوله انا اعلم السرورات اذ انا اخبر عن اخبار الجن ایاتی ہے [یعنی میں چوری شدہ
 مال (کا اتہ پتہ) جانتا ہوں، یا میں جنوں سے معلوم کر کے خبریں دیتا ہوں۔ اس قول سے
 آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے در آمد ہوا؟ بہر حال اہل سنت کا تو یہی اجماعی
 مسئلہ ہے کہ علم غیب خاصہ خدا
 ہے۔ کتاب اللہ، احادیث رسول اور فقہاء اسلام سے بصراحت ثابت ہے کہ کسی
 غیر اللہ نبی یا ولی، انسان یا جن یا ملک مقرب کے لئے علم غیب و علم کل کا دعویٰ قطعی
 طور پر کفر ہے، پھر جاہل مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہاں سے آیا۔

یہ عقیدہ در اصل غالی رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ اور ان سے جاہل مسلمانوں میں در آیا ہے چنانچہ
 شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) ان کے
 عقائد کے بیان میں رقم فرماتے ہیں کہ۔

بیشک امام جو ہو چکی اور جو ہوگی ہر بات جانتا
 ہے خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو خواہ دین سے
 یہاں تک کہ کنکریوں کی تعداد، بارش کے
 قطرے اور درختوں کے پتے بھی جانتا ہے۔
 علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔۔

لَا اَنَّ الدَّامِيَةَ يَعْتَقِدُونَ أَنَّ الْإِمَامَ
 الْمَعْصُومَ يَعْلَمُ مَا فِي بَطْنِ الْحَاوِلِ وَمَا دَوْرُ الْجَدْرِ
 اَنْدَرُ كَيْفَ هُوَ اَوْ دَوْرُ الْوَارِ كَيْفَ هُوَ

تو در اصل یہ عقائد و تصورات فرقہ امامیہ اہل تشیع کے تھے، ان سے بوجہ جہالت
 اہل سنت کہلانے والوں نے بھی انہیں اپنالیا۔ العباد باللہ۔

لے شرح عقائد لکھنے پر بھی قریباً یہی نقطہ ہے۔ لے الدر الفریڈ لکھنے سے غنیۃ العالمین جلد اول فصل الرافضیۃ
 لکھنے پر عظیم محدث و منسخر و مؤرخ ہیں صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ساس و مانت سلسلہ عہدہ شہتہ تاریخ الخلفاء

اَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا
 فِي الْعَذَابِ الْمُعْتَبِرِ ۝۱۰۰
 فرماتے ہیں: فَلَمَّا تَبَيَّنَتِ الْجَنَّةُ... یعنی
 جب حضرت سلیمان بعد وفات عصاء
 کے دیکھ خورده ہونے پر گر پڑے تب
 جنات کو حقیقت معلوم ہوئی اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت
 میں نہ رہتے۔

کاہن مستقبل کی خبریں بتانے والوں کو کہا جاتا ہے۔ منجم اور مال کا بھی یہی حکم ہے
 عہد جاہلیت میں ان لوگوں کا رام راج تھا۔ اب بھی جاہل لوگ کاہنوں وغیرہ کے پاس
 جا کر اپنے متعلق مستقبل کی خبریں پوچھتے ہیں گم شدہ یا چوری کردہ مال کا پتہ نشان پوچھتے
 ہیں۔ اور ان کا "حق الخدمت" ادا کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے
 پاس جا کر غیب سے متعلق خبریں دریافت کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کو کفر فرمایا ہے۔
 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ آتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ
 فَقَدْ بَرِحَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ
 جو شخص کاہن کے پاس جائے اور غیب
 سے متعلق اس کی باتوں کی تصدیق کرے
 تو جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل
 ہوا۔ وہ اس سے بڑی ہوگا۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں
 فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ کے الفاظ ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی
 کاہنوں کے پاس جانے اور ان کی تصدیق کرنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔

اے حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ٹھوڑی مبارک کے نیچے لگا لیا اور
 تخت پر بیٹھ گئے، اسی حالت میں روح القدس قبض ہو گئی، جنات آپ کو زندہ سمجھ کر اور بیٹھا دیکھ
 کر محنت شاقہ میں مصروف رہے۔ سال بھر تک اس طرح ذلیل ہوتے رہے، سال کے بعد دیکھ
 نے عصا کو کھا کر کھوکھلا کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے تب جنوں کو حقیقت معلوم ہوئی۔
 لے "فتاویٰ قاضیخان"، جلد ۳ ص ۸۸۳ (الدر الفریڈ) الدر الفریڈ المعروف "لمرات التوجید"
 مولانا عبد القیوم خاں کی تالیف ہے۔ عہد حاضر کے جید و فاضل عالم ہیں مدظلہ۔

۳۰ مشکات المصابیح جلد ۱۰

بحث حاضر و ناظر!

گو اللہ تعالیٰ کے معروف ننانوے اسماء الحسنیٰ میں حاضر اور ناظر دونوں نہیں ہیں لیکن اسماء حسنیٰ میں سے شہید اور بصیر اللہ رب العزت کے دو پاک نام ہیں شہید کے معنی ہیں حاضر اور بصیر کے معنی ہیں ناظر یعنی دیکھنے والا۔

اللہ رب العزت کے لئے ناظر کا لفظ خود لسان نبوت سے ثابت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إِنَّ الدُّنْيَا حُلُوهٌ خَصْرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَظَرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ۔ رواہ الترمذی ۵۰

دنیا بڑی لذیذ اور سرسبز (دلکش) ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں خلیفہ بنانے والا ہے اور دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

یہ روایت ترمذی کے علاوہ ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔ حیرت ہے کہ اس کے باوجود پاکستان کے ”ایک بزرگ“ یوں داد تحقیق دیتے ہیں۔ ”قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو، ایک اور محقق غصہ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور لکھا کہ:- ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہے ایک مقام شرک تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول خدا یا کسی اور کو ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جائے۔ اس مقام پر عہد حاضر کے بعض بزرگوں کو قرار نہ آیا تو وہ ایک اور جست لگا کر اس مقام بالا

۱۔ الشہید، حاضر، البصیر، دانا، بینا (المجہد) صراح میں بھی یہی معنی ہیں ”لغات القرآن“ میں ہے بصیر دیکھنے والا جانتے والا (جلد دوم لفظ بصیر) ۲۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الامر بالمعروف۔ ۳۔ تسکین الخواطر ص ۲۔ ۴۔ جہاد الحق وزہق الباطل ص ۱۵۳۔

ایک پہنچ گئے کہ خدا حاضر و ناظر نہیں۔ خدا کو ہر جگہ حاضر و موجود ماننا بے دینی ہے۔ دین و ایمان کی بات تو یہ ہے کہ حاضر و ناظر اور ہر جگہ ہونا رسول خدا ہی کی شان ہے، معاذ اللہ استغفر اللہ! ثم استغفر اللہ!!۔ آئیے! کتاب اللہ میں دیکھیں کہ اللہ رب العزت ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر بصیر ہیں یا نہیں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر و موجود ہیں

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

(بیشک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے)

۱۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہیں۔

(پارہ ۵، نساء، رکوع ۵) (پارہ ۲۲، احزاب ع ۷) ۲ بار

۲۔ ذَا نْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ (پارہ ۷، آخر مائدہ) ۱ بار

۳۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ (پارہ ۱۷، حج ع ۲۷۔ سباء آخری رکوع) ۵ بار

۴۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا۔ (پارہ ۲۲، احزاب، رکوع ۶) ۱ بار

۵۔ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ مَّا تَتَلَوْا بَّهِ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ۔ (پارہ ۱۱، یونس ع ۷)

اور آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو بھی کام کرتے ہو ہم تمہارے پاس حاضر ہوتے ہیں جب تم اس کام میں مصروف ہوتے ہو۔

یعنی جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے ہوں یا اس خصوصی و امتیازی صفت و شان کے علاوہ کسی حال میں ہوں یا کوئی شخص کسی کام کو شروع کرے اور اس میں مصروف و مشغول ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفت علم کے اعتبار

۱ بار

۱۔ آخر حم السجدہ، ومجادلہ رکوع اول وسودہ بروج بادی تغیر۔

۲۔ رقیب نگہبان خبر رکھنے والا۔ نگرانی کرنے والا (لغات القرآن جلد سوم لفظ رقیب)

سے وہاں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

۴۔ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ (آل عمران ع ۱۰) ۱ بار
۵۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ (۱۱ یونس ع ۵) ۱ بار

انداز ۲
وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ
(اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ ہے)

۱۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ
دہارہ ۲۴، حدیدہ (رکوع اول)
۲۔ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَافِعُهُمْ وَلَا خَصِيَّةٍ إِلَّا هُوَ سَاطِعُهَا وَلَا أَذَىٰ مِنْ ذَلِكَ ذَكَرَ أَكْثَرًا هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا هُمُ يَنْتَهِمُونَ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط
اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (پارہ ۳۸۔ مجادلہ رکوع ۱)
ان کو قیامت کے دن ان کا کیا ان کو بتلائے گا بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔
۳۔ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ (سورہ نساء رکوع ۱۶)
کامشورہ کرتے ہیں۔
کوئی خفیہ سے خفیہ مجلس و مشورہ ہو۔ سرگوشی ہو، دن کو ہو یا رات کو، اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کے اعتبار سے وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اگر تین آدمی خفیہ سرگوشی کرتے ہیں تو چوتھا خدا وہاں موجود ہوتا ہے اگر پانچ آدمی چھپ کر کوئی مشورہ کر رہے ہیں تو ان کے ساتھ چھٹا خدا موجود ہوتا ہے، پھر خواہ تین سے کم، ایک یا دو ہوں یا پانچ سے زیادہ چھ سات یا دس، بیس جتنے بھی ہوں۔ اور جہاں کہیں ہوں اور جس حال

میں ہوں اللہ تعالیٰ اپنی صفت علم سے ان کے ساتھ ہے وہ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ ناظر و بصیر ہے | انداز ۳

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ

۱۔ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والے

پس آل عمران ع ۲ و ع ۲، تومن ع ۵
۲۔ إِنَّهُ كَانَ بَصِيرًا جَبْرًا بَصِيرًا۔ (بنی اسرائیل ع ۳ فرقان ع ۲)
خاتمہ فاطر اور فتح ع ۳
۳۔ إِنَّ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۵ پورے قرآن میں
۴۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۵
۵۔ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ ۵
۶۔ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ (سورہ ملک آخری رکوع) ۱
۷۔ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقْلَبُكَ فِي السَّاجِدِينَ ۵
میزان ۲۷ بار (آخر شعر او۔)

اللہ سمیع و بصیر ہے

انداز ۴

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

۱۔ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے (سورہ نساء ع ۸ و ع ۹)
۲ بار

۱۔ واللہ کی جگہ اِنَّ اللہ ہے ۲۔ الفاظ میں فرق ہے۔

۳۔ بقرہ رکوع ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۱۱۰ و ۱۱۱ و ۱۱۲ و ۱۱۳ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۱۶ و ۱۱۷ و ۱۱۸ و ۱۱۹ و ۱۲۰ و ۱۲۱ و ۱۲۲ و ۱۲۳ و ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۱ و ۱۳۲ و ۱۳۳ و ۱۳۴ و ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۳۷ و ۱۳۸ و ۱۳۹ و ۱۴۰ و ۱۴۱ و ۱۴۲ و ۱۴۳ و ۱۴۴ و ۱۴۵ و ۱۴۶ و ۱۴۷ و ۱۴۸ و ۱۴۹ و ۱۵۰ و ۱۵۱ و ۱۵۲ و ۱۵۳ و ۱۵۴ و ۱۵۵ و ۱۵۶ و ۱۵۷ و ۱۵۸ و ۱۵۹ و ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲ و ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷ و ۱۶۸ و ۱۶۹ و ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۲ و ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۷۶ و ۱۷۷ و ۱۷۸ و ۱۷۹ و ۱۸۰ و ۱۸۱ و ۱۸۲ و ۱۸۳ و ۱۸۴ و ۱۸۵ و ۱۸۶ و ۱۸۷ و ۱۸۸ و ۱۸۹ و ۱۹۰ و ۱۹۱ و ۱۹۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴ و ۱۹۵ و ۱۹۶ و ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۱۹۹ و ۲۰۰ و ۲۰۱ و ۲۰۲ و ۲۰۳ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶ و ۲۰۷ و ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ و ۲۱۱ و ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ و ۲۱۶ و ۲۱۷ و ۲۱۸ و ۲۱۹ و ۲۲۰ و ۲۲۱ و ۲۲۲ و ۲۲۳ و ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و ۵۵۱ و ۵۵۲ و ۵۵۳ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ و ۵۵۸ و ۵۵۹ و ۵۶۰ و ۵۶۱ و ۵۶۲ و ۵۶۳ و ۵۶۴ و ۵۶۵ و ۵۶۶ و ۵۶۷ و ۵۶۸ و ۵۶۹ و ۵۷۰ و ۵۷۱ و ۵۷۲ و ۵۷۳ و ۵۷۴ و ۵۷۵ و ۵۷۶ و ۵۷۷ و ۵۷۸ و ۵۷۹ و ۵۸۰ و ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ و ۵۸۴ و ۵۸۵ و ۵۸۶ و ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۵۸۹ و ۵۹۰ و ۵۹۱ و ۵۹۲ و ۵۹۳ و ۵۹۴ و ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۵۹۷ و ۵۹۸ و ۵۹۹ و ۶۰۰ و ۶۰۱ و ۶۰۲ و ۶۰۳ و ۶۰۴ و ۶۰۵ و ۶۰۶ و ۶۰۷ و ۶۰۸ و ۶۰۹ و ۶۱۰ و ۶۱۱ و ۶۱۲ و ۶۱۳ و ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۲۱ و ۶۲۲ و ۶۲۳ و ۶۲۴ و ۶۲۵ و ۶۲۶ و ۶۲۷ و ۶۲۸ و ۶۲۹ و ۶۳۰ و ۶۳۱ و ۶۳۲ و ۶۳۳ و ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ و ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۳۹ و ۶۴۰ و ۶۴۱ و ۶۴۲ و ۶۴۳ و ۶۴۴ و ۶۴۵ و ۶۴۶ و ۶۴۷ و ۶۴۸ و ۶۴۹ و ۶۵۰ و ۶۵۱ و ۶۵۲ و ۶۵۳ و ۶۵۴ و ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۶۵۷ و ۶۵۸ و ۶۵۹ و ۶۶۰ و ۶۶۱ و ۶۶۲ و ۶۶۳ و ۶۶۴ و ۶۶۵ و ۶۶۶ و ۶۶۷ و ۶۶۸ و ۶۶۹ و ۶۷۰ و ۶۷۱ و ۶۷۲ و ۶۷۳ و ۶۷۴ و ۶۷۵ و ۶۷۶ و ۶۷۷ و ۶۷۸ و ۶۷۹ و ۶۸۰ و ۶۸۱ و ۶۸۲ و ۶۸۳ و ۶۸۴ و ۶۸۵ و ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸ و ۶۸۹ و ۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰

- ۲- اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيْرٌ (آل عمران ۴۹، مجادلہ ۱۱) ۴ بار
 ۳- اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيْرُ (مومن ۲۷) ۵۲

میزان = ۱۰ بار

اللہ سمیع و قریب ہے، بلکہ اقرب ہے
 اندازہ

اِنَّهٗ سَمِيعٌ قَرِيْبٌ

- ۱- اِنَّهٗ سَمِيعٌ قَرِيْبٌ (سباۃ ۶۶) بیشک وہ سب کچھ سننے والا ہے، نزدیک ہے۔
 ۲- وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ (ق ۲۶-۲۷) ۵۳

میزان = ۲ بار

اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہیں
 اندازہ

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ

- ۱- اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ (بقرہ ۱۵۷، آل عمران ۴۷) ۲ بار
 ۲- ذَهَبَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ (بقرہ ۱۷۷، النعام ۷۲، عنکبوت ۷۷) ۴ بار
 ۳- اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ۲۲، حجرات ۷، بقرہ ۲۸۷، بقرہ ۳۲ و اعراف ۲۳۷) ۵ بار
 ۴- وَ اللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ ۲۸۷، بقرہ ۳۴، آل عمران ۴۷) ۵ بار
 ۵- اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ (یوسف ۴۷، شعراء ۱۱، دخان ۷، اولیٰ حم السجدہ ۵۷، ادیس ۷، اور یونس ۷۷، اور مائدہ ۱۰) ۷ بار
 ۶- وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيعًا عَلِيْمًا (نساء ۲۱) ۱ بار

میزان = ۲۶ بار

۱- دج ۸ اِنَّ کی جگہ وَاَنْ ہے۔ ۲- دینی اسرائیل ۷ اولیٰ، مومن ۷ و شوریٰ ۲۷ بادی تغیر۔
 ۳- اور ہم انسان کے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ ۴- اِنَّ کی جگہ فَاَنْ ہے۔
 ۵- زبیر کا فرق ہے۔ ۶- اِنَّ اللّٰہ کی جگہ اِنَّہ ہے۔ ۷- اِنَّہ نہیں ہے۔
 ۸- اِنَّہ کی جگہ وَاَشہ ہے۔ ۲۰۸

یاد رکھیے! اور کبھی نہ بھولے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا شہید و بصیر ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا، سمیع و قریب ہونا یہ سب صفت علم کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ذات الہی تو جسم و جسم سے پاک ہے۔ ذات پاک رب العزت کا تو ادراک ہی انسانی عقل و فہم سے وراء الوراہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات ہی کے ذریعہ ہے اور اللہ کا ہر جگہ حاضر و موجود ہونا ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونا ہر کسی کو دیکھنا ہر ایک کی سننا یہ سب صفت علم کی بنا پر ہے۔ چنانچہ عموماً ایسی آیات کے ساتھ صفت علم مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کی دعا سنتے اور قبول کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ

- ۱- وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ دَعْوَةَ الدّٰعِ اِذَا دَعَا (سورہ بقرہ رکوع ۲۳) اور جب آپ سے میرے بندوں کا متعلق سوال کریں۔ تو بیشک میں قریب ہوں، (میر) پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ جبکہ وہ مجھے پکارے۔

- ۲- اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود ۷) بے شک میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا۔

- ۳- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) درحقیقت میرا رب دعا سننے والا ہے۔

خلاصہ قرآن کریم میں سات اسلوب و انداز کے ساتھ ۸ بار اللہ تعالیٰ کے حاضر و موجود، ناظر و بصیر، سمیع و قریب اور قریب و مجیب ہونے کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اور اس انداز و الفاظ میں کسی غیر اللہ کے لئے حاضر و ناظر یا بصیر و قریب اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ ہونے کا پورے قرآن میں

۱- اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود ۷) ۲- اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود ۷) ۳- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۴- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۵- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۶- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۷- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۸- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷)

۱- اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود ۷) ۲- اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (ہود ۷) ۳- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۴- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۵- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۶- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۷- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷) ۸- اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (آل عمران ۴۷)

ایک بار بھی ذکر نہیں ہے۔

سنت رسول کتاب اللہ کے بعد سنت رسول سے بھی یہی مضمون ثابت اور یہی حقیقت واضح ہے۔ (الحفظ ہو۔)

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہر کسی کے ساتھ اور قریب اقرب ہیں حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگ زور کی آواز سے تجیریں کھینے لگے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! تم اس کو نہیں پکارتے جو بہرہ اور غائب ہو۔

انکم تدعون سمیعاً بصیراً ۱۰
مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَ اَقْرَبُ
اِلَى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِي رَاحِلَتِهِ۔ ۱۱

سے بھی زیادہ قریب ہے۔

سبحان اللہ! درجنوں آیات قرآنی میں جن صفات ربّانی کو واضح فرمایا گیا ہے۔ ایک ہی ارشاد نبوی میں ان تمام صفات کو اجمالی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ حاضر و موجود ہے (دھو معکم) قریب و اقرب ہے، اور سوار کے نزدیک و قریب سب چیزوں سے زیادہ اقرب اور نٹ گھوڑے وغیرہ سواری کی گردن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور پھر سمیعاً بصیراً بھی ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ساتھ ہے خواہ کوئی کہیں ہو ۲۔ حضرت عبداللہ بن معاویہ عامری روایت

کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

فَمَا تَزْكِيَةُ الْمَرْءَ نَفْسَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ اَنْ يَعْلَمَ اَنَّ اللَّهَ مَعَهُ حَيْثُمَا
كَانَ۔ رواه البزار في مسنده۔ ۱۲

کے ساتھ ہے

۳۔ حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اِنَّ اَفْضَلَ الْاِيْمَانِ اَنْ
تَعْلَمَ اَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ
سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تیرے ساتھ ہے۔ تو جہاں بھی ہو۔ رواہ الطبرانی۔ ۱۳

انسان کے ایمان کا درجہ کمال اور اس کے تزکیہ نفس کا انتہا یہ ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ حاضر و موجود یقین کرے۔

اور یہ حضور و شہود کی صفت خاص اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ اور کسی کی نہ یہ صفت ہے نہ شان۔ اور تو اور! محبوب رب العالمین سید المرسلین خود اپنی ذات اقدس کیلئے بھی اس ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں اور یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص فرما رہے ہیں۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے وقت فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ
وَالْخَلِيفَةُ فِي الْاَهْلِ۔ ۱۴
اے اللہ تو سفر میں میرا ساتھی ہے اور اہل رعیال کا خلیفہ ہے۔

یعنی سفر میں ہمارا ساتھی اور رفیق اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل رعیال کا محافظ و نگہبان اللہ ہے۔ تو یہ صفت اور شان اللہ رب العزت کی ہے کہ وہ سفر و حضر میں ہر جگہ حاضر و موجود ہے۔ انسان کا سفر میں صاحب و رفیق اور اس کے پیچھے اس کے بال بچوں میں اس کا قائم مقام اللہ ہے۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ گھر میں ہیں تو اپنے اہل رعیال کی دیکھ بھال خبر گیری خود فرماتے ہیں اور سفر میں ہیں تو گھر میں نہیں پھر گھر بار کا نگہبان و نگران اللہ ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد اللہ رب العزت کو ہر مسلمان پر اپنا خلیفہ فرمایا ہے۔

۱۵۔ درجہ ایمان السنۃ، جلد دوم حدیث ۵۰۸
۱۶۔ صحیح مسلم (مشکوٰۃ المصابیح، باب الدعوات فی الاوقات) ابو داؤد۔ مسند احمد، نسائی
ترندی۔ دارمی۔ مشوط مالک میں بسم اللہ کا لفظ پہلے ہے اور فرماتے بسم اللہ اللہم۔

یا عالم وخبیر ہیں تو کس لئے؟ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ اپنے حاضر و ناظر اور موجود ہونے یا ہر کسی کے ہر عمل و حرکت پر نگاہ رکھنے پر مخفی راز، پوشیدہ بھیید بلکہ دل کی بات تک سے با علم و با خبر ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن ہم نے حساب جو لینا ہے تو ہم ہر مجرم کو اس کے اعمال کی خیر دیں گے۔ ان سے جتلاؤں گے کہ تو نے فلاں جگہ فلاں وقت خلوت یا جلوت میں یہ کام کیا تھا۔ یا یہ یا ہم خفیہ مشورہ کیا تھا۔ یا اپنے دل و دماغ میں یہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ تو چونکہ ان اللہ کان علی کل شیء حسیباً (سورہ نساء رکوع ۱۱) ... بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے، اس لئے اس کا علم کامل اور بسیط و محیط ہے اور وہ اپنی اسی صفت علم کے اعتبار سے ہر وقت ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود و حاضر ہے۔ اس کی تمام حرکات و سکنات اور اس کے تمام افعال و اعمال کا ناظر ہے۔ اور قیامت میں اپنے اس وسیع و غیر محدود علم اور اپنے حضور و شہود کی بناء پر ہر شخص سے حساب لے گا۔ اور اسے جزا یا سزا دے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مقامات پر اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے مثلاً:-
۱- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِیْنَ هَادُوا وَالصَّابِیِّیْنَ وَالنَّصَارِیَ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِیْنَ اٰشْرَكُوا اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (ج ۲۴)

بیشک مسلمان اور یہود اور صابئیین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر حاضر ہے۔

تمام مذاہب اور سب فرقوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، سب کے حالات و اعمال و عقائد اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے بخوبی واقف و آگاہ ہیں۔ اس لئے وہ سب کو ان کے کردار کے مطابق مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیں گے۔
۲- عَالِمِ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِی كِتَابٍ مُّبِیْنٍ

عالم الغیب اس کے علم سے ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر یہ سب کتاب مبین میں

۵۔ حضرت نو اس بن سمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور فرمایا:-

اَنْ یَخْرُجَ وَاَنَا فِیْكُمْ فَاَنَا جِجَجُجُجُ وَاَنْ یَخْرُجَ وَكُنْتُ فِیْكُمْ فَاَمُرُ جِجَجُ نَفْسِیْہِ وَاللّٰهُ خَلِیْفَتِیْ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (ابوداؤد) ۱۷
اگر آپ امت میں موجود رہیں تو آپ دجال پر حجت سے غالب ہوں گے، اور جب آپ بعد وفات امت میں موجود نہیں ہیں تو آپ کی جگہ اللہ رب العزت ہر مسلمان کا حافظ و ناصر ہے، آپ کی یہ شان نہیں کہ آپ بعد وفات شریفہ بھی ہر مسلمان کے ساتھ حاضر و موجود رہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور خاص شان ہے۔

سبحان اللہ! كُنْتُ فِیْكُمْ۔ ارشاد فرما کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وفات مسلمانوں میں اپنے حاضر و موجود ہونے کی نفی فرما رہے ہیں مگر آج کے بعض شرفا ہیں جو آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے مدعی ہیں۔ اور خدا کے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کا انکار کر کے ہر جگہ میں ہونا خاص رسول خدا کی شان بیان کرتے ہیں۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

پھر جب امام المرسلین علیہم السلام اپنی ذات پاک کے لئے حاضر و ناظر ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو دنیا میں اور کون ماں کا لال ہے جس کے لئے اس صفت کا دعویٰ و اثبات کیا جائے۔

قرآن کریم کی ۸۴ نصوص کے بعد نصف درجن کے قریب ارشادات خلاصہ رسول میں گویا کتاب و سنت کی کل نو اے نصوص قطعیہ سے ذات پاک رب العزت کا حاضر و ناظر، سمیع و بصیر ہر جگہ ہر کسی کے ساتھ موجود اور قریب و اقرب ہونے کا اثبات ہے۔

ہر جگہ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور عالم کل ہونے کی وجہ و علت!

سوال یہ ہے کہ اللہ رب العزت جو اس طرح ہر جگہ حاضر و موجود اور ناظر و بصیر

۴۔ اَلَيْسَ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (یعنی)
تو اے رب تم کو مرجع کر کے فینبئ کرے گا کیا کنتم تعملون ۱۰ اِنَّہٗ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ ۵ (پارہ ۲۳۔ سورہ زمر۔ رکوع اول)

۵۔ یَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ اَخَصَّهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ
وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (پارہ ۲۸۔ سورہ مجادلہ۔ رکوع اول)

خلاصہ غیب کی کجیاں اللہ کے پاس ہونے، اس کے عالم الغیب والستہادۃ
ہونے کی کجی شئی شئی عَلِیْمٌ ہونے عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہونے اور

عَلِیٰ کُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ہونے خلاصہ یہ کہ اس کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و موجود
ہونے کی اصل یہ ہے کہ فینبئہم بِمَا عَمِلُوا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ تو اللہ رب العزت
کے علم غیب، علم کل، علم بسیط و محیط علم غیر محدود و غیر متناہی اور حاضر ناظر ہونے کی ایک
اصل و بنیاد اور وجہ و علت یہ ہے کہ اللہ رب العزت بندوں کے اعمال و افعال کی
تفصیل، وجزئیات سے یا خبر ہو کر قیامت کے دن حساب کے وقت انہیں بتلا
دے گا۔ کہ تم نے فلاں مقام پر فلاں وقت فلاں کام کیا تھا۔

مقام رسول۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہر جگہ حاضر و موجود ہیں
تو کس لئے؟ آخر آپ کے حاضر ناظر ہونے کی وجہ و ضرورت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ رسول کا منصب حساب لینا نہیں نبی اور رسول کا مقام انداز و تبشیر
اور ابلاغ و تبلیغ ہے۔

۱۔ سورہ انعام ۱۲۷، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱

جب حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کا منصب و مقام لوگوں تک آیات و احکام الہی صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ اور جو بھی نبی یا رسول اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا اللہ کے بندوں کو ڈرانے کے لئے بھیجا یا اہل ایمان کو خوشخبری سنانے کے لئے بھیجا امام الانبیاء و سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بھی صاف صاف ابلاغ و تبلیغ اور واضح طور پر انداز و تبشیر ہے۔ تو سوال یہ ہے اس منصب و مقام کے پیش نظر آپ کو ہم غیب کی کیا ضرورت ہے اور لوگوں تک دین پہنچانے اور انہیں ڈرانے کے لئے عالم الغیب ہونے یا ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک مسئلہ اصول اسباب، وسائل، استعداد و اہلیت اور صلاحیت و قابلیت و دیعت کی جاتی ہے۔ ایک سپاہی یا تھانیدار کو گھوڑا یا سائیکل اور رائفل جیٹا کی جائے گی، کیونکہ اس نے نظم و امن قائم کرنا اور چوروں، ڈاکوؤں وغیرہ اس دشمن عناصر کا تعاقب کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک مدرس کو کتاب، قلم، اور تختہ سیاہ فراہم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے بچوں کو پڑھانا ہے۔ ایک وکیل کو قانون کی ضخیم کتابوں سے بھرپور ایک عظیم لائبریری کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے عدالت کے سامنے ان کی روشنی میں دلائل دینا اور بحث کرنا ہے۔ بخلاف اس کے ایک ڈاکٹر کے ہسپتال میں آلات کے علاوہ ادویہ کی ضرورت ہے کیونکہ اس نے مریضوں کا معائنہ اور علاج معالجہ کرنا ہے۔

ایک زمیندار اور کسان کے کنوئیں اور قلعے پائپ بیل ہل اور آلات کشاوری یا آج ٹیوب ویل اور ٹریکٹر موجود پائیں گے، کیونکہ اسے اپنی اراضی پر کاشت کاری کے لئے ان کی ضرورت ہے، بخلاف اس کے ایک صنعت کار کی ہل میں آپ چاروں طرف مشینوں کی گھن گرج ہزاروں مزدوروں کی کھپ اور بجلی کی کارفرمائی دیکھیں گے کیونکہ وہاں سوت، کپڑا یا کھانڈ وغیرہ تیار کرنے کے لئے یہ چیزیں لازمی ہیں۔ اب اگر کوئی کہے کہ سکول کے کمرہ میں گھوڑا یا ندھا اور رائفل رکھی جائے۔ یا وکیل صاحب کے ہاتھ میں نشتر اور مرہم پٹی ہونی چاہیے۔ یا مثلاً زمیندار کی زمین پر ہزاروں مزدور اور ڈھیروں خام مال جو ناچا بیٹھے یا کارخانہ اور ہل کے اندر ہل اور پیل

مزدور موجود ہوں، تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر ماسٹر صاحب کو گھوڑے اور رائفل کی، یا وکیل صاحب کو نشتر اور مرہم پٹی کی یا کسان کو ہزاروں مزدوروں یا ڈھیروں خام مال کی اور کارخانہ دار کو ہیلوں، ہلوں یا ٹریکٹروں کی آخر ضرورت کیا ہے؟

کتاب و سنت میں اس اصول کی رعایت کتاب اللہ، سنت رسول اور شریعت مطہرہ میں بھی اس اصول کی رعایت کی گئی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا تو رب العزت نے ارشاد فرمایا:-

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا
فِيَمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا هَا إِلَى رَبِّكَ
مُنْتَهَاهَا إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ مَّنْ
يُخْشَاهَا (پارہ ۳۰ - نازعات)

لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ اس (کے علم کی تعیین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔ اور آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈراتے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔

قیامت کب ہوگی، یہ صرف خدا جانتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تو صرف قیامت کی خبر سنانا کر لوگوں کو ڈرانا ہے۔ جب آپ کا کام صرف ڈرانا ہے تو اس کے وقوع کے وقت کے بیان سے آپ کا کیا تعلق؟ یہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ترجمہ ہے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کا ترجمہ کرتے ہیں، ”تجھ کو کیا کام اس کے ذکر سے“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:-

۲۔ دَيُّقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (پارہ ۲۹ - الملک)

اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (قیامت) کب ہوگا؟ اگر تم سچے ہو، آپ کہہ دیجئے کہ یہ علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو محض صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اور ڈرانے والے کو قیامت کے وقوع کے وقت سے کیا بحث؟

ایک اور مقام پر اس اصول کی رعایت ملاحظہ ہو۔ فرمایا۔

۳۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ لِّبَنِي رَمَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ديس سورت

(کو ع ۵)

الزام ثابت ہو۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب رسول کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا۔ کیونکہ شعر و شاعری آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی، آپ کو قرآن دیا جو نصیحت سے بھرپور ہے اور نورانی تعلیمات سے معمور، تاکہ حضرت کے قرآن پڑھ کر ڈرانے سے وہ لوگ جن کے دل و دماغ میں ابھی زندگی کی رمتن باقی ہے وہ اللہ سے ڈریں اور کافروں منکروں پر حجت تمام ہو جائے۔۔۔۔۔ تو نبی کے منصب جلیل و مقام عظیم کے شایان قرآن ہے نہ کہ شعر، اس لئے آپ کو شعر نہیں سکھایا، قرآن دیا۔

۴۔ اسی طرح جب مشرکین مکہ نے فضول فرمائشیں کیں۔

وَقَالُوا لَنْ نَرُكَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا

سرزمین (مکہ) سے ایک چشمہ جاری کر دیں۔

تو آپ کو حکم ہوا۔ ۱۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْرًا سُوگاہ

اس کے کہہ دیجئے، سبحان اللہ! میں بجز اس کے کہ ایک آدمی ہوں۔ پیغام پہنچانے والا۔ اور کیا ہوں!

(پارہ ۱۵۔ رجنی اسرائیل ۱۰۴)

یعنی میں تو ایک آدمی ہوں پیغمبر، پیغمبر کو کسی فرمائش پوری کرنے کا اختیار کہاں؟ میرا کام تو اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔ تمہاری یہ فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں۔

نبی کریم کے لئے علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی ضرورت کیا ہے؟

اس اصول کی روشنی میں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب و مقام ابلاغ و انداز ہے کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ کے لئے علم غیب، ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی کیا

ضرورت ہے؟ اللہ رب العزت تو عالم الغیب، عالم الكل اور ہر جگہ حاضر و شہید ناظر و بصیر اور ہر جگہ ہر وقت ہر کسی کے ساتھ تو اس لئے ہیں کہ انہوں نے کل اپنے بندوں کا حساب لینا ہے اور انہیں ان کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو حساب سے کوئی تعلق نہیں لہذا علم بسیط و محیط اور حاضر ناظر ہونے سے آپ کا کیا کام؟

اللہ کی شان اور نبی کا مقام | اللہ رب العزت نے جہاں اپنی صفات قدرت علم اور شہود و حضور کو پورے قرآن میں بیسیوں جگہ بیان فرمایا ہے اور اپنے رسولوں کا منصب و مقام بھی متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے۔ وہاں چند مواقع پر اپنی شان اور اپنے رسول مقبول کا مقام و منصب ایک ساتھ بھی بیان فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

۱۔ إِنَّا نَمَّا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ (پارہ ۱۳۔ سورہ رعد)

پس آپ کے ذمہ تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا تو ہمارا کام ہے۔

اسی طرح ارشاد فرمایا۔

۲۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابُ الْأَكْبَرُ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ۔ (پارہ ۳۰۔ العناب)

پھر ان سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔

تو اللہ کے رسول تو صرف تذکر و مبلغ ہیں۔ تذکر و تبلیغ اور بلاغ و نصیحت کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہے۔ آگے اگر کوئی بدایت قبول نہیں کرے گا۔ اعراض و روگردانی اور کفر و انکار کرے گا تو اسے مال کا ربا رکادہ رب العزت میں پیش ہونا ہے اور اس سے حساب لینا اور اسے اس کے اعمال کے مطابق جزا سزا دینا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ تو رسول خدا کو اپنے منصب کے پیش نظر علم غیب یا حاضر ناظر ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ حاضر و موجود ہونا (باعتبار صفت علم) یہ اللہ کی صفت

ہے تاکہ لوگوں کو قیامت کے دن اُن کے کرتوتوں سے آگاہ کر سکیں۔ اور حساب کے وقت انہیں بتلا اور بتلا سکیں کہ فلاں جگہ فلاں وقت تم نے یہ کام کیا تھا یا یہ بات کی تھی، یاد دل میں یہ منصوبہ باندھا تھا۔

ایک اور مقام پر اس حقیقت کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور اپنی شانِ علم کل اور مقامِ فصل و حساب کے ساتھ اپنے رسولِ رسی اللہ علیہ وسلم کا منصب انداز و بلاغ ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا،

۳۔ یَوْمَ سَخَّرَ بَارِزُودَنْ جَ لَا یَخْفَى
عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ط لِسِ الْمَلِكِ
الْيَوْمَ ط اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ط إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ
وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ
مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ يَعْلَمُ
خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ
وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ ذَالِذِينَ يَدْعُونَ
مِنْ دُونِهِ يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنْ شَاءَ
هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۲۴۰ سورہ یونس ۲۴)

جس کا کہا مانا جائے اللہ تعالیٰ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے (بلکہ) ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انصاف سے فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی طرح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے، کیونکہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

رسول کا منصب انداز ہے۔ اللہ کے رسول کا کام لوگوں کو قیامت کے ہولناک دن سے ڈرانا ہے۔ باقی اس دن حکومت و بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی۔ حساب اللہ تعالیٰ لیں گے، وہ درست انصاف اور حق وعدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ آنکھوں

کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ راز تک کو جانتے ہیں۔ لہذا کسی پر ظلم نہیں ہوگا حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے، کیونکہ وہ سب کچھ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ اور صحیح فیصلہ وہی کر سکتا ہے جو حقیقت حال کو جانتے والا ہو۔

اللہ رب العزت جو عالم الغیب، عالم الکل اور سمیع و بصیر اور علیم ماتخفی الصدور اور بد نظری تک کو جانتے والے ہیں۔ تو اس لئے کہ وہ سریع الحساب ہیں اور قیامت کے دن اپنے علم و سمیع و بصیر کی بناء پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں باقی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا کام صرف لوگوں کو قیامت سے ڈرانا اور اللہ کا دین اور حکم پہنچانا ہے۔ آپ کو علم غیب یا علم کل یا سمیع و بصیر ہونے یا حاضر و ناظر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ارشاد فرمایا،

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ
وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ فَلَنَقْضِيَنَّهُمْ
عَلَيْهِمْ يَعْلَمُ وَمَا كُنَّا بِغَائِبِينَ
(پارہ ۸۔ اعراف، رکوع اول)

سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے، اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے، پھر ہم ان کو اپنے علم سے (ان کے گناہ) بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ سے کسی کا اچھا برا، قلیل و کثیر عمل مخفی نہیں، وہ اپنے علم محیط کی بناء پر ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں، وہ چونکہ باعتبار اپنے علم کے ہر جگہ ہر آن حاضر ہیں، کہیں سے بھی کبھی غائب نہیں، لہذا سب کے ظاہری باطنی احوال اور بھلے برے اعمال انہیں قیامت میں بتلا کر ان کا فیصلہ کریں گے۔

تو علم کل، علم غیب، علم محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا یہ دو صفیٰ اللہ رب العزت کی ہیں، جن کے موافق قیامت میں وہ اپنے بندوں کا فیصلہ کریں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے کردار و اعمال سے نبی کریم کو کوئی سروکار نہیں، ان کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے وہ قیامت میں ان سے خود بات کریں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا
شِبَعًا لِّسَتٍ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ط إِنَّمَا
أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بہت سے فرقے ہو گئے آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، بس انکا

جب ٹھیکیدار نے فوج کو راشن وغیرہ مہیا کرنا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آج فوج کا پڑاؤ کہاں ہے؟ صبح کس جگہ قیام ہے؟ اور یہاں سے کوچ کرنے کے بعد پچھلے پہر کی چائے کہاں پینی ہے اور رات کا کھانا کہاں کھانا ہے۔
تو اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق کو جو رزق دینا ہے۔ تو اسے اپنی مخلوق کے متعلق بسیط و کل علم کیسے نہ ہو کہ۔ فوق الافلاک ہے۔ یا تحت الارض؟ یا ان کے درمیان، پھر پانی میں ہے یا ہوا میں؟ پتھر کے اندر ہے یا آگ میں، جہاں بھی جو مخلوق ہے۔ اس کا علم رازق کو ہے وہیں اس کا رزق پہنچاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ خالق اور رازق ایک اللہ کی ذات پاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کے خالق ہیں نہ رازق۔ بلکہ خود اللہ کے مخلوق و مرزوق ہیں۔ جب آپ کسی چیز کے خالق و رازق نہیں تو آپ کے لئے علم غیب و علم کل کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کا منصب ابلاغ و تبلیغ اور انداز و تبشیر ہے اور اس کے لئے علم غیب کی ضرورت ہے نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی۔

غیر رسول کے متعلق جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کیلئے علم غیب، علم کل اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی کوئی وجہ و ضرورت نہیں اور آپ نے خود اپنی ذات سے ان صفات کی صاف نفی فرمادی تو غیر رسول کے لئے اس کی بدرجہ اولیٰ کوئی وجہ اور ضرورت نہ ہوگی مگر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ عہد حاضر کے بعض ”شرفا“ اولیاء کرام رحمہم اللہ کے لئے ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔ اور ہر آن! چنانچہ خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:-

”انہی سیدی احمد سلجاسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال لی تھی، عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا۔ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا، فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔“

بِمَا كَانُوا يَسْعَلُونَ ۝
(پارہ ۸ - انعام، آخری رکوع) | کام اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ ان کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

شان خَلْقِ وَرَازِقِ آخرت اور حساب سے قطع نظر خالق اور رازق ہونے کی صفت کے تقاضے سے بھی اللہ رب العزت کو اپنی مخلوق کا علم کل ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:-
۱۔ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (پارہ ۷ - انعام ۱۳)

۲۔ دوسری جگہ فرمایا:-
وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (پہلا آئیس)
ایک کھڈی والا جانتا ہے کہ میں نے آج اتنے گز کپڑا بنایا ہے۔ ایک کبھار جانتا ہے کہ میں نے اتنے گھڑے اور اتنے لوٹے تیار کئے ہیں۔ میرے بھٹے میں اتنے برتن ہیں۔ ایک لوہار جانتا ہے کہ میں نے کل اتنے توڑے بنائے تھے اور آج اتنی کھاریاں تیار کی ہیں، ترکھان جانتا ہے کہ میں نے اتنے پلنگ بنائے ہیں اور اتنی کرسیاں تیار کی ہیں۔ تو خلاق اعلم کو کیسے ہر چیز کا علم کل نہ ہو۔ جس نے ہر چیز کی تخلیق فرمائی ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۚ وَآتَىٰ ۝
۴۔ إِلَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۚ (۲۹ - ملک)

اللہ تعالیٰ ایک تو خالق، پھر باریک بین اور پورے خبردار، پھر وہ نہ اپنی مخلوق کے حالات جانیں تو اور کون جانتے؟

۵۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ (آغاز پارہ ۱۲)

اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ اور وہ ہر ایک کی قرار گاہ اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے سب

باشد، شرک است، چہ این صفت از محققات حق جل جلالہ است، کسے را در ان شرکت نیست، و فتاویٰ بزازیہ نے نوید نزوج بلا شہود و قال خدا نے رسول خدا و فرشتگان را گواہ کر دیم یکفر لَآئِنَّہٗ اَعْتَقَدَ اَنَّ الرَّسُولَ الْمَلٰٓئِکَ یَعْلَمَانِ الْغِیْبَ اَنْتَی دِیْنِی دِرْ بَزَازِیہ است و عن هذا قَالَ عَلَمًا وُ نَا مَنْ قَالَ اَنَّ اَرْوَاحَ الْمَشَائِخِ حَاضِرٌ تَعْلَمُ یَکْفِر۔ انتہی ... لے

فتاویٰ بزازیہ کے علاوہ فقہاء حنفیہ رحمہ اللہ کا یہ قول بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۲۴ پر بھی ہے۔

شریعت محمدی و دین اسلام کی مجبوری و مظلومی ملاحظہ ہو کہ فقہاء امت، ائمہ اعلام دین کے فتاویٰ و احکام بلکہ خود کتاب و سنت کے برعکس و برخلاف آج جاہل و بے دین لوگ مفتی و مجتہدین کہ فتویٰ صادر کرتے ہیں کہ جو اولیاء اللہ اور خصوصاً امام الالبیاء و المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر نہ جانے وہ کافر ہے، کہاں علماء امت کا یہ فرمان کہ جو اروح مشائخ کو حاضر سمجھے وہ کافر ہے اور کہاں آج الثابہ مفتوا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ و مرشد کو ہر وقت حاضر ناظر نہ سمجھے وہ کافر ہے۔ اِنَّا بَلَدُ

تو یہ صرف حضرت دباغ رحمہ اللہ کی خاص صفت نہیں بلکہ ہر شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں میں قریباً سبھی ”شیخ“ ہیں۔ تو مرید بے چاروں کو میاں بیوی کو اپنے علاوہ ایک خالی پلنگ کا انتظام بھی بہر حال کرنا پڑے گا کیونکہ کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں، ہر آن ساتھ ہے ٹھیک ہے مگر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جب مریدین ماشاء اللہ بیٹھا رہیں، تو حضرت شیخ کو رات کی خلوت و تنہائی اور اندھیرے میں سینکڑوں ہزاروں جگہ وقت ”بے وقت“ تکلیف فرما کر مرید کے ساتھ ہونے کی آخر ضرورت کیا ہے؟

ایک اور بزرگ ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں، لکھتے ہیں،۔
لَا تَسْتَقِرُّ نُطْفَةٌ فِي فَرجِ اُنْثٰی | کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار
اِلَّا یَنْظُرُ اِلَیْكَ الرَّجُلُ اِلْهٰلًا | نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔
پس فرمایا کون انکار کرے۔ مگر اتنا تو فرما دیجئے کہ آخر وہ رجل کامل، یہ تکلیف کس وجہ سے فرماتے ہیں؟

فقہاء اسلام کی طرف سے حضرات انبیاء و اولیاء کو

حاضر ناظر ماننے والوں کی تکفیر

عہد حاضر کے ”فقہا شہر“ کے ارشادات عالیہ تو آپ نے سن لئے اب شریعت محمدی کا فیصلہ اور حضرات فقہاء امت کا حکم ملاحظہ ہو:-
خاتم الفقہاء امام وقت حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی (۱۳۰۴ھ)
رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:-

| | |
|-----------------------------------------|---------------------------------------------|
| ہم جو اعتقاد کہ حضرات انبیاء و | اس قسم کا اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء |
| اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند و ہمہ حال | ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور ہر حال میں ہماری |
| برنداء مطلق میثوند اگرچہ از بعید | پکار سنتے ہیں گو دور سے ہی پکاریں |

لے مجموعۃ الفتاویٰ از حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ مطبوعہ ۱۳۱۴ھ

بحث مختار کل

عبادت کی تیسری اور عظیم شرط و بنیاد قدرت و اختیار ہے خاتم المفسرین حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں :-

إِذْ شَرَطُوا سِتِحْقَاقَهَا الْقُدْرَةُ
الْكَامِلَةُ التَّامَّةُ عَلَى دَفْعِ الضَّرَرِ
وَجَلْبِ النَّفْعِ

اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں عموماً اسی صفت کو بیان کر کے اپنے لئے عبادت کا اثبات فرمایا ہے اور غیر اللہ سے اسی صفت کا عدم ذکر کر کے ان کی عبادت کی نفی فرمائی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں :-

قدرت کاملہ و اختیار کل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا
اثبات اور عدم قدرت و اختیار کی بنا پر عبادت غیر اللہ
کی نفی و مذمت !

۱۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ تَأَلَّوْا إِنَّ اللَّهَ
هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ
مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ
الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ دُمَّةً وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (پارہ ۱۰، سورہ مائده ۱۷)

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے آپ پوچھئے
کہ اگر اللہ، مسیح ابن مریم کو، اور ان کی والدہ
کو اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہیں
تو کون اللہ سے بچانے کا ذرا بھی
اختیار رکھتا ہے، اور اللہ ہی کے لئے
خاص ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور

جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کی حکومت وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ
ہر چیز پر قادر ہے۔

توبہ اللہ خالق کل، قادر مطلق، زمین و آسمان کا بادشاہ اور غالب علی اکل ہے عبادت
اسی کا حق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کیا خدا ہوں گے۔ جن کو اپنے تحفظ تک کا اختیار
نہیں، اگر اللہ انہیں ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا، بے اختیار مخلوق بھلا
اللہ ہونے کا کیا حق رکھتی ہے؟

۲۔ عبادت خالق و مالک، عالم کل و کارساز عالم کا حق ہے۔ یہ صفات صرف
ذات واحد باری تعالیٰ میں ہیں۔ لہذا اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا عبادت
کسی کا حق ہی نہیں۔

يَبْنِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنْ يَكُنْ
لَهُ ذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَ
خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ
خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاَعْبُدُوهُ وَهُوَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (۷-۱۰ انعام-۱۳۷)

وہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا
ہے اس کی اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ
اس کی بیوی تو ہے نہیں، اور اس نے
ہر چیز کو پیدا کیا۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا
ہے، یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، اس کے
سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ہر چیز کا
خالق ہے تو تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

۳۔ اَلَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ
فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُكِّعَ
تَقْدِيرًا وَاتَّخَذَ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً
لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا
يَمْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
فَإِذَا يَمْسُوكُمْ أَيْدِيهِمْ وَأَنْفُسُهُمْ
فِي رِجَالِكُمْ أَتَمْتَمُونَ لَكُمْ
مُسُورًا (۸-۱۱ آغاز سورہ فرقان)

وہ (اللہ) جس کے لئے آسمانوں اور زمین
کی بادشاہی ہے، اور اس نے کسی کو اپنی
اولاد نہیں بنایا، اور نہ ہی کوئی بادشاہی
میں اس کا شریک ہے۔ اور اس نے
ہر چیز کو پیدا کیا، پھر سب کا الگ الگ
انداز رکھا، (ان صفتوں کے مالک
اللہ کو چھوڑ کر) مشرکین نے اللہ کے
سوا (دوسرے) معبود بنائے جو نہ تو

کوئی چیز پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ اور خود اپنے لئے نفع و ضرر کا اختیار

اللہ رب العزت دن رات کو گھٹاتے بڑھاتے ہیں، موسموں میں تغیر تبدیل کرتے ہیں پھر سلطنت و بادشاہی اسی کی ہے، لہذا عبادت بھی اسی کا حق ہے مگر ظالم مشرک اللہ کے ساتھ ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کھجور تو کھجور، کھجور کی گٹھلی تو گٹھلی، گٹھلی کے اوپر باریک سے پردے کا بھی اختیار نہیں۔

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں پس تم کہاں الٹے چلے جا رہے ہو؟ اسی طرح وہ (پہلے) لوگ بھی الٹے چلا کرتے تھے جو اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے قرار کی جگہ بنایا۔ اور آسمانوں کو چھت بنایا۔ اور تمہاری صورت بتائی۔ سو عمدہ صورتیں بنائیں اور تم کو پاکیزہ چیزوں سے

رزق دیا، یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ پس بڑا برکت والا ہے اللہ سارے جہانوں کا پروردگار، وہی رازلی، ابدی، زندہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم خالص اعتقاد کر کے اسی کو پکارو۔ خالق، مالک، رازق، مفسور، شکم مادر میں احسن و اجل تصویریں بنانے والا ایک اللہ تعالیٰ ہے۔ زمین و آسمان اس نے بنائے، ان عظیم اختیارات کے واحد مالک کا حق ہے کہ ہر قسم کی عبادت اس کی کی جائے۔ اسکے سوا عبادت کسی کا حق ہی نہیں

عبادت کی بنیاد اور الوہیت و معبودیت کے لوازم نفع نقصان کا ملک و اختیار ہے۔ معبود کے نافع و ضار بنونے کے علم و یقین ہی کے اندر اس کی الوہیت و معبودیت کا سارا راز مضمون ہے۔

اللہ رب العزت نے جہاں اس اصل و اساس کی بناء پر اپنی عبادت کا اثبات فرمایا ہے وہاں اس کے عدم و فقدان پر یعنی تمام ماسوی اللہ کے نفع نقصان کا مالک نہ ہونے پر اب ان کی معبودیت کی نفی فرما رہے ہیں، چند آیات ملاحظہ ہوں۔

نہیں رکھتے۔ اور نہ موت و حیات کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (قیامت کے دن) دوبارہ اٹھنے کا۔ اللہ زمین و آسمان کا حاکم و بادشاہ ہے۔ واحد بادشاہ۔ کوئی اقتدار و شاہی میں اس کا شریک نہیں۔ پھر وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ مگر کتنے ظالم ہیں مشرک کہ ان سفوتوں کے مالک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو خود مخلوق ہیں، کسی اور کو کیا پیدا کریں گے، اور خود اپنے لئے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ موت و حیات پر قدرت نہیں، ان بے بس و بے اختیار معبودوں کو عبادت کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا؟

اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں، اور اللہ جو کچھ بند کر دے۔ اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے اسے لوگوں کو تم پر اللہ کے جو احسانات میں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہو۔ (جب نہ کوئی خالق ہے نہ رازق)

تو پھر اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق (بھی) نہیں۔ سو تم کہاں الٹے جا رہے ہو؟ جب خالق و مالک اور رحیم و رازق صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا نہ تو کوئی خالق ہے نہ رازق، نہ رحیم ہے نہ منعم، تو پھر اس کے سوا کسی کو عبادت کا کیا حق ہے؟ پھر عبادت کسی کا بھی حق نہیں،

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اللہ نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتے ہیں گے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے سلطنت

(بھی) اسی کی ہے اور اس کے سوا جو کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے پھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے

۴۔ مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَلَقَ تُوفُكُونَ (پارہ ۲۲۔ فاطر شریف)

۵۔ يُورِثُ اللَّيْلُ فِي النَّفَاسِ دُيُوجُ النَّفَاسِ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (پارہ ۲۲۔ فاطر شریف)

۷۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ (يونس ۲۷)
 ۸۔ قُلْ اتَّعَبْتُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (مائدہ ۱۱)
 ۹۔ اپنے جیب کریم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔
 وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا
 مِنَ الظَّالِمِينَ (يونس ۱۱۷)
 اور خدا کے سوا اس کی عبادت نہ کرنا
 جو تجھے نفع نہ پہنچا سکے نہ نقصان پہنچا سکے
 (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو تم اس حالت
 میں اللہ کا حق سائل کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔

۱۰۔ قُلْ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ
 أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (پارہ ۱۷، انبیاء ۲۲)
 ۱۱۔ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
 الصَّلَالُ الْبَعِيدُ (پارہ ۱۷، حج ۲)
 ۱۲۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
 الْكَافِرُ عَلَى رَبِّهِ ظَهِيرًا
 (سورہ فرقان - ۵۷)
 کہا۔ تو کیا تم خدا کے بغیر ایسی چیز کی عبادت
 کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے نہ نقصان
 ٹھف ہے تم پر اور ان چیزوں پر جن کو تم
 خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے
 خدا کے سوا اس چیز کی عبادت کرتا ہے
 جو نہ تو اسے نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع
 یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے۔
 اور (مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں
 کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نہ نفع دے
 سکتی ہیں نہ نقصان، اور کافر اپنے رب
 کا مخالف ہے۔

اس مضمون کی آیات سورہ رعد بنی اسرائیل، شعراء، زمر اور شوری وغیرہ
 میں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا احاطہ بڑا مشکل ہے۔ نہ ہی احاطہ مقصود ہے۔

پہلے چند وہ آیات بطور مثال پیش کی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت
خلاصہ کاملہ تامہ اور ذات پاک رب العزت کے تصرفات مطلقہ عامہ و
 اختیارات کلیہ کا ذکر و بیان ہے۔ اور اسی اقتدار اعلیٰ و اختیارِ کل اور تصرفِ مطلق

ہیں جن میں غیر اللہ کے اختیار و تصرف کی کلیتہً نفی کر کے ان کی اسی بے اختیاری و
 بے بسی کو ان کی عدم عبادت کی وجہ و دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور ان بے اختیار
 و مجبور معبودوں کی پرستش کو کفر و ضلال بعید فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ عجز و بے اختیاری
 شان الوہیت کے منافی ہے۔

یہ محض مثال کے طور پر چند آیات ذکر کی گئی ہیں ورنہ اللہ رب العزت کی
 قدرت تامہ مطلقہ اور غیر اللہ کی یکسر بے بسی و بے اختیاری سے قرآن پاک بھر ہوا ہے
 مثلاً۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ و اختیارِ کل سے متعلق چند آیات ملاحظہ ہوں۔

قدرت کاملہ اور کل اختیارات کا مالک صرف اللہ ہے

نبی کریم کو ارشاد فرمایا۔

۱۔ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي
 الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
 مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ
 مَنْ تَشَاءُ يُبْدِلُ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهْرِ
 وَتُولِجُ النَّهْرَ فِي اللَّيْلِ وَتَخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ
 الْمَيِّتِ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ
 مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (پارہ ۳، آل عمران ۷۰)
 آپ کہیے! اے اللہ سارے ملک کے
 مالک آپ جس کو چاہیں ملک دے دیتے
 ہیں اور جس سے چاہیں ملک چھین لیتے
 ہیں اور جس کو چاہیں عزت دیتے ہیں
 اور جس کو آپ چاہیں ذلت دیتے ہیں
 آپ ہی کے ہاتھ میں ہے سب بھلائی
 بیشک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔ آپ رات
 کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو
 رات میں داخل کر دیتے ہیں اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکالتے ہیں (جیسے
 اندے سے بچہ) اور بے جان چیز کو جاندار سے نکالتے ہیں۔ (جیسے پرندہ سے
 اندہ) اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں۔

۲۔ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا
 كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ
 بَعْدُ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (انعام ۱۷)
 اور اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچا دیں
 تو اللہ ہی کے سوا اس کا کوئی دور کرنے
 والا نہیں، اور اگر اللہ تجھے کوئی نفع پہنچا
 دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللَّهُ بَشَرًا فَلَا
كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَ اِنْ يُرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَآءَ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ
الرَّحِيمُ (پارہ ۱۱۔ آخر سورہ یونس)

میں سے جس پر چاہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور وہ بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔
تو تکلیف و راحت، بھلائی، بُرائی، نفع و ضرر پر کامل اختیار اور قبضہ تامہ
اللہ رب العزت کا ہے، اس ذات پاک کے سوا کسی کو بھی سود و فیاں اور دکھ
پر قطعاً کوئی اختیار نہیں اس کی بھی ہوئی تکلیف اور دکھ درد کو کوئی نہیں ہٹا سکتا
اور جس پر وہ فضل و کرم فرمائیں کسی کو طاقت نہیں کہ روک دے۔ مالک علی الاطلاق
اور قادر مطلق فقط ایک ذات اللہ واحد کی ہے۔

۴۔ صرف ایک موقع اور ملا حظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ
يَهْبِئُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا نَأْتِي وَنَهْبِئُ لِمَنْ يَشَاءُ
الَّذِي كُورَهُ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرًا
وَأُنْثَى وَرَبُّهُمْ مَنْ يَشَاءُ عَاقِبَةُ
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ (پارہ ۲۵۔ آخر سورہ یونس)

آسمانوں اور زمین کی سلطنت و بادشاہی
اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جو چاہتا ہے
پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں
عطاء فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے
عطا فرماتا ہے۔ یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں
دونوں دیتا ہے اور جس کو چاہے (محض) بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑا جاننے
والا بڑی قدرت والا ہے۔

زمین و آسمانوں کی حکومت اللہ ہی کی ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے جو چاہتا
ہے پیدا کرتا ہے۔ بیٹے، بیٹیاں، دینا نہ دینا محض اس کے اختیار میں ہے۔ وہ علیم بھی
ہے اور قدیر بھی، علم کل اور قدرت کاملہ خاص اس کی صفات ہیں۔ وہ اپنے علم کی
بناء پر اپنی قدرت سے جس کو چاہے جو اولاد دے یا مطلق نہ دے۔

بطور اجمال اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان
اللہ رب العزت کی

قدرت کاملہ و اختیار عامہ کی تفصیلات موجود ہیں۔ جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ وہاں
قرآن کریم میں ۲۲ مقامات پر بطور اجمال ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ملا حظہ ہو۔
۱۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (پورے قرآن میں ۳۵ مقامات پر ہے)
۲۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (رکبہ ۶)
۳۔ عَلِيمٌ قَدِيرٌ وَاللّٰهُ قَدِيرٌ قَدِيرًا
۴۔ بِقَادِرٍ الْقَادِرِ اور قادر وغیرہ ۵
۵۔ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ الوکیل اور وکیل
۶۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا
۷۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا
۸۔ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِیْظٌ
۹۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ الْقَاهِرُ
۱۰۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وغیرہ القہار ۴

۱۔ قدر اسے کہتے ہیں جو اقتناء حکمت کے مطابق جو چاہے کرے (مفردات القرآن)
۲۔ «در مقام پر قدیر آجے باقی ۳۳ مقامات پر اعلیٰ کل شیئی قدیر ہے شروع میں کہیں اِنَّ اللّٰهَ
کہیں اِنَّ اللّٰهَ ہے کہیں اللہ ہے کہیں وہ ہے۔
۳۔ مقتدر، با اقتدار، ہر طرح کی قدرت والا لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۲، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ہے۔
۴۔ قادر، قابو پانے والا، طاقت رکھنے والا، گرفت کرنی والا۔ غالب (لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۵)
اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

۵۔ وکیل، کارساز، نگران، نگہبان، (لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۳) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔
۶۔ مقتدر، قادر، نگران۔ محافظ (لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۳) المقیت، صاحب اقتدار۔
نگہبان و محافظ (المجد) اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔
۷۔ محیط، ہر طرف سے گھیرے ہوئے، پورا پورا قابو رکھنے والا (لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۳)
۸۔ حفیظ، نگہبان، حفاظت کرنی والا۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

کیونکہ وہ کل کا نگہبان ہے (لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۸)
۹۔ قاہر، غالب، مفردات القرآن، لغات القرآن جلد ۵ ص ۴۳، القہار، ساز و دست غالب

- ۱۸۔ المتین ۱۰ پورے قرآن میں ۱ مقام پر
۱۹۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ، اِنَّا مُنْتَقِمُونَ۔ وغیرہ مُنْتَقِمٌ ۴
۲۰۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ واسِعٌ ۸
۲۱۔ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْقَيُّومٌ ۳
۲۲۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۵
۲۳۔ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۱۰ اور خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۲
۲۴۔ اَلَا اِنَّ اِيَّكَ اِيَّكَ مَقَامٍ بِحَكْمٍ ۵ وَالِ (والی) اور الْفَتَّاحُ ۳

میزان ۲۲۳ مقامات

خلاصہ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب پاک میں قریباً سوا دو سو مقامات پر اپنی قدرت عامہ، اپنے غلبہ و اقتدار نامہ اور اپنی قوت و حاکمت مطلقہ کا بیان و اثبات تو فرمایا ہے۔ مگر ایک جگہ پر بھی غیر اللہ، کسی بت اور قبر نہیں، کسی فرشتہ یا ولی حتیٰ کہ نبی کے لئے قدرت و اختیار کا ذکر نہیں فرمایا۔

۱۰ المتین قوی، طاقت والا۔

۴ مُنْتَقِمٌ بدل میں سزا دینے والے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۹)

۸ وَاسِعٌ بہت دینے والا۔ ہر چیز پر محیط (المنجد)

۳ الْقَيُّومُ اسماء حسنی میں سے ہے، یعنی ذات الہی ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریات زندگی بہم پہنچاتی ہے (مفردات القرآن)

۵ اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم۔

۱۰ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ سب حکم کرنے والوں سے بہتر۔

۵ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ بہتر حکم کرنے والا۔

۵ الْحَكْمُ حکم جاری کرنے والا۔ فیصلہ کرنے والا (المنجد) حکماً فیصلہ کرنے والا۔ یہ

حاکم سے زیادہ بیخ ہے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۹)

۵ وَالِ اصل میں والی ہے دَلَّيْتُ مصدر، مددگار، حامی، مدد پر قادر (لغات القرآن

جلد ۲ ص ۱۱۳)

۵ الْفَتَّاحُ بہت بڑا فیصلہ کرنے والا، صیغہ مبالغہ، حاکم (المنجد)

- ۱۱۔ ذَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ رَلَى الْمُتَّقِينَ قَوْلِي ۱۰ مقامات پر ہے
۱۲۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ وَغَيْرُهُ قَوِيٌّ ۴
۱۳۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ وَغَيْرُهُ الْوَهَّابُ ۳
۱۴۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتِی۔ وَغَيْرُهُ مُحْيِ ۲
۱۵۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مَا لِكِ الْمَلِكِ مَا لِكِ الْمَلِكِ ۱
۱۶۔ الْمَلِكُ الْعُقَدُ فَمِنْ ۵ وَغَيْرُهُ الْمَلِكُ ۵
۱۷۔ اَلْمُؤْمِنُ الْمُؤْمِنُ الْجَبَّارُ (پورے قرآن میں) ۳
العزیز ۱۰ (پورے قرآن میں) ۸۶

۱۰ ذَالِ مددگار، کارساز، محافظ، نگہبان، بچانے والا (لغات القرآن جلد ۲ ص ۱۳۴)
اسماء حسنی میں سے ہے۔

۴ قَوِيٌّ طاقتور، قوت والا (لغات القرآن جلد ۵ ص ۱۱۸) غالب، طاقت ور، زبردست، (مفردات القرآن) اسماء حسنی میں سے ہے۔

۳ الْوَهَّابُ مبالغہ کا صیغہ بہت عطاء کرنے والا۔ (لغات القرآن جلد ۲ ص ۱۳۵)

اسماء حسنی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر کسی کو بقدر استحقاق بخشتا ہے، اس لئے الْوَهَّابُ کہا جاتا ہے (مفردات القرآن)

۵ مُحْيِ زنده کرنے والا، حیات بخشنے والا (لغات القرآن)

۵ مَا لِكِ الْمَلِكِ سارے جہان کے حاکم۔ ہر ذرہ پر قدرت اور قابو رکھنے والے،

(لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۸۲) اَلْمَلِكُ بادشاہ، (اقتدار) لغات القرآن جلد ۵ ص ۲۲۲

۵ الْمُجِبِّينَ - نگران راہباً ص ۲۹۳ نگہبانی و حفاظت کرنے والا۔

۹ الْجَبَّارُ جبر سے مبالغہ کا صیغہ، زبردست دیاؤ والا۔ خود اختیار چور کیاری تعالیٰ اپنے

فیضانِ نعمت سے سب لوگوں کی حالتیں درست کرتا اور ان کے نقصانات پورے فرماتا ہے۔ اس لئے

اس کا نام جبّار ہے۔ امام بیہقی، کتاب الاسماء و الصفات، میں محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں وہ جبّار

سے اس لئے موسوم ہے کہ مخلوق کو اپنے ارادہ کے آگے مجبور کر دیتا ہے (لغات القرآن جلد ۲ ص ۲۳۴)

۱۰ الْعَزِيزُ غالب، زبردست، قوی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ امام راجب اصفہانی لکھتے ہیں عزیز وہ ہے جو

غالب ہو، مغلوب نہ ہو، زجاج نے اس کے معنی کہے ہیں ایسا زبردست جس پر کوئی چیز غالب نہ ہو سکے، درر

لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے قوی جو ہر شے پر غالب ہو اور ابوسلیمان و امام خطابی صاحب معالم السنن شرح سنن

ابی داؤد (رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مد عزیز، ایسا غالب ہو مغلوب نہ ہو لغات القرآن جلد ۴ ص ۳)

کے بعد اور کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اسے یہ جسم ملا، پھر یہ جوانی خود بخود بڑھاپے میں تبدیل ہو جائے گی اور زور و قوت، صحت و توانائی کا یہ مجسمہ خود بخود ضعف و نقاہت کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلا جائے گا اور ایک دن اس کا نام و نشان بھی یاقی نہیں رہے گا؟ یہ تبدیلی پر تبدیلی لانے، یہ گندے پانی سے خوبروہ قوی تن بدن بنانے اور پھر ایسے حسین و جمیل چہروں کو مٹی کی مٹھی بنا کر رکھ دینے والی ذات کا انکار ممکن ہے؟ یا اس ذات پاک کی قدرت اور ربوبیت اور رحمت اور اس کے اختیار کل کا احساس و ادراک یا اقرار و اعتراف کوئی مشکل ہے؟

معبودان باطل نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے!

جہاں قدرت و اختیار کی اس بحث کے شروع میں اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کے ساتھ معبودان بن دون اللہ کی بے بسی و بے اختیاری واضح ہو چکی ہے۔ ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ یہ کھجور کی گٹھلی تو کیا، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک پردے تک کے مالک نہیں۔ وہاں ان آیات کے علاوہ پورے قرآن میں نہایت شرح و بسط اور تکرار کے ساتھ بار بار معبودان باطل کی بے اختیاری ثابت کی گئی ہے۔

غیر اللہ کی پوجا پاٹ کا فلسفہ | غیر اللہ کی پرستش کا منشاء دراصل ان کی مفروضہ و مزعومہ قدرت و طاقت ہے۔ انسان فطرًا لالچی ہے۔ یہ ہر وقت اپنے لئے نفع کی تلاش اور نقصان سے بچنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کی پوری زندگی کا تانا بانا سود و زریاں کی ادھیڑ بھن ہے اسے ہمہ وقت یہی فکر دامنگر رہتی ہے کہ اس کے وارے نیارے ہو جائیں، اسے کاروبار میں لین دین میں نفع ہی نفع ہو۔ مال و دولت میں زیادتی اور گھربار اہل و عیال، آل و اولاد میں افزائش ہو، کمی نقصان اور خسار سے بے تصور سے یہ لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔

تجارت، مال و دولت میں نقصان کا اندیشہ ہو یا جان اور بال بچوں کی

اسماء الحسنی! نیز قرآن کریم میں مذکورہ بالا صفات و اسماء الہی کے علاوہ قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مدلل، و احد، حمیت، معنی، نافع، ضار، مانع وغیرہ، اسماء حسنی اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ نفع، نقصان، عزت، ذلت، موت و حیات سب اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تو صرف اجمالی طور پر صفات و اسماء الہی سے سوا دوسو مقامات پر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اختیار و اقتدار عامہ کا ذکر ہے۔ درہندہ یوں تو سارے قرآن کا موضوع ہی یہی ہے اور پورے قرآن کریم میں جگہ جگہ بڑی تفصیل کے ساتھ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ۔ ربوبیت عامہ اور رحمت واسعہ کو بیان فرمایا ہے۔

نیز انسان اگر چشم بصیرت سے دیکھے تو ساری کائنات، سارا جہان اور خود اس کا اپنا وجود اللہ رب العزت کی قدرت کا مظہر و شاہد ہے۔ یل و نہار کی گردش، دن رات کا گھٹنا بڑھنا، موسم کے تغیرات، گرمی، سردی، خزاں، بہار، برسات، بجلی، گرج، کڑک، چمک، پھر دریا۔ پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، تارے، سورج پھر خاکی نوری، ناری، بڑی، بحری اور آسمانی مخلوقات پھر ساری مخلوق کے لئے ضروریات زندگی کا اہتمام زمین سے فصلوں، غلوں، پھلوں اور میوؤں کی پیدائش کیا یہ سب کچھ کسی ان دیکھی طاقت اور غیر محدود و لامتناہی قدرت کا پتہ نہیں دیتا؟ اگر یہ تمام مناظر قدرت اور مشاہد فطرت کسی کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی نہیں تو پھر اسے کم از کم اپنے وجود کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کی اصل کیا ہے۔ کیا ناپاک پانی کے قطرے سے یہ کوہ پیکر اور پیل تن جوان یرسڈ دل جسم کا نمودن پہلوان خود بخود بن گیا؟ کتنی تبدیلیوں

۱۔ قابض، تنگی دینے والا ۲۔ باسط، کشادگی کرنے والا۔

۳۔ خافض، پست کرنے والا۔ ۴۔ رافع، بلند کرنے والا۔

۵۔ معز، عزت دینے والا۔ ۶۔ مدلل، ذلت دینے والا۔

۷۔ و احد، قادر (المنجد) ۸۔ حمیت، مارنے والا۔ ۹۔ معنی، بے پروا کرنے والا۔

۱۰۔ نافع، نفع دینے والا۔ ۱۱۔ ضار، نقصان پہنچانے والا۔ ۱۲۔ مانع، روکنے والا، حفاظت

اندھوں نے بعض بیماریوں کو موت اور تکلیف کا سبب بنتے دیکھ کر ان بیماریوں کی مثلاً چچک کی پوجا شروع کر دی۔ اور عقل کے ساتھ حیا و شرافت کا بھی جنازہ اٹھ گیا جب آبرو با ختمہ بے اولاد ہندو دہائیوں نے شوہجی کے مندر میں جا کر شوہنگ کے ساتھ مس و مساس کر کے مخصوص انداز میں شوہنگ تک کی پوجا کی محض اس لالچ میں کہ اس کی گریہ سے رانی کو بچل جائیگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بتوں کی پوجا کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اکابر و اعظم رجال کے ناموں پر بیان کی صورتوں پر گھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ان اولیاء و صلحاء کی پرستش کے گویا قبلہ و ذریعہ ہیں، ان کی پوجا سے وہ اولیاء و اکابر ہم سے خوش ہوں گے۔ اور ان کی خوشی سے ہمارے سارے کام سنور جائیں گے۔

اولیاء اللہ کی مزاروں کی پوجا پاٹ، ان سے متعلق جمیع یادگاروں، ان کے جملہ آثار و نشانات کی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم، اماموں کے نام نہاد، تعزیوں جھنڈوں، حتیٰ کہ ان سے منسوب گھوڑوں تک کی پرستش، منتیں نذرین یہ سب اسی لئے تو ہیں کہ یہ اولیاء دائمہ ہم سے راضی ہوں اور ہماری بگڑی بن جائے ہمارے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں۔

سید الاولیاء سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر گیارہویں کا دودھ وغیرہ محض اس ڈر سے بانٹا جاتا ہے کہ کہیں ان کی گائے بھینسیں بیمار نہ ہوں یا مرنے جائیں یا ان کا دودھ، مکھن کم نہ ہو جائے۔ حضرت رحمہ اللہ ان کے مال مویشی کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھیں گے۔ الفقہ کسی غیر اللہ کی پرستش کا آپ کھوج لگائیں گے تو یہی اصل و وجہ پائیں گے، اس عبادت اور پوجا کی تہ میں یہی نفع کی طمع و طلب، فائدے کی ہوس، کوئی نہ کوئی لالچ کا فرما ہو گا یا نقصان اور زریان و ضرر سے بچنے کی غرض پوشیدہ ہو گی۔

انتہائی تعظیم، انتہائی محبت، آخری درجے کی انکساری و عاجزی، بے حد و نہایت شکر گزاری — جسے عبادت سے تعبیر کرتے ہیں — حق ہی اسی کا ہے جو نفع نقصان کا مالک ہو جس کے ہاتھ میں سود و زریاں کی باگ ڈور ہو۔ جاہل و فریب خوردہ بندوں نے جس کسی کو بھی نفع نقصان، سود و زریاں کا

بیماری یا موت کا خطرہ! تو یہ گھبرا کر چارہ سازی کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندے تو ہر کڑی سے کڑی آزمائش میں اپنے قادر و کریم مولا کو یاد کرتے اور پکارتے ہیں۔ لیکن نفس اور شیطان کے بندے اللہ کے نیک، صالح بندوں، اماموں، ولیوں اور نبیوں کو قدرت اور اختیار کا مالک سمجھ کر انہیں پکارتے ہیں، ان کی منتیں مانتے ہیں، اور جب اللہ کریم رب رحیم ان کی مشکل حل کر دیتے ہیں تو یہ بزرگوں کی خانقاہوں پر نذرین پیش کرتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں سجدے کرتے ہیں۔ مزاروں کو چومتے چاٹتے ہیں، اور اگر ممکن ہو تو قبر کی خاک مٹی تک پھانک جاتے ہیں اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت صاف معلوم ہوتی ہے کہ غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی اصل و اساس جلب منفعت کا جذبہ ہے، یا دفع مضرت کا حرص و ہوس کے بندوں نے جب بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کی ہے۔ کسی نفع کے لالچ میں یا کسی نقصان سے بچنے کے لئے! غیر اللہ کی پرستش کا سارا فلسفہ آپ کو ان دو ہی لفظوں — — — — — منفعت یا دفع مضرت — — — — — کے گرد گھومتا نظر آئے گا۔

مثال کے طور پر دیکھئے جاہل انسان نے دیکھا، پانی پر اس کی زندگی کا مدار ہے۔ دریا اس کی فصلوں کو سیراب کرتا ہے تو اس نے پانی اور دریا کی پوجا شروع کر دی۔ سورج کو دیکھا اس کے اندھیروں کو اجالے میں بدلتا ہے۔ اسے نور و ضیا دیتا ہے، گرمی پہنچاتا ہے اس کی فصلیں اور اس کے پھل میوے پکاتا ہے۔ اس کی پرستش شروع کر دی۔ چاند تاروں کو دیکھا یہ رات کو ٹھنڈی روشنی بہم پہنچاتے ہیں ان کی پوجا میں لگ گیا۔ ہندی مشرکین نے دیکھا گائے میٹھا دودھ دیتی ہے ٹھنڈی لسی پلاتی ہے، اس کی پوجا پاٹ میں مصروف و منہمک ہو گئے۔ ہالی دھوپ میں ہل چلا کر آیا، تھکا ماندہ تھا، پیپل یا برٹ کے گھنے سائے میں بیٹھ کر سستانے لگا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی، تن بدن میں جان آئی تو پیپل اور برٹ کی پوجا شروع کر دی۔ آگ کو دیکھا یہ کھانا پکاتی ہے اور مشعل ہو جائے تو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے ضرر سے بچنے کے لئے اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے۔ بعض احمقوں نے دیکھا کہ سانپ موت کا سبب بنتا ہے تو ڈر کر اس کی پرستش شروع کر دی اور بعض عقل کے

غیر اللہ کی محبت لے لیتی ہے۔ اب تمام نرجسیت ہے تو ان کی اور خوف ہے تو ان کا، جس محبت اور ذوق شوق سے بزرگوں کی نذر نیا تر دیتے ہیں، اولیاء و مشائخ کے چالیسویں نکالتے ہیں، خدا کی زکوٰۃ عشر اور اس کے نام پر نحر و قربانی میں اس جوش و محبت کا عشر عشر بھی نظر نہیں آتا۔ گائے بھینس کے مرجانے یا ان کا دودھ مکھن کم ہو جانے کے خوف سے جس اصرار و التزام اور شدت و سختی کے ساتھ حضرت سید الاولیاء شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں نکالتے، بانٹتے اور کھاتے ہیں، کیا اس لزوم و التزام کا ہزارواں حصہ بھی عشر نکالنے اور قربانی کرنے اور قربانی کا گوشت کھانے میں پایا جاتا ہے؟

تمام ماسوی اللہ مطلق بے اختیار ہیں کسی کو قطعاً کوئی اختیار نہیں

تو شرک کی اصل و بنیاد یہی غیر اللہ کے نافع و ضار ہونے کا احساس و ایقان ہے۔ اللہ رب العزت نے شرک کی یہ بنیاد ہی ڈھادی، عبادت غیر اللہ کی اس اصل و اساس ہی کو زیر و زبر کر ڈالا، اپنے کلام پاک قرآن کریم میں بیسیوں جگہ تمام ماسوی اللہ کی مطلق بے اختیاری کو واضح فرمایا اور غیر مبہم الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرما کر شرک کی رگ گردن کاٹ دی کہ کسی بھی غیر اللہ کو ذرہ بھر بھی کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:-

۱۔ قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِہِ فَلَا یَمْلِكُوْنَ کَشْفَ الضَّرِّ عَنْکُمْ وَاَوْ لَا تَحْزَنُوْنَ (۱۵۱ بنی اسرائیل ۴۷)
آپ کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا (مشکل کشا) سمجھتے ہو، (ذرا) ان کو پکارو (تو بھی) وہ تم سے نہ تو تکلیف کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا۔ اللہ کے سوا کسی بھی معبود کو قطعاً کوئی اختیار نہیں، نہ وہ کسی کی کوئی تکلیف دور کر سکتا ہے نہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ ایک کی تکلیف دوسرے پر ڈال سکتا ہے۔
پھر ایسی بے اختیار و عاجز مخلوق کو معبود بنا لینا کہاں کی عقل مندی ہے؟

مالک سمجھا اسی کی عبادت شروع کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بنیاد | ایک بندہ، ایک عاجز و محتاج بندہ ایک سرپا غرض مند بندہ قدم قدم پر بلکہ اپنی زندگی کے ہر سانس پر بدد و اعانت کی ضرورت محسوس کرتا ہے، ذات پاک رب قدر کی طرف بندے کے میلان و توجہ کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ نفع و نقصان اور سود و زریاں اسی کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ درحقیقت نادیدہ خدا اور غیر محسوس و غیر مرئی خدا لاکھوں حجابوں بلکہ بے شمار پردوں میں مستور و مخفی خدا پر صحیح ایمان کی بنیاد درحقیقت بندے کا یہی وجدان و تصور ہے ایک مومن مسلمان خوف و طمع اور زہم و رجاء کے لئے اللہ واحد کے سوا کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا یہ نفع و نقصان کا مالک صرف اپنے نافع و ضار خدا کو سمجھتا ہے۔ اور اس نے تمام غیر اللہ سے سود و زریاں کے تمام رشتے اور علاقے قطع کر لئے۔

غیر اللہ کی پرستش کی بنیاد | بخلاف اس کے جب اس ایمان و یقین میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو ایک محتاج و غرض مند بندہ غیر اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی توجہ و میلان کا مرکز بھی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔ اب وہ اپنا سر جھکاتا ہے تو ابھی غیر اللہ کی چوکھٹ پر، اور ذکر اذکار میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے تو غیر اللہ کے: اِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُونِہِ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (سورہ زمر رکوع ۵)

اب یہ یا رسول اللہ اور یا علی اور یا عبد القادر جیلانی کے نعروں میں جو کیف و سرور محسوس کرتا ہے وہ اللہ اکبر کے نعرے میں کہاں؟

اب اس کی محبت کا مرکز و محور بھی یہی غیر اللہ بن جاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰہِ اٰندَادًا یُحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ (پارہ ۲۰ - بقرہ - ۲۰۴)
اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بناتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح

اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

پھر ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ ان کے دل میں

ماسوی اللہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا پردہ یا جھلی سی ہوتی ہے۔ اس کے
بھی مالک نہیں اگر کوئی مشکل کے وقت انہیں پکارے اول تو وہ کسی کی پکار کو
سننے نہیں، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو کام نہیں آسکتے۔

۵۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ
فَأَسْتَبْعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ
مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذِیَابًا وَلَوْ
اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذِّبَابُ
شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ
الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (پارہ ۷، آخری کوع الحج)

اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے
اسے سُنو! یا شیعہ خدا کے سوا جن کو پکارتے
ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے گو
سب کے سب (کیوں نہ) جمع ہو جائیں اور
ریدہ کرنا تو بڑی بات ہے، اگر ان سے
مکھی کچھ چھین لے جائے تو اس کو اس
سے چھڑا ہی نہیں سکتے ایسا مانگنے والا اور جس سے مانگتا ہے بے ہودا ہے۔

اللہ رب العزت نے غیر اللہ کو پکارنے والوں کو کس درجہ مؤثر اور عبرت انگیز مثال دی ہے کہ دکھ سکھ میں تم جنہیں اپنا مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو ان کے ضعف ان کی بے اختیاری کا یہ حال ہے کہ وہ سب مل ملا کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے، بلکہ مکھی سے اپنی کوئی چھنی ہوئی چیز نہیں چھڑا سکتے، جب ان کے اپنے زور و قوت اور اختیار و قدرت کا یہ حال ہے تو وہ تمہاری دعا پکار پڑتہاری خاک مدد کریں گے۔

عالمیوں کی خدمت میں علامہ آلوسی کا عجیب بیان | خاتم المفسرین علامہ
آلوسی رحمہ اللہ
رقطراز ہیں۔ فی قولہ تعالیٰ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوْا ذِيَّ بَآءٍ ()

اشارۃ الی ذم الغالین فی اولیاء اللہ
تعالیٰ حیث یَسْتَغِیْثُوْنَ بِهِمْ فِی الشَّدَّةِ
غافلین عن اللہ تعالیٰ ویتذرونہم
النذور والعقلاء منہم یقولون انہم
وسألنا الی اللہ تعالیٰ وَاِنَّمَا نَذِرُ بِاللّٰهِ
عَزَّوَجَلَّ وَنَجْعَلُ ثَوَابَہِ لِلّٰہِ لَا یُحِیْیْ اَنۡہُمْ

اللہ تعالیٰ کے اس کلام رات الذین میں
اولیاء اللہ کی شان میں غایوں کی مذمت
کی طرف اشارہ ہے جب کہ وہ
مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو چھوڑ
کر اولیاء اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں
اور ان کی ندریں مانتے ہیں اور ان

۲۔ قَدْ اَدْعَاكَ رَبِّي زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ
اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ
فِيْهَا مِنْ شَيْءٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ
مِنْ ظٰهِبٍ ۝

پارہ ۲۲۔ سبّاع۔ رکوع ۳

ماسوی اللہ کسی معبود کو بھی ایک ذرہ برابر اختیار حاصل نہیں، نہ زمین و آسمان کی تخلیق و ایجاد میں کسی کا کوئی ساجھا ہے۔ نہ اللہ رب العزت کو کسی کام میں کسی کی مدد کی کوئی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معین و مددگار ہو۔

پھر ایسی بے اختیار چیز کو مشکل کشا سمجھنا اور اسے معبود قرار دینا عقل و دانش کا منہ چڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟

۳۔ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ
 اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعُنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ
 بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ
 الْعُنْكَبُوتِ (پارہ ۲۰۔ عنکبوت - ۴۷)

گھر جان و مال کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے ہوتا ہے مگر مکرہی کا جالاکیا
حفاظت کرے گا جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا محافظ و مددگار اور کارساز
سمجھا ان کی مثال مکرہی اور مکرہی کے جا لے کی ہے۔ جیسے مکرہی کی پناہ گاہ غایت
ضعف کی وجہ سے کالعدم ہے۔ اسی طرح مشرک لوگ جن باطل معبودوں کو اپنا
حمایتی، مددگار، محافظ اور پناہ دہندہ سمجھتے ہیں درحقیقت وہ کوئی حمایت و
حفاظت نہیں کر سکتے، اور مصیبت کے وقت اپنے پرستاروں کو قطعاً پناہ
نہیں دے سکتے۔

۴۔ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعٍ (فاطر ۲۴)

اور اس (اللہ) کے سوا تم جن کو پکارتے
ہو وہ تو کھجور کی گٹھی کے پردے کے

برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

249

فِي دَعْوَاهُمْ الْأُولَىٰ أَشْبَهَ النَّاسَ
بِعِبَادَةِ الْأَصْنَامِ الْقَائِلِينَ إِنَّمَا
نَعْبُدُهُمْ لِيُقَرِّبُنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ
وَدَعَاَهُمُ الثَّانِيَةَ لَا بَأْسَ بَهَا
لَوْلَمْ يَطْلُبُوا مِنْهُمْ بِذَلِكَ شَفَاعَةً مِنْهُمْ
أَوْ دَعَاَهُمْ وَأَنْحُوذَلِكَ وَالظَّاهِرُ
مِنْ لَهْمُ الطَّلَبِ بِرِشْدٍ إِلَىٰ ذَلِكَ أَنَّهُ
لَوْ قِيلَ: ائْذِنُوا لِلَّهِ تَعَالَىٰ وَاجْعَلُوا
ثَوَابَهُ لَوَالِدَيْكُمْ فَانْهَمُوا حَوْجَ
مِنْ أَوْلَئِكَ الْأَوْلِيَاءُ لَمْ يَفْعَلُوا وَارَأَيْتُمْ
قُبُورًا مِنْهُمْ يَسْجُدُ عَلَىٰ اعْتَابِ حَجَرِ قُبُورِهِمْ

غالبوں میں سے جو عقل مند ہیں وہ کہتے
ہیں یہ اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ تک
دہنچانے کے لئے، ہمارے وسیلے ہیں
ہم منت تو صرف اللہ عزوجل کے لئے
مانتے ہیں، ولی کو تو صرف ثواب پہنچانے
ہیں اور یہ حقیقت محض نہیں کہ یہ اپنے
پہلے دعویٰ میں بتوں کے ان پجاریوں
کے سب زیادہ مشابہ ہیں جو کہتے ہیں
کہ ہم توبتوں کی پوجا محض اس لئے کرتے
ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں
اور ان کے دوسرے دعویٰ میں کوئی حرج

نہیں بشرطیکہ یہ ان اولیاء اللہ سے یہ منت مان کر اپنے مریض کی شفاء یا اپنے غائب
ہو جانے والے کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ نہ کریں۔ اور ان کے حال سے یہ مطالبہ ظاہر
ہے اور یہ حقیقت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ اگر انہیں کہا جائے کہ تم منت اللہ
تعالیٰ کے لئے مان کر اس کا ثواب اپنے والدین کو بخشو جو ان اولیاء اللہ سے ثواب
کے زیادہ محتاج ہیں تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے
اکثر اولیاء اللہ کی قبروں کی چوکھٹوں پر سجدہ کرتے ہیں، اور ان میں سے بعض تو
تمام اہل قبور کے لئے علی فرق مراتب اختیار ثابت کرتے ہیں..... اور ان
میں سے بعض کا یہ گمان بھی ہے کہ اولیاء اللہ قبروں سے نکل کر مختلف شکلیں اختیار

کر لیتے ہیں اور ان کے عالم کہتے ہیں کہ
ان کے روح شکلیں اختیار کر کے ظاہر
ہوتے ہیں اور جہاں چاہیں چکر لگاتے
پھرتے ہیں اور کبھی شیر کی یا ہرن کی یا
اسی طرح کسی جانور کی شکل اختیار کر لیتے
ہیں اور یہ تمام باتیں باطل ہیں کتاب سنت

..... وَلِكُلِّ ذِيكَ بَاطِلٌ لَا
أَصْلَ لَهُ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
وَكَلَامِ سَلَفِ الْأُمَّةِ - وَقَدْ أَقْسَدَ
هَؤُلَاءِ عَلَى النَّاسِ وَصَارُوا
ضَحِكَةً لِّأَهْلِ الْأَدْيَانِ الْمَنسُوخَةِ

مِنْ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَىٰ وَكَذَلِكَ
لَا أَهْلَ النَّحْلِ وَالْأَهْلِيَّةِ نَسْأَلُ
اللَّهُ تَعَالَى الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ -
یہود و نصاریٰ اور دوسرے اہل مذاہب اور دہریوں کے لئے ہنسی محول کا سامان
بن کر رہ گئے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور اس بلاء و برائی سے بچنے کی دعا
کرتے ہیں۔

اختیار صرف ایک اللہ کو ہے

تمام حضرات انبیاء و رسل مجبور و بے اختیار ہیں

جہاں قرآن کریم سے اس حقیقت کا وضوح و التشریح ہو گیا کہ تمام معبودان غیر اللہ
بے بس و بے اختیار محض ہیں، وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام حضرات انبیاء و
رسل علیہم السلام بھی مجبور و بے اختیار ہیں، اختیار صرف ایک اللہ کو ہے۔ چنانچہ یہ
حضرات دکھ، درد اور مصیبت کے وقت مدد و نصرت اور مشکل کشائی کے لئے
اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان مصیبتوں سے نجات عطا فرماتے ہیں۔
۱۔ حضرت نوح علیہ السلام:-

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا
لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيمِ (۱۷۱) (انبیاء رکوع ۶)

۲۔ حضرت یونس علیہ السلام:-

وَيُونُسَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسْحُورٌ
الْبُضْرُ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ

اور یونس جبکہ اس نے اپنے رب کو
پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچی ہے اور
آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا۔ ان دونوں کو اور ان کی قوم کو ہم نے بڑے غم سے نجات دی۔ اور ہم نے ان سب کی مدد کی، پس وہی غالب آئے۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۚ وَنَصَرْنَا هُمُ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝ (۲۳- الشفقت ۱۲۴)

۴۔ حضرت لوط علیہ السلام،

اور بے شک لوط علیہ السلام، بھی پیغمبروں میں سے تھے جبکہ ہم نے ان کو اور ان کے متعلقین سب کو نجات دی۔

وَإِنَّ لُوطًا لِّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ۝ (۲۳- الشفقت، ۱۲۴)

۸۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی اور اللہ نے ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا۔ (سورہ ص، ۳۴)

خلاصہ ان تمام آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر نبی اور برگزیدہ سے برگزیدہ رسول اللہ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان تمام پیارے بندوں کی دعا کو سنا۔ قبول کیا اور دکھ، درد، کرب و بلا، غم و مصیبت سے نجات دی۔ تو یہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام مجبور محض اور بالکل بے بس و بے اختیار تھے اور تو اور، اپنی ذاتی تکلیف و مصیبت بھی دور نہ کر سکے۔

۹۔ اور بلاشبہ آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی، انہوں نے اس اپنے جھٹلائے جانے اور ایذا پہنچانے پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچی۔

۹۔ وَلَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُم نَصْرُنَا ۚ (پارہ ۷ - سورہ انعام ۱۲۴)

یہ آیت کریمہ اس حقیقت پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اختیار کسی رسول کو حاصل نہیں تھا، ظالم کفار و مشرکین نے نہ صرف ان کا انکار کیا بلکہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں دیں، وہ حضرات علیہم السلام ان ستم گاروں کے ظلم و ستم

ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو کچھ تکلیف تھی اس کو دور کر دیا۔ اور ہم نے ان کو ان کا کنبہ عطاء فرمایا۔ اور ان کے برابر اور بھی اپنی رحمت خاصہ سے، اور عبادت کرنے والوں کے لئے یادگار۔

۳۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ جب سمندر کے اندر مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا اور کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی، اور ہم اسی طرح ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

ضَرِّ وَاتَّبَنَهُ أَهْلُهُ وَثَلَمَهُ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ذِكْرُنِي لِلْعَبِيدِينَ ۝ (۱۴- انبیاء رکوع ۶)

۴۔ حضرت زکریا علیہ السلام،

اور زکریا علیہ السلام کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہیں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اس کو یحییٰ عطاء فرمایا، اور ہم نے ان کی خاطر سے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل کر دیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی بالکل بے بس تھی، حضرت زکریا نے اپنے لئے وارث یعنی فرزند کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر حضرت یحییٰ علیہ السلام عطاء فرمایا۔

۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام،

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ فَبَشِّرْنَا بِإِسْمَاعِيلَ ۚ وَالصَّفَّت ع ۳

نیک فرزند دے پس ہم نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔

تدبیر کی مدد و نصرت آئی اور حق غالب آیا۔

۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے اختیاری! حضرت یعقوب

اپنے بیٹوں سے فرمایا مگر شہر میں داخل ہوتے وقت سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا۔ یہ نظر بد وغیرہ سے بچنے کی محض ایک ظاہری تدبیر تھی اس لئے ساتھ ہی فرمادیا کہ :-

وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ | اور میں تم کو اللہ سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا
إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (پارہ ۱۳۔ یوسف ع) | حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔

یعنی یہ صرف لوگوں کے حسد یا نظر بد سے بچانے کی میں صرف ایک تدبیر بتلا رہا ہوں۔ باقی ہوگا وہی جو تقدیر الہی میں ہے۔ میں تقضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتا۔ تمام کائنات میں حکم صرف اللہ رب العزت ہی کا چلتا ہے۔ ہوگا وہی جو حکم الہی ہوگا۔ میں حکم الہی کے مقابلے میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔

آگے اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں :-

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ | ان کا باپ ان کو اللہ کی کسی بات سے کچھ بھی نہ بچا سکتا تھا۔

۱۱۔ امام المسلمین کی بے اختیاری! خدا، سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذات پاک تک کو ذرہ بھر اختیار نہیں، ارشاد ہوتا ہے :-

۱۔ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔ | آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات کیلئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ۔

(پارہ ۹۔ اعراف۔ رکوع ۲۳)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے :-

۲۔ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (دینس ۵۷) | آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لئے کسی ضرر کا اختیار رکھتا ہوں نہ کسی نفع

۱۔ قائم المفسرین علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ :-

استثناء منقطع عند جمع آتی و لكن ما شاء الله تعالى کائن لہ یعنی سب کے نزدیک استثناء منقطع ہے، یعنی میں اپنی ذات کے لئے نفع و ضرر کا اختیار نہیں رکھتا، لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۲۔ علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود النسخی (متوفی ۸۱۷ھ) اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں رقمطراز ہیں :-
قُلْ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا مِنْ مَرَضٍ أَوْ فَقْرٍ وَلَا نَفْعًا مِنْ صِحَّةٍ أَوْ غِنًى إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ استثناء منقطع نہیں رکھتا۔ مگر جو اللہ چاہے، لیکن ما شاء الله من ذلك کائن لہ یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن جو اللہ چاہے وہی ہوگا۔

۳۔ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (پارہ ۲۹۔ جن رکوع ۲) | آپ کہیے کہ بلاشبہ میں نہ تمہارے ضرر کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا

جن آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے نفع و ضرر کے اختیار کی نفی کا واضح اعلان فرمایا ہے، ان کے جواب میں بعض کچ ذہین و کج بحث یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ تو حضورؐ نے اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اختیار نہ ہونا اس کو کہاں لازم ہے کہ آپ کو اپنی امت سے متعلق بھی نفع و ضرر اور سود و زیاں کا کوئی اختیار نہیں، اگر آپ کو اپنے متعلق کوئی اختیار نہیں، لیکن ہمارے ہر قسم کے نفع نقصان کے مالک آپ ہیں، معاذ اللہ۔

کج بحثی کے ساتھ کج بحثی کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ اگر نصیب بھلے ہوں اور انسان کی عاقبت اچھی مقدر ہو تو اس آیت میں نہایت صراحت سے فرمادیا گیا ہے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کے مالک و مختار نہیں

لہ روح المعانی جلد ۱۱ ص ۱۳۰، سورہ یونس۔

لہ مدارک تفسیر آیت قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا

اقیم بلاغ و ہدایت کے تاجدار کو ہدایت دینے کا اختیار بھی نہیں

گو آپ اقیم بلاغ و تبلیغ کے تاجدار اور مسندِ رشد و ہدایت کے صدر نشین ہیں مگر آپ کو کسی محبوب سے محبوب شخص کو بھی ہدایت دینے اور راہِ راست پر لانے کا اختیار نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:-

۵۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ
اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ
(پارہ ۳۰۔ سورہ قصص۔ رکوع ۶)

تفسیر موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا اس پر یہ آیت اتری۔ اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ القصص ص ۱۰۷ میں ہے اسی طرح مروی ہے۔
۶۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ اَلَا
يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ مَّشْرُوعِ شَعْرٍ
(کرتے کرتے) اپنی جان دے دیں گے۔

آپ کے دل میں بنی نوعِ انسان سے محبت و رحمت کا جو بحر و دریا موجزن تھا۔ اس کے طوفان و تلاطم کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی بھی کافر و مشرک جہنم میں نہ جائے۔ سب مسلمان ہو کر جنت میں جائیں۔ اس جوشِ رحمت اور دردمحبت سے آپ کی جان پر بہن گئی تھی۔ اس سوز و گداز کے مہلک اثرات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روکا فرمایا کہ اس فکر اور غم میں آپ کی جان نہ نکلے آپ کی جان بڑی قیمتی جان ہے۔

۷۔ فَاِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ مِنْ يَشَاءُ وَهُوَ
يَخْدَعِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَدْرِي
نَفْسُكَ عَلَيْكُمْ حَسْرَاتٍ (فاطر ع ۲)
بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔

اللہ! بے اختیاری کی حد ہو گئی کہ سوز و گدازِ رحمت کے باعث آپ کی جان کے لئے تو پڑ گئے مگر آپ کو ایک مشرک کو بھی ہدایت دینے کا اختیار نہیں۔

۸۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْْءٌ اَوْ
يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاتَّخِذْ
الْمُلُوْنَ هِ رِبَارَهٗ (آل عمران ع ۱۳۷)
آپ کا کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر توبہ فرمائے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔

جنگِ احد میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مشرکین نے ظلم و تعدی میں انتہا کر دی۔ حضرت کے چچا حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ کا وحشیانہ طور پر قتل کیا، ناک، کان، ہونٹ کاٹے، پیٹ مبارک چاک کیا۔ جگر نکال کر چھپایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہوئے۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ ابنِ قیمہ کہتے ہیں کہ بڑھ کر سرِ اقدس پر تلوار سے وار کیا۔ جس سے خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں۔ چہرہ پاک مجروح ہوا اور سارا وجود اطہر لہو میں نہا گیا آپ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ اس وقت کفار نے مشہور کر دیا ان محمدًا قتل یعنی حضور قتل ہو گئے۔ اس سے اکثر صحابہؓ کے حواس بجا نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اس وقت زبان مبارک سے نکلا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبیؐ کا چہرہ زخمی کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری، غزوہ احد، باب لَيْسَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ)
۹۔ اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ
اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً
قَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (پارہ ۱۰۔ سورہ توبہ ع ۱۰)
آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں۔ (اور) اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ بخشے گا۔

صحیح بخاری اور جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جہل مر گیا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے کفن کے لئے قمیص کی درخواست کی آپ نے قمیص دے دیا۔ پھر درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے، حضرت عمرؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ یہ منافق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس پر نماز پڑھنے سے روک دیا مگر آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا

ماں و اللہ تعالیٰ کی صحیح حدیث سے غلط استدلال کیا جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے سارے خزانے حضور کو عطا کر دیئے ہیں ان کی تقسیم حضرت کے اختیار میں ہے نیز کہتے ہیں کہ نبی کریم عالم الغیب ہیں، نیز آپ بشر نہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کی تغلیط کی گئی ہے اور نہایت واضح طور پر فرمادیا گیا ہے کہ نہ تو اللہ کے خزانوں کے مالک و مختار اور قاسم و مقسم حضور ہیں نہ ہی آپ عالم الغیب ہیں اور نہ ہی آپ کا تعلق نوع بشر کے علاوہ کسی اور نوع یعنی ملائکہ سے ہے۔ منصب نبوت کے لئے ان تینوں باتوں کی احتیاج و ضرورت نہیں نہ کسی نبی نے ان میں سے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے۔ بخلاف اس کے ہر نبی اللہ نے اپنی بشریت، اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی اور عدم اختیار و تصرف کا واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت نوح علیہ السلام قریباً انہی الفاظ میں اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں، وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ (پارہ ۱۲ - سورہ ہود - رکوع ۲)

خلاصہ دوسرے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی و بے اختیاری کے بعد خاص سید الانبیاء امام المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری قرآن کریم میں گہرا مقامات پر بیان فرمائی گئی ہے۔

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ ان گیارہ مقامات پر حصر ہے۔ پورے قرآن میں اس نوعیت کی بیشتر آیات موجود ہیں۔ مگر اساطیر مقصود ہے نہ آسان،

سنت رسول سے نبی کریم کے ملک اختیار کی نفی

قرآن کریم کتاب اللہ کے بعد سنت رسول احادیث نبویہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم قدرت و بے اختیاری کے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ سب کا احاطہ مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ صرف چند اہم شادات درج ذیل ہیں۔

۱۔ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا | حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب اللہ نے وَأَنْذَرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ آیت نازل

تَسْتَغْفِرُكُمْ اور اگر میں جانتا کہ میرے شر سے زیادہ بار استغفار پر اللہ اسے بخش دے گا تو میں شر سے زیادہ بار بخشش طلب کرتا۔ غرض آپ نے اس کا جزو پڑھا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نماز پڑھ کر پھرے ہی تھے کہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ... وَهُمْ لَا يَسْقُونَ (صحیح بخاری کتاب النہی) اس کے بعد کفار و منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے کفن دفن میں شریک ہونے کی صراحت سے ممانعت کر دی گئی۔ آپ کی بے اختیاری صاف ظاہر ہے کہ کرتے بھی دیا، جنازہ بھی پڑھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس لعین رئیس المنافقین کو نہ بخشا اور حضرت کو آئندہ منافقین کا جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۱۰۔ وَالْكَافِبَيْنِ قُلُوْبِهِمَا لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمَا وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمَا إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۱۰ انفال ع ۸)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت ڈال دی بیشک وہ زور و قوت والا حکمت والا ہے اس ارشاد الہی میں جہاں اللہ رب العزت کی صفت قدرت و اختیار اور حکمت کا بیان ہے کہ اس نے اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے افراد کو بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ان کے قلوب میں الفت و محبت کے دریا بہا دیئے۔ وہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال بے اختیاری اور عدم قدرت کا بیان ہے کہ دنیا بھر کے خزانے خرچ کر کے بھی آپ قبائل عرب کی بھی دیرینہ عداوتوں اور بغض و کینے مٹا کر ان کو باہم شیر و شکر نہیں فرما سکتے۔

۱۱۔ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ (پارہ ۱۵ - انعام - ع ۵)

آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں اہل شرک و ہوا علی الاعلان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام خزانوں کی چابیاں حضرت کو سنبھال دی ہیں، اور حضرت اللہ کے تمام خزانوں کے مالک و مختار ہیں۔

فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اے کروہ قریش! تم ایمان لار اپنے آپ کو عذاب سے بچا لو میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ اے بنو عبد مناف! میں اللہ کے سامنے تمہارے ذرہ بھر کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔ اے نبی رسول اللہ کی بھوپتی! میں اللہ کے سامنے ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا۔ با قاطمة بنت محمد سبئی مآشت اور اے فاطمہ بنت محمد امیر مال میں سے جو چاہے جو ہے۔

مِنْ مَالِي لَا اغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا | کرے میں اللہ کے مقابلے میں ذرہ بھر تیرے کام نہیں آسکتا

۲۔ لَا اَمْلِكُ لَكَ وَلَا لِنَفْسِي شَيْئًا | حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اہل مدینہ میں سب سے اول مکہ آکر اسلام لانے والے، مدینہ میں سب سے اول اسلام کے ساتھ داخل ہونے والے عقیقہ کی ہر بیعت میں شامل ہونے والے، انصار کے بارہ تقبیوں میں سے ایک نقیب اور حبشہ البقیع میں (بقول انصار) سب سے اول دفن ہونے والے عظیم المرتبت صحابی رسول تھے۔ انہیں ایک مہلک بھنسی لگی۔ امام ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسعد بن زرارہ کی بیماری کو تشریف لے گئے انہیں شو کہ (یعنی مہلک بھنسی) تھی، فرمایا:۔ قَاتِلَ اللَّهُ يَهُودَ يَقُولُونَ لَوْ اَدْفَعْنَاهُ وَلَا اَمْلِكُ لَهُ وَلَا لِنَفْسِي شَيْئًا لَا يَلُومُونِي فِيْ اَنْبِيْ اَمَامَتِهِ ۚ یعنی اللہ بہود کو ہلاک کرے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو امامہ اسعد بن زرارہ کی تکلیف کیوں نہ دو رکردی اور حال یہ ہے کہ نہ تو میں ان کے لئے کوئی اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہی اپنے لئے، مجھے تم ان کے بارے میں ملامت نہ کرو۔

۳۔ تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازداج (مطہرات) کے درمیان تقسیم فرماتے تھے پس عدل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے:۔

الحج مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، باب الانذار والتحذیر

۱۰۔ "طبقات"، جلد ۳ ص ۳۱۱، استیعاب، ترجمہ ابو امامہ رحمہ

۱۱۔ "طبقات" ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۱ ذکر حضرت اسعد بن زرارہ

تَمْلِكُ هَذَا قِسْمِيْ فَيَمَّا اَمْلِكُ فَلَا تَمْلِكُنِيْ فَيَمَّا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ | اے اللہ! جو بار بار تو مان و نفقہ وغیرہ ظاہری تقسیم میرے بس میں مٹی و مود میں کر دی، اب جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں تو آپ اس میں میرا مٹوا خذہ نہ فرمائیں۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح

حضرت امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی الحب المردۃ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت طاہرہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت و مودت دوسری ازداج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مقابلے میں زیادہ تھی۔ مگر اس پر حضور کا اختیار نہ تھا۔ لہذا آپ بارگاہ رب العزت میں معذرت کر رہے ہیں۔ تو آپ کو اپنے دل کی محبت و الفت پر بھی اختیار نہیں ہے اختیار کی حد ہو گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ (استخارہ) | حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں (دعاء) استخارہ کی تعلیم اس طرح دیتے تھے۔ جس طرح ہمیں قرآن کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی نماز ارادہ کرے تو وہ دو رکعت نماز نفل پڑھے پھر کہے:۔

لَقَدْ اٰتٰنِيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ | البی! میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قوت طلب کرتا ہوں اور تیرے فضل عظیم سے آپ سے سوال کرتا ہوں بلاشبہ آپ قدرت رکھتے ہیں اور میں طاقت نہیں رکھتا اور آپ کو علم ہے اور میں علم نہیں رکھتا اور آپ علام الغیوب ہیں۔

خود فرمائیے! کس قدر صراحت کے ساتھ قدرت و اختیار اور علم غیب کو اللہ رب العزت کے لئے خاص فرما رہے ہیں اور اپنی ذات اور ہر شخص سے ان دونوں صفات ربانی کی نفی کی جا رہی ہے۔

۱۲۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب التلوٰۃ، ابو داؤد میں بھی۔ روایت موجود ہے۔

بارش شروع ہو گئی پس آپ اپنی مسجد (نبوی) تک واپس نہیں پہنچے تھے نہ اسے جسے لگے۔ جب آپ نے لوگوں کو جلدی سے مکانوں کو جاتے دیکھا تو آپ خوب ہنسے اور فرمایا: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** اور **وَأَنَّ عِندَ اللَّهِ وَرَسُولُهُ**۔
 (رد الوادع - مشکوٰۃ المصابیح باب الاستسناہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ بالیقین اللہ سرتر پر قادر ہے اور بیشک میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

سب خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے حضرت سائل ہیں

علیہ وسلم کو اللہ کے خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کو خیر و شر کے تمام خزانوں کا مالک قرار دیتے ہیں دعا کرتے ہیں۔

۸۔ **اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَايَا بَيْدِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَايَا بَيْدِكَ**۔
 الہی! میں تجھ سے ہر صلاحی کا سوال کرتا ہوں جس کے خزانے تیرے قبضہ میں ہیں اور میں ہر بُرائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کے خزانے تیرے پاس ہیں۔ (مسند رک حاکم جلد اول ص ۵۲۵)

۹۔ معطی اللہ ہے اور حضرت قاسم

مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ إِنَّمَا أَنَا تَأْسِمُ أَضَعُ حَيْثُ أَمَرْتُ۔
 (رد الوادع - مشکوٰۃ المصابیح باب رزق الولاۃ) نہ تو میں تمہیں اپنی طرف سے کچھ دیتا ہوں اور نہ روکتا ہوں، میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں۔ جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں رکھ دیتا ہوں۔

سبحان اللہ! توحید کی حقیقت کتنی عمیق سمجھاؤ جا رہی ہے کہ گو بظاہر مال و دولت آپ دے رہے ہیں، مگر ساتھ ہی فرما رہے ہیں کہ یہ منع و اعطا، درحقیقت من جانب اللہ ہے، میں تو صرف ایک واسطہ ہوں۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ تم دیتا ہے وہ دیتا ہوں اور جہاں اللہ نہ دینے کا حکم دیتا ہے۔ نہیں دیتا۔ تو رسول کی حیثیت صرف واسطہ و وسیلہ کی ہے حقیقت میں معطی و مانع ذات پاک رب العزت ہے۔
 ۱۰۔ حضرت معاذیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّدْهُ فِي الدِّينِ وَرَأْسًا أَوْ نَاصِيحًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يَنْفَعُ عَلَيْهِ۔
 اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں، اور میں تو صرف تعلیم کرنے والا ہوں، دینے والا اللہ ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

مال و دولت کی طرح علم و فہم بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔ رسول کریم تو صرف قاسم ہیں وہ تو اپنی ساری امت کو وحی الہی کی برابر تبلیغ فرما دیتے ہیں۔ اگر مراتب علم و فضل میں کوئی فرق ہے، کوئی زیادہ عالم و فاضل ہے فقیہ و مجتہد ہے کوئی کم، تو اس میں رسول کا دخل نہیں، یہ فرق و امتیاز مراتب فہم میں فرق کی وجہ سے ہے۔ اور یہ خدا کی دین ہے وہ جس کی بہتری چاہتے ہیں اسے دین و علم کا فہم دفعہ دے دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی صاحب مشکوٰۃ کی طرح اس حدیث کو اپنی صحیح کے اندر کتاب العلم میں روایت کیا ہے اس سے بھی اسی حقیقت پر دلالت ہوتی ہے اور حدیث شریف کے سابق سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہاں دین کا علم و فہم مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری چاہتے ہیں اسے دین کی سمجھ اور فقہ عطا فرما دیتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، دیتے اللہ ہیں، میں تو صرف بانٹتا ہوں، یعنی میں تو صرف قرآن و حدیث بیان کر کے علم تقسیم کرتا ہوں باقی رہی اس کی سمجھ، سو وہ جتنی خدا چاہتا ہے دیتا ہے۔

یار لوگوں نے اس حدیث پاک سے الٹائی کریم کا تصرف و اختیار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ اہل علم و نظر کے نزدیک تو اس ارشاد رسول سے خود آپ کے ملک و اختیار کی نفی واضح ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ انور شاد صاحب کاشمیری رحمہ اللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا حَالِ حَيَاتِهِمْ كَمَا أَنَّهُمْ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِمْ وَاسْتَدْلُّ بِهَذَا۔
 بالیقین حضرات انبیاء علیہم السلام زندگی میں بھی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جیسا کہ ان کی وفات کے بعد ان کا کوئی اختیار

الحديث قَالَ أَنَّهُ قَاتِلُهُ لَأَغْيَرُ | نہیں، اور انہوں نے یعنی شیخ الاسلام
وَلَا مَدَّكَ لَهُ أَصْلًا۔ | ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی حدیث
إِنَّمَا أَنَا قَاتِلُهُ دَاوَعِي سے اسناد لال کیا ہے اور کہا کہ آپ صرف
قائم ہیں۔ اور ملک و اختیار آپ کا بالکل نہیں۔

۱۱۔ مجھے اللہ بچائے گا | حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے

واپسی پر دوپہر کے وقت ایک وادی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں
نزول اجلال فرمایا، لوگ سایہ دار درختوں کے نیچے ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فردکش ہو گئے۔ اور اپنی تلوار درخت
کے ساتھ لٹکا دی، ہم سوئے ہی تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا اور
ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود تھا۔ آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ اس شخص نے
میری تلوار کھینچ لی، میں جاگ اٹھا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں بے نیام تھی، اس
نے کہا مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّْي۔ یعنی اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا
اللہ تعالیٰ بار فرمایا، اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور اس شخص سے کوئی انتقام نہ لیا،
(صحیح بخاری، صحیح مسلم) ابوبکر اسماعیلی نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس نے کہا آپ کو
مجھ سے کون بچائے گا؟ تو آپ نے کہا اللہ! (یہ جواب سن کر حییت کی وجہ سے ہار
کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی، اور فرمایا اب
تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟۔۔۔ کتاب الحمیدی اور ریاض ربیع الصالحین
للنوی میں اسی طرح ہے ۳۰

۱۲۔ فیض الباری جلد اول ص ۱۱، فیض الباری چار جلدوں میں صحیح بخاری کی شرح ہے۔ امام الدہ
شیخ الاسلام حضرت انور شاہ رحمہ اللہ کی تقریر ہے اور اہل حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کی۔
۳۰ صاحب روح المعانی نے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ وہ دشمن تہامنے کے بل گر پڑا
فَأَخْبَتَ عَدُوُّ اللَّهِ تَعَالَى لَوَجْهِهِ..... (تفسیر روح المعانی، سورہ نساء آیت وَخُذْ لَكَ
۳۰، مشکوٰۃ المصابیح، باب التوکل والصبر۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے اختیاری ظاہر ہے کہ اپنا بچاؤ اور تحفظ جی آپ
نہیں فرما سکتے۔ آپ کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور دشمنوں سے اللہ ہی آپ کو بچاتے ہیں
۱۲۔ اَوْزَرَ إِلَى اللَّهِ | (متوفی ۷۵۰ھ) نے روایت کی ہے کہ
(مسجد نبوی کی تعمیر میں حضور بھی صحابہ کے ساتھ
ایٹھیں وغیرہ اٹھا رہے تھے، چنانچہ آپ کے ہاتھ میں اینٹ تھی ایک شخص نے
عرض کیا یا رسول اللہ یہ مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا:-

اَذْهَبْ فَخُذْ غَيْرَهَا فَلَسْتُ بِأَفْقَرُ | جاؤ تم دوسری اینٹ اٹھا لاؤ تو مجھ سے
إِلَى اللَّهِ مِنِّْي..... | زیادہ اللہ کا محتاج نہیں ہے۔

سبحان اللہ! رحمۃ للعالمین ہیں، امام المرسلین ہیں، سید الاولین والآخرین ہیں مگر
رب العزت کے اسی طرح محتاج ہیں جس طرح کوئی دوسرا، تو کیا فقر و محتاج بھی محتار کل
ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ دعا | حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت بارگاہ رب العزت میں طالب دعا
رہتے تھے، اسی کتاب کے گزشتہ ابواب میں آپ کی دعاؤں کا کچھ حال
آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ہمہ وقت دعا۔ صبح و شام، رات دن دعا۔ سوتے جاگتے،
اُٹھتے بیٹھتے اللہ سے دعا۔ سفر پر جاتے، گھر سے نکلتے، واپس آتے دعا۔ وضو اور
نماز کے بعد دعا۔ نماز کے اندر دعا۔ باہر دعا۔ ہر وقت، ہر مجلس میں خلوت و جلوت
میں اللہ سے دعا حتیٰ کہ بیت الخلاء جاتے اور نکلتے دعا، غرض آپ کی پوری حیات
طیبہ کا طول و عرض دعا تھا۔ اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دعا کی اصل و اساس
ہی دعا کرنے والے کی بے بسی و بے اختیاری ہے۔ مجبوری و لاچارگی ہے۔ اگر اختیار و
اقتدار ہو تو دعا کی ضرورت ہی کیا ہے اور جب ہر وقت دست طلب و دعا دراز
ہے تو اختیار کہاں؟ دعا تو نام ہی اختیار کی نفی کا ہے۔

۱۴۔ دُءَاءُ الْوَفَاءِ جزء اول ص ۳۳۳، وفاء الوفاء تاریخ مدینہ طیبہ پر علامہ سمہودی کی چار جلدوں پر مشتمل
بے نظیر کتاب ہے۔ علامہ نور الدین علی بن احمد السہودی المصری المدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ کے مفتی
مدرس اور مؤرخ تھے۔ ۹۰ ہجری دفات پائی۔

قرآن کے الفاظ عموماً پڑھا کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال اور اصحاب کو ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی ان وظائف کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً:-

۱۔ بروایت سنن ترمذی غیر دیں شعبہ
رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

حضرت کا ہر نماز کے بعد کا وظیفہ

وتم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔

لا اِلهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ
وَلَا مُعْطٰى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَلْجَدَّكَ
مِنْكَ الْجَدُّ - رمتفق علیہ

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ آیا ہے
اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی سلطنت
ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے، اور وہ
ہر چیز پر قادر ہے، الہی! جو تو عطا فرمائے
اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو تو نہ دے
وہ کوئی نہیں دے سکتا، اور تیرے سامنے کسی دولت والے کو اس کی دولت نفع نہیں
دے سکتی۔ ریاضی بارگاہ میں کسی عزت والے کو اس کی عزت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی
ایک مرد مومن حضرت کی سنت کے اتباع میں ان صفات ربانی کو آٹھ پہر میں
پانچ وقت دہراتا ہے کہ جب اس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جب ملک و بادشاہی
اس کی ہے تو منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی وہ واحد و لا شریک ہے وہی دینے والا ہے
اور وہی نہ دینے والا۔ وہ دیتا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ اور وہ نہ دے تو کوئی
دے نہیں سکتا۔

اللہ رب العزت کے اقتدار و اختیار کا اثبات اور غیر اللہ کے اختیار کی
نفی کا کیا مؤثر انداز ہے۔

صبح و شام کا وظیفہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صبح و شام کا ورد وظیفہ
فرمایا ہے۔

۲۔ بعض بنات النبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم دیتے تھے
کہ صبح و شام کہا کریں۔

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الذکر بعد الصلوٰۃ۔

شفاعت کے معنی ہیں سفارش کسی کو کسی کے لئے سفارش
۱۲۔ شفاعت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت امت مسلمہ کا متفقہ

عقیدہ و ایمان ہے۔ قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے۔
اور شفاعت کی حقیقت ہے بے اختیاری۔ اگر مجھے کسی بات کا خود اختیار ہے تو
میں اس کے متعلق کسی دوسرے کو سفارش کیوں کروں گا۔ وہ کام خود ہی کیوں نہ کر لوں
گا۔ تو شفاعت کا منشاء بے بسی و بے اختیاری ہے۔ اگر نبی کریم کی شفاعت مسلم
ہے تو آپ کی بے اختیاری کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اگر آپ کے مختار کُل ہونے
کا پختہ یقین ہے تو شفاعت کا انکار لازم آئے گا۔ شفاعت نام ہی اختیاری کی نفی کا
ہے۔ اگر شفاعت ہے تو اختیار کہاں؟

خلاصہ قرآن کریم میں ۱۱ مقامات پر اور سنت رسول سے ۴۴ مقامات پر کلام
ثابت ہے کہ نبی کریم امام المرسلین کو نفع و نقصان کا ملک و اختیار حاصل نہیں تھا۔ کیا
بے بسی و بے اختیاری کے ان پچیس شواہد و نصوص کے بعد بھی آپ کے مختار کُل
ہونے کا ادعاء باطل برابری رہے گا؟ پھر قرآن کریم کے دس مقامات سے
دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے اختیار ثابت ہو چکی ہے۔ امام المرسلین
سید الانبیاء سمیت تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی پینتیس نصوص کتاب و سنت
سے مطلق بے اختیاری ثابت و واضح ہونے کے بعد اور کون تیس مارغاں ہے۔
جس کو اختیار حاصل ہو؟

سنت رسول سے کُل اختیار و قدرت نامتہ خدا ہونے

اور غیر اللہ کے اختیار کی مطلق نفی کا بیان!

کتاب اللہ کے بعد سنت رسول سے بھی یہی ثابت ہے کہ قدرت کاملہ و
اختیار کلیہ خاصہ خدا ہے۔ احادیث نبوی میں نہایت صراحت و تکرار کے ساتھ
اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطور وظیفہ خود بھی اس

۱۔ ان یہ حصہ نہیں، نہ حصہ مقصود ہے اور نہ ہی کوئی آسان کام ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا تُقَوِّهَ إِلَّا بِاللَّهِ
مَا تَدْرِكُهُ نَافَاةٌ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ
وَأَنَّ اللَّهَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا
اللہ پاک ہے اور تعریف اسی کی ہے اور
اللہ کے سوا کسی کو کوئی زور و قوت نہیں
جو اللہ چاہے وہی ہوگا اور جو وہ نہ چاہے
وہ نہ ہوگا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ
ہر چیز پر قادر ہے اور بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

فرمایا جو شخص صبح کو یہ کہے وہ شام تک محفوظ رہتا ہے اور جو شام کو یہ کہے وہ صبح
تک محفوظ رہتا ہے اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔
تو مسلمان کا صبح و شام کا وظیفہ یہی ہے کہ علیٰ کل شیء قدیر اللہ رب العزت
ہے۔ اور علم کل و علم محیط و بسیط بھی اسی کی شان ہے۔

۳۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرمایا۔ جس نے
دن بھر میں **تو بار** | دن میں تو بار پڑھا لا اِلهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور
اس کے لئے سونیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی ستوبرائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور یہ
سارے دن اس کے لئے شیطان سے بچاؤ رکھتا ہے یہاں تک کہ شام ہو جائے
وَلَهُ يَاتِ أَحَدٌ يَأْخُذُكَ مَتَجَاوِزِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَهُ مِنْهُ۔ متفق علیہ
اور اس سے کوئی شخص بہتر عمل کر نہیں آئے گا مگر وہ شخص جس نے ان کلمات کو
اس سے بھی زیادہ پڑھا۔

سبحان اللہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان
خاص صفات کا ورد وظیفہ کرنے والے کے لئے کتنا اجر و ثواب ہے۔
۴۔ اور حضرت ابو عیاشؓ کی روایت میں ہے فرمایا۔ جس نے صبح کو کہا
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس
کے لئے اولاد اسماعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ اور اس
کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی دس برائیاں گرا دی جائیں گی، اور اس

۱۔ مشکوٰۃ المصابیح باب ما یقول عند الصباح والمساء۔

۲۔ ثواب الیتیم.....

264

کے دس درجے بڑھا دیئے جائیں گے اور وہ شام تک شیطان سے محفوظ رہے گا
اور ارشام کو یہی کلمات کہے گا تو یہی اجر ملے گا۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔
صرف انہی وظائف پر بس نہیں۔ بلکہ اس کتاب کے صفحہ ۱۲ تا ۱۴ پر جو وہ (۱۲)
احادیث پاک پیش کی جا چکی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نام مطلقہ سے متعلق اذکار
اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ ان احادیث کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمایا جائے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ | اسلام کا تیسرا کلمہ تہجد ہے سُبْحَانَ
اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ اس کلمہ پاک
کا ایک حصہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ۔ اس کے معنی ہیں، نہیں ہے طاقت
اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ کے، گویا جس مضمون کو قرآن کریم میں علیٰ کل شیء قدیر سے
بیان فرمایا گیا ہے نہ صرف اس مضمون کو حدیث پاک لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ میں
بیان فرمایا گیا ہے۔ بلکہ غیر اللہ سے قدرت و طاقت کی نفی مستزاد ہے۔ قدرت و
طاقت اور قوت کا سرچشمہ صرف ذات پاک رب العزت ہے۔ اللہ کے سوا نہ تو
کسی کو قدرت و طاقت حاصل ہے نہ قوت۔ تو اس انداز اور ان الفاظ میں بھی
قدرت و اختیار کو اللہ تعالیٰ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔ اور غیر اللہ کے اختیار کی
مطلقاً نفی کی گئی ہے۔ اب دیکھئے یہ انداز و الفاظ ہی نبی کریمؐ کے وظائف میں شامل ہیں۔

۵۔ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی
گھر سے باہر نکلتے وقت کا وظیفہ | اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے باہر
نکلتے تھے تو یہ کہتے۔

بِسْمِ اللَّهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ | اللہ کے نام کے ساتھ، اور قدرت و
التکلات علی اللہ۔ طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے
اور اللہ کے سپرد ہوں۔

۶۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا، جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے اور کہے۔

لَا مُشْكُوتَ بَابٍ مَّا يَقُولُ عِنْدَ الصَّاحِ وَالْمَسَاءِ۔ ۱۔ ابن ماجہ باب ما یدعو ابہ الرجل اذا خرج...

265

١٥- "مشكوة" باب الدعوات في الاوقات، ٢٥ "مشكوة" باب ثواب التيسير - - - - -
 ٣٤- "لمدة المصاييح" باب ثواب التيسير - ٥٥ "مستدرك حاكم"، جلد اول ص ٥٠٣ كتاب الدعاء
 268

تقدیر کے قلم لکھ چکے اور رجسٹر خشک ہو چکے، رواد احمد و الترنیدی ۷
 سبحان اللہ! سوال کرنا، دعا کرنا۔ مدد طلب کرنا یہ اللہ ہی کی ذات ہے لازم ہے
 ماری دنیا بل کر بھی اللہ کی مشیئت اور تقدیر الہی کے خلاف کسی کو نہ تو کوئی فائدہ

١٥ مشكوة المعايير، "باب ثواب التبليغ
٢٥ "مشكوة المصايير"، باب التوكل والصبر

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بحوالہ دارقطنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ۱۷

ایک عظیم و معظم پتھر ہے۔ شعائر میں داخل ہے۔ اسے بوسہ دینا سنت ثابتہ و معمول صحابہ و امت ہے مگر حضرات شیخینؒ اس کے نافع و ضار ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تاکہ کل کوئی اس کی عظمت کی وجہ سے اسے نفع نقصان کا مالک نہ سمجھنے لگ جائے۔

حضرت محبوب سبحانیؒ کا ارشاد | سرخیل صلوات اللہ علیہ اجمعین امام الاولیاء سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ اور الفاظ مبارکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کس درجہ مشابہ ہیں۔

۱۔ وَانَّ الْخَلَائِقَ لَوْ جَعَلُوا اَنْ يَنْفَعُوا الْمَرْءَ بِمَا لَمْ يَقْضِهِ اللَّهُ تَعَالٰی لَمْ يَقْدُرْ عَلَیْهِ وَلَوْ جَعَلُوا اَنْ يَضُرُّوْهُ بِمَا لَمْ يَقْضِهِ اللَّهُ تَعَالٰی لَمْ يَسْتَطِيعُوْا كَمَا وَرَدَ فِیْ خَبَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ تَعَالٰی وَ اَنْ مَسَسَكَ اللّٰهُ بِضَرْفٍ فَلَا كَاشِفَ لَهُ الْاَصْرَ الْاٰتِیَ ۲۔ آپ کی مرض وفات میں آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ نے آپ سے وصیت کی است دعا کی تو فرمایا۔

۲۔ عَلَیْكَ بِتَقْوٰی اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَخَفْ اَحَدًا سِوٰی اللّٰهِ وَلَا تَرْجُ اَحَدًا سِوٰی اللّٰهِ رَبِّكَ الْحَرَجُ اِلَی اللّٰهِ وَلَا تَعْتَمِدْ اِلَّا عَلَیْهِ وَ اَطْلُبْهَا جَمِیْعًا مِّنْهُ تَعَالٰی وَلَا تَشِقْ بِاَحَدٍ غَیْرِ اللّٰهِ سُبْحَانَ خَذَا التَّوْحِیْدُ التَّوْحِیْدُ اَجْمَاعُ الْكُلِّ۔ ۳ قائم رہو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے۔

شیخ المشائخ ایک اور موقع پر رقمطراز ہیں۔

پہنچا سکتی ہے۔ نہ نقصان، نفع نقصان پہنچانا یہ صرف خاصہ خدا ہے۔ غیر اللہ کے اختیار و اقتدار کی نفی کا اس سے بہتر انداز اور کون سا ہو سکتا ہے؟

۱۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو عزم کے ساتھ دعا مانگے۔ اِنَّهُ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ وَلَا مَكْرَہَ لَہٗ۔ بالیقین وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں، (صحیح بخاری) ۱۷

ساری دنیا پر اس کی مشیت و قدرت غالب ہے کسی کی کیا مجال ہے جو اس قادر مطلق پر دباؤ ڈال سکے۔ زبردستی کر سکے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے فَعَالٌ لَّیْسَ لَہٗ لَوْ کِتَابَ اللّٰهِ کے ساتھ سنت رسول سے بھی اسی حقیقت کا وضوح و اثبات ہو کہ قدرت و اختیار خاصہ خدا ہے۔ نفع نقصان کا مالک واحد اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کے سوا کسی کو بھی نفع نقصان کا قطعاً کوئی اختیار نہیں۔

آثار صحابہ و اقوال سلف | کتاب و سنت کے بعد اب حضرات صحابہ و کبار اولیاء کے آثار و اقوال سے اللہ رب العزت

کے لئے اختیار و قدرت کا اثبات اور غیر اللہ کے لئے اس کی مطلق نفی ملاحظہ ہو۔

حجرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما و غیر ہم سے روایت

ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور حجر اسود سے فرمایا۔ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَنْتَ حَبْرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَا اَنْیَ سَرَّ اَبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یُقْبِلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ۔ (متفق علیہ) ۱۷ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

۱۷۔ ترجمان السنۃ جلد دوم حدیث نمبر ۶۳۹۔

۱۸۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب دخول المکة و اطوافہا، نیز مشوٰۃ امام مالکؒ باب تقبیل الرکن الاسود، ابوداؤد باب فی تقبیل الحجر اور ترمذی باب فی تقبیل الرکن میں بھی یہ روایت ہے۔

۱۹۔ تاریخ الخلفاء، فصل فیما روی عن ابی بکرؓ غنیۃ العالین جلد اول فصل بیان مذاب

۲۰۔ تکرر فتوح الغیب

۳۔ لَا يَمْلِكُ مَعَهُ تَعَالَى فِي مَلِكِهِ
أَحَدٌ شَيْئًا لَّا ضَائِرَ وَلَا نَافِعَ وَلَا
دَافِعَ وَلَا جَانِبَ وَلَا مَسْقَمَ وَلَا مَبْلَى
وَلَا مَعَانِي وَلَا مَبْرُئِي غَيْرَ لَّا تَسْتَعِذُ
بِالْخَلْقِ كَافِي الظَّاهِرِ وَلَا فِي الْبَاطِنِ
فَاتَّهَمُوا لَمْ يَغْنَوْا عَنْكَ مِنْ
اللَّهِ شَيْئًا۔

نہ کوئی نجات دینے والا۔ لہذا مخلوق میں مشغول نہ ہونے کا ظاہر نہ باطن، کیونکہ یہ بالیقین
اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔

اللہ اللہ! اعلیٰ علم و تقویٰ کے اس تاجدار نے کس زوردار انداز اور موثر
الفاظ میں اللہ رب العزت کی قدرت و اختیار کے اثبات کے ساتھ ساری مخلوق
تمام ماسوی اللہ کے اختیار کی مطلق نفی فرمائی ہے۔

مگر آج جھوٹے مدعیان تصوف غیر اللہ کے لئے اختیار ثابت کرنے اور انہیں
نفع نقصان کا مالک قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ مگر ان
تاجداران اعلیٰ ولایت و صدر نشینان مسند تصوف کے مقابلے میں ان کی
بے سند و بے دلیل بات ایک بڑے زیادہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ:-

کفار کا عقیدہ تھا کہ بت نفع نقصان کے مالک ہیں
مگر اسلام اس باطل عقیدہ کی نفی کرتا ہے!

سات مظلوم و مقہور اولین سابقین اصحاب رسول کو خرید کر آزاد فرمایا، ان میں ایک
مظلوم صحابیہ حضرت زینبہؓ بھی تھیں:-

۱۔ وَأَصِيبُ بَصْرًا حِينَ اتَّقَاهَا
فَقَالَتْ قَرِيشٌ مَا أَذْهَبَ بَصْرًا
جَبَّ أَنْهَبِي (خرید کر) آزاد کیا گیا تو ان
کی بیٹائی جاتی رہی، قریش کہنے لگے اس

اللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ فَقَالَتْ كَذَبُوا
وَبَيَّتَ اللَّهُ مَا تَصْنَعُ اللَّاتُ
وَالْعُزَّىٰ مَا تَنْفَعَانِ مِنَ اللَّهِ بَشَرًا
تَوْنَقْصَانِ بَهِنِجَا سَكْتَنِي
۲۔ علیٰ ہذا مشرکین مکہ جنگ میں بتوں کو پکارتے تھے۔ غزوہ احد میں فرمایا:-
نادی المشركون بشعارهم: يَا
لِلْعُزَّىٰ يَا لِهَبْلَ! اے عززی! اے ہبل!
احد ہی کے دن فتح کے نشے میں مخمور ہو کر ابوسفیان نے ہبل کی جے
پکارتے ہوئے کہا تھا:-

أَعْلَىٰ هَبْلٌ أَعْلَىٰ هَبْلٌ۔
حضورؐ نے فرمایا تم اس کو جواب نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کن الفاظ
سے یا رسول اللہ؟ فرمایا تم کہو:-

اللہ اعلیٰ واجل۔ اللہ ہی سب سے بالا ہے اور اللہ ہی بڑی شان والا ہے۔
اس سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے نادر و حیرت انگیز واقعات اور انکی ایمان افروز کرامات! (الہامی)

کو اس ایمان و یقین میں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی چیز نفع نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس درجہ غلو تھا کہ وہ انبیاء
میں ان کی خداداد تاثیر و خاصیت کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اپنے اس یقین کامل کی بنا پر مؤثر حقیقی اللہ رب العزت
کا نام لے کر سمندر میں کود پڑتے تھے اور نہیں ڈوبتے تھے، آگ کے شعلوں میں ڈالے جاتے تھے اور نہیں جلتے
تھے، زہر بھانک لیتے تھے اور نہیں مرتے تھے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱۔ خلافت صدیقی میں حضرت علاء الدین الحضرمی نے بحرین کے مرتدین پر حملہ کر کے انہیں گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا،
چونکہ وہ کشتیوں میں سوار ہو کر دارین پہنچ گئے دارین خلیج فارس کا ایک جزیرہ ہے ساحل سے بذریعہ کشتی
چوبیس گھنٹوں کی مسافت پر!

حضرت علاء الدین الحضرمی نے ان کے تعاقب میں اس جزیرے پر حملہ کا فیصلہ کیا مگر کشتیاں تھکی نہیں،
لہذا انہوں نے اپنے لشکر سے خطاب میں فرمایا:- "اللہ تعالیٰ سمندر میں بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا

۱۔ "سیرت ابن ہشام" جلد اول ص ۳۴۰ و "اسباع" و "أصانہ ترجمہ حضرت زینبہؓ ص ۱۰۰
۲۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۴۲ صحیح بخاری باب غزوہ احد۔

سکتا ہے۔ لہذا تم سمندر میں کود پڑو، سارے لشکر نے کہا: "ہمیں کوئی خطرہ نہیں" اور پورے لشکر نے تو کلاً علی اللہ سمندر میں اپنے اونٹ گھوڑے، نچر اور گدے ڈال دیئے۔ حضرت علامہ اور سارے لشکر نے یہ دعا کی: یا ارحم الراحمین! یا کریم! یا حلیم! یا احد! یا صمد! یا حی! یا قیوم! لا الہ الا انت یا ربنا۔ اللہ کے حکم سے سب پار ہو گئے وہ سمندر میں ایسے جا رہے تھے جیسے نرم ریت پر چل رہے ہوں، سمندر کے پانی سے اونٹوں کے صرف پاؤں نرم ہوئے۔ دارین پہنچ کر تمام مرتدین کو قتل کر دیا، (لشکر کے ایک جرنیل) حضرت عقیف بن المنذر نے اس واقعہ پر کہا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ ذَلَّ بِحُرِّهِ
وَ اَنْزَلَ بِالْكَفْلِ اَحَدِي الْجَلَابِلِ
دَعَوْنَا الَّذِي شَقَّ الْبَحَارَ، فَجَاءَنَا
بِاَعْجَبٍ مِنْ قُلُقِ الْبَحَارِ الْاَوَّابِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو باج کر دیا اور کفار پر ایک مصیبت عظمیٰ ڈال دی ہم نے اس ذات کو پکارا جس نے سمندر کو بھار دیا تھا۔ پس وہ ہماری مدد کو آئے پیچھا دو اور پہلی دفعہ سمندر کو بھار دینے کی نسبت زیادہ عجب انداز میں ان پہنچا۔

۲۔ عبد صلیقی میں اسود غسی کذاب حضرت عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی کو اپنی نبوت کے انکار اور رسالت محمدی کے اقرار پر آگ کے شعلوں میں ڈال دیا مگر آگ نے ان کا بال بھی بیک نہ کیا۔ یہ خلافت صدیقی میں مدینہ آئے۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں گلے لگالیا، اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس وقت تک نہ مارا جب تک مجھے امت محمدیہ میں ایسا شخص نہ دکھایا جس کے ساتھ وہی معاملہ ہوا جو ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ساتھ ہوا تھا (استیعاب) ترجمہ ابو مسلم خولانی

۳۔ اسی طرح مشہور ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک موقع پر زہر ملا بل پھانک لی مگر زہر نے ان پر کچھ بھی اثر نہ کیا۔

کتاب اللہ اور سنت رسول، آثار صحابہ

یہ گندہ عقیدہ کہاں سے درآمد ہوا اور اقوال و ارشادات فقہاء امت و ادبیاء اللہ رحمہم اللہ سے یہ ثابت ہے کہ تصرف و اختیار صرف ذات پاک رب العزت کا حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا خیر و شر اور رفع نقصان کا مالک کوئی بھی نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے اختیار کا گندہ عقیدہ مسلمانوں میں کہاں سے درآمد ہوا؟

اس عقیدہ کا ماخذ تیشع ہے۔ یہ اہل تیشع کا ایمان و عقیدہ ہے کہ تدبیر امور خفیہ کہ خلق مخلوق اور تحصیل و تحریم کا اختیار نبی کریمؐ اور ائمہ کو حاصل ہے۔ چنانچہ شیعوں کی بنیادی کتاب اصول کافی میں ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَوَضَّ اِلٰی نَبِيِّهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرًا خَفِيًّا

دوسرے مقام پر ہے:- فَمِمَّ يَخْلُقُونَ مَا يَشَاءُونَ وَ يَجْرِمُونَ اَيْشًا

۱۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے سمندر میں راستے بنانے کی طرف اشارہ ہے۔
۲۔ اہل جبری جلد میں ۵۵۵ اور ۵۵۶ ص ۵۵۵ و ۵۵۶ ص ۵۵۵ باب النفیض الی رسول اللہ

شیخ المشائخ امام الاولیاء حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ رقم فرماتے ہیں:-
مفوضہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے امور کی تدبیر ائمہ کے سپرد کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق عالم اور تدبیر کائنات پر قادر فرما دیا ہے۔
اور دنیا کی کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں کی۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ کے حق میں کہتے ہیں کہ خلق و تدبیر عالم اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کر دیا۔

وَاَمَّا الْمَفُوضَةُ فَمِمَّ يَخْلُقُونَ اِنَّ
اللّٰهَ تَعَالٰی فَوَضَّ تَدْبِيرَ الْخَلْقِ اِلٰی
الْاَئِمَّةِ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ اَقْدَرَ
النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ
خَلْقِ الْعَالَمِ وَ تَدْبِيرِ الْخَلْقِ
وَ اَنَّ كَانَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ ذَلِكَ
شَيْئًا وَ كَذَلِكَ قَالُوا فِي حَرْبٍ
عَلِيٍّ

مفوضہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی کریمؐ یا حضرت علیؓ کو ذاتی ذاتی قدرت و اختیار حاصل ہے۔ ان کا ایمان و یقین یہ تھا کہ اللہ

رب العزت نے انہیں خلق و تدبیر عالم کے اختیار ات تفویض کر دیئے ہیں، اسی طرح کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مشرکین کا بھی اپنے معبودین سے متعلق یہ ایمان و یقین نہیں تھا کہ وہ ان کی مشکل کشائی و حاجت روائی پر ذاتی طور پر قادر ہیں۔ نہ وہ اپنے معبود اللہ کے نیک اور صالح و مقبول بندوں کو صفات ربانی میں ذاتی طور پر شریک مانتے تھے، ان کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ اللہ کے یہ بندے ہمیں خدا سے قریب کر سکتے ہیں، بارگاہ الہی میں ہماری سفارش کر کے ہمارے کام کر سکتے ہیں۔

گو یا وہ بالواسطہ طور پر اپنے معبودوں کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے اور ان کی من جانب اللہ عطائی ملک و قدرت پر ایمان رکھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین طوان کرتے وقت کہتے تھے لَيْسَ لَكَ لَأَشْرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكَ هَؤُلَاءِ تَمْلِكُهُ دَمَا مَلَكَ ... ۱۵

یعنی مشرکین کہہ کھتے تھے کہ اے اللہ! ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں، تیرا کوئی

۱۵۔ تائید طالبین حصہ اول فصل اصناف الرافضیہ۔ ۱۵ صحیح مسلم باب التلبیہ۔

شریک نہیں، مگر وہ آپ کا شریک (مزدور) ہے، جس کا تو مالک ہے اور اس کی تمام مملوکات کا بھی تو ہی مالک ہے۔

تو وہ ذاتی طور پر کسی کو بھی ملک و قدرت میں خدا کا شریک نہیں مانتے تھے اور جن کو وہ خدا کا شریک مانتے تھے، ان میں عطائی قدرت و مالکیت اور اختیار و اقتدار کے قائل تھے نہ کہ ذاتی طور پر انہیں قائل و مالک مانتے تھے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:-

اعْلَمْ أَنَّ لَيْسَ فِي الْعَالَمِ أَحَدٌ يُشَبِّهُ
لِلَّهِ شَيْئًا كَيْسَاوِيَهُ فِي الْوُجُودِ
وَالْقُدْرَةِ وَالْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ وَهَذَا
مِمَّا لَمْ يُوجَدْ إِلَى الْآنِ
وقت تک (دنیا میں کہیں) موجود نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی صفات، قدرت علم اختیار و ملک جو بھی ہیں ذاتی ہیں، اس طرح ذاتی صفات کا مالک دنیا میں کسی مشرک نے اپنے معبودین کو نہیں مانا۔ جس نے مانا اپنے معبود کو عطائی صفات کا مالک مانا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ ملک و قدرت اور علم و حکمت عطاء کی ہے۔ مالک حقیقی نے یہ صفات انہیں بخشی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:-
ان (مشرکین) میں سے بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ بیشک آقا اور مدبر تو اللہ ہی ہیں
لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو بزرگی اور
الشرف والتأله يجعله مُتَصَرِّفًا
فی بعض الامور الخاصة۔
الوہیت کا لباس پہنا دیتا ہے اور ان کو بعض خاص کاموں کا اختیار دے دیتا ہے۔

اس وجہ سے ایسے اشخاص کو بندگان خدا (عباد اللہ) کہنے کی لوگوں کو جرات نہیں ہوتی وہ ان کو ابن اللہ اور محبوب اللہ کہتے ہیں اور اپنا نام ایسا رکھتے ہیں جن میں ان کا عبد (غلام) ہونا ظاہر ہو جیسے عبد المسیح اور عبد العزیز۔

هَذَا مَرَضُ جَمْعٍ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى
وَالْمُشْرِكِينَ وَبَعْضُ الْغُلَاةِ مِنْ
مَنَافِقِ دِينَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
یہ مرض عام یہود و نصاریٰ مشرکین اور
آج دین محمدی کے بعض غالی منافقوں کو
لاحق ہے۔

عام یہود و نصاریٰ اور مشرکین تو اس مرض میں مبتلا تھے ہی وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیارات کا مالک یقین کرتے تھے، اپنے آپ کو ان کا غلام اور عبد سمجھتے تھے اور اپنے نام عبد المسیح اور عبد العزیز وغیرہ رکھتے تھے مگر آج بعض مسلمان کہلانے والے بھی اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں وہ بھی حضرات انبیاء و اولیاء کو عطائی اختیارات کا مالک سمجھتے ہیں۔ اپنے نفع نقصان اور سود و زیاں کا اختیار انہیں دیتے ہیں۔ دکھ، درد مصیبت اور تکلیف کے وقت انہیں پکارتے ہیں، انہیں اپنا آقا، مالک و مختار جانتے ہیں، خود کو ان کا عبد (غلام) مانتے ہیں اور اپنا نام عبد الرسول، عبد الہی وغیرہ رکھتے ہیں۔ حضرت محدث دہلویؒ انہیں دین محمد کے غالی منافقوں کہتے ہیں، الْغُلَاةِ مِنْ مَنَافِقِ دِينَ مُحَمَّدٍ۔

کتاب اللہ سے نہایت صراحت کے ساتھ قدرت اور علم غیب اور ہر جگہ
خلاصہ ہر وقت حاضر و ناظر ہونا یہ تین صفات خاص اللہ رب العزت کے لئے
ثابت ہوتی ہیں، اور غیر اللہ سے واضح طور پر ان تینوں صفتوں کی بار بار نفی کی گئی
ہے، اللہ کے محبوب رسول قرآن کریم میں بھی اور احادیث صحیحہ میں بھی اپنے لئے
ان تینوں صفات کی بصراحت نفی فرما رہے ہیں، پھر حضرات صحابہ و تابعین اور
اہل ائمہ دین و اکابر اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی ان صفات کو غیر اللہ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے لئے بھی ثابت کرتے اور ماننے کو صاف صاف کفر قرار دے رہے ہیں
تو پھر انکل پچو باتوں اور جاہل دسے دین لوگوں کی ہزلیات و خرافات کی بناء پر قدرت و
اختیار یا علم غیب یا حاضر ناظر ہونا کسی غیر اللہ کسی ولی، کسی نبی حتیٰ کہ خود حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی صفت و شان قرار دینے کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر یہ صفات کم از کم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہوتیں تو چونکہ یہ عقیدے کا مسئلہ تھا لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ

بحث نور و بشر

اپنے عقیدہ اور مسلک کی وضاحت !

ہمارا اور ہمارے تمام اکابرین علماء دیوبند کثر اللہ سوادھمہ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص افضل البشر سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ اسی بے ادبی اور توہین گناہ کبیرہ ہے بلکہ ایمان ضائع ہونے کا خوف ہے۔ علماء حق کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت و عشق اور عقیدت ہے بتدعین کے دل میں اس کا عشر عشر بھی نہیں! یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اکابرین کے سینوں کو قرآن و حدیث کے علوم و معارف سے مملو فرمایا ہے اور ان کے تدریسی و تفسیری خدمات سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز تاقیامت دنیا ان کے فیض سے مستفیض ہوتی رہے گی، اور بفضل تعالیٰ تارہتی دنیا یہ فیض جاری رہے گا۔ (دَاللُّهُ مُتِمِّمٌ نُّوْرِهِ وَكَوْكَبُهُ الْمُشْرِیْکُوْنَ ط)

قارئین کرام! اب آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جابجا بشرفرمایا ہے۔

بحکم خداوندی آپ کا اعلان کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں !

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں

اپنی کتاب پاک قرآن کریم میں صاف صاف فرمادیتے کہ میرے محبوب رسول کو بھی میری طرح قدرت و اختیار، علم غیب اور ہر جگہ ہر وقت حضور و شہود حاصل ہے تم انہیں بھی قادر و قدیر، عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانو۔ ورنہ مسلمان نہیں رہ سکتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قادر و متصرف، عالم الکل، اور حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ فرماتے، لوگوں کو اسے ماننے کی دعوت دیتے، نہ ماننے والوں کو وعید شدید کا مستحق قرار دیتے، پھر اصحاب رسول و سلف صالحین کا ہر فرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار و اختیار عامہ علم بسیط و محیط اور ہمہ وقت ہر جگہ حاضر و موجود ہونے کی صفات سے متصف مانتا، حدیث و فقہ کا ہر امام آپ کو علیٰ کُلّ شئی قلید اور عالم الغیب تسلیم کرتا اور جمیع ائمہ عقائد و کلام اپنی مصنفات میں اس عقیدہ کو صراحت کے ساتھ رقم کرتے، اور اسلاف میں یہ عقیدہ عام شائع ہوتا۔

بہر حال کتاب و سنت اور توابع سنت سے یہ ثابت ہو گیا کہ علم غیب حضور و شہود اور اقتدار و اختیارِ کل یہ تینوں صفات خاصہ خدا ہیں۔ پھر یہی تینوں صفات اصل و اساس عبادت و لوازم الوہیت ہیں۔ جب عبادت کی بنیاد انہی تین صفات پر قائم ہے لہذا یہ تینوں صفات خاصہ خدا ہیں تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عبادت خاصہ خدا ہے اور اس میں خدا کے سوا کسی کا بھی کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کوئی بندہ خدا کسی غیر خدا یعنی کسی نبی یا ولی کو ان تینوں صفات یا ان میں سے کسی ایک صفت سے متصف جانتا ہے، یعنی کسی بزرگ کو ہر جگہ حاضر و موجود یا عالم الغیب یا ہر بات پر قادر اور صاحب اختیار یقین کرتا ہے تو وہ گویا اسے اپنا الہ یعنی خدا مانتا ہے، خواہ زبان سے اسے خدا نہ کہے بلکہ پیر و مرشد یا ولی اور نبی کہے، کیوں کہ جب یہ صفات خاصہ خدا ہیں تو کوئی شخص جس میں یہ صفات مانے گا گویا وہ اس شخص کا خدا ہوگا، گو درحقیقت وہ خدا نہیں۔

جیسے ایک شخص مانتا ہے کہ فلاں صاحب کا اس کی ماں کے ساتھ نکاح ہے اور وہ صاحب خانہ ہے پھر یہ بھی مانتا ہے کہ میں اپنی ماں کے بطن سے اس نکاح کے بہت مدت بعد پیدا ہوا ہوں اور ہمارا نان و نفقہ سب اس پر ہے۔ تو اب وہ صاحب اس شخص کا باپ ہوگا خواہ یہ ناخلف اسے باپ نہ مانے اور واقعہ میں بھی وہ اس کا باپ نہ ہو بلکہ یہ شخص کسی دوسرے آدمی کا خون ہو۔ لیکن شرعاً قانوناً اور عرفاً بھی وہ صاحب اس کا باپ ہے، کیونکہ باپ کی صفات خاصہ اس میں موجود ہیں۔

یوحیٰ اِلَیَّ اَنْ اَنَا اللّٰهُ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
(سورہ کہف پ ۲ رکوع)
(۲) قُلْ سُبْحٰتِ دِیْنِ هَلْ
کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا
رَّسُولًا (بنی اسرائیل
پ ۲ رکوع)
(۳) قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ
اَنْ اَنَا اللّٰهُ کُفِّرَاللّٰهُ
وَّاحِدٌ (سورہ حم سجدہ
پ ۲۴، ذکر خ ۱۵)
ہے۔

بھی تم جیسا بشر ہوں، میری طرف
وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک
ہی معبود ہے۔
آپ کہہ دیں میرے رب کی
ذات (شرکیوں سے) پاک ہے
میں بھی تمہارے ہی جیسا بشر
رسول ہوں۔

آپ کہہ دیں کہ میں بھی
تم جیسا بشر ہوں میری طرف
وحی آتی ہے کہ تمہارا
معبود ایک ہی معبود
ہے۔

نصاریٰ نجران کے جواب میں فرمایا!

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۴) مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّوْتِیَہُ
اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَہُ
وَالنَّبُوۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ
لِلنَّاسِ کُونُوْا عِبَادًا لِّیْ
مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ
(سورہ آل عمران پ ۲ رکوع)

کسی بشر کی شان کے لائق
نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم شریعت
اور نبوت عطا کرے پھر وہ
لوگوں کو یوں کہے کہ میرے
بند بن جاؤ، اللہ
کے سوا،

یہود و نصاریٰ کے یہودہ دعویٰ کا رد فرمایا!

(۵) مَا قَدَّحَ دُوَاللّٰہِ حَقِّ
قَدْرِہِمْ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ
اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ
الَّذِیْ جَاءَ بِہِ مُوسٰی
(الحج پ ۲ سورہ انفار رکوع)
ان لوگوں نے اللہ کی قدر
نہیں کی جیسے اس کی قدر کیا حق تھا،
جب انہوں نے کہا، کہ اللہ نے بشر پر کوئی
چیز (وحی کی قسم میں سے) نہیں اتاری
آپ فرمادیں کہ وہ کتاب جو موسیٰ
لیکھ آئے کس نے اتاری۔

مزید وحی کے متعلق فرمایا!

(۶) مَا کَانَ بِبَشَرٍ اَنْ یُّعْطِیَہُ
اللّٰہُ الْاَدْوِیَّۃَ اَوْ مِنْ دُوْنِ
حِجَابٍ اَوْ یُّوْسِلَ دُّسُوْلًا
فَیُوْحِیْ بِاٰذِنِہٖ مَا یَشَآءُ
اِنَّہٗ عَلٰی حَکِیْمٍ
(سورہ الشوریٰ
پ ۲۵، ذکر ع ۶)

کسی بشر کی شان کے لائق
نہیں، کہ اللہ تعالیٰ اس کیساتھ
کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے
یا پردہ کے پیچھے سے، یا رسول
بھیجے پھر وہ وحی کرے اس کے حکم
سے بے شک وہ مہلک
حکمت والا ہے۔

مذکورہ صدرتین آیات میں حق تعالیٰ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے اپنی بشریت کا اعلان کروایا، اور حکم فرمایا کہ آپ واضح الفاظ میں لوگوں
سے کہہ دیں کہ میں بھی تم جیسا انسان اور بشر ہوں یعنی میں کوئی خدائی دعویٰ
نہیں کرتا، تاکہ کسی کو آپ کی بشریت میں کوئی شک و شبہ نہ رہے اور

آپ کو اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت میں کوئی شریک نہ بنائے۔

پرتھوی آیت میں نجران کے عیسائیوں کے ایک ذند کا ذکر ہے۔ علاوہ نجران سے عیسائیوں کا ایک ذند حضور کے پاس آیا، حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کیلئے آپ سے بحث مباحثہ شروع کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لا جواب ہو گئے اور آپ کے دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے تو عاجز ہو کر بعض اُن میں سے کہنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کریں؟ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا معاذ اللہ خدا کی پناہ کہ میں کسی سے اپنی پوجا کروں یا کسی کو غیر اللہ کی پوجا کا حکم دوں یا خود غیر اللہ کی پوجا کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے یہود و نصاریٰ کو جواب دینے ہوئے فرمایا، کہ کسی آدمی اور بشر کی شان کے لائق نہیں کہ اللہ تم اس کو کتاب و حکمت اور منصب نبوت اس لئے عطا کرے کہ وہ لوگوں کو خدا سے واحد کی بندگی، عبادت اور توحید کی طرف دعوت دے۔ پھر وہ لوگوں کو یوں کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، یہ بات کہنا اس کی شان کے مناسب نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بے قول مبتدعین اگر بشر کہنے میں پیغمبر کی بے ادبی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ نجران کو جواب دیتے ہوئے آپ کے متعلق ”مَا كَانَ لِبَشَرٍ“ کیوں فرمایا؟ اس کے بجائے ”مَا كَانَ لِنَبِيٍّ“ ”مَا كَانَ لِرَسُولٍ“ یا ”مَا كَانَ لِمُحَمَّدٍ“ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا؟ جیسا کہ عزہ اُحد کی غنیمت کے موقع پر فرمایا۔ (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَخْلُتَ) (نبی کی شان نہیں کہ وہ غنیمت کے مال میں سے کسی چیز میں خیانت کرے۔ ایسے میں اُسامی بدر کے متعلق فرمایا، (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ أَنْ يَكُونَ لَهُ حَتَّى يُنْجَحَ فِي الْأَسْرِ) (نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اپنے پاس

تیدیوں کو رکھے جب تک خوب خونریزی نہ کر لے، ایسے ہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے لئے مغفرت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ
يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ
وَلَوْ كَانُوا
أُولَئِكَ قُرْبَىٰ ه

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور
دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں
کہ مشرکین کیلئے مغفرت کی دعا
مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار
ہی (کیوں نہ) ہوں۔

ایک دوسرے مقام پر معجزہ اور نشانی لانے کے متعلق فرمایا!

مَا كَانَ لِرَسُولٍ
أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا
بِإِذْنِ اللَّهِ ط

کسی رسول کے اختیار
میں نہیں کہ کوئی نشانی (معجزہ وغیرہ)
ظاہر کرے مگر اللہ کے حکم سے۔

سورۃ الاحزاب بائیسویں پارہ کے شروع میں حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ
مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا
مردوں میں سے کسی کے باپ
نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اور نبیوں کی مہر ہیں یعنی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں! اب
مبتدعین حضرات ہی بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے متعلق (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ) یا (مَا كَانَ لِرَسُولٍ)، (مَا كَانَ لِمُحَمَّدٍ)
(صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے الفاظ چھوڑ کر (مَا كَانَ لِبَشَرٍ) فرمایا ہے تو کیا

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی خود بے ادبی کی ہے ؟ (العیاذ باللہ) حالانکہ اللہ جل شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی گستاخی اور بے ادبی سے منع فرمایا ہے، اور معمولی سی بے ادبی کی وجہ سے زندگی بھر کے اعمال ضائع ہونے سے ڈرایا ہے، اور آپ کو اونچی آواز کے ساتھ پکارنے اور بلانے سے روکا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد گرامی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ
فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا
تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ
لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ
لَا تَشْعُرُونَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر مت بلند کرو اور ان کو تم اونچی آواز سے مت پکارو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

مزید ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ
أَمْرًا لَهُمْ عِنْدَ رَسُولٍ
الَّذِي أَدْلٰكَ الَّذِينَ
امْتَحَرَتِ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ
لِتَقْوَى ۝

بلا شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول کے سامنے اپنی آواز کو پست کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ
دُونِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ ۝ (پتہ سرہ اجرات)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر پکارتے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو بے عقل ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب سکھائے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی مجلس میں ایمان والوں کو تین آداب کی تعلیم فرمائی ان میں سے ایک کو شروع سورۃ میں ذکر فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَقْعُدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ
وَسُؤْلِهِ ۝

یعنی اے ایمان والو! تم کسی بھی قول یا فعل میں خدا اور رسول سے آگے نہ بڑھو، پیش قدمی مت

مت کرو۔ جب تک پیغمبر کچھ نہ کہے تم خاموش رہو۔

دوسرے یہ کہ پیغمبر کے سامنے ادب سے رہو ان کے پاس اپنی آوازیں اُن کی آواز پر بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہاری آوازیں بلند کرنا ضبط اعمال کا سبب بن جائیں۔ ایسے ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے سامنے درود و سلام بہت اونچی آواز سے پڑھنا منع ہے، اور علماء نے فرمایا ہے کہ جہاں آپ کی حدیث پڑھی جا رہی ہو یا آپ کے ارشادات سنائے جا رہے ہوں وہاں بھی اونچی آواز سے بولنا، شور و غل کرنا آداب کے خلاف ہے۔ تیسرا ادب یہ سکھایا ہے کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر بلند آواز سے پکارتے ہو، اس طرح بے مہابا بلند آواز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مت پکارو۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی تھی اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کے بعد آپ سے ایسے بولوں

گاجیہ کوئی کسی کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے اتنے آہستہ بات کرتے تھے کہ دوبارہ پوچھنا پڑتا۔ اور ایک صحابی جن کا نام ثابت بن قیسؓ ہے۔ یہ طبعی طور پر جبر الصوت تھے یعنی طبعاً ان کی آواز بلند تھی یہ آیت سن کر بہت پریشان ہوئے اور ڈر گئے، اپنی آواز کو پست کرتے تھے اور روتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے ان بزرگ ہستیوں کے حق میں فرمایا۔ بے شک جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لئے جانچ لیا ہے۔ یعنی ان کے قلوب کو خوب مانج کر تقویٰ کی تخمیری کے لئے خالص کر دیا ہے! (اللہ اکبر) کیا شان ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ تقویٰ اور پرہیزگاری کا بیج ڈالیں۔ اس کے برعکس جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارتے ہیں جیسے بنو تمیم کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں آرام فرما رہے تھے۔ یہ لوگ دیہاتی بن ہیں آپ کا نام لے کر پکارنے لگے، (يَا مُحَمَّدُ اُخْرِجِ الْيَتَا) اے محمد باہر ہمارے پاس آئیے! اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا جو لوگ آپ کو نام لیکر پکارتے ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور پیغمبر کے آداب سے بھی نادانگاہ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گنوار نے بلند آواز سے کہا ”يَا مُحَمَّدُ“ آپ نے غصے میں اس طرح بلند آواز سے جواب دیا میں یہاں ہوں کیا کہتے ہو؟ یعنی آپ کو غصہ آیا کہ یہ شخص کیسی بے ادبی سے مجھے نام لے کر پکار رہا ہے۔

تاریخ کرام! ملاحظہ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سید الانبیاء خاتم النبیین

صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تعلیم فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بولنے اور آپ کو نام لے کر پکارنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن مبتدعین کو اس کی کیا پرواہ ہے اُن کو تو اپنے خود ساختہ عقیدے کا تحفظ اور بول بالا چاہیے جلسوں اور میلادوں میں لاڈل سپیکر کے آگے گلے پھاڑ پھاڑ کر عوام کا الانعام کو کہتے ہیں دم بدم پڑھو درود حضرت بھی ہیں یہاں موجود۔ شاعر نے کیا ہی خوب کہا،

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے
بس مبتدعین کا بھی یہی حال ہے کہ اپنی من گھڑت، خود ساختہ بدعات کو
خوب چمکاؤ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس کا نام عشق
اور محبت رکھ لو!

پانچویں آیت میں یہود معاندین کی ایک معاندانہ بات کا رد فرمایا۔ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم بھی ہمارے جیسے بشر ہو، اللہ تعالیٰ نے بشر پر کتاب کی قسم میں سے کوئی چیز نہیں اتاری۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان منکرین نے اللہ کی قدر نہیں کی اور اس کو پہچانا نہیں جیسے اُس کو پہچاننے کا حق تھا جب انہوں نے پیغمبر سے کہہ دیا، کہ اللہ تعالیٰ نے بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے پوچھیں کہ حضرت موسیٰؑ کا بشر ہونا تم تسلیم کرتے ہو اور انکی کتاب تورات کو بھی سچا مانتے ہو وہ کتاب بشر پر کس اتاری؟ چھوٹی آیت کا مطلب بھی وہی ہے جو آیت نمبر چار کا ہے یعنی کسی بشر کو یہ طاقت اور مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُسے بالمشافہ کلام کرے مگر اشارہ سے، یعنی نبی کے حل میں کوئی بات القا کر دے، یا پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر پس پردہ کلام فرمایا، یا کسی

سابقہ انبیاء علیہم السلام کا اپنا خود اقرار کہ ہم بھی تم جیسے بشر ہیں!

ارشاد خداوندی ہے۔

ان لوگوں سے ان کے پیغمبروں
نے کہا کہ یقیناً ہم بھی تم جیسے بشر
ہیں لیکن خدا اپنے بندوں میں
سے جس پر چاہتا ہے احسان
کرتا ہے۔

(۹) قَالَتْ لَهُمْ مُرْسَلُهُمْ
إِنْ كُنْتُمْ إِنْشَاءً فَمَا كُنْتُمْ بِبَشَرٍ
وَلَكِنَّ اللَّهَ يُكْمِلُ عَلَى
مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ

حق تعالیٰ کا ارشاد کہ آپ پہلے کوئی پیغمبر دنیا میں ہمیشہ نہیں رہا!

اور ہم نے آپ سے پہلے
بھی کسی بشر کے لئے دنیا میں ہمیشہ
رہنا تجویز نہیں کیا۔ پس اگر
آپ وفات پا جائیں گے تو کیا
وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۱۰) وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ
الْخُلْدَ أَفَ أَنْتَ مِنْهُمْ
الْخَالِدُونَ
(سورہ الانبیاء
پا. رکوع ۳)

قارئین کرام سے مخلصانہ التماس ہے کہ وہ قرآن کریم کی پیش کردہ
آیات کو پڑھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ بقول مبتدعین پیغمبر کو بشر کہنا بے ادبی
ہے تو اللہ تعالیٰ نے جا بجا پیغمبر کو بشر کیوں فرمایا؟ اب مناسب معلوم
ہو تاہم کہ قارئین کرام کی مزید تسلی کے لئے چند احادیث بھی
ذکر کر دی جائیں۔

فرشتہ کو پیغام دے کر بھیج دے، پھر وہ اللہ کے حکم سے نبی کے دل پر القا کرے۔
سوال یہ ہے کہ منکرین کا اعتراض عام بشر پر نہیں تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات اقدس پر تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں فرمایا مَا كُنْ لِبَشَرٍ
کسی بشر کی شان کے لائق نہیں، اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ
ہے چونکہ عام مشرکین اور موجودہ مبتدعین کا یہ باطل عقیدہ ہے کہ نبوت اور بشریت
میں منافات ہے، لہذا اس کی تردید فرمائی اور مشرکین کو باور کرایا گیا کہ سب پیغمبر
بشر تھے اُن کو بشر کہنا کوئی گستاخی یا بے ادبی نہیں، اور نہ ہی بشریت اور
نبوت میں کوئی منافات ہے، چنانچہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

بے شک میں ایک بشر کو
پیدا کرنے والا ہوں بجھے والا
سیاہ گارے سے سو جس وقت
میں اس کی صورت بنا کر درست
کر لوں اور اپنی طرف سے اس میں
روح پھونک دوں تو تم اس
کے سامنے سجدہ کرو۔

جس وقت آپ کے رب نے
فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی (مٹی)
سے بشر پیدا کرنے والا ہوں
پس جب میں درست کر لوں اور
اُس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں
تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا،

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ
مِّنْ حَمَإٍ مَّسْلُوبٍ هَٰذَا ذَا
سَوِيَّتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ
مِنْ رُّوحِيْ فَسَجَدُوا
لَهُ سَاجِدِينَ

(پا. سورہ الحجر)

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ
فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ
فِيْهِ مِنْ رُّوحِيْ فَسَجَدُوا
لَهُ سَاجِدِينَ
(سورہ ص ۲۳، رکوع ۴)

حضور اقدس ﷺ کا خود اپنا ارشاد کہ میں بھی تم جیسا بشر ہوں!

پہلی حدیث -

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَرِيدَ فِي
الْقُلُوبِ فَقَالَ مَا ذَاكَ
قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا
فَسَجَدَ سَجْدَةً تَبَيَّنَ
بَعْدَ مَا سَلَّمَ
وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ
مِثْلُكُمْ أَنَسَى
كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا
نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي هـ
(متفق عليه مشکوٰۃ ص ۱۴۷)

دوسری حدیث -

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں
کہ حضورؐ نے ظہر کی پانچ رکعتیں
پڑھائیں، عرض کیا گیا، حضرت
نماز میں کیا کچھ زیادتی ہو گئی ہے،
آپؐ نے فرمایا، کیا ہوا، صحابہؓ نے
عرض کی آپؐ نے پانچ رکعتیں پڑھائی
ہیں، چنانچہ آپؐ نے سلام کے بعد
دوسجدے ادا کئے، اور ایک
روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا
میں بھی تم جیسا بشر ہوں میں بھی
بھول سکتا ہوں، جیسے تم بھولتے
ہو، پس جب میں نماز میں بھول جاؤں
تو مجھے یاد کر دیا کرو۔

حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خطبہ ارشاد
فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے یہاں
تک کہ آپؐ نے فرمایا: انا بعد!

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ
قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ يَوْمًا
خَطِيبًا إِلَى أَنْ نُسِمَ
قَالَ أَمَّا بَعْدُ !

اَلَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا
بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِي
رَسُولُ رَبِّي فَأَجِيبُوا وَاَنَا
تَارِكٌ فَبَيْنَكُمْ التَّقْلِيْلُ
اَوَّلُهَا كِتَابُ اللَّهِ
بَيْنَهُ الْمُسَاوَاةُ اَوَا نَسْتَمْسِكُوْا
بِهِ فَحَثَّ عَلَى
كِتَابِ اللَّهِ وَسَرَّعَ
بَيْنَهُ ثُمَّ قَالَ
وَاَهْلُ بَيْتِي اُذْكُرُوْكُمْ
اللَّهُ فِيْ اَهْلِ بَيْتِيْ
اُذْكُرُوْكُمْ اللَّهُ ط
(رواہ مسلم، مشکوٰۃ
ص ۵۶۰)

تیسری حدیث -

عَنْ دَافِعِ بْنِ خَدِجٍ
قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُوَ
يَأْتِرُونَ النَّخْلَ فَقَالَ

حضرت رافع بن خدیجؓ
فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم مدینہ شریف لائے
تو دیکھا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ

لے لوگوں میں بھی ایک بشر ہوں
قریب ہے کہ میرے رب کا فرشتہ
موت کا پیغام لیکر میرے پاس آجائے
اور میں رب کا پیغام قبول کر لوں
اور میں تم میں دُعا عظیم چیریں چھوڑ کر چلا
ہوں ان میں پہلی حیر اللہ تعالیٰ
کی کتاب ہے اس میں (تمہارے لئے)
ہدایت اور روشنی ہے، پس اللہ
کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو
پھر آپؐ نے اللہ کی کتاب کے
تمسک پر خوب شوق اور اس
میں ترغیب دلائی، پھر فرمایا
(دوسری چیز میری اہلیت ہے) میں
اپنی اہلیت کے حق میں تم کو اللہ
سے ڈراتا ہوں۔

مَا تَصْنَعُونَ قَالُوا
كُنَّا نَسْعَىٰ لَكُمْ لَوْلَا
لَعَلَّكُمْ كُنتُمْ تَتَنَبَّؤُونَ
كَانَ خَيْرًا فَاَتَرَكُوا
نَقَصْتُ قَالَا فَذَكِّرُوا
ذَٰلِكَ فَتَقَالَا اِنَّمَا
اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ
بِشَيْءٍ مِنْ اَمْرِ
دِينِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ
وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ
مِّنْ رَّايٍ فَاِتَّبِعُوا
اَنَا بَشَرٌ ط

رواہ مسلم
مشکوٰۃ ص ۲۰

چوتھی حدیث

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ
وَ اِنِّي كَمِثْلِكُمْ تَحْتَصِمُونَ
اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ حضور
قدس نے فرمایا بے شک میں
ایک بشر ہوں اور تم لوگ میرے پاس
اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو۔

اِلَى دَعَلٍ بَعْضُكُمْ
اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ
مِنْ بَعْضٍ خَافِيَةٍ
لَهُ بِحَقِّ اَحْيَاةٍ فَاِنَّمَا
اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ
السَّاسِ ط متنق علیہ
ریاض الصالحین ص ۱۸ بخاری ص ۳۲
پانچویں حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ
كَانَ دَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَخْصِفُ لَعَلَهُ
وَيَخِيْطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ
فِي بَيْتِهِ كَمَا يَعْمَلُ
اَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ
كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ
يَعْمَلُ ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاةً
وَيُخْدِمُ نَفْسَهُ ط

رواہ الترمذی

مشکوٰۃ ص ۵۱۲

چھٹی حدیث

اور ہو سکتا ہے کہ تمہارا بعض
آدمی دوسرے آدمی سے
زیادہ فصیح اور ہوشیار ہو۔
پس جس شخص کو میں نے فیصلہ کر کے
اُس کے بھائی کی کوئی چیز دے
دی (تو گویا) میں نے اسکو آگ
کا ٹکڑا کاٹ کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ
فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ اپنی جوتی کو
خود مرمت کر لیتے اور اپنے کپڑے
کو ہسی لیتے اور اپنے گھر کا کام کرتے
جیسے تم اپنے گھر میں کام کرتے
ہو اور فرماتی ہیں آپؐ بشروں
میں سے بشر تھے۔ اپنے کپڑوں
سے قتل وغیرہ نکال لیتے اور
اپنی بکری دودھ لیتے اور
اپنا کام خود کرتے (یعنی دوسرے
آدمی سے مدد نہیں لیتے تھے)

حدیث نمبر ۸

عن جابر بن عبد اللہ رضی
 یقول سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّمَا
 أَنَا بَشَرٌ وَإِنِّي اشْتَرَطْتُ
 عَلَى سَائِرِ آيَةِ عِبَادِي مِنَ
 الْمُسْلِمِينَ سَبَّيْنِ
 أَنْ يَكُونُوا ذَالِكَ
 لَهُ سِرٌّ كَمَا قَدْ أَجْبَرْتُ
 عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ
 عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ
 إِنِّي أَخَذْتُ عِنْدَكَ
 عَهْدًا أَنْ تَخْلِفَنِي
 فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ
 فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ
 إِذِيئَتُهُ شَتَمُهُ لَعْنَتُهُ جَلْدَتُهُ
 فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَوةً وَزَكَاةً
 وَقُرْبَةً بَيْنَهُ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا ہے شک میں ایک بشر ہوں اس لئے میں نے اپنے رب سے (یہ بات) مشروط کی ہے کہ اگر میں مسلمانوں میں سے کسی بندے کو سب و شتم کروں (بڑا بھلا کہوں) تو یہ اس کے لئے پاکیزگی اور اجر ثابت ہو۔

حدیث نمبر ۹

عن عائشةؓ قَالَتْ دَخَلَ
 عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 لَجْلَدَانِ فَكَلَّمَاهُ بَشْتًا
 لَا أَذْرِي عَمَّا هُوَ
 فَأَغْضَبَاهُ فَلَعَنَهُمَا
 وَسَبَّهُمَا فَلَمَّا خَرَجَا
 قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنْ
 أَصَابَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا
 مَا أَصَابَهُ هَذَا قَالَ
 حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو مرد حاضر ہوئے اور آپ سے کسی بات میں کلام کیا جو مجھے معلوم نہیں، پس انہوں نے آنحضرت کو غصہ دلایا آپ نے انکو سب و شتم اور لعن و طعن کیا پس جب وہ نکل گئے تو میں نے کہا یا رسول اللہ ان دو مردوں

عن ابی ہریرۃؓ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے اللہ تحقیق میں نے تجھ سے عہد لیا ہے کہ ہرگز تو میرے ساتھ خلاف ورزی نہیں کرے گا پس میں بشر ہوں جس مومن کو میں نے کوئی اذیت پہنچائی ہو یا اُسے سخت کلامی کی ہو یا میں نے اسکو لعن طعن کیا ہو یا اس کو میں نے مارا ہو۔ ان کیلئے انکو رحمت بناوے اور گناہوں سے پاکیزگی اور قربت جسے وہ تیرا تیرا قرب حاصل کریں۔

حدیث نمبر ۱۰

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم انما انا بشر فاني ما رجل من المسلمين سببته او لعنته او جلدته فاجعلها له ذكوة ودخمة ط

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ایک بشر ہوں، سو جس مسلمان مرد کو میں سب کر دوں یا لعن طعن کروں یا میں اس کو مارا پس تو اس کو اس شخص کے لئے گناہوں سے پاکیزگی اور اس کیلئے رحمت بنا۔

قَرْنَهَا قَالَتْ فَفِيكَ
 دَسُوں اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ثُمَّ قَالَتْ يَا أَمْرُ سَلِيمٍ
 أَمَا تَعْلَمِينَ أَنَّ شَرْطِي
 عَلَى سَرِيٍّ إِنِّي إِشْتَرَيْتُ
 عَلَى سَرِيٍّ فَقُلْتُ إِحْتِمَا
 أَنَا بَشَرٌ أَسْرَضْتُ كَمَا
 يَرُوحِي الْبَشَرُ وَأَغْضَبُ
 كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ فَإِنَّمَا
 أَحَدٌ دَعَوْتُ عَلَيْهِ مِنْ
 أُمَّتِي بِدَعْوَةٍ لَيْسَ لَهَا
 بِأَهْلٍ أَذْ تَعْلَمُهَا لَهْ
 حُطْمُورًا أَدْرَكَكَ وَتَرَبَّ
 تَقَرَّبَ بِهِ بِهَا مِنْهُ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ ط

اے ام سلیم یہ کیسے؟ ام سلیم نے
 کہا: لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے دعا
 کی ہے۔ اَنْ لَا يَكْبُرَ سِنُّهَا اَوْ لَا
 يَكْبُرَ قَرْنُهَا یعنی اسکی عمر بڑی نہ ہو
 حضرت انس کہتے ہیں پس آپ مہنس پڑے اور
 فرمایا، ام سلیم مجھے معلوم نہیں کہ
 اللہ تعالیٰ کی ذات پر میری شرط
 ہے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے
 شرط قرار دیا ہے اور میں نے کہا ہے
 کہ بے شک میں ایک بشر ہوں کبھی
 ہشاش بشاش ہوتا ہوں جیسے
 دوسرا کوئی بشر خوش ہوتا ہے اور
 کبھی غصہ بھی آجاتا ہے جیسے دوسرا
 بشر کو غصہ آتا ہے، پس میں اپنی امت
 میں سے کسی کے لئے کوئی ایسی دعا
 کروں جس کا وہ اہل نہیں ہے۔
 تو اس کو اس شخص کے لئے
 (اے اللہ) طہارت اور پاکیزگی
 اور قربت بنا دے اور اس دعا
 کو قیامت کے روز اس شخص کیلئے اپنے
 قُرب کا ذریعہ بنا دے۔

وَمَا ذَاكَ قَالَتْ قُلْتُ
 لَعَنَهُمَا وَ سَبَبْتُمَا
 قَالَتْ أَوْ مَا عَلِمْتَ مَا
 شَارَطْتُ عَلَيْهِ سَرِيٍّ
 اللَّهُمَّ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَإِنَّ
 الْمُسْلِمِينَ لَعَنَتْهُ أَوْ
 سَبَبْتُهُ فَأَجْعَلْهُ لَهْ
 نَزْكَاءً وَ أَجْرًا ه

مسلم ج ۳۲۳
 حدیث نمبر ۱۰

کے چلے کیا نیکی باقی رہی آپ
 نے فرمایا کیا ہوا؟ کہتی ہیں میں
 نے عرض کیا آپ نے اُن دونوں
 کو سب و شتم اور لعن طعن فرمایا۔
 آپ نے ارشاد فرمایا کیا تجھے
 معلوم نہیں کہ میں نے اپنے رب پر شُرط
 کیا ہے کہ اے اللہ بیشک میں ایک
 بشر ہوں پس جس مسلمان کو میں طعن
 کروں یا اُس کو برا بھلا کہوں تو اُسکو
 اس کیلئے پاکیزگی اور اجر بنا دے۔

عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ
 فَخَرَجَتْ أُمُّ سَلِيمٍ مُسْتَجِلَّةً
 تَلْبُوثُ حِمَا دَهَا حَتَّى لَقِيَتْ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 مَا لَكَ يَا أُمُّ سَلِيمٍ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
 أَدْعَوْتُ عَلَى مُيْتِمِي قَالَتْ وَمَا ذَاكَ
 يَا أُمُّ سَلِيمٍ قَالَتْ نَزَعَمْتُ إِنَّكَ
 دَعَوْتُ أَنَّ لَا يَكْبُرَ
 سِنُّهَا أَوْ لَا يَكْبُرَ

حضرت انس ایک طویل حدیث
 میں اپنی والدہ ام سلیم کا واقعہ
 بیان فرماتے ہیں وہ سر پر پردہ اڑھے
 ہوئے جلدی جلدی اپنے گھر سے نکلی
 یہاں تک کہ حضور قدس سے
 ملاقات کی پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا ام سلیم کیا بات ہے؟ عرض
 کی اے اللہ کے نبی کیا میرے پاس
 جو یتیم لڑکی ہے اُسکے متعلق آپ نے
 کوئی دعا کی ہے؟ آپ نے فرمایا،

حضرات گرامی! احادیث تو اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں مگر انہی دس احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ "تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ" اس مفصل بحث سے ثابت ہو گیا ہے جس کا آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حتیٰ کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باسما بشر کہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آپ کو بشر کہتی ہیں۔

لفظ بشر کی لغوی اور معنوی تحقیق!

سوال: کیا لفظ بشر میں لغوی یا معنوی طور پر کوئی بے ادبی کا معنی پایا جاتا ہے؟
جواب: یہ بحث پہلے مفصل باحوالہ گذر چکی ہے کہ اگر لفظ بشر میں بے ادبی کا کوئی شبہ بھی ہو تا تو اللہ تعالیٰ اس لفظ سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ نہ فرماتے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلاتے کہ آپ کہیں میں تم جیسا بشر ہو۔ لفظ بشر کے مادہ اور ماخذ کے تین حروف ہیں۔ ب، ش، ر۔ لغت میں بشر ظاہری جلد اور چمڑے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔ (البشرۃ ظاہر الجلد) بشر کا معنی ظاہری جلد انسان کو بشر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کے جسم کی جلد بالوں سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے بخلاف دیگر حیوانات کے، چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں۔

وَعَبَّرَ الْإِنْسَانُ
بِالْبَشْرِ اعْتِبَارًا بِظُهُورِ
جُلْدِهِ مِنَ الشَّعْرِ
بِمَخْلَافِ الْحَيَوَانَاتِ
آگے فرماتے ہیں۔

وَحَقَّقَ فِي الْقُرْآنِ كُلِّ
مَوْضِعٍ أُعْتَبِرَ مِنَ
الْإِنْسَانِ جَسَدًا وَظَاهِرًا
بِلَفْظِ الْبَشَرِ
قرآن کریم میں ہر اس جگہ کو
لفظ بشر سے مخصوص طور پر مراد لیا گیا
ہے جس کو انسان کے جسم اور ظاہر
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ
الْمَاءِ بَشَرًا وَقَالَ تَعَالَى
إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ
طِينٍ
اللہ وہ ذات ہے
جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا
ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیشک
میں مٹی (کھچڑ) سے بشر پیدا کرنے
والا ہوں۔

پھر آگے فرماتے ہیں۔

كُنْتُمْ عِبَادَ اللَّهِ
عَنِ الْكَامِلِ الَّذِي
يَجْمَعُ بَيْنَ الْكُفْيَلَتَيْنِ
الظَاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ
پھر اس سے وہ
کامل ذات مراد لی جاتی ہے جو ظاہری
اور باطنی دونوں فضیلتوں کو
جامع ہو۔

لفظ بشر میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں جیسا کہ مفردات القرآن میں ہے۔
وَأَسْتَوَىٰ فِي لَفْظِ الْبَشَرِ - الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ، فَيُرْوَى اللَّفْظُ فِي هَذِهِ
"بشر" مذکر و مؤنث دونوں کے لئے یکساں آتا ہے۔ یہ مادہ اگر مجرد سے آئے
تو اس کا معنی ہوتا ہے خوشخبری سنانا جیسے بشریۃ، فالبشر، میں نے اس کو
خوشخبری دی پس وہ خوش ہو گیا، اگر مزید کے ابواب سے آئے تو کبھی خوشخبری
اور بشارت دینے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی خوشی حاصل ہونے کے معنی

میں جیسے "اَبَشْرُ عَلٍ" وہ مرد خوش ہوا اس کو خوشی حاصل ہوئی۔ اور ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكَ بِبَيْعِي
اِنَّا نَبْشُرُكَ بِغَدِهِ
عَلَيْهِمْ ط

اے زکریا! تجھے اللہ تعالیٰ
(بیٹے) یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، اے
ابراہیم ہم تم کو ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے
ہیں جو علم والا ہوگا۔

قَالَ اَبَشْرُ مُؤْنِي عَلَى
اَنْ مَسْنَى الْكَبْرِ فَبِمَ
تُبْشِرُوت ط

حضرت ابراہیم نے کہا تم مجھے
خوشخبری اس حال میں سناتے ہو جب مجھے
بڑھاپا لاحق ہو گیا؟ اب کس چیز کی
خوشخبری سناتے ہو۔

قَالُوا بَشْرُكَ
بِالْحَيٰتِ ط

فرشتوں نے کہا (اے ابراہیم)
تم کو سچی خوشخبری سنار ہے ہیں۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
اِذَا بَشَّرَ اَحَدُهُمْ
بِاٰلٍ نَّشِئَ طَلَّ وَجْهُهُ
مُسَوَّدًا ط
بَشَّرَهُمْ بِعَذَابِ الْيَمِّ ط
مزید فرمایا۔

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی
خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ
سیاہ ہو جاتا ہے (اے پیغمبر ان
کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

خوش ہو جاؤ ساتھ جنت کے
جسکا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے۔

اَبَشِّرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي
كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ط

وہ خوش ہو گئے اللہ تعالیٰ
کی نعمت اور اس کے فضل پر اور

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ
وَفُضِّلَ وَجَاءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ

يَسْتَبْشِرُونَ ط

(لوط علیہ السلام نے گھر آئے شہر کے
لوگ خوشیاں مناتے ہوئے۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ خوش کرنے والی خبر کو بشری یا بشارت کہا جاتا ہے۔
جیسے۔

وَيَقَالُ لِلْخُبْرِ الْيَسَارِ
اَلْبَشَارَةُ وَالْبُشْرَى ط
لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

یعنی اچھی خبر کو بشارت یا
بشری کہا جاتا ہے۔
ان کے لئے خوشخبری ہے
دنیا اور آخرت میں۔

لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ
لِّلْمُجْرِمِيْنَ يَا بُشْرَى
هٰذَا عَذَابٌ ط

اس دن مجرموں کیلئے کوئی
خوشخبری نہیں ہوگی۔ اے خوشخبری یہ
(کیا ہی بصورت لڑکا ہے۔

مزید فرمایا، وَمَا
جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرَى
لَهُمْ ط

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا بھیجنا
اس لئے تجویز کیا ہے تاکہ تم اپنی کثرت
کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ۔

ایسے ہی۔

اَلْبَشِيرُ وَالْمُبَشِّرُ ط
كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى
فَلَمَّا اَنْتَ جَاءَ الْبَشِيرُ
وَيُرْسِلُ الرِّيَّاحَ
مُبَشِّرَاتٍ ط

دونوں کا معنی خوشخبری سنانے والا۔
پس جب آیا خوشخبری
سنانے والا۔
اللہ تعالیٰ (ٹھنڈی) ہوائیں
چلاتا ہے، جو بارش کی خوشخبری
لانے والیاں ہوتی ہیں۔

سچی خوابوں کے متعلق فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَلَمْ
يَبْقَ إِلَّا الْمَشْرَآتُ

(آپ کے بعد) وحی کا سلسلہ

منقطع ہو گیا۔ اب وحی کی کوئی

چیز باقی نہیں مگر مومن کے سچے خواب۔

کبھی بشر کے مآخذ میں عُسن و جمال کا معنی بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ۔

أَبْشَرَتِ الْأَرْضُ خُرُفَ

أَعْيَ حَسَنَ طُلُوعٍ نَبَاتِهَا ط

زمین اپنے سبزہ کے طلوع سے

خوبصورت ہو گئی ہے۔

لفظ بشر، کی لغوی اور معنوی تحقیق سے بھی بصراحت ثابت ہو گیا ہے کہ لفظ بشر کے مآخذ سے جتنے الفاظ نکلتے ہیں یا تتبع اور تلاش سے جس قدر الفاظ ملے ہیں کسی میں بھی بے ادبی یا گستاخی کا معنی نہیں پایا جاتا اور نہ ہی لغوی اعتبار سے اس میں کوئی تباہی پائی جاتی ہے۔

سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کو حقیر سمجھا!

سوال یہ ہے کہ مبتدعین کے ذہن نارسائیں یہ بات کہاں سے پیدا ہو گئی کہ لفظ بشر میں بے ادبی ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہ کہنا چاہیے،

جواب: چونکہ شیطان لعین اذل سے ہی حضرت آدم کا دشمن بن گیا تھا اس لئے اُس نے پختہ عہد کر لیا تھا کہ اولادِ آدم کو گمراہ کر کے جہنم کا ایندھن بناؤں گا۔

اس لئے اس نے مبتدعین کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ بشر حقیر ہے اس لئے کہ یہ نبی سے پیدا ہوا ہے۔ جب ابو البشر آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی عطا کی گئی اور فرشتوں کو

سجدہ کا حکم ہوا تو شیطان لعین کو بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ حکم ملتے ہی سب ملائکہ سرسجود ہو گئے۔ مگر شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے لعین تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا؟ جواب میں کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ نہیں کرتا جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ میں اس سے بہتر ہوں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۱) فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ

كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا

ابليس و ابی ان یكفون

مع الساجدين قال یا

ابليس ما لك الا

تكون مع الساجدين و

قال لئ ان لا سجدا لبشر

خلقته من صلصال من

حماء منسلوث ریح، سور الحجر

واذ قلنا للملائكة

اسجدوا لادم فسجدوا

الا ابليس و قال

اأسجد لی من خلقت

طینا قال ادع یتک

هذا الذی کثرت

علی لکن آخرت

اور جب ہم نے فرشتوں سے

کہا کہ سجدہ کرو آدم کو پس تمام نے

سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا۔

کہنے لگا کیا میں اس کو سجدہ کروں

جبکہ تو نے کیچڑ سے پیدا کیا ہے؟

مزید کہا کیا یہ وہ ہے جس کو تو نے

فضیلت دی ہے مجھ پر اگر تو مجھے

فورا پردے میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی۔ بات تو ہنس مذاق کی تھی مگر طلاق جب صریح لفظ کے ساتھ ہو تو بہر صورت واقعہ ہو جاتی ہے، خواہ دنگلی میں کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثلاث جدهن جده
تین چیزیں ایسی ہیں جن کو
دھن لہن جد النکاح والطلاق
نقصہ و ارادہ سے کہنا اور مذاق کے
والرجعة ط (البوداؤد ص ۲۹۸) طور پر کہنا برابر ہے۔

ایک نکاح دوسرے طلاق تیسرے رجعت، عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور پریشانی میں گذاری۔ صبح کو خلیفہ ابو جعفر کے دربار میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ خلیفہ منصور نے شہر کے تمام فقہاء اور اہل فتویٰ علماء کو جمع کر کے سوال کیا کہ کیا اس کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے یا کہ نہیں؟ سب نے جواب دیا کہ طلاق ہو گئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حسین کوئی انسان نہیں ہو سکتا، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش رہے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں آپ بھی کچھ فرمائیں۔ تب انہوں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورہ تین تلاوت کی اور فرمایا، اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں ہر انسان کا احسن تقویم ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ کوئی شے اور کوئی چیز بھی انسان سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سن کر تمام علماء فقہاء حیران رہ گئے، سب نے اتفاق کیا کسی نے مخالفت نہیں کی، خلیفہ منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی!

کیا کوئی نوری بشری لباس اور صورت میں دنیا میں آیا ہے!

بمذہبین حضرات کبھی یہ کہتے ہیں، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور

قیامت تک مہلت دلیگا تو میں ضرور اس کی ادلاؤ کا استیصال کروں گا یعنی تباہ کروں گا۔ مگر تھوڑے (جو مجھ سے بچ سکیں گے) اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہے تم کو پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا۔ یعنی وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ابلیس تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو نے سجدہ نہیں کیا۔ یعنی کس چیز نے سجدہ کرنے سے تجھے روک لیا؟ کہا میں اُس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا!

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے شیطان لعین نے بشر کے فضائل و کمالات کا انکار کر کے اس کو حقیر اور کم مرتبہ ثابت کرنے کی کوشش کی اور اپنی فضیلت کا دعویٰ کر کے سجدہ کرنے سے انکار کرویا جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا۔ بشر اور انسان کو حق تعالیٰ نے

إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
لَا تَخُتِفُكَ ذُرِّيَّتُهُ
أَلَّا قَلِيلًا ط

(پ) سورہ بنی اسرائیل

(۳) وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ
ثُمَّ صَوَّدْنَاكُمْ ثُمَّ
قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ
اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا
إِلَّا إِبْلِيلَ ط لَمْ
يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ط
قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا
تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ
قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ
خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ
وَخَلَقْتَهُ مِنْ

(پ) سورہ اعراف

میں سے نور ہیں۔ صرف آپ کا ظاہری جسم مبارک بشری لباس میں ہے جیسا کہ ملائکہ اور فرشتے دنیا میں بشری لباس میں آئے ہیں۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے پاس فرشتے انسانی صورت میں آئے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریلؑ بیٹے کی بشارت لے کر انسانی صورت میں تشریف لائے ہیں۔

جواب : اولاً یہ بحث پہلے باحوالہ اور مفصل گزر چکی ہے کہ زمین پر بشر اور انسان آباد ہیں لہذا ان کی اصلاح اور ہدایت کے لئے جو نبی اور پیغمبر بھیجے جائیں وہ بھی بشر اور انسان ہی ہونے چاہئیں۔ اگر انسان کے بجائے فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو ان کی ہدایت کے لئے فرشتوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا، لہذا اللہ تعالیٰ۔

كَوْكَانَ فِي الْأَرْضِ
مَلَائِكَةً يَمُشُّونَ مُطْمَئِنِّينَ
لَنَزَلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ
مَلَكًا تَرَاهُ رِجًا بَنِي إِسْرَءِيلَ

نبی اور رسول غیر جنس سے ہونے کی صورت میں رسالت کا مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ افادہ اور استفادہ حاصل کرنا مشکل اور ناممکن ہے۔ لہذا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے ہوتے۔ صرف ظاہری صورت انسانی ہوتی تو اس صورت میں آپ سے افادہ اور استفادہ حاصل کرنا ناممکن تھا۔ کیونکہ اُس وقت آپ کو نہ کھانے کی ضرورت ہوتی نہ پینے کی اور نہ ہی روزہ رکھنے اور افطار کرنے کی ایسے ہی آپ پر کبھی غم اور اونگھ طاری نہ ہوتی اور نہ کبھی بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے متعلق ہے۔

لَا تَأْخُذُكَ سُنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ قَالَ تَعَالَى هُوَ يُطْعِمُهُ وَلَا يَطْعَمُهُ
نہیں طاری ہوتی اُس پر اونگھ اور نہ غم، اور فرمایا اللہ تعالیٰ، وہ سب کو کھلاتا ہے اور سب کو کھاتا ہے۔

جو کھاتا، پیتا ہو، اور کھانے پینے کا محتاج ہو وہ نہ نور ہوتا ہے اور نہ کسی طرح اللہ کا جز ہو سکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ حضرت مریم علیہما السلام کے متعلق فرمایا ہے۔

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ
وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

یعنی دونوں ماں بیٹا جب کھانا کھاتے تھے تو خدا یا خدائے تعالیٰ کا جز کیسے بن گئے؟ سبحان اللہ یہ کیسی واضح اور عمدہ دلیل ہے جس کو عالم اور جاہل ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مشرکین خداوند قدوس کے لئے اس کے بندوں میں سے اس کی جزئی قرار دیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَجَعَلُوا آلِهَةً
مِنْ عِبَادِ
جُنُودِ

اور وہ مشرک اللہ تعالیٰ کیلئے اس کے بندوں میں سے اس کی جز بناتے اور قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ مشرکین عرب اور مشرکین مکہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کے لئے بیانات کرتے تھے، چنانچہ مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ
الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ
إِنَا شَاهِدُونَ (پہلے رکوع)
اور مشرکین نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں اس کے لئے بیٹیاں قرار دیا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ هَذَا صَوْرَةُ
اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

الغرض! مبتدعین کا یہ کہنا یا دعویٰ کرنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف ظاہری صورت میں بشر ہیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا نور ہیں یہ بالکل باطل اور مردود نظر ہے انبیاء علیہم السلام صرف زبانی ہی تعلیم نہیں دیتے بلکہ وہ عملی نمونہ پیش کر کے امت کو احکام خداوندی سکھاتے اور سمجھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم زیادہ مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ وہ جو کچھ زبان سے فرماتے ہیں اُس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھاتے ہیں۔

آج ہماری تعلیم اور دعوت و تبلیغ کا کمزور پہلو یہ ہے کہ ہم کہتے تو بہت کچھ ہیں مگر عملی طور پر ہم مُخلص اور تہی دست ہوتے ہیں۔ عمل ہمارے پتلے میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری تعلیم و تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کرنے سے روک دیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو تین دفعہ حکم فرمایا کہ ہڈی اور قربانی کے جانور ذبح کر دیں مگر ڈیڑھ ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک نے بھی جانور ذبح نہیں کیا۔ لیکن جب آپؐ نے اپنی قربانی اور ہڈی کے جانور کو اپنے ہاتھ مبارک سے خراور ذبح کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی۔ اور اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے۔ ایک موقع پر شمع رسالت کے پروانوں نے بارگاہ رسالت میں سخت بھوک کی شکایت کی اور پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے دکھائے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا اٹھا کر دو پتھر دکھائے اور فرمایا دیکھو میں نے بھی بھوک کی وجہ سے دو پتھر باندھے ہوئے ہیں۔ حدیث ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ ابْنِ طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ

الْجُوعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بَطْنِنَا عِشْرِينَ

حَجَرًا جَعَلُوا قَرَفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حضرت ابو طلحہ فرماتے ہیں کہ

ہم نے بارگاہ رسالت میں بھوک

کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر

انسوس کہ مبتدعین بھی یہود و نصاریٰ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعویٰ میں غلو کر کے آپ کی بشریت کا انکار کرتے ہیں، اور قرآن و حدیث کی واضح نصوص کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا نور ثابت کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ کے علاوہ تیکس اور اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔

مبتدعین سے گزارش ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو (نور من نور اللہ) کہنے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا تو یہود و نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنے سے کیونکر شرک لازم آجاتا ہے؟ اور اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (نور من نور اللہ) کہنے سے کوئی مسلمان شرک نہیں ہوتا تو حضرت عیسیٰ و عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہنے سے یہود و نصاریٰ کیسے مشرک ہو گئے؟ جیسے یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کا جُز قرار دیا ہے۔ ایسے ہی مبتدعین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو (نور من نور اللہ) ثابت کر کے اللہ تعالیٰ کا جُز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تُطْعِمُونِي كَمَا أَطْعِمُ النَّصَارَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُكَ وَلَكِنْ قَوْلُوا عِبُدُ اللَّهِ وَرُسُلَهُ

میرا تعریف میں بے جا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا، کیونکہ میں تو فقط خدا کا بندہ ہوں اور لیکن یہ کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ہماری باب قول اللہ

عنود جل وذاکما فی الکتاب مریم

نویسے محسوس کرتے؟ روزہ رکھنے یا توڑنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ تین آدمی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے در
دولت پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت سے متعلق کچھ دریافت کیا جب حضور
کی عبادت کے متعلق ان کو بتایا گیا تو گویا انہوں نے وہ عبادت اپنے حق میں بہت
کم سمجھی۔ اور کہنے لگے کہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بکند مرتبہ اور کہاں ہم حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اگلی کچھلی تمام لغزشیں معاف ہیں۔ چنانچہ ایک نے کہا میں
زندگی بھر رات عبادت میں گزاروں گا، یعنی ساری رات عبادت کیا کروں گا۔
دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے
کہا میں ہمیشہ عورتوں سے علیحدہ اور دور رہوں گا، کبھی شادی نہیں کروں گا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو ان کے پاس گئے اور فرمایا کیا
تم نے ایسا کہا ہے؟ سن لو، واللہ! میں تم سے زیادہ متقی اور اللہ تعالیٰ سے
ڈرنے والا ہوں، لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ رات کو نماز
بھی پڑھتا ہوں اور زینبہ بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح شادیاں بھی کرتا ہوں۔
ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا، نکاح شادیاں کرنا، کھانا پینا، بھوک پیاس کی تکلیف
کا محسوس ہونا یہ سب خواص بشریہ ہیں۔

ثانیاً بلاشبہ بعض دفعہ نوری فرشتے بشری جامہ اور انسانی صورت میں
دنیا میں آتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوط علیہ السلام، حضرت
مریم علیہا السلام کے پاس فرشتے انسانی صورت اور بشری لباس میں آئے ہیں۔
مگر ان فرشتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو قیاس کرنا مبتدعین کا
یہ قیاس باطل ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جو فرشتے انسانی صورت
میں آئے اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو مہمان

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَنْ بَطْنِهِ حَجْرٍ نَبِيٍّ هـ
(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص ۴۴)

دوسری حدیث۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ
فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ
ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَسَرَفَهُ
إِلَى يَدِهِ لِيَرَا هـ
النَّاسُ فَأُفْطِرَ حَتَّى
قَدِمَ مَكَّةَ تَوَدَّى إِلَيْكَ
فِي رَمَضَانَ مُتَّفِقٌ عَلَيْهِ
(مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

حدیث کا خلاصہ اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا
کہ سفر میں روزہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اور گرمی بھی شدت کی ہے
تو مقام عسفان پر پہنچ کر (جو مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے) پانی کا پیالہ
ہاتھ مبارک میں لے کر سب کے سامنے روزہ افطار فرمایا۔ یہ روزہ رمضان کا تھا۔
آپ نے عملی نمونہ پیش کر کے سمجھایا کہ سفر میں روزہ سے تکلیف ہوتی ہو تو رمضان کا
روزہ بھی توڑ دیا جائے، البتہ بعد میں قضا کیا جائے۔ اگر بقول مبتدعین آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھوک پیاس کی شدت اور تکلیف

فِيهِ يَحْشُرُونَ ۝
(پت، سورہ الحجر رکوع)

چیز لے کر آئے ہیں جس میں تیری
قوم کے لوگ شک کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے پاس جبریل علیہ السلام انسانی صورت
اور بشری جامہ میں آئے اور سامنے کھڑے ہو گئے۔ جبکہ حضرت مریم ایک مکان
میں جو بیت المقدس سے مشرق کی جانب تھا، تنہائی میں غسل کرنے لگی تھیں، فرشتہ کو انسانی صورت
میں دیکھ کر حضرت مریم اس سے گھبرائیں اور پردہ کرنے لگیں۔ فرشتہ نے کہا مجھ سے
پردہ کرنے کی ضرورت نہیں میں تو آپ کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں۔
اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھ کو ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دے دوں۔
چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ
مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا
مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ
مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا
إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بِكُرْسِيِّهَا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ
بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِن
كُنْتَ تَقِيًّا ۖ قَالَ
إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ
لَا هَبَ لَكَ غُلَامًا
زَكِيًّا ۝
(پ ۱۶ رکوع ۵ سورہ مریم)

اور (اے پیغمبر) یاد کر کتاب
میں مریم کے واقعہ کو جب وہ ایک
مشرقی مکان میں اپنے گھر والوں سے
الگ ہو گئیں۔ اور ان کے آگے
پردہ حائل کیا پس ہم نے اس
کی طرف اپنے فرشتہ کو بھیجا، پھر
وہ فرشتہ ایک تندرست آدمی
کی صورت میں اس کے سامنے آیا (دیکھ کر)
مریم نے کہا میں تجھ سے رحمن کی پناہ
لیتی ہوں اگرچہ تو متقی ہے، فرشتہ نے کہا
میں تو تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا فرشتہ ہوں
اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھ کو ایک پاکیزہ لڑکا دیں

سمجھ کر ان کے لئے بچھڑا ذبح کیا اور کھانا تیار کر کے ان کے سامنے لے آئے لیکن
فرشتوں نے کھانے کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس واقعہ
کو اس طرح بیان فرمایا۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ مُرْسَلًا
إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا
سَلَامًا قَالِ سَلَامٌ فَمَا لَبَتْ
أَنْ جَاءَ بِعَجَلٍ حَنِيزٍ ۚ
فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ
لَا تَمِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ
وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِيفَةً قَالُوا
لَا تَخَفْنَا إِنَّا
أُسْرِ سِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ
لُّوْطُ ۝

اور بلا شک جب ہمارے
بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے
پاس خوشخبری لے کر آئے تو کہا
السلام علیکم، ابراہیم نے علیکم السلام
کہا پھر ابراہیم بغیر کسی تاخیر کے
بچھڑا بھون کر کھانا تیار کر کے
لے آئے۔ جب ان کے ہاتھوں
کی طرف دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف
نہیں بڑھتے تو ابراہیم نے ان فرشتوں
کو اجنبی سمجھا اور دل میں ان سے
ڈر گئے، فرشتوں نے کہا ابراہیم!
ڈرو نہیں ہم فرشتے ہیں جو لوط
کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

(پ ۱۶ رکوع، سورہ ہود)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

فَلَمَّا جَاءَهُ لُوطُ
بِالْمُرْسَلُونَ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ
قَوْمٌ مُّكَرُّونَ تَالُوْا بَلْ
جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا
يَكْفُرُونَ ۚ

پھر وہ فرشتے جب لوط
کے پاس آئے تو لوط نے کہا تم
لوگ کچھ اجنبی معلوم ہوتے ہو۔
انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم تو وہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان جیسے واقعات جس طرح یہ ثابت ہے کہ نوری فرشتے انسانی صورت میں دنیا میں آئے ہیں۔ اسی طرح روز روشن کی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ جو فرشتے دنیا میں انسانی صورت یا بشری لباس میں آئے ہیں نہ انہوں نے کھانا کھایا نہ ہی انہیں بھوک پیاس کی تکلیف محسوس ہوئی اور نہ ان کو کوئی جسمانی اذیت پہنچی۔ اور نہ ان سے پردہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صرتاً بشر ہوتے اور حقیقتاً نور ہوتے تو آپ بھی ان خواص اور خواج بشریہ کے محتاج نہ ہوتے مگر اس حقیقت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو فی الفین اور اعداد اسلام کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانی گئیں۔ طائف میں آپ پر پتھر برسائے گئے آپ لہو لہان ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ جنگ احد میں چہرہ مبارک زخمی ہوا اور سامنے کے دو دانت مبارک بھی شہید ہو گئے، نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے کبھی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا بھی کھاتے تھے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی قوت اس قدر عطا فرمائی تھی کہ آپ کئی کئی دن وصال کے روزہ میں گزار دیتے، لیکن ازراہ شفقت امت کو وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا (وصال کا روزہ یہ ہے کہ دو تین دن کا مسلسل روزہ رکھا جائے درمیان افطار نہ کیا جائے) اس سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ آپ تو وصال کا روزہ رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم میں سے میری طرح کون ہو سکتا ہے؟ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، چنانچہ فرمایا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
خَفِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَنِ الْوَصَالِ فَقَالَ لَا

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
وصال کا روزہ رکھنے سے منع

رَجُلٌ اَنَّكَ تَوَاصِلُ
يا رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال اَيُّكُمْ
مَثَلِي اَيُّ ابْنَتٍ يَطْعَمُنِي
سَرِيَّةً وَيَسْقِينِي
مَشَقَّ عَلَيْهِ

فرمایا تو ایک آدمی نے آپ سے کہا
یا رسول اللہ آپ خود وصال کا
روزہ رکھتے۔ ہمیں منع کیوں فرماتے
ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا تم میں سے میری مانند کون
ہو سکتا ہے؟ میں تو اس حالت میں
رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے
کھلاتا اور پلاتا ہے۔

بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۷

بایں ہمہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کی تکلیف بھی محسوس ہوئی، جیسا کہ
اس سے پہلے دو حدیثیں بیان ہو چکی ہیں۔ مزید مسلم شریف کی ایک حدیث بھی
ملاحظہ فرمائیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ اچانک
دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ بھی گھر سے باہر پریشان ہو کر وقت
گزار رہے ہیں۔ آپ نے اُن سے فرمایا اس وقت گھر سے باہر نکلنے کا کیا
سبب ہے؟ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت بھوک نے پریشان کیا
ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا قسم ہے، اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری
جان ہے مجھے بھی اُسی چیز نے گھر سے باہر نکالا ہے جس نے تم کو نکالا، حدیث
کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ
خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ذَاتَ يَوْمٍ
وَكُنْتُ فَادَا هُوَ بَايَ بَكُوْنٍ دَعَمُوْنُ

حضرت ابوبکرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک
دن یا رات رسول اللہ باہر تشریف لائے تو اچانک
ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو دیکھا۔

قرآن حکیم میں آپ کی عبدیت کا اعلان

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم سے بھی اس مضمون کی چند آیات پیش کر دی جائیں تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

مُبْتَحَانِ الَّذِي
اَسْوَىٰ بِعَبْدِهِ ۝
(سورہ بنی اسرائیل پ ۱)
فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهِ
مَا اَوْحٰى ۝ (سورہ نجم پ ۱)
جانب جو بھی وحی فرمائی۔

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے
درگزر یا بندے کو سیرائی اسری اور عروج
میں اپنے نبی کو عید فرمایا یعنی اپنا بندہ
پس وحی فرمائی اپنے بندے کی
جانب جو بھی وحی فرمائی۔

وَاِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ
يَدْعُ ذُوهُكَ اَدَاٰكَ وَابْكُوْا تَوْنًا
عَلَيْهِ لِبَدًا ۝
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي
اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ
وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ يَتَوَجَّاهُ
اور جب اللہ کا بندہ کھڑے
ہو کر اُس کو پکارتا ہے تو یہ کا ذکر
اُس بندے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔
سب تعریفیں اس اللہ کے
لائق ہی جس نے اپنے بندے پر کتاب
نازل کی اور اس میں ذرہ برابر کمی نہیں کی۔

حدیث ملاحظہ ہو۔

فَقَالَ مَا اَخْرَجَكُمَا
مِنْ بُيُوتِكُمَا هٰذِهِ
السَّاعَةَ قَالَا الْجُوعُ
يَا سِرُّوْا لََّ اللّٰهُ قَالَ اَنَا
وَالَّذِي لَفِىْ سَيْدِهِ
لَا خَرَجَتْ الَّذِي
اَخْرَجَكُمَا ۝
تم کو نکالا۔ (سیاض الصالحین ص ۲۳۳ ج ۱)

مشرکین مکہ بھی آپ کی ذاتِ اقدس پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ اس رسول
کو کیا ہوا جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے اور ساتھ ہی
رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی جو پیغمبر بھیجے وہ
سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور کسی بھی پیغمبر کو ایسا جسم نہیں عطا کیا گیا کہ وہ کھانا
کھانے کا محتاج نہ ہو۔

ہاں! اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اور انسان تسلیم کرتے ہوئے کوئی شخص
لحاظِ صفات کے نور کہتا ہے، یعنی نورِ ہدایت کہتا ہے تو اس اعتبار سے آپ کو نور
کہنے میں کوئی قباحت نہیں۔

شہادت ملاحظہ ہو، بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت آتی ہے۔

اَقْبَلَ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُرَوِّفٌ أَبَا بَكْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ شَيْخٌ يُعْرَفُ وَنَبِيُّ اللَّهِ شَابٌّ لَا يُعْرَفُ قَالَ فَيَلْقَى الرَّجُلُ أَبَا بَكْرٍ فَيَقُولُ يَا أَبَا بَكْرٍ مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْكَ فَيَقُولُ هَذَا الرَّجُلُ يَهْدِيَنِي السَّبِيلَ ۝

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے مدینہ کی طرف نکلے، حضرت صدیق اکبرؓ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا حضرت صدیق اکبرؓ بڑھتے تھے اور عمر ہونے کی وجہ سے لوگوں میں جانے پہچانے ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ آپؐ کو نہیں جانتے تھے۔ پس جو آدمی

ابوبکرؓ کو ملتا کہتا اے ابوبکر یہ کون آدمی جو آپؐ کے آگے سوار ہے، حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہذا الرجل يَهْدِيَنِي السَّبِيلَ ۝ یہ ایک مرد ہے جو مجھے راستہ دکھا رہا ہے۔

سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت

آپؓ فرماتے ہیں۔

هُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ مِنْ سَائِلِ النَّاسِ صِدْقٌ وَرَأْفَةٌ صِدْقٌ النَّاسِ لَهْجَةً وَالْيُسْرَى نَبِيًّا ذَا حُكْمٍ

آپؓ خاتم النبیین میں سب انسانوں سے زیادہ سخی دل اور تمام انسانوں سے زیادہ سخی زبان والے اور تمام انسانوں سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ اور خداوند

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (پ، سورہ فرقان) هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝

ہر طرح کی بابرکت ذات وہ ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی تاکہ وہ جہان والوں کو ڈرسانے۔ اللہ جل شانہ وہ ذات ہے جو نازل کرتا ہے اپنے بندے پر واضح آیتیں تاکہ تم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نور اسلام کی طرف نکالے۔

مذکورہ الصدمتین آیات میں خداوند قدوس نے قرآن حکیم کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدہ فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور نصرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

الَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا ۝

کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد اور نصرت کے لئے کافی نہیں ہے۔

تارمین کرام غور فرمائیے، ان آیات مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عبدہ یا عبد اللہ فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے عبد کی اضافت (نسبت) اپنی طرف کی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مرتبہ عبدیت میں آپؐ سب سے مقدم اور اقدم ہیں جیسا کہ ایک مقام میں فرمایا۔

ثُمَّ لَئِنْ كَانُوا لِلَّهِ حُتُوبًا وَكَذَّابًا ۝ خَافَنَا أَوَّلَ الْخَائِدِينَ ۝

اگر رحمنؑ کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا۔

صحابہ کرامؓ کے ارشاد ملاحظہ ہوں

بھی آپؐ کو بشر اور انسان سمجھتے تھے، چنانچہ آپؐ کے یار غار سیدنا صدیق اکبرؓ کی

عشیرہ

لحاظ سے سب سے زیادہ معزز

اباب مجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) و بزرگ تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کی شہادت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد پیارے بمعانی حضرت عبداللہ بن عباس بھی آپ کو بشر اور انسان فرماتے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اجود الناس
آپ سب سے زیادہ سخی
اور فیاض تھے۔

حضرت برابر بن عازبؓ کی شہادت

حضرت برابر بن عازبؓ فرماتے ہیں،
کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مستمًا بجلدًا مفرجًا عا
آپ کی زرجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ بھی حضورؐ کو بشر فرماتی ہیں چنانچہ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ کبشور
یعنی رسولؐ بشروں میں سے
بشر تھے۔

متبعین سے سوال کیا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت سے بھی تمہاری محبت زیادہ ہے جنہوں نے حضورؐ کی ذات پر سب کچھ قربان کر دیا تھا؟

باجود محبت کے وہ حضرات حضورؐ کو بشر فرماتے ہیں۔ اگر علماء حق حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے کی وجہ سے کافر ہیں تو صدیق اکبرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

علمائے مفسرین و محدثین کے ارشادات

آپ علمائے مفسرین و محدثین کرام کے ارشادات بھی سن لیں کہ وہ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خاتم المفسرین علامہ محمود آلوسیؒ بغدادی اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی میں آیت (لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ) کی تفسیر میں اور امام المذہب ورأس المورخين علامہ ذرقانی اپنی سیرت میں حضرت شیخ ولی الدین العراقيؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں

حضرت شیخ ولی الدین العراقيؒ سے سوال کیا گیا کہ (کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لئے شرط ہے یا کہ فرض کفایہ کے درجہ میں ہے۔ (فَأَجَابَ بِإِثْنَةٍ) شرط فی صحت الایمان، یعنی آپ نے جواب میں فرمایا کہ صحت ایمان کے لئے شرط، پھر فرمایا اگر کوئی شخص کہے کہ میں آپ کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ جنس بشر سے ہیں یا جنس ملائکہ میں سے یا جنوں میں سے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں یا عجمی، تو فرماتے ہیں (كَأَنَّكَ فِي كُفْرٍ لِّتَكْذِيبِ الْقُرْآنِ) یعنی بوجہ تکذیب قرآن اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ روح المعانی ص ۱۳۱، الذرقانی علی الواہب الدنیا ص ۱۶۸۔

کیونکہ اس شخص نے صمیم عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرون اسلام خلفاء سلف

قائم رہے اور جو عقیدہ خاص و عام سب مسلمانوں کو معلوم ہے، میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی کو خلاف ہو (وَلَا أَعْلَمُ فِي ذَلِكَ خِلَافًا) اگر کوئی غبی اور جاہل مطلق ہو جو اس عقیدہ کو نہ جانتا ہو تو اس کو پہلے تعلیم دینا ضروری ہے پھر اگر سمجھانے کے بعد بھی اس کا انکار کرے تو (حَاكَمْنَا بِكُفْرِهِ) یعنی اس کے متعلق ہم کفر کا حکم دیں گے، کیونکہ وہ قطعی الثبوت اور صحیح عقیدہ کا انکار کرتا ہے۔ بہتر ہو گا روح المعانی کی ساری عبارت کو ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

قَدْ سَيِّدَ الشَّيْخِ وَالِى
الدِّينِ الْعِدَاتِ هَلِ الْعِلْمُ بِكُوبِهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشْرًا
أَوْ مِنْ الْحَرْبِ شَرْطٌ فِي صِحَّةِ
الْإِيمَانِ أَوْ مِنْ فُرُوضِ الْكَفَايَةِ؟
فَأَجَابَ بِأَنَّهُ شَرْطٌ فِي صِحَّةِ
الْإِيمَانِ، ثُمَّ قَالَ، فَلَوْ قَالَ
شَخْصٌ أَوْ مِنْ بَرَسَالَةِ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى
جَمِيعِ الْخَلْقِ لَكُنَّ لَا إِدْرَى
هَلِ هُوَ مِنَ الْبَشَرِ أَوْ مِنْ
الْمَلَائِكَةِ أَمْ مِنَ الْجِنِّ،
أَوْ لَا إِدْرَى هَلِ هُوَ مِنْ
الْعَرَبِ أَوِ الْعَجَمِ؟

حضرت شیخ ولی الدین عراقی
سے سوال کیا گیا کہ (کیا) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے یا
عربی ہونے کا علم صحتہ ایمان کیلئے
شرط ہے یا فرض کفایہ میں سے
ہے؟ پس آپ نے جواب میں
فرمایا (اتنا جانتا کہ آپ بشر ہیں اور
عربی ہیں) صحتہ ایمان کیلئے شرط پھر
فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا
ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ آپ
جنس بشر سے ہیں یا ملائکہ میں سے
اور میں نہیں جانتا کہ ہنوز عرب

مَلَائِكَةً فِي كُفْرِهِ
لَتَكْذِبَ بِهِ الْقُرْآنُ
وَيُجَادَّ مَا تَلَقَّاهُ
فَرُودَ الْإِسْلَامِ
خُلَفَاءُ عَنْ سَلَفٍ وَصَاسٍ
مَعْلُومًا بِالْفَرُودَةِ عِنْدَ
الْخَاصِّ وَالْعَامَّةِ، وَلَا أَعْلَمُ
فِي ذَلِكَ خِلَافًا فَلَوْ
كَانَ عَنِيًّا لَا يَعْرِفُ
ذَلِكَ وَجِبَ تَعْلِيمُهُ
إِنِّي أَنَا فَانْ بِحَدِّهِ
بَعْدَ ذَلِكَ حَاكَمْنَا
بِكُفْرِهِ ه

میں سے ہیں یا عجم میں سے فلا شک
فی کفرہ اس شخص کے کفر میں کوئی
شک نہیں بوجہ تکذیب قرآن کے
(کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ
کو بشر فرمایا ہے) اور اس شخص
نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جس
پر قرون اسلام خلفاء عن سلف قائم
چلے آتے ہیں اور بہر حال خاص و
عام سب (مسلمانوں) کو (یہ عقیدہ)
معلوم ہو گیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ
اس میں کسی کا خلاف ہو۔ البتہ کوئی
ایسا غبی ہو جو اس عقیدہ کو نہیں
جانتا تو اس کو تعلیم دینا ضروری ہے
پھر اگر اس کے بعد بھی وہ شخص انکار
کرے تو ہم اُس پر کفر کا حکم لگائیں گے!

اہم الموحیدین ورأس المفسرين علامہ ابن کثیر آیت (وَمَا جَعَلْنَا هُمُ
جَسَدًا لَّأَنَّا كُنُوزَ الطَّعَامِ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

إِنِّي قَدْ كَانُوا بَشَرًا مِثْلَ
الْبَشَرِ يَأْكُلُونَ وَيَشْرَبُونَ
مِثْلَ النَّاسِ ه
(تفسیر ابن کثیر ص ۱۴۳)

یعنی بیشک سب پیغمبر
بشروں میں سے بشر تھے کھاتے
تھے اور پیتے بھی تھے مثل
دوسرے لوگوں کے۔

علماء عقائد کے ارشادات

شرح عقائد علامہ سعد الدین التفازانیؒ کا ارشاد -

وَقَدْ أَرْسَلَ اللَّهُ تَعَالَى
مِنَ الْبَشَرِ إِلَى الْبَشَرِ
اس سے پہلے رسالت کی تعریف فرماتے ہیں۔

هُوَ سِفَارَتُ الْعَبْدِ بَيْنَ
اللَّهِ مُبْحَاثَةً وَبَيْنَ ذَوِي الْأَلْبَابِ
یعنی رسالت خدا اور بندوں کے درمیان ایک بندے کی سفارت کا نام ہے گویا رسول ایک واسطہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان اور وہ انسان ہوتا ہے، علامہ کمال بن ابی شریف کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو!

ان النبي انسان
بعثه لتبليغ ما أوحى
اليه وكذا الرسول فلا فرق
في تبليغ كرمي من نبي
اور رسول میں کوئی فرق نہیں۔

اس کی شرح مسأله لعلامة الكمال بن الهمامؒ ص ۱۹۷ میں فرماتے ہیں
فان النبي على هذا
انسان ادعى اليه
بشرع
پس اس لحاظ سے نبی
ایک انسان ہے جس کی طرف
شریعت وحی کی گئی۔

قاضی عیاضؒ کتاب الشفافی حقوق المصطفیٰ ص ۸۶ میں آیت (قُلْ
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ) کے تحت لکھتے ہیں

فَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَاقِبُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ
البشائر يسلكوا إلى البشرية
پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء بشر ہیں، بشروں کی
طرف بھیجے گئے۔

جلد دوم پر ص ۵ مدینہ طیبہ کی تعریف اور فضائل میں فرماتے ہیں۔

واشتملت قوتها على
جسد سيد البشر مواقف
سید المرسلين
یہ مدینہ طیبہ کی تربت پاک
جسد سید البشر مواقف
سید المرسلین
مستمل ہے (آپ اس میں مدفون)

اور یہ مدینہ طیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔
ایسے ہی جلد اول ص ۱۳ پر لکھتے ہیں۔

لا خلاف أنه
أكرم البشر
وَسَيِّدُ دَلِيلِ
آدم میں سید البشر ہیں۔
اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ
آپ بیشک سب بشروں میں سے
زیادہ عزت والے ہیں اور اولاد
آدم میں سید البشر ہیں۔

صوفیاء کرام کے ارشادات!

امام الصوفیاء حضرت محمد دالوف ثانیؒ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے۔

پیغمبران ما علیهم الصلوة
واتسليمات که قریب یک لک
ہمارے کل پیغمبر جو ایک
لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں سب کے

اقل میں فرماتے ہیں۔
 اے بھائی! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شان بلند و برتر ہونے
 کے باوجود بشر یعنی انسان تھے، اور حدود و امکان کے داغ سے داغدار تھے
 یعنی آپ کا شروع اور اخیر تھا۔ انسان خالق البشر جل سلطانہ کی شان کی متعلق
 کیا پائے گا۔ بحوالہ آئینہ مجددی مؤلفہ حکیم محمد صادق گلکھڑ۔
 نیز فرماتے ہیں: ایتیان لفظ "مشکم" برائے تاکید بشریت مکتوب جلد اول ص ۲۱
 طبع نول کشور۔ (ترجمہ) لفظ "مشکم" کا لانا بشریت کی تاکید کے لئے ہے۔
 صوفی باکمال مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں فرماتے ہیں۔

انبیاء رزین رہ بشر با بود اند
 از تجانس راہ حق پیمودہ اند
 بوئے جنسیت رسد فیض شتاب
 از ملک آدم نگشتی بے حجاب

قصیدہ برز و اور آپ کی بشریت!

قصیدہ،

دَعَا مَا آذَعَتْهُ
 انصاری فی نَبِیِّهِمْ
 داحکم بما شِئَتْ
 مدحاً فیہ و اجبتکم
 فمبلغ العلم فیہ انتہ
 اس دعویٰ کو چھوڑو جو نصاریٰ
 نے اپنے نبی کی بابت کیا ہے، اس
 کے سوا آپ کی مدح و تعریف میں
 جو تو چاہے کہے اور اس پر نچتے رہے۔
 پس انتہا علم یہ ہے کہ آپ بشر

دست و چہار ہزار
 گذشتہ اند خلائی
 را بعبادت خالق
 ترغیب فرمودہ اند
 و ان عبادت غیر منع نمودہ
 خود را بندہ عاجز دانستہ
 اند و اذہبیت و از عظمت اوتالی
 ترسان و لرزان بودہ اند و آلہ
 ہنود خلق را بعبادت خود
 ترغیب کردہ اند (الی قولہ)
 بخلاف پیغمبران علیہم الصلوٰۃ
 و التسلیمات کہ خلایق را از آنچہ
 فرمودہ اند خود را نیز انرا
 باز داشتہ اند بروجہ
 اتم و اکمل خود را بشو مثل
 سایر بشری گفتہ اند۔

(مکتوبات ص ۱۶، دفتر اول
 ص ۵، حصہ دوم، بحوالہ رسالہ
 بشریت النبی مؤلفہ نور الحسن شاہ بخاری)

مکتوب نمبر ۶۳ دفتر اول میں فرماتے ہیں کلمہ طیبہ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ) سے
 مراد یہ ہے کہ جھوٹے خداؤں کی عبادت کا انکار کیا جائے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ
 کو معبود برحق ثابت کیا جائے اور کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ یعنی محمد رسول اللہ
 انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پیغمبر اپنے
 آپ کو تمام آدمیوں کی طرح بشر یعنی انسان جانتے ہیں۔ آگے مکتوب نمبر ۶۴ دفتر

کہنے لگیں یہ کسی مرد کا سایہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھ سے ناراض ہیں۔ میرے گھر نہیں آتے (نہ معلوم یہ کس کا سایہ ہے) چنانچہ دیکھا تو واقعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَأَتْ ظِلَّهُ فَقَالَتْ
إِنَّ هَذَا الظِّلُّ رَجُلٌ
وَمَا يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(مجمع الزوائد ص ۳۲۱-۳۲۲۔ منہج ص ۳۳۶)

پس حضرت زینب نے
(کسی آدمی کا) سایہ دیکھا (دل میں)
کہا یہ کسی مرد کا سایہ ہے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم تو میرے گھر نہیں آتے، پس
دیکھا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
(اُن کے گھر) تشریف لائے۔

بَشَرٌ وَإِنَّهُ خَلِقُ
خَلَقَ اللَّهُ لَهُمْ هـ
ہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ساری
مخلوق سے بہتر اور افضل ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ کی تحقیق!

بعض مبتدعین حضرات کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ لہذا آپ نور تھے، قطع نظر اس سے کہ آپ کا سایہ تھا یا نہیں، اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ سایہ کا نہ ہونا نور کی دلیل ہے؟ بالفرض اگر معجزاتی طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ نور تھے۔ علاوہ ازیں کیا مبتدعین حضرات کوئی صحیح حدیث پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا؟ انشاء اللہ تادم زبیت کوئی حدیث نہیں پیش کر سکتے۔

آپ کے سایہ کے ثبوت کی احادیث ملاحظہ ہوں۔
مستدرک حاکم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، نماز کے دوران کچھ پیچھے ہٹے، نماز کے بعد صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس نماز میں ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے دیکھا جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے جہنم کو پیش کیا گیا (حَتَّى تَرَيْتَ ظِلِّي وَظِلِّكُمْ) حتیٰ کہ (اُس آگ کی روشنی میں) میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ مستدرک ص ۴۵۶۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ سے ناراض ہو کر میرے گھر چلے آئے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ (اپنے گھر میں) بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک آپ کا سایہ دیکھا (دل میں)

بحث یا رسول اللہ کہنا

مولانا یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں

ان میں سے ایک مشہور مسئلہ یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے کہ "یا رسول اللہ" کہنے کی کئی صورتیں ہیں۔ اور سب کا حکم ایک نہیں۔ مثلاً ایک صورت یہ ہے کہ شعراء اپنے تخیل میں جس طرح کبھی باد صبا کو خطاب کرتے ہیں۔ اور کبھی پہاڑوں اور جنگلوں کو، کبھی حیوانات اور پرندوں کو۔۔۔۔۔۔ ان میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ جن کو وہ خطاب کر رہے ہیں وہ انکی بات کو سننے اور اس کا جواب دیتے ہیں، بلکہ یہ محض ایک ذہنی پرواز اور تخیلاتی چیز ہوتی ہے، جس پر واقعی احکام جاری نہیں ہوتے، اسی طرح شعراء کے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا دیگر مقبولان الہی کو تخیلاتی طور پر جو خطاب کیا جاتا ہے، میں اس کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح عشاق اپنے محبوبوں کو خطاب کرتے ہیں اسی طرح آپ کو محض اظہارِ محبت کے لئے خطاب کیا جائے۔ واقعہً نذا مقصود نہ ہو۔

یا جس طرح کہ کسی مادرِ شفیق کا بچہ فوت ہو جائے تو وہ اس کا نام بیکر پکارتی ہے وہ جانتی ہے کہ اسکی آہ و بکا کی آواز بچے کی قبر تک نہیں پہنچ رہی اس کے باوجود وہ اپنی ماما کی وجہ سے ایسا کرنے پر گویا مجبور ہے۔ اسی طرح جو عشاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق میں واقعی جل بھن گئے ہوں اور انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارے بغیر کسی کر دھ چین ہی نہ آئے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی آہ و پکار سامعہ مبارک تک نہیں پہنچتی، ان کا "یا رسول اللہ" کہنا بھی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ عقیدہ میں فساد نہ ہو۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص "الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ" کے میغ سے درود شریف پڑھتا ہے، اور یہ خیال کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتے اس درود کو بارگاہ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچا دیں گے۔ اس کے اس فعل کو بھی ناجائز نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من صلی عند قبری سمعہ و من صلی علی نائیا ابلغہ (مشکوٰۃ شریف ص ۸) جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا۔ اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان الله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۸) بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے:

لا تجعلوا بیونکم قبورا و لا تجعلوا قبری عیدا و صلوا علی فان صلوا بکم تبلغنی حیث کنتم۔ (حوالہ بالا) اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید میلاد نہ بنانا۔ اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو، کیونکہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

اگرچہ اس کے لئے بھی صحیح طریقہ یہی ہے کہ دور سے درود و سلام بھیجنے کا جو طریقہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اسی کو اختیار کرے، غالباً درود میں خطاب کے صیغہ استعمال نہ کرے، اس کے باوجود اگر اس کے عقیدے میں کسی قسم کا فساد نہیں۔ یا اس کے فعل سے کسی دوسرے کے عقیدے میں جگاڑ پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں تو اس کے "یا رسول اللہ" کہنے کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ ہاں اگر فساد

یہ ہیں وہ چند صورتیں، جن میں سے ہر ایک کا حکم میں عرض کر چکا ہوں۔ اب ہمارے بیان جو لوگ "یا رسول اللہ" کہتے ہیں وہ کس نیت، کس کیفیت، اور کس مقصد سے کہتے ہیں؟ اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ البتہ یہاں دو مسئلے اور عرض کر دینا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ شیعوں صاحبان نے "نعرۂ حیدری" : یا علی " ایجاد کیا تھا۔ بعض لوگوں نے ان کی تقلید میں "نعرۂ رسالت : یا رسول اللہ" اور "نعرۂ غوثیہ : یا غوث" ایجاد کر لیا۔ مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور ائمہ بدلی کی زندگی میں کہیں نظر نہیں آیا کہ "اللہ اکبر" کے سوا مسلمانوں نے کسی اور نام کا نعرہ لگایا ہو، نہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی یا کسی اور فقہ میں اس کا ذکر ہے۔ اس لئے میں اسے شیعوں کی تقلید سمجھتا ہوں۔ جس سے اہل سنت والجماعت بالکل بری ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب طرح بطور دعا و تقرب حق تعالیٰ کو پکارا جاتا اور اس کے پاک نام کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور بزرگ ہستی کو پکارنا اور اس کے نام کا وظیفہ چننا اسلام نے جائز نہیں رکھا۔ کیونکہ یہ فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے، اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ شائد کا حق ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اولیائے امت میں سے کسی نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بزرگ ہستی کے نام کا وظیفہ نہیں پڑھا۔ حضرت قاضی شائد اللہ حنفی پانی پتیؒ ارشاد الطالبینؒ میں فرماتے ہیں :

ولا یصح الذکر باسماء الاولیاء اور اولیاء اللہ کے نام کا وظیفہ پڑھنا یا کسی علی سبیل الوظیفۃ او السیفی لقضاء الحاجۃ کا یقرؤن الجہال۔
مراد کے لئے سیفی پڑھنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ جاہل لوگ پڑھتے ہیں۔
(بحوالہ الجنتہ لاهل السنۃ ص ۱)

نیز ارشاد الطالبین فارسی طبع میں فرماتے ہیں :
مگر آنکہ ذکر محمد رسول اللہ با ذکر خدائے تعالیٰ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ

عقیدہ کا اندیشہ ہو تو ناجائز کہے بغیر چارہ نہیں۔
چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے یا رسول اللہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضر و ناظر ہیں اور ہر شخص کی ہر جگہ سنتے ہیں، میں اس صورت کو صحیح نہیں سمجھتا، یہ عقیدہ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، غلط ہے، اور قرآن کریم، حدیث نبوی اور فقہ حنفی میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ چونکہ عوام حدود کی رعایت کم ہی رکھا کرتے ہیں اس لئے سلف صالحین اس معاملہ میں بڑی احتیاط فرماتے تھے، صحیح بخاری شریف میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ :

"جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے، ہم التحیات میں "السلام علیک ایہا ابنی" پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم اس کے بجائے "السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہنے لگے۔ (ص ۹۲ ج ۲)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مقصد اس سے یہ بتانا تھا کہ التحیات میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے صیغہ سے سلام کیا جاتا ہے وہ اس عقیدہ پر مبنی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود ہیں۔ اور ہر شخص کے سلام کو خود سماعت فرماتے ہیں۔
نہیں! بلکہ یہ خطاب کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں فرمایا تھا۔
"یا رسول اللہ! کہنے کی صورت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہو کر اجمہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھے "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں حیات میں۔ اور ہر زاثر کے سلام کو سماعت فرماتے اور اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اس لئے وہاں جا کر خطاب کرنا نہ صرف جائز بلکہ احسن ہے۔

در اذان و اقامت و تشہد و مانند آن
عبادت است و ذکر محمد رسول اللہ
ہم بروجیکہ در شرع وارد شدہ است،
چنانچہ کے بطور وظیفہ یا محمد یا محمد گفتہ باشد
روا باشد (ص ۱۹)

کا نام اذان، اقامت، اور کلمہ شہادت
دیگرہ میں ذکر عبادت ہے... مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایسے طریقہ پر کرنا،
جو شریعت میں نہیں آیا، مثلاً یہ کہ کوئی شخص
"یا محمد یا محمد" کا وظیفہ پڑھنے لگے، یہ جائز نہیں۔

مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں

سوال - یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب - یا رسول اللہ کہنے میں بڑی تفصیل ہے

بعض طریقے سے جائز اور بعض طریقے سے ناجائز ہے۔ بیشک رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
حیات میں۔ قبر شریف کے پاس درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو آپ خود سنتے ہیں۔ اور کسی دور
در از مقام سے صلوٰۃ و سلام بھیجا جائے تو فرشتے آپ کی خدمت اقدس میں بالا سماء (بھیجنے والے
کے نام کے ساتھ) پیش کرتے ہیں اور آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے -
من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی نائياً بلغته - یعنی جو کوئی میری قبر کے پاس
سے درود بھیجتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو کوئی دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچا یا
جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

دوسری حدیث میں ہے: ان اللہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام
خدا تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر کر دی ہے جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری
امت کا صلوٰۃ و سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نزدیک ہو یا دُور صحیح عقیدہ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھتے وقت یا رسول اللہ کہا جائے
تو وہ جائز ہے۔ مگر یہ عقیدہ بڑا چاہیے کہ دُور سے پڑھے ہوئے درود و سلام آپ کو بذریعہ فرشتہ
پہنچائے جاتے ہیں۔ خدا کی طرح بنفس نفیس سُن لینے کا عقیدہ نہ رکھے۔

اسی طرح "التحیات" میں "السلام علیک ایتھما للئی" کہہ کر سلام پہنچایا جاتا ہے۔ اس میں
کوئی شک و شبہ نہیں۔ نیز قرآن پاک پڑھتے وقت "یا ایتھما المؤمنین" عبارت کے طور پر پڑھا جاتا ہے
اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اس کو حاضر و ناظر کی دلیل بنا لینا جاتا ہے۔ نیز حاضر و ناظر کے عقیدے کے
بغیر فقط حوشِ محبت میں یا رسول اللہ کہا جائے یہ بھی جائز ہے۔ کبھی غایتِ محبت اور شدید غم کی حالت
میں حاضر ناظر کے تصور کے بغیر غائب کے لئے لفظِ مذکور پڑھتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ کبھی صرف تحیل کے طریقہ کے
ساتھ شاعرانہ و عاشقانہ خطاب کیا جاتا ہے اس میں بھی کوئی حرج نہیں (شعر اگر تو دیواروں اور کھنڈرات
کو مخاطب بناتے ہیں۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ حاضر و ناظر وغیرہ کو کوئی عقیدہ یہاں نہیں ہوتا۔ البتہ بدوں صلوٰۃ
و سلام حاضر ناظر جان کر حاجت ردائی کیلئے اٹھنے بیٹھتے یا رسول اللہ یا علی یا غوث وغیرہ کہنا بیشک
ناجائز اور ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے - ادعونی استجب لکم (سورہ مومن) تم مجھے پکارو میری عبادت
کر دو میں تم سے غائب نہیں ہوں۔ میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں اور تمہاری درخواست و عبادت
قبول کرتا ہوں۔ (تفسیر حقانی ص ۱۹۱)

بیز حدیث شریف میں ہے - قال رجل یا رسول اللہ ای الذنب اکبر عند اللہ قال ان تدعوا
للہ نذا وھو ذنبتک - یعنی ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا گناہ عند اللہ

سب سے بڑا ہے؟۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کو پکارنے میں اور اس کی عبادت میں تو کسی کو شریک بنا۔ یعنی خدا کی طرح اور کو پکارے حالانکہ تجھ کو پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح حاجت روائی کے لئے یا اللہ کہہ کر پکارتے ہیں اسی طرح دوسرے کو پکارنے پر اگناہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف - مظاہر حق ص ۱۱)

لہذا نشست و برخاست اور بوقت مصیبت یا اللہ کہہ کر اپنے خالق و مالک اور رازق کو (جس کی شان علی کل شیئ قدیر اور بکل شیئ علیم ہے) پکار کر مدد مانگنی چاہئے۔ اور تمام حوائج اسی کی بارگاہ میں پیش کرنے چاہئیں۔ نہ یہ کہ یا رسول اللہ، یا علی یا غوث کہہ کر بالاستقلال حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کو پکارے اور ان کی خدمت میں حوائج کو پیش کرے۔ یہ تعلیم اسلام کے خلاف ہے حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:-

اے مخاطب! میں تجھ کو مخلوق کے پاس دیکھ رہا ہوں نہ کہ خالق کے پاس! تو نفس اور مخلوق دونوں کا حق ادا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کا حق ساقط کرتا ہے۔ یہ نعمتیں جن میں تو غرق ہے تجھ کو کس نے دی ہیں کیا خدا کے سوا کسی دوسرے نے دی ہیں؟ (الفتح الربانی ص ۲۸۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:- فلا تذہبن بھمتک الی احد من خلفہ فی معافانک فذلک اشترک منک بہ لا یملک معہ فی ملکہ احد شیئاً۔ لا ضار ولا فاع ولا جالب ولا مسموم ولا مبلی ولا معافی ولا مبری غیرہ!

(ترجمہ) بلا دفع کرنے کے لئے اپنی ہمت اور اپنی توجہ کسی مخلوق کے پاس مت لیجاؤ کہ یہ خداوند تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ کوئی شخص اس کے ساتھ اس کی ملک میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، نہ نقصان و نفع پہنچانے والا، نہ ہٹانے والا، نہ پیار و مبتلا کرنے والا، نہ صحت و نجات دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہیں (فتوح الغیب مقالہ ۵۹ ص ۱۵)

اور فرماتے ہیں:- فلیکن لک مسئول واحد ومعطى واحد وھمہ واحدة وھو ربک عن وجل الذی نواصی الملوك بیدہ وقلوب الخلق بیدہ النبی ہی امراء الاجساد۔

پس چاہئے کہ تمہارا مسئلہ (جس سے تم مانگو) وہ واحد ہو۔ عطا کرنے والا واحد ہو۔ ہمت اور توجہ واحد ہو (پاکندہ نہ ہو) اور وہ تیرا رب ہے (عزوجل) وہ رب کہ تمام بادشاہوں کے پیشانی کے بال اس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمام مخلوق کے دل جو حبیبوں کے حاکم ہوتے ہیں اس کے قبضہ میں ہیں فتوح الغیب مقالہ ۵۸

خلاصہ یہ کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے چاہے نبی ہو یا ولی، حاضر و ناظر اور حاجت روا ہونے کا عقیدہ بالکل غلط اور باطل ہے اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ حاضر و ناظر صرف خدا کی ذات ہے۔ مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:-

”حق سبحانہ و تعالیٰ براحوال جزوی و کلی اذ مطلع ست و حاضر و ناظر! شرم باید کرد! یعنی خداوند قدوس بندوں کے تمام جزوی و کلی امور پر خبردار اور مطلع اور حاضر و ناظر ہیں! اس کے علاوہ کئی اور کے تصور سے ہمیں شرم کرنی چاہئے“ (مکتوب ۱۵ ص ۱۱۱)

”علی کل شیئ قدیر“ اور ”بکل شیئ محیط“ ”حاضر و ناظر وغیرہ صرف اللہ پاک کے اوصاف ہیں ان میں کوئی شریک نہیں۔ حضرت شاہ ہدایت اللہ نقشبندی جے پوریؒ فرماتے ہیں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں کیتلے کوئی اس کی ذات و صفات اور اس کے افعال میں کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا (معیار السلوک) اسی لئے حضرت خواجہ نجیہ راکھی کے استاد سلطان العارفين حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ تو شیخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض اشخاص وہ ہیں جو اپنے حوائج اور مصیبت کے وقت اولیاء و انبیاء کو پکارتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی ارواح موجود ہیں ہماری پکارت سنتی ہیں اور ہماری ضروریات کو خوب جانتی ہیں یہ بڑا شرک اور کھلی جہالت ہے۔ اور ملا حسین جناح ”مفتاح القلوب“ میں فرماتے ہیں:-

وازلکلمات کفرست نداء کردن اموات غائبان گمان آن کہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ

دیاعبدالقادر و مانند آن!

یعنی جو بزرگ وفات پا چکے ہیں ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر گمان کر کے غائبانہ نداء کرنا جیسے یا رسول اللہ یا عبدالقادر وغیرہ، یہ کلمات کفریہ ہیں۔

اور فتاویٰ ہزاریہ میں ہے: "من قال اسوا ح الشائح حاضرۃ بکفر۔ یعنی جو کوئی کہے کہ بزرگوں کی رحیم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں وہ کافر ہے (صفحہ ۳۲۶ مع فتاویٰ عالمگیری)

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ عقائد باطلہ کے بارے میں یہ تحریر فرماتے ہیں: "انبیاء مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب دشمنیدن فریاد بر کس در ہر جا قدرت بزرگ جمع مقدورات ثابت کنند۔" انبیاء اور رسولوں کے لئے لوازم الوہیت جیسے کہ عالم الغیب ہونا اور ہر جگہ سے ہر ایک کی فریاد سنا اور تمام مقدورات پر قدرت ثابت کرنا الخ (یعنی عقیدہ باطل ہے) (تفسیر فتح العزیز سورہ بقرہ ص ۵۲)

بریلوی خیالات کے ایک بڑے عالم بھی مذکورہ بالا عقیدہ کے بارے میں واضح الفاظ میں فرماتے ہیں: "ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سب جا (ہر جگہ) حاضر و ناظر بجز خدا کے عزائمہ کے کوئی نہیں۔ (انوار الہیہ فی الاستعانة من خیر البریہ ص ۱۲۷)

غرض یہ کہ یا رسول اللہ! یا غوث! وغیرہ اس عقیدہ سے کہنا کہ اللہ کی طرح یہ حضرات بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا ہماری ہر پکار اور فریاد کو سنتے ہیں اور حاجت روا ہیں جائز نہیں ہے! اگر اپنا یہ عقیدہ نہ ہو لیکن ادروں کا عقیدہ بگڑے گا اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے ایسے کلمات کہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وعلیہ اتم واحکم!

اللھم ان هذا الكتاب وسیلتی الیک وفي مغفرتک الوسعة حیلتی لیدی لا الذلانت سبحانک بیسک وسعدیک فاغفر للھم امر حرامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ عامۃ لیاک نعید وایاک نستعین ونتوکل علیک ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر وما علینا الا البلاغ المبین ط بلاغ فہل یهلك الا القوم الفاسقون حمۃ الامر وجاء النصر فعلننا لا ینصرون۔ وصلى اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین اے اللہ میں اس کتاب کو تجھ تک رسائی کا وسیلہ بناتا ہوں اور تیری وسیع مغفرت

اور بخشش کے لئے بہانہ۔ تو ہی ہے میرا معبود، تیری ذات پاک ہے، میں تیری عبادت کے لئے ہر وقت حاضر ہوں۔ اے اللہ تو اُمت محمدیہ پر مہربانی فرما۔ پوری اُمت پر اپنی عام رحمت نازل کر۔ ہم تیری عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ہمارے ذمہ یہ ہے کہ واضح طور پر تیرا پیغام پہنچا دیں۔ پیغام پہنچنے کے بعد وہی برباد ہوتے ہیں جو فاسق اور بدکردار ہوں پیغام کی طرف توجہ نہ کریں۔

حمۃ الامر وجاء النصر فعلننا لا ینصرون اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تمام مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور آپ کے تمام آل و اصحاب پر۔

بِقُوَّةٍ اِدْرِ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ كَيْوَلَّوْا وَاِذَا حٰدِثٌ مِّنْ اٰمِلِ اللّٰهِ اِسْتَعَاْنَتِ كَيْوَلَّوْا دِيْجَاتِي - ص ۳۳۹
تنقید :-

جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کہنے کی اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے، معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت تحریر میں 'نُسْتَعِيْنُ' کا مفعول و معمول ایسا کہ ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے اور استعانت عرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بدعت و بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے، اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پینترا بدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے عقیدہ باطل ہے اھ اور اس طرح تحریف کا چور دروازہ اپنے لیے کھول لیا ہے، اس لیے ہم بھی اس پر قدمے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کسی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔ اولاً بزرگ خود جو تفسیر اجمالاً اِیَّاكَ نُسْتَعِيْنُ کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں، اہل مکران حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اند اگر یہ غلط

غیر اللہ سے مدد مانگنا

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ
تنقید متین ص ۲۲ پر مولانا نعیم الدین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اول۔ مولوی نعیم الدین صاحب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ اِیَّاكَ نُسْتَعِيْنُ میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے حقیقی مستعان وہی ہے، باقی آلات و خدام و اجباب وغیرہ سب عون الہی کے مظہر ہیں بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدہ باطل ہے کیونکہ مقربان حق کی امداد الہی ہے استعانت بالغیر نہیں اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں اَعِيْنُوْنِی

ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیوں کر حق قرار پایا؟ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا؟ استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعی سے جواز ثابت ہے، وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پکس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے، اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: لا شریک لہ فی وجوب الوجوب ولا فی استحقاق العبادۃ فی الخلق والتدبیر فلا یتحقق العبادۃ ای اقصى غایۃ التعظیم الا هو ولا یشفی مریضاً ولا یرزق بذاتہ ولا یکشف خیراً الا من معنی ان یقول لشیء کن فیکون لا بمعنی التسیب العادی الظاہری کما یقال شفی الطیب المریض و رزق الامیر المجد فہذا غیرہ وان اشتبہ فی اللفظ (تفہیمات الیہ جلد ۱ ص ۱۲۵)

اور شیخ ابو بکر بن محمد عارف خوقیریؒ فرماتے ہیں کہ: اشک ہوا اعتقاد ان لغیر اللہ اثر فوق ما وہبہ اللہ من الاسباب الظاہرة وان لشیء من الاشیاء سلطاناً عما خرج عن قہرہ المخلوقین

شرک اس اعتقاد کا نام ہے جو غیر اللہ کے متعلق یوں قائم کر لیا جائے کہ غیر اللہ کا ان ظاہری اسباب بالاتر اثر ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب قرار دیا ہے اور یہ کہ کسی چیز کا اس شے پر تسلط جو

زملا بدمنتہ طبع مصر

مخلوق کی قدرت سے خارج ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ استعانت ظاہری اور ماتحت الاسباب جائز اور درست ہے، جیسا کہ حضرت ذوالقرنینؑ نے سد سکندری کے مقام کے قریب پہنچ کر وہاں کے لوگوں کی یہ درخواست سنی کہ یا ہوج ہوج ہمیں بے حد تکلیف دیتے اور ساتے ہیں، اس لیے آپ اس درہ میں ایک بند قائم کر دیں، تاکہ ہم ان کے دست برد سے نجات حاصل کر لیں اور ہم آپ کی مالی امداد بھی کریں گے تو حضرت ذوالقرنینؑ نے فرمایا کہ مال کی مجھے ضرورت نہیں، خداوند تعالیٰ نے بہت کچھ مجھے مرحمت فرمایا ہے ہاں بدنی طور پر تم میری امداد کرو اے عین شوقی ببقوۃ یہ مذہب ادنیٰ جو شرک کے شیدائی جنرات انبیاء اور اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں اور نہ قریب، ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے جس کو مٹانے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے، اور شریعت حقہ اس کے لیے وقف ہے اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے، اہل علم کی شان نہیں۔ وثالثاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:-

ومنہا انہم کانوا یستغینون بغیر اللہ فی حوائجہم من شفاء المریض وغناء الفقیر ویستدرون لہم یتوقعون انجاح مقاصدہم بتلک الذود ویتلون اسمائہم بجاء مبرکہ تہافت وجب اللہ تعالیٰ علیہم ان یقرلوا فی صلواتہم ایاک

اقسام شرک میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شرکین اپنی حاجتوں میں غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا اور فقیر کی غنی وغیرہ اور ان کے لیے نذرین ملتے تھے اور ان کی وجہ سے وہ اپنی مرادیں پوری ہونے کی امید لکھتے تھے اور برکت حاصل کرنے کی امید پر وہ ان کے نام ورد کے طور پر پڑھتے تھے سو اللہ تعالیٰ

نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ وَقَالَ
اللَّهُ تَعَالَى فَلَمَّا تَدْعُوَامَعَ اللَّهُ
أَحَدًا وَلَيْسَ الْمُرَادُ مِنَ الدُّعَاءِ
الْعِبَادَةُ كَمَا قَالَ بَعْضُ الْمَفْسِرِينَ
مَبْلُغًا هُوَ لَا اسْتِعَانَةَ لِقَوْلِهِ
تَعَالَى بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ
مَا تَدْعُونَ ۝

رحمۃ اللہ البالغہ جلد ۱۲ طبع مصر،

میں نے ان پر یہ واجب کر دیا کہ وہ اپنی نماز میں
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ پڑھیں
اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے
ساتھ کسی کو مت پکارو اور دعا سے یہاں عبادت
مراو نہیں جیسا کہ بعض مفسرین کرام نے کہا ہے
بلکہ استعانت مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
ارشاد فرمایا کہ بلکہ تم صرف اُسی کو پکارو گے
سودہ تمہاری تکلیف کو رفع کرے گا۔

ان صاف اور صریح عبارات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ سے استعانت
شرک ہے، اور یہی مشرکین مکہ کا شرک تھا چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی ایک
مقام پر لکھتے ہیں :-

وَكَفَرَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مُشْرِكِي مَكَّةَ
بِقَوْلِهِمْ لِرَجُلٍ سَخِي كَانَ يَلْتَمِسُ
السُّبُقَ لِلْحِجَابِ أَنَّهُ نَصَبَ مَنْصِبَ
الْإِلَهِيةِ وَجَعَلُوا يَسْتَعِينُونَ
بِهِ عِنْدَ الشَّدَائِدِ -
(بدور بازغہ ص ۱۲۶)

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الخفی (المتوفی ۱۳۲۵ھ) لکھتے ہیں :-
مسئلہ :- عبادت سر غیر خدا را جائز
نیست و نہ مدد خواستن از خیر حق اہ
(ارشاد الطالین ص ۱)
طلب کنا۔

حیرت ہے کہ یہ اکابر علماء اسلام تو غیر اللہ سے استعانت کو کفر اور شرک

قرار دیں اور اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کے سراسر خلاف سمجھیں، مگر مولوی نعیم الدین صاحب
یہ کہتے رہیں کہ استعانت بالغیر کی نفی اس آیت سے دہا بیہ نے سمجھی ہے حضرت
شاہ رفیع الدین صاحب الخفی (المتوفی ۱۲۳۳ھ) مشرکین کے افعال شرکیہ کی تردید
کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

و در تصرف و رکائات جزئیہ مانند
کشادہ کردن رزق و دادن اولاد و
دفع امراض و تسخیر ارواح و مانند آل
بکار می آرند - ایں خود شرک صریح
است و دریں مقام غڈے نیست -
(فتاویٰ شاہ رفیع الدین صاحب)

یعنی مشرکین کائنات کے جزوی تصرفات
مثلاً رزق کشادہ کرنے اولاد دینے امراض کو دور
کھننے اور ارواح کو مسخر کرنے وغیرہ کے سلسلہ میں
افعال شرکیہ کو عمل میں لاتے ہیں اور یہ خود
صریح طور پر شرک ہے اور اس مقام میں کوئی
عذر نہیں ہو سکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مشرکین کا یہ عقیدہ
تھا کہ سارے جہاں کا مدبّر تو صرف خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو
بعض مخصوص علاقوں میں تصرف کرنے کا اختیار عطا فرما دیتے ہیں (و يجعله مؤثرا
تصرفانی قسط من العالم - بدور بازغہ ص ۱۲۷) پھر آگے لکھتے ہیں کہ یہود
و نصاریٰ اور مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔

والغلاة من منافق دین محمد
صلی اللہ علیہ وسلم فی یومنا
ہذا (بدور بازغہ ص ۱۲۷)
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
دین کا نام لینے والے انتہائی درجہ کے منافقوں
کا بھی آج کل یہی عقیدہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے مگر ان
کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ان کو عون الہی اور امداد الہی کا
نظر سمجھ کر استعانت کرتے تھے اور یہی شرک کی حقیقت ہے، کیوں کہ دنیا
میں کسی شرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا بائیں طور پر کہ اس کو واجب الوجود

تسلیم کیا ہو، اور قدرت و طاقت کا باستقلال منبع اس کو یقین کیا ہو بلکہ مشرکین عطا فی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ہی فرماتے ہیں کہ :-

والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه
وتعالى شيئاً من صفاته المختلفة
كالنصرف في العالم بالا رادة
الذي يعبر عنه بكن فيكون او
العلم الذاتي من غير اكتاب
بالحواس ودليل العقل والمنام
واللهام ونحو ذلك او اليجاد
لشفاء المريض او اللعن لشخص
والسخط عليه حتى يقدر عليه
الرزق او يمرض او يشفى لذلك
السخط والرحمة لشخص حتى
يسقط له الرزق ويصح ببدنه
ويسعد ولم يكن المشركون
يشكون احداً في خلق الجواهر
وتدبير الامور العظام ولا يثبتون
لاحد قدرة على الممانعة اذا ابدى
الله سبحانه وتعالى امراً وانما
كان اشراكهم في الامور المخلصة
بعض العباد وكنوا يظنون ان

شرك یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے
لیے اُن صفات میں سے کوئی چیز ثابت کی جائے
جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں مثلاً جہان میں
اس ارادہ سے تصرف کرنا جس کو کن فیکون سے تعبیر کیا
جاتا ہے یا علم ذاتی ثابت کیا جائے جو بغیر حواس
اور عقلی دلیل اور خواب اور الہام وغیرہ کے ثابت
ہو یا بیمار کے مرض کو دور کرنے کی صفت ثابت
کی جائے یا کسی شخص پر ایسی پھینکاؤں اور ناراضگیوں کی
جائے کہ اُس کی وجہ سے اس پر رزق تنگ ہو
جائے یا کسی شخص پر رحمت کی جائے جس کی بنا
پر اس پر رزق کی وسعت ہو اور اس کا بدن
صحیح ہو جائے، اور وہ سعادت مند ہو جائے
مشرک لوگ کسی کو خدا تعالیٰ کے ساتھ اجسام و
جواہر کے پیدا کرنے اور بڑے بڑے کاموں
کی تدبیر کرنے میں شریک نہیں مٹھاتے تھے
اور کسی کے لیے یہ قدرت ثابت نہیں کرتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کر
چکا ہے تو وہ اس کو مائل کرتے ہیں، ان کا
شک یہ تھا کہ بعض بندوں کے بارے میں

الملك على الاطلاق جل مجده شرف
بعض العباد بخلعة اللوہیة
ويؤثر رضاهم وسخطهم على
سائر العباد كما ان ملكاً من
الملوك عظيم القدر يرسل عبده
المخصوصين الى نواحي المملكة
ويجعلهم متصرفين في الامور
المجزئية الى ان يصدر عن
الملك حكم صريح فلا يتوجه
الى تدبير الامور المجزئية و
يفوض اليهم امور سائر العباد
ويقبل شفاعتهم في امور من
يخند مهم ويتوسل بهم فيقولون
بوجوب التقرب بعباد الله سبحانه
المخصوصين المذكورين يتسألهم
قبول الملك المطلق وتقبل شفاعتهم
للمتقربين بهم في مجاري الامور
كانوا يعجزون بملاحظة هذه
الامور ان يسجد لهم ويذبح لهم
ويحلف بهم ويستعان بهم في
الامور الضرورية بقدره كن
فيكون وكانوا يمتحنون من الحجرو

یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کچھ مخصوص کام کر
سکتے ہیں اور اُن مشرکوں کا یہ خیال تھا کہ
علی الاطلاق بادشاہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے
لیکن وہ اپنے بعض بندوں کو حاجت دانی
کی خلعت سے مشرف کر دیتا ہے اور ان
کی رضا اور ناراضگی کو سب بندوں پر ترجیح
دیتا ہے جس طرح کہ ایک بڑی شان والا
بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کو اطراف مملکت
میں بھیجتا ہے اور ان کو جزوی معاملات
میں تصرف کا اختیار دے دیتا ہے تاکہ
بادشاہ سے اس کے خلاف کوئی حکم صادر
ہو سو بادشاہ ان جزوی امور کی تدبیر کی طرف
توجہ نہیں کرتا اور ان سب لوگوں کے معاملات
ان غلاموں کے سپرد کر دیتا ہے اور ان
لوگوں کے بارے میں ان کی سفارش
قبول کرتا ہے جو ان کی خدمت میں مشغول
ہوتے ہیں اور اس انداز سے ان کا توسل چاہتے
ہیں اور اسی وجہ سے مشرک لوگ اللہ تعالیٰ
کے مخصوص بندوں کے تقرب کو ضروری قرار
دیتے تھے تاکہ ان کو بادشاہ مطلق کے ہاں
آسانی سے قبولیت حاصل ہو اور ان سے
تقرب حاصل کرنے والوں کے حق میں ان

الصفرو غیر ذلک صوراً یتخذونها
قبلة التوجه الى تلك الارواح
(الفوائد الکبریٰ ص ۵۵)

کے معاملات کے پورا ہونے میں ان کی
سفارش قبول ہو اور انہی امور کے پیش نظر
مشرک لوگ ان مخصوص بندوں کو سجدہ جاری رکھتے
تھے اور ان کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے اور
ان کے ناموں کی قسم اٹھاتے تھے اور اہم
معاملات میں ان سے کن فیکون کی قدرت
کے تحت استعانت کرتے تھے اور مشرک
لوگ پتھر اور پیتل وغیرہ کی مورتیاں بھی تراشتے
تھے مگر ان کو وہ ان نیک لوگوں کے ارواح
کی توجہ کا قبلہ سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے مشرکوں کے شرک کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ تقریباً ہر زمانہ
اور ہر جگہ کے مشرکوں پر فٹ ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی مقام پر ان میں سے کوئی ایک
بات اور کسی جگہ کوئی دوسری بات ہو مگر اصولی طور پر مشرک انہی برائیوں میں الجھے ہوتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خرابیوں سے محفوظ رکھے آمین۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب (المتوفی ۱۲۳۰ھ) اپنی مختصر مگر بے حد مفید تفسیر
موضع القرآن میں وَلَا تَتَكَبَّرُوا لِلْمُشْرِكَاتِ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پہلے مسلمان اور
کافر میں نسبت ناتا جاری تھا، اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد یا عورت نے شرک کیا،
اس کا نکاح ٹوٹ گیا، شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس
کو ہر بات معلوم ہے، یا وہ جو چاہے سو کرے سکتا ہے، یا ہمارا بھلا یا بُرا کرنا، اس کے
اختیار میں ہے، اور یہ کہ اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی چیز کو سجدہ کرے
اور اس سے حاجت طلب کرے اس کو مختار جان کر اھ (حاشیہ حاکم شریف ص ۵۵
صفحہ ۵) حیرانگی کی بات ہے کہ جن امور کو ذمہ دار بزرگان دین قرآن و سنت کی روشنی

میں ببانگ دہل شرک کہتے ہیں، مولوی احمد رضا خان صاحب اور مولوی نعیم الدین صاحب
اور ان کے اتباع انہی کو ایڑی چوٹی کا دور لگا کر خالص ایمان اور سچا اسلام ثابت کرنے
کے درپے ہیں، فوا اسفا۔

رہا مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ اِسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالْقُلُوبِ
کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے
اھ تو یہ نرا دھوکہ اور مغالطہ ہے، کیونکہ صبر اور صلوة بلاشبہ غیر اللہ ہیں مگر استعانت صبر
اور صلوة سے نہیں اور نہ وہ مستعان ہیں بلکہ بِالْقَبْرِ میں حرف با سبب کے لیے ہے،
اور مراد یہ ہے کہ تم صبر اور صلوة کے سبب اور ذریعہ سے استعانت کرو۔ کیونکہ غیر اللہ
حقیقی طور پر اہل اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی مستعان نہیں ہیں، بخلاف
باری تعالیٰ کے کہ وہ سبب نہیں بلکہ مسبب الاسباب ہے) یہ تو صرف ذریعہ ہیں
مستعان ہرگز نہیں، مستعان کون ہے؟ وہ صرف باری تعالیٰ ہے جیسا کہ

إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اِنَّكَ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ اِنَّ اللّٰهَ اَنَا نَسْتَعِينُكَ وَغَيْرِہ
میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مولوی نعیم الدین صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ کتب
حدیث کے ذافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم
دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو چہ جائیکہ اس کے
ثبوت میں احادیث ہوں، محض احادیث کے خوش کن لفظ سے عوام کو دھوکہ دینا
خیانت علمی ہے، عالم اسباب کی استعانت کا معاملہ جدا ہے اس کی کچھ ضروری
تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس باطل عقیدہ کی مولوی نعیم الدین صاحب
اور ان کے متوسلین نشر و اشاعت کرتے ہیں وہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، اگر
ہماری بات پر کسی کو یقین نہیں آتا تو ہم مجبور نہیں کرتے، بریلوی مسلک کے ایک مسلم
پیر اور مشہور شخصیت کا حوالہ ہم عرض کرتے ہیں جو اپنی جماعت میں علم و تحقیق اور
شرف و فضیلت میں بہت مشہور تھے، وہ بزرگ جناب پیر مرعلی شاہ صاحب

گورڈوی (الموتنی ۱۳۵۶ھ) میں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابوطالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لادیں اور طور میں ایسا نہ آجائیں سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب بنی کوکل اختیار نہیں تو دلی کو کس طرح ہوا یہ تب سے نعوذ باللہ، نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔ انتہی بلفظہ (مکتوبات طہیات معروفہ بمہر چشتیہ از پیر مہر علی شاہ صاحب ص ۱۲۷ مطبوعہ حجازی پریس لاہور) اس حوالہ کو بار بار پڑھیے اور مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے ہم مشرب دوستوں کے باطل عقیدہ کو بھی دیکھئے۔ اور یہی پیر صاحب ایک برہمن نجومی کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت نے ایسے امور کو اسی وجہ سے فضول کہا ہے کہ نہ حصول خیر کسی کے ہاتھ میں ہے نہ دفع ضرر کسی کے اختیار میں جو کچھ ہے خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، پس سعادت اور اس کے خلاف کے جلنے سے کیا فائدہ ہے الخ (مقالات مرضیہ المعروفہ بملفوظات نہریہ ص ۱۳ طبع نور آرٹ پریس راولپنڈی)

اور نیز مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق کی امداد الہی ہے استعانت بال غیر نہیں الخ سراسر مردود ہے کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کے غیر ہے، اور وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بال غیر کیوں نہیں؟ ہاں یہ کہ عیسائیوں کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈ کر دیا جائے اور اثنینیت ختم کر دی تو معاملہ الگ ہے، غرضیکہ مافوق الاسباب طریقہ سے استعانت جو خاصہ خداوندی ہے جس سے بھی ہوگی شرک ہی ہوگی، اس میں رتی بھر شبہ نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر گلدستہ توحید میں لکھتے ہیں :-

اس مقام پر زیادہ تفصیل تو نہیں کی جائے گی کیونکہ اہل تہذیب و تمدن فریق مخالف اور احادیث

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اثبات عقیدہ کے لیے قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے یعنی قرآن کریم اور احادیث متواترہ۔ لیکن آپ یقین جانے کہ غیر اللہ کو طریق ساقی سے پکارتے پر نہ تو کوئی قرآن کریم کی آیت موجود ہے اور نہ ہی خبر متواترہ۔ اور خبر واحد کا قرآن کریم کی سابقہ پیش کردہ آیات کے مقابلہ میں پیش کرنا، اصول موضوعہ کے خلاف ہی نہیں بلکہ مولوی احمد رضا خان صاحب قائد فریق مخالف، کے نزدیک ہرزہ بانی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

”عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بانی“ (ہے)۔ (فیوض المملکیہ ص ۱۵۲ و انباء المصطفیٰ ص ۱۷۱ واللفظانہ)

حضرات اہل خان صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ مصیبت میں غیر اللہ کو پکارنے پر نص قرآنی پیش کرتے، اور حدیث متواترہ کو اس پر دلیل لاتے۔ مگر افسوس کہ خان صاحب اس سے بالکل عاجز ہے اور جو حدیث انہوں نے نداء غید اللہ پر پیش کی ہیں، وہ ضعیف اور موقوف ہیں اور ضعیف ہونے کے ساتھ ان کا مطلب بھی خان صاحب کو چندان مفید نہیں، اور دوسرے لوگوں نے جو حدیثیں اس پر پیش کی ہیں وہ بھی ضعیف اور کمزور ہیں مثلاً بعض حدیثیں یہ ہیں :-

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پاؤں ایک دفعہ سو گیا۔ کسی نے کہا کہ :-

اذکر احب الناس الیہ ففت ال
یا محمد (ابن سنی ص ۵۹) و ادب المفرد
انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب
میں تو حضرت ابن عمرؓ نے کہا یا محمد۔

۱۲۱ کتاب الاذکار ص ۱۲۵ و شرح شفاء لعلی
ن القدی ج ۲ ص ۱۴۴ و شرح شفاء لعلی ج ۳ ص ۳۹۴

جواب اول: یہ حدیث موقوف بہ مرفوع نہیں اور پھر ہے بھی ضعیف۔

اس کی کوئی سند بھی جرح سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس کی ایک سند میں البشجہ نام راوی ہے
امام دارقطنی فرماتے ہیں، موقوف ہے۔ (میزان ۳ ص ۲۶ و لسان ۶ ص ۳۹۴)

دوسری سند میں محمد بن مصعب ہے۔ امام نسائی کہتے تھے، ضعیف ہے۔ امام
ابو حاتم کہتے تھے، اس کی حدیث ضعیف ہے۔ علامہ خطیب کہتے ہیں، کثرت سے
غلطیاں کرتا تھا۔ عبد اللہ بن سیار فرماتے ہیں، ضعیف تھا۔

ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک ضعیف تھا۔ امام ابن حبان روایت
ہیں، اس سے احتجاج صحیح نہیں۔ (تہذیب ۹ ص ۴۵۹ و میزان ۳ ص ۱۲۴)

تیسری سند میں زہیر بن معاویہ عن ابی اسحاق الخ ہے۔ زہیر اگرچہ ثقہ تھے۔ لیکن
محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ ان کی وہ حدیث جو ابوالاسحاق کے طریق سے ہوئی
ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے تقریب ص ۱۳ میں اور علامہ ذہبی نے
میزان ۱ ص ۲۵۵ میں اور امام ابو حاتم نے (بحوالہ تہذیب ۳ ص ۳۵۲) اس کی تصریح کی ہے
اگرچہ روایت صحیح بھی اہل حق تب بھی یہ خبر واحد ہے حالانکہ سند میں بعض راویوں کا حال بھی اپنے دیکھ لیا ہوتا ہے
ان کی روایت کیسے حجت ہو سکتی ہے؟

یہ مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کمال ہے کہ کہیں لکھتے ہیں :-

(۱) عبد اللہ بن عمر بن کاتبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت مصیبت یا محمداہ یعنی متوفی
فی الامور سمجھ کر غائبانہ اپنی حاجت میں پکارنا۔

(۲) یا حرف نذر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھنا الخ (مقیاس ص ۴۸۶)

جواب دوم: یہ حدیث موقوف اور ضعیف ہونے کے ساتھ فریق مخالف
کو چنداں مفید بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں ذکر کا لفظ ہے ادع کا نہیں، اور عرف نہ

قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ (شرح مائتہ عامل ص ۲۴) وغیرہ۔

اور اشتیاقاً دلت یا نہ کسی کا ذکر کرنا جب کہ اس کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب۔ اور
متصرف فی الامور نہ سمجھے، صحیح ہے۔ اور اکثر حضرات صوفیاء کرام اور بزرگان دین سے اس
معنی میں یا رسول اللہ مروی ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے محقق اور مسلم عالم مولوی عبد السمیع
صاحب نے اس پر بادلائل بحث کی ہے کہ سلف صالحین یا رسول اللہ وغیرہ کے الفاظ
سے محض غلبۂ اشتیاق مراد لیتے تھے نہ کہ حاضر و ناظر وغیرہ (ملاحظہ ہو النوار ساطعہ از ص ۲۲
تا ص ۲۲۹) یہ پورے مفصل حوالے پہلے بیان ہو چکے ہیں) لیکن اگر کوئی شخص خان صاحب
کی طرح یہ شوق ہی متعین کرے کہ میں تو مدد کے لیے پکارتا ہوں تو البتہ ناجائز ہوگا۔

خان صاحب فرماتے ہیں :-

میٹھے، اٹھتے مدد کے واسطے یا رسول اللہ کہا، پھر تجھ کو کیا؟

(مدائق بخشش ۲ ص ۵)

اور اس کے ناجائز ہونے پر سابقہ آیات و دلائل ہی کافی ہیں۔

(۲) ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا پاؤں سو گیا اور
انہوں نے یا محمد اہ کہا۔ (کتاب الاذکار وغیرہ)

جواب :- اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں، موقوف ہے۔
امام بیہقی کہتے تھے، ثقہ نہ تھا۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بخاری
فرماتے ہیں، موقوف ہے۔ (میزان ۲ ص ۲۲۳)

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود سے ایک حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کر رہا
ہو اور تمہاری سواری کا جانور لٹکتے سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیے۔

یا عباد اللہ اعینونی (وفی روایت)۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

یا عباد اللہ اخیسوا فان اللہ فی الارض اے اللہ کے بندو اس کو رد کرو

حاضر (وفی رواية عباداً) یُتَحَدَّثُ . کیونکہ وہاں کچھ ایسے لوگ حاضر ہوتے ہیں جو (مجمع الزوائد ۱۰ ص ۱۲۳) وابن سنی ص ۱۲۲ و حسن اس کو روک لیں گے۔

حصین ص ۱۲۲ کتاب الاذکار ص ۲۰۱)

جواب اول :- یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سندیں معروف بن حسان ہے۔ علامہ ہاشمیؒ لکھتے ہیں کہ ضعیف ہے (مجمع الزوائد ۱۰ ص ۱۲۳) امام ابن عدیؒ کہتے ہیں منکر الحدیث ہے (میزان ۳ صفحہ ۱۸۳) امام ابو حاتمؒ کہتے تھے مجہول ہے۔ (لسان المیزان ۶ ص ۶)

دوسری سند حضرت عقبہ بن غزوٰنؒ تک پہنچتی ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن اس سند میں حسب تصریح علامہ ہاشمیؒ علیٰ ضعف فی بعضہ۔ بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ زید بن علیؒ کی روایت حضرت عقبہؒ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اور نہ اس نے ان کو دیکھا ہے اور نہ ان کا زمانہ پایا ہے۔ لہذا یہ روایت حضرات محدثینؒ کی اصطلاح میں منقطع ہے جو ضعیف ہوتی ہے۔ (مجمع الزوائد ۱۰ ص ۱۲۳)

جواب دوم :- اگر ضعیف ہونے کے ساتھ اس حدیث کے الفاظ پڑھیں گے لگاہ بھی ڈالی جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہے کہ وہاں کچھ خدا تعالیٰ کے بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جبکلات میں ہتے ہیں۔ جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو، تو یہ کہا کرو: اعینا عباد اللہ۔ (مجمع الزوائد ۱۰ ص ۱۲۲، وقال رجالہ ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا۔ بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں۔ ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

میزان الحق

یعنی
دیوبندی، بریلوی اختلاف کا
شرعی فیصلہ

مکمل تین حصے :-

اس کتاب میں مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، مختار کل، نور و بشر، یا رسول اللہ کہنا، غیر اللہ سے مدد مانگنا، بدعت کے لغوی و شرعی معنی اور اقسام اور موجودہ دور میں پائی جانے والی تمام بدعات پر تبصرہ، علمائے دیوبند پر کیے گئے تمام اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور بریلویوں کے پچاس عقیدے بھی آخر میں نقل کیے گئے ہیں۔

مؤلف :-

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

فہرست مضامین

| صفحہ نمبر | عنوان | صفحہ نمبر | عنوان |
|-----------|----------------------------------|-----------|--------------------------------------------|
| ۱۴ | علامہ تور بشتی کا حوالہ | ۹ | باب اول |
| " | ملان القاری الحنفی کا حوالہ | " | بدعت کے لغوی معنی |
| ۱۵ | شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ | " | علامہ ابوالفتح ناصر بن سید المظفری |
| " | نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد | " | الحنفی کا حوالہ |
| " | کا حوالہ | " | امام نووی کا حوالہ |
| ۱۶ | امام نووی کا حوالہ | " | لغت کی مشہور کتاب المغرب کا حوالہ |
| ۱۷ | محمد الف کا ارشاد | " | محمد والدین فیروز آبادی کا حوالہ |
| " | ہر بدعت گمراہی ہے | ۱۰ | بدعت کا شرعی و اصلاحی معنی |
| " | حضرت عرابض بن ساریہ کی حدیث | " | علامہ شاطبی کا حوالہ |
| ۱۸ | حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث | " | علامہ عینی کا حوالہ |
| ۱۹ | کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے | " | مولانا محمد صالح بریلوی کا حوالہ |
| " | ایک مشکل اور اس کا جواب | ۱۱ | اہل بدعت کے چند شبہات کا اصولی جواب |
| " | محمد صاحب کا حوالہ | " | انوار ساطعہ کا حوالہ |
| ۲۳ | بدعات کی سیماہ سائے | ۱۲ | احکام شریعت کا حوالہ |
| " | بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں | " | صرف و نحو کی تعلیم وغیرہ پر اعتراض کا جواب |
| " | حضرت حذیفہ کی حدیث | ۱۳ | البدایہ والنہایہ کا حوالہ |
| ۲۴ | حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث | " | حافظ ابن رجب حنبلی کا حوالہ |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|--------------------------------------------------|-----------|--------------------------------|
| ۵۹ | مجالس ابرار کا حوالہ | ۴۶ | تردد کے فتنے سے بچنا |
| ۶۰ | صحابہؓ خود بدعت موضوع نہیں | ۴۷ | چند شبہات کا ازالہ |
| ۶۱ | حضرت حذیفہؓ کا قول | ۴۸ | کیا اقامت تراویح بدعت ہے |
| ۶۱ | مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا حوالہ | ۴۸ | حافظ ابن رجب حنبلیؒ کا حوالہ |
| ۸۱ | باب دوم | ۴۹ | علامہ ابن تیمیہؒ کا حوالہ |
| ۵۰ | مشہور بدعات پر تبصرہ | ۵۰ | امام ابو یوسفؒ کا ارشاد |
| ۵۱ | بحث محفل میلاد و قیام میلاد | ۵۱ | مظاہر حق شرح مشکوٰۃ کا حوالہ |
| ۸۵ | مروجہ محفل میلاد کی حقیقت | ۵۱ | فتح الملہم شرح مسلم کا حوالہ |
| ۸۴ | مروجہ محفل میلاد کے بارے میں ہمارا موقف | ۵۲ | مجالس ابرار کا حوالہ |
| ۸۹ | مروجہ محفل میلاد کب شروع ہوئی اور کس نے کی | ۵۲ | مستدرک حاکم کا حوالہ |
| ۹۳ | مروجہ محفل میلاد میں پائی جانے والی شرعی خرابیاں | ۵۶ | شامی کا حوالہ |
| ۹۵ | پہلی شرعی خرابی | ۵۶ | عامۃ الناس کے عمل سے سند پکڑنا |
| ۹۸ | دوسری شرعی خرابی | ۵۶ | ادراس کا جواب |
| ۱۰۰ | تیسری شرعی خرابی | ۵۶ | مجدد الف ثانیؒ کا حوالہ |
| ۱۰۳ | چوتھی شرعی خرابی | ۵۸ | صوفیہ کے عمل سے کیا بدعات |
| | پانچویں شرعی خرابی | ۵۸ | اس کا جواب |
| | | ۵۸ | امام ترمذیؒ کا حوالہ |
| | | ۵۸ | امام وکیعؒ کا ارشاد |
| | | ۵۸ | حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا حوالہ |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|----------------------------------------|-----------|--------------------------------------------|
| ۳۵ | امام ابن عبد البرؒ کا حوالہ | ۲۴ | (۲) بدعتی کو پناہ دینے کا انجام |
| ۳۵ | حضرت بکر بن عبد اللہ المزنیؒ کی حدیث | ۲۴ | حضرت علی المرتضیٰؒ کی حدیث |
| ۲۵ | (۷) بدعت کی نحوست | ۲۵ | علامہ ابن ابطالؒ کا حوالہ |
| ۲۶ | حضرت عقیف بن الحارث الثمالیؒ کی حدیث | ۲۶ | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا حوالہ |
| ۳۶ | حضرت حسن بن الحسین الباروسیؒ کی حدیث | ۲۶ | (۳) بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانما ہے |
| ۲۷ | الانشیا پوریؒ کا حوالہ | ۲۷ | حضرت ابراہیم بن میسرہؒ کی حدیث |
| ۳۷ | حضرت حذیفہؒ کا ارشاد | ۲۷ | شارح مشکوٰۃ علامہ طبریؒ کا حوالہ |
| ۳۸ | (۸) جہنمیوں کے کتے | ۲۸ | علامہ شاطبیؒ کا حوالہ |
| ۲۹ | جامع صغیر سیوطیؒ کا حوالہ | ۲۸ | پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا حوالہ |
| ۳۰ | فتاویٰ افریقہ کا حوالہ | ۲۹ | البلاغ المبین کا حوالہ |
| ۳۱ | مسلم لیگ کی زریں بیخبر درمی کا حوالہ | ۳۰ | امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد |
| ۳۲ | (۹) بدعت ایک فتنہ ہے | ۳۱ | حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ارشاد |
| ۳۳ | حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث | ۳۲ | امام سفیان ثوریؒ کا ارشاد |
| ۳۴ | حضرت عبدالرحمن بن عطاء الحضریؒ کی حدیث | ۳۳ | (۴) بدعت کی مخالفت نہ کرنا ایک کام |
| ۳۵ | ملا علی القاریؒ کا حوالہ | ۳۴ | حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث |
| ۳۶ | (۱۰) سوئے خاتمہ کا اندیشہ | ۳۵ | (۵) بدعت میں دو سر کا بھی بوجھ |
| ۳۷ | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث | ۳۶ | حضرت جریر بن عبداللہؒ کی حدیث |
| ۳۸ | علامہ شاطبیؒ کا حوالہ | ۳۷ | (۶) حوض کوثر سے محرومین |
| | | ۳۸ | حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|---------------------------------------------|-----------|-----------------------------------------|
| ۱۳۹ | (۲) عید میلاد النبی | ۱۰۴ | مروجہ محفل میلاد پر |
| ۱۵۳ | (۳) فاتحہ خوانی بحث ایصالِ ثواب | ۱۱۴ | بریلویوں کے دلائل کے جوابات |
| ۱۵۳ | تبیخ دسواں بیسواں چالیسواں | ۱۱۴ | حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے متعلق ایک |
| ۱۵۳ | شش ماہی اور برسی | ۱۱۴ | حوالہ اور اس کا جواب |
| ۱۷۶ | (۴) کھانے پر ختم دینا | ۱۱۵ | بریلوی حضرات کی قیاس آرائی |
| ۱۸۰ | (۵) گیارہویں شریف | ۱۱۵ | کا جواب |
| ۲۰۴ | (۶) نماز جنازہ کے بعد دعا کی تحقیق | ۱۲۱ | اکابرین و بزرگان دین کے واقعات |
| ۲۰۹ | (۷) قبروں کو سچتہ کرنا اور گنبد بنانا وغیرہ | ۱۲۱ | سے بریلوی حضرات کا استدلال |
| ۲۲۲ | (۸) قبروں پر غلاف چڑھانا | ۱۲۳ | اور اس کا جواب |
| ۲۲۲ | (۹) قبروں پر چراغ جلانا | ۱۲۳ | شاہ ولی اللہؒ کی ایک عبارت سے |
| ۲۲۲ | (۱۰) قبروں پر طواف اور سجدہ وغیرہ کرنا | ۱۲۴ | استدلال اور اس کا جواب |
| ۲۲۸ | (۱۱) قبروں پر منٹیں ماننا اور چڑھاؤ چڑھانا | ۱۲۸ | شاہ ولی اللہؒ کی ایک اور عبارت سے |
| ۲۵۵ | (۱۲) قبروں پر پھول ڈالنا | ۱۳۱ | استدلال اور اس کا جواب |
| ۲۷۰ | (۱۳) اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا | ۱۳۲ | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک عبارت سے |
| ۲۸۵ | (۱۴) قبر پر اذان دینے کی تحقیق | ۱۳۶ | علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی ایک عبارت سے |
| ۲۹۷ | (۱۵) عرس بزرگان | ۱۳۸ | استدلال کا جواب |
| | | | مساجد میں اشعار پڑھنا ممنوع ہے |
| | | | ایک شبہ اور اس کا جواب |
| | | | خلاصہ کلام |

| صفحہ نمبر | مضمون | صفحہ نمبر | مضمون |
|-----------|-------------------------------------------------------------|-----------|------------------------------------|
| ۳۷۱ | (۱۶) زیارت قبور کے لئے سفر کرنا | ۳۰۹ | سے کلمہ شہادت پڑھنا |
| ۳۷۱ | (۱۷) کفنی یا الفی لکھنے کا بیان | ۳۱۳ | (۲۵) تلاوت کلام پاک پر |
| ۳۷۱ | (۱۸) بلند آواز سے ذکر کرنا | ۳۱۷ | اجرت لینا |
| ۳۹۹ | (۱۹) اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا | ۳۲۱ | (۲۶) صلوٰۃ و سلام |
| ۴۰۱ | (۲۰) ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا | ۳۲۲ | (۲۷) نماز کے بعد مصافحہ کرنا |
| ۴۰۳ | (۲۱) عبد بنی عبد الرسول، حسین بنحش پیر بنحش وغیرہ نام رکھنا | ۳۲۷ | (۲۸) کونڈے کرنا |
| ۴۰۶ | (۲۲) حیلہ اسقاط اور دوران قرآن | ۳۲۹ | (۲۹) آخری چار شنبہ |
| ۴۰۹ | (۲۳) اذان میں انگوٹھے چومنے کا مسئلہ | ۳۶۳ | (۳۰) قبروں پر مجاور بننا |
| ۴۱۰ | (۲۴) جنازہ کے آگے بلند آواز | ۳۶۷ | (۳۱) مرنے کے بعد تین دن تک گلی میں |
| ۴۱۶ | | | دری بچھانا |
| | | | خاتمۃ الکتاب رضا خانیوں کے عقائد |

باب اول

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

لفظ بدعت کے لغوی معنی

لفظ بدعت بدع سے نکلا ہے۔ بدع کے معنی نئی ایجاد کے ہیں اور بدعت کے معنی ہر نئی چیز کے ہیں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو خواہ معاملات سے۔ لغت کے مشہور امام علامہ ابو الفتح ناصر بن سید المطرزی الحنفی (۲۱۲ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:-

بدعت ابتداء کا اسم ہے جس کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی چیز ایجاد کی جائے جیسے رفعت ارتفاع کا اسم ہے اور خلعت اختلاف کا اسم ہے۔

یہ اس کے لغوی معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو نئے سرے سے پیدا فرمایا یہ پہلے

نہ تھے۔ بدیع السموات والارض (پ: الانعام) میں یہی لغوی معنی مراد ہے۔ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (۶۷۶ھ) بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:-

قال اهل اللغة هي كل شئ عمل على غير مثال سابق

ترجمہ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ (بدعت) ہر وہ چیز ہے جو کسی سابق نمونے کے بغیر عمل میں لائی گئی ہے۔

پھر اہل اسلام کے عام محاورے میں بدعت کا لفظ ایسی چیز پر غالب آگیا جس سے دین میں زیادتی یا کمی کی جائے۔

لغت کی دوسری کتاب قاموس میں ہے:-

بدعت ایسی نئی چیز کہ کہتے ہیں جو دین کے پورا ہو جانے کی بعد ایجاد کی گئی ہو اور وہ نبی کی خواہش اور اعمال کے مطابق نہ کی جائے۔

یہ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے کہ میرے دین میں کسی قسم کی زیادتی نہ کرنا۔

بدعت اصطلاح شریعت میں

اصطلاح شریعت میں بدعت کے معنی ثواب کی نیت سے کیا جانے والا وہ کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ نے نہ کیا ہو نہ قولاً نہ عملاً حتیٰ کہ اشارۃً بھی اس کا ثبوت نہ ہو جیسا کہ علامہ شافعیؒ (۹۰ھ) نے الاعتراف میں بیان فرمایا ہے۔

شرح بخاری علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

والبدعة في الاصل احداث امر لم يكن في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم.
ترجمہ: بدعت اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔

محوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مراد صحابہ کرامؓ کا زمانہ ہے قرون مشہور لہذا بالخبر کے یہ اکابر اہل اسلام مراد ہیں۔

بریلوی مسلک کے مشہور عالم مولانا محمد صالح صاحب لکھتے ہیں:-

اصطلاح شریعت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جو امور دینیہ سے سمجھی جائے مگر کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہ ملتا ہو نہ کتاب سے نہ احادیث سے نہ اجماع مجتہدین سے نہ قیاس شرعی سے بلکہ

ان حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر ایسا نیا عمل جس کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ ہو اور اسے دین کا جز بنالیا جائے اور اس پر نیکی و ثواب کا فتوے لگا دیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اس کا نام بدعت ہو گا۔

ایسے اعمال کی نہ شریعت میں کوئی دلیل ہوتی ہے اور نہ کتاب و سنت میں ان

کی کوئی نظیر

چند شبہات کا اصولی جواب

اہل بدعت جب بدعات کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں تو مغالطہ دینے کی خاطر شکوک و شبہات سے اپنے عمل بدعت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں مثلاً ان کا کہنا ہے کہ لائٹ، پنکھا، موٹر، کوٹ، بشلوار، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، قواعد عربیہ کا پڑھانا، دینی مقاصد کے لیے مدارس و مکاتب کا انتظام، دینی رسائل کا اجراء کیا یہ سب نئے امور نہیں؟ کیا گھڑی باندھنا بدعت ہے؟ اہل بدعت ان انتظامی امور کو شرعی امور پر قیاس کرتے ہیں یا ذرائع کو مسائل کے حکم میں شمار کرتے ہیں ہم یہاں ان کے اس قسم کے شبہات کا اصولی جواب دیتے ہیں۔ ترویج وغیرہ جیسے جزئی مسائل کا جواب ہم آگے دیں گے۔

جواب

① یاد رکھیے کہ بدعت کی جو تعریف مذکور ہوئی اس میں اس کا پتہ چل گیا کہ جو قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کیا جائے اور اسے آپ کی تعلیم سمجھ کر عمل میں لایا جائے مگر درحقیقت نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے منقول ہو ایسے سب اعمال بدعات شمار ہوں گے۔ لائٹ، موٹر، پنکھا اور عینک وغیرہ کا تعلق ضروریات زندگی سے ہے عہد صحابہ سے نہیں۔ ضروریات زندگی دنیوی امور ہیں۔ ان میں سے کسی کا بدعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے کام سنت سمجھ کر عمل میں نہیں لائے جاتے اور نہ ہی اس کے منکر کو گستاخ اور مردود کا فتوے نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے استعمال کو بدعت نہیں کہا جاتا اور نہ یہ امور مذموم اور حرام ہوں گے۔ جناب احمد رضا خاں صاحب کے ممدوح مولانا عبد السمیع رامپوری انوار ساطعہ میں شرح جواب توحید سے نقل کرتے ہیں:-

وہ لوگ جاہل ہیں جو ہر اس چیز کو جو حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ تھی بدعت مذمومہ قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کی قبح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکی ہو اور وہ جاہل یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایاکم و"

و محدثات الامور، وہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ محدثات الامور کا مطلب یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز ایجاد کی جائے جو اس میں نہ ہو۔

خود مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:-
رہا اس کا بدعت ہونا یہ کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ امور دین میں۔ تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے بات تو صحیح کہی تھی لیکن ان کے پیروؤں نے اس کا بہت غلط سب لے لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ کھانے پینے کے لیے بدعات اختیار کرنے کی اعلیٰ حضرت نے ذات دی ہے اعلیٰ حضرت نے اپنی وفات سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پہلے خود بھی لذیذ کھانوں ایک نئی فہرست مرتب فرمائی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اس نازک وقت میں جلدی جلدی یہ فہرست مرتب فرمائی۔ اس سے آپ کا مقصد کوئی مسئلہ بنانا نہیں تھا صرف ان پیروؤں کا منگوانا تھا۔ آپ نے نہیں کہا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ ہے یا یہ کوئی دین کی بات ہے صرف یہ کہا تھا کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔
(۲) جہاں تک دینی مدارس و مکاتب کے انتظام و انصرام کا تعلق ہے اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ارشادات سے ملتا ہے اور تعلیم دین کے لیے تاکید وار ہے اسی طرح رسائل و جرائد کے ذریعہ دین کی تعلیم و تبلیغ بھی حضورؐ کے خطوط اور صحابہ کرامؓ کی تحریرات سے ثابت ہے اور یہ سب انتظامی امور ہیں سو یہ تعلیم و تبلیغ! یہ تو محمود اور منشاء اسلام ہے اس کو نہ تو کسی نے بدعت قرار دیا اور نہ کبھی ان پر بدعت کا فتوے لگا کر اسے روکا گیا ہے اسے ہمیشہ ذرائع میں سے سمجھا گیا ہے مسائل میں سے نہیں۔

(۳) اسی طرح صرف نسخوں کی تعلیم ہے اور قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علوم و قواعد عربیہ کی تعلیم کا دنیا اس کی اصل بھی موجود ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؑ نے اس کی تعلیم و ترغیب دے کر حضرت

ابوالاسود دہلی کو اس کے سیکھنے کا امر فرمایا تھا۔

ظاہر بات ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ تو عربی تھے عربی زبان سے واقف تھے نہ تو وہاں ابتدائی کلاسوں کی ضرورت تھی نہ صحابہ کرامؓ کو تو اعد عربی سکھائے جاتے تھے صحابہ کرامؓ تو مخزن علم اور سرچشمہ ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم سے درس لیا کرتے تھے اور ان کے سینے اللہ نے اتنے کثادہ ہو چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا صحیح مفہوم و مطلب ان کے ذہن نشین ہو جایا کرتا تھا۔

ان کے ادوار مبارکہ کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ قواعد عربی کی تعلیم دی جائے تاکہ قرآن کریم باذیچہ اطفال نہ بن جائے اور اس پر زبرد زبرد پیش بھی اس قدر میں لگائے گئے تاکہ غیر عربی حضرات بھی قرآن کریم کی صحیح تلاوت کر سکیں۔ صرف نسخہ بھی پڑھائی جائے تاکہ قرآن و حدیث کو سمجھنا آسان ہو۔ اس لحاظ سے نہ تو کسی نے ان امور کو بدعت کہا ہے اور نہ ہی ایسا کرنے والے کو بدعتی کہا، یہ سب دین تک پہنچنے کے ذرائع تھے۔ انہیں کسی درجے میں مقصود بالذات نہیں بٹھرایا گیا۔ اہل بدعت کا انہیں دین بنانا کسی طرح درست نہیں۔

(۴) جہاں تک خلفائے راشدینؓ کے دور مبارک کا تعلق ہے۔ ان حضرات گرامی کے اقوال و افعال تو از روئے حدیث سنت ہی ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت واضح لفظوں میں اس کی طرف ارشاد فرمایا:-

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديينؓ

ترجمہ تم پر میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔

علامہ حافظ ابن رجب جنبلیؒ (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:-

والسنة هي الطريق المسلول في شمل ذلك التمسك بما كان عليه هو

و خلفائہ الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه

ہی السنۃ الکاملۃ ۱۵

ترجمہ سنت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے اور یہ اس راہ کا مشک ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدینؓ عامل رہے قطع نظر اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اقوال و اعمال اور یہی سنت کاملہ ہے۔
حضرت علامہ تورشتیؒ (ص) لکھتے ہیں:-

و اما ذکر سنتہم فی مقابله سنۃ لانہ علم انہ لا یخطون فیما یستخرجونہ و یتنبطونہ من سنتہ بالاجتہاد و لانہ عرف ان بعض سنتہ لا یشتمل الا فی زمانہم فاضاف الیہم لسان من ذہب الورد تلک السنۃ مخطی فاطلق القول بالتباع سنتہم سد الباب ۱۵
ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کو بھی سنت سے تعبیر فرمایا۔ یہ اس لیے کہ آپ جانتے تھے کہ میرے خلفاء جو استخراج و استنباط کریں گے اس میں خطا نہیں کریں گے یا پھر اس لیے اُن کے طریقے کو سنت فرمایا کہ آپ کی بعض سنتیں خلفاء راشدینؓ کے دور میں شہر ہونے والی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے ان تمام اعتراضات کو رد کر دیا اور ان کے پورا سد باب فرمادیا۔

سیدنا مولانا علی القاریؒ (ص) لکھتے ہیں:-

فانہم لم یعملوا الا بسنتی فالاصافۃ الیہم اما بعملہم بہا او لا استنباطہم و اختیارہم ایاہا ۱۵

ترجمہ یہ اس لیے کہ حضرات خلفائے راشدینؓ نے درحقیقت آپ کی سنت پر عمل کیا ہے اور ان کی طرف سنت کی نسبت یا تو اس لیے ہوئی کہ انہوں نے اس پر عمل

کیا یا اس لیے کہ انہوں نے خود قیاس و استنباط سے کام لے کر اس کو اختیار کیا۔
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس و استنباط سے جو بات دریافت ہو وہ اصل کی طرف منسوب ہوتی ہے بدعت نہیں کہلاتی۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (ص ۱۰۵۲) بھی لکھتے ہیں:-

پس ہرچہ خلفاء راشدینؓ ہاں مکم کردہ باشند اگرچہ باجہتہاد و قیاس ایثاں بود موافق سنت و اطلاق بدعت برآں نتواں کرد چنانکہ فرقہ ذالغہ کند ۱۵

ترجمہ جس چیز کے بارے میں خلفائے راشدینؓ نے حکم دیا ہے اگرچہ وہ حکم ان کے قیاس و اجتہاد سے صادر ہوا ہو۔ وہ بھی سنت کے موافق ہے اور اس پر بدعت کا اطلاق نہ کرنا صحیح نہیں جیسا کہ گمراہ فرقہ کرتا ہے۔

مشہور اہل حدیث بزرگ نواب صدیق حسن خاںؒ (ص ۱۴۰) لکھتے ہیں:-

اقاما سنۃ الخلفاء الراشدون من بعدہم فالاخذ بہ لیس الا ما منہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخذ بہ ۱۵

ترجمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز خلفاء راشدینؓ میں سنون ٹھہرائی ہے اس کو محض اس لیے اخذ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اخذ کرنے کا حکم دیا ہے۔

عجب بات ہے کہ ان حضرات گرامی قدر کے افعال تو سنت قرار پائیں اور اہل بدعت ان کے اقوال و اعمال کو بدعت کا نام دے کر ان سے اپنی خواہشات کی تردید کیج کریں اور ان سے بدعات کا جواز چاہیں۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے نزدیک بھی ان حضرات گرامی کے افعال سنت ہوا کرتے تھے آپؓ شراب نوشی کی سزا کے سلسلے میں فرماتے ہیں:-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابو بکر اربعین و عمر ثمانین و
کل سنة ۱۰

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ نے شرابی کو چالیں کوڑے کی
سزا دی اور حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے کی اور دونوں عمل سنت ہیں۔
امام حاکمؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عثمانؓ کا بھی ذکر فرمایا ہے:-

واتمھا عثمان ثمانین و کل سنة ۱۰

ترجمہ: پھر حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کوڑے پورے کئے اور یہ سب سنت ہیں۔
نہایت افسوس کی بات ہے کہ اہل بدعت صحابہ کرامؓ کو بھی بدعتی کہنے سے نہیں ڈرتے
خالی اللہ المشتکی۔ اور یہ محض اس لیے کہ اپنی بدعت کو فروغ دے سکیں۔

نوٹ

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد بتوار ہا ہے کہ آپ حضرات شیخین کے آثار کو نہایت
غلط کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے اس عمل کو سنت اور امر حق کہتے تھے۔ اس سے
شیعہ فرقہ کے اس عقیدے کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے معاند
و مخالف تھے۔ امام نوویؒ (۶۷۲ھ) اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں:-

هذا دليل ان عليا كان معظما لآثار عمر وان حكمه وقوله سنة و
امر حق وكذلك ابو بكر خلاف ما يكذبه الشيعة عليه ۱۰

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سیدنا مجدد الف ثانیؒ کا ایک ارشاد نقل کر دیا جائے
جس سے ان تمام شبہات کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپ میر محمد نعمان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے
لکھتے ہیں:-

۱۰ مسلم جلد ۲ ص ۱۸۸ ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۲ ابن ماجہ ص ۱۸۸ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۸۱ نووی شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۸۸

آپ نے پوچھا یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ باوجودیکہ یہ
ذوق و شوق بختا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ
تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، مثال اور شلوار وغیرہ۔ حضرت مجدد صاحبؒ اس کا جواب
دیتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اے میرے معذورم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے ایک عبادت
کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر۔ آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر
ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور اس
کے روکنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور
ایسا کام مردود ہے اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف
کو ہم بدعت نہیں سمجھتے نہ اس کے روکنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ اس کا
تعلق دین سے نہیں۔ اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ
دین و مذہب پر۔ ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف بعض شہروں کے خلاف
ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں
تفاوت ظاہر ہے۔ اس بات کے باوجود بھی اگر عادی سنت کو مد نظر رکھیں تو
بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس قول پر غور کیجئے اور اہل بدعت کے اس طرح کے مغالطوں
کا بھی اندازہ لگائیے۔

ہر بدعت گمراہی ہے

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت
مذکور بات دقتراول نمبر دوم ص ۸۵ اردو ترجمہ

بی مبلغ و غلط فرمایا کہ جس سے لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور دل ڈر گئے حاضرین نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج کا وعظ تو ایسا ہے جیسے آخری وصیت ہوتی ہے آپ ہمیں بتلائیں کہ ہم آئندہ کس طرح زندگی گزاریں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند نصائح فرمائے۔ اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا:-

عليكم بسنة و سنت الخلفاء الراشدين المحدثين متسكوا بما وعضوا
عليهما بالنواجذ و آياكم و محدثات الامور فان كل محدثة بدعة
وكل بدعة ضلالة

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا، اور اس کو مضبوط مٹھانا اور دین میں نئی نئی ایجادات سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی امر میں جب اختلاف واقع ہو جائے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا یا نہیں؟ اس کا حکم دیا یا نہیں؟ داعیہ کی موجودگی کے باوجود وہ کام سرانجام پایا یا نہیں؟ اگر غیر القرون سے اس کی اصل ثابت ہو جائے تو ارشاد مبارک ہے کہ اس کو مضبوطی سے مٹھ لینا اس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر وہاں سے کوئی چیز نکلے اور لوگ اسی کو دین کا جُز بنا کر اس پر اصرار کرتے ہیں تو ارشاد مبارک یہ ہے کہ اس سے بچو۔ اس لیے کہ یہ نیا کام ہے اور دین میں ہر نیا کام بدعت کہلاتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے خطبہ میں

لے جامع ترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مے سنائی شریف۔ مرقاة جلد ۱ ص ۲۱

فرمایا کرتے تھے:-

ويحدث لكم فكل محدثة ضلالة وكل ضلالة في النار

ترجمہ: عبادت کی نئی نئی صورت دین میں پیدا کی جائے گی اور تمہارے سامنے آنے لگی۔ لیکن یاد رکھو ہر محدث گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس لیے ہمیشہ بدعات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تاکہ ہمارا کوئی عمل ناپسندیدہ نہ بن جائے۔

کیا کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے؟

بعض اہل بدعت اپنی بدعات کو ترجیح دینے کے لیے بدعت کی قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہے اور ایک بدعت سیئہ۔ اور جن پر ہم عامل ہیں وہ بدعت حسنہ ہے نہ کہ سیئہ؟

جواب

اہل بدعت نے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم سے جو اپنا مطلب اخذ کرنے کی سعی فرمائی وہ لاعاصل ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز شرعی بدعت ہو اور اس میں حُسن و نورانیت ہو؟ ایں خیال است و محال است و جنوں

یاد رکھیے بدعت میں کبھی حُسن پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو صرف سنت کی شان ہے کہ اس میں حُسن ہی حُسن ہے۔ نورانیت ہی نورانیت ہے۔ سیدنا مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

گذشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حُسن دیکھا ہوگا تو بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے اچھا سمجھا۔ لیکن فقیر کو اس سلسلہ میں اُن سے اتفاق نہیں

لے کتاب الامتصام جلد ۱ ص ۱۶

وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:-

سنتِ سنّیہ کی پیروی کریں اور بدعت نامرضیہ سے پرہیز کریں۔ اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی نور و روشنی نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کو اٹھانے والی ہوگی یا سنت کو اٹھانے سے سبکت ہوگی۔ سبکت ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو ممنوع کہنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی خیر اور حسن نہیں۔ ہائے افسوس انہوں نے دینِ کامل اور پسندیدہ اسلام میں جب کہ نعمت تمام ہو چکی، بدعتِ محدثہ کے حسن ہونے کا کس طرح حکم دیا۔ یہ نہیں جانتے کہ اکمال و اتمام اور رضا کے حاصل ہونے کے بعد دین میں کوئی نیا کام پیدا کرنا حسن سے کو سول دور ہے۔ فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (حق کے بعد صرف منلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے) اگر یہ جانتے کہ دین میں محدثہ امر کو حسن کہنا دین کے کامل نہ ہونے کو مستلزم ہے اور نعمت کے ناتمام رہنے پر دلالت کرتا ہے تو ہرگز اس قسم کے حکم پر دلیری نہ کرتے۔ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں:-

لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت دو قسم پر ہے ”حسنہ اور سیئہ“ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد پیدا

ہوا اور وہ سنت کو رفع نہ کرے (اور بدعتِ سیئہ وہ ہے جو رافعِ سنت ہو) یہ فقیرانِ بدعات ہیں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا اور ظلمت و کدورت کے ساتھ کچھ محسوس نہیں کرتا۔ اگرچہ آج بدعتی کے عمل کو ضعیف بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب نظر تیز ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔

بوقت صبح شود سچور روز معلومت کہ باکہ بانختہ عشق در شب دیجور
اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔ تو پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی۔
آپ کی دعا بھی یہی ہے کہ:-

(فقیر) عاجزی اور زاری، التجا و محتاجی، ذلت و انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہری طور پر حق تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نیا پیدا ہوا ہے اور نیا ایجاد ہوا ہے جو زمانہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اگرچہ وہ روشنی میں صبح کی سفیدی کی مانند ہو۔ اس ضعیف بندے کو اس گروہ کے ساتھ جس نے اس بدعت کو اختیار کیا ہے اس نئے عمل کا گرفتار نہ کرے اور اس نئی ایجاد شدہ چیز کے حسن پر فریفتہ نہ کرے بجز سید المختار والہ الابار علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

ان عبارات وارشادات کا حاصل یہ ہے کہ بدعتِ شرعیہ میں حسن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کو بدعتِ حسنہ کا نام دے کہ بدعات کی ترویج کی جائے۔ اور جہاں

تک بدعت لغوی کا تعلق ہے وہ صرف الفاظ کا ہی اختلاف ہے ورنہ حقیقت میں اس کی اصل موجود ہے جیسا کہ نماز تراویح کے بیان میں گزر چکا ہے۔

الحاصل بدعت اور اہل بدعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس قدر بُرے ہیں کہ اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اس پر آپؐ نے گناہ کا بلکہ اس بدعت پر جتنے لوگ عمل کریں گے سب کا وبال اس کی گردن پر ہو گا۔ اس لیے کہ اس نے دین میں ایک ایسی چیز جاری کی جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ تھی۔

دوسرے کسی بزرگ نے اگر کہیں بدعت حسنہ ذکر کی ہے تو بقول حضرت امام ربانی یہ اس وقت کی بات ہے جب روشن سنتوں کا غلبہ تھا اور بدعت کے اندھیرے اس کے نیچے دب جاتے تھے۔ سو بدعت حسنہ کا اندھیرا انہیں نظر نہ آیا۔ سو وہ بزرگ اپنی جگہ معذور ہیں۔ مجدد کا مقام دوسرے علماء سے کہیں آگے ہوتا ہے۔ مجدد اگر جس غلطی کی اصلاح کرے اس سے اہل سعادت فائدہ پاتے ہیں اور اہل شقاوت اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۲۵ھ) کے کارِ تجدید میں سب نمایاں اور ممتاز بات آپ کی بدعت کے اندھیروں کے خلاف ایک دہائی ہے۔ بدعت حسنہ کا ایہام مدت سے چلا آرہا تھا آپ نے اس کے خلاف تجدیدی کام کیا اور اس طرح اسے یخ و مٹن سے اکھاڑ کر آج اہل حق میں کوئی عمل نہیں جو بدعت حسنہ کے نام سے جاری ہو۔ بدعت کیا اور حسن کیا؟

ہاں کوئی بدعت صرف اس وقت تک حسنہ کہلا سکتی ہے جب تک اس کا سبب خارج میں موجود ہو۔ جب وہ سبب جاتا رہے تو یہ بدعت حسنہ بدعت مطلقہ ہو جائے گی اور کل بدعت ضلالتہ میں داخل ہوگی۔

جیسے دُعا میں اصل اختار اور اس کا اہستہ ہونا ہے۔ اب اگر کوئی شخص تعلیمًا و عاجہً کرے اور نیت یہ ہو کہ لوگوں کو آجائے تو یہ بدعت حسنہ ہوگی اور جب لوگ سیکھ جائیں تو پھر یہ بدعت حسنہ نہ رہے گی۔ بدعت حسنہ کسی مصیحت کے لیے ہوتی ہے اور اس میں دوام نہیں ہوتا۔

بدعات کے کیاہ سائے

① بدعتی کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں

حضرت کے جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لَصَاحِبِ بَدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عَمْرَةً
وَلَا جِهَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ
الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِينِ۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز، نہ صدقہ قبول کرتا ہے اور نہ حج۔ نہ عمرہ اور نہ جہاد اور کوئی فرضی عبادت قبول کرتا ہے اور نہ نفلی، بدعتی اسلام سے ایسے خارج ہو جاتا ہے جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی تو اسلام کے مطابق گزارے اور نماز، روزہ، حج، صدقہ وغیرہ بھی کرتا رہے۔ لیکن بدعت کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رکھے تو بدعت اس کی نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اور وہ بیچارہ بزمِ خویش اپنی عبادت کو مقبول سمجھ رہا ہے۔ مگر اس بدعت کی وجہ سے نہ تو اس کا کوئی نیک عمل مقبول بنتا ہے۔ نہ ہی اس کی کوئی قدر و قیمت بلکہ اس بدعتی یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بخارج من الاسلام کما تخرج الشعرة من العجين کہ اسلام سے ایسا خارج ہو جاتا ہے جیسے گندھے

ہوئے آٹے سے بال نکل جاتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا ہے کہ یہ کام بھی ہونا چاہیے مگر پیغمبر نے نہیں بتلایا۔ نہ صحابہ کرامؓ نے یہ کہا تھا۔ (معاذ اللہ)

ہاں اگر وہ اپنی بدعت سے توبہ کرے اور بدعت کا عمل ترک کرے تو پھر قبول کیا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:-
ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدعتی کے ہر عمل کو رد کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعت ترک کر دے۔

② بدعتی کو پناہ دینے کا انجام

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں:-
المدينة حرم ما بین غیر الی ثور فمن احدث فیہا حدثاً او اوی معحدثاً
فعلیہ لعنة الله والملائكة والناس اجمعین لا یقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً
ترجمہ۔ مدینہ منورہ مقام غیر سے لے کر مقام ثور تک مقام حرم ہے سو جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو، نہ تو اس کا کوئی فرض قبول نہ نفل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے پتہ چلا کہ بدعت کا انجام اس قدر خطرناک ہے کہ تمام کائنات اس پر لعنت برساتی ہے۔ اس لیے حکم ہے کہ کسی بدعتی کو پناہ بھی نہ دے کیونکہ جب وہ ملعون ہے تو اس کو پناہ دینے والا بھی ملعون ہی ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک پر غور کریں کہ آپ کو بدعت اور بدعتی سے کتنی نفرت تھی؟ اس کی وجہ یہ ہی ہے

ہے کہ بدعتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ غائن سمجھتا ہے کہ آپ نے رسالت میں خیانت کی اور اس کام کو نہ بتلایا۔ (معاذ اللہ)

اس حدیث سے سبق حاصل کرنے کی بجائے علماء اہل بدعت اسے اپنے اس استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ بدعت پیدا کرنا صرف مدینہ میں ممنوع ہے دوسری جگہوں پر مقامی حالات کے تحت بدعت پیدا کی جاسکتی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر منظر اس حدیث کی تشریح فرماتے ہیں:-
اس حدیث میں حدودِ حرم کی قید محض تفسیح اور تشبیہ کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں ہے کہ حرم مدینہ میں تو بدعت بُری ہو اور خارج از حرم بُری نہ ہو۔ جو چیز بدعت اور بُری ہے وہ ہر جگہ اور ہر وقت بدعت اور بُری ہی ہوگی۔ ہاں البتہ شرف مکان یا فضیلت کی وجہ سے اس کی قباحت اور بُرائی بڑھ جائے گی۔ بدعت اور بدعتی کی مذمت کے لیے اس سے بڑھ کر اور سخت الفاظ کیا ہو سکتے ہیں جو جناب رؤف رحیم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلے ہیں۔ علامہ ابن الجلالؒ بھی اسی کو ذکر فرماتے ہیں:-

خصت المدينة بالذکر لشر فیہا لکونہا مہبط الوحی وموطن الرسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام ومنہما انتشر الدین فی اقطار الارض فکان لہما
منہ فضل علی غیرہما۔

ترجمہ۔ مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ اس کی شرافت و بزرگی ہے کیونکہ مدینہ منورہ مہبطِ وحی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے اور یہیں سے سارے عالم میں دین پھیلا۔ اس لیے اس کو دوسرے مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔ بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس جگہ کو حضورؐ اور حضراتِ خلفائے راشدینؓ کے مرکز ہونے

شرف حاصل ہے۔

مدینہ منورہ کو خاص ذکر کرنے کی وجہ موطن الرسول ثعصارت موضع الخلفاء الراشدین ہے۔

معلوم ہوا کہ بدعت ہر جگہ ہی بُری اور قابلِ رد ہے لیکن مدینہ منورہ میں اس کی قباحت بڑھ جائے گی۔ جیسے کوئی شخص کسی جگہ ایک گناہ کا کام کرے اور وہی کام حرمین شریفین میں کرے تو ظاہر ہے کہ وہ کام تو ہر جگہ بُرا ہی ہے لیکن حرمین میں اس کی قباحت اور بڑھ جائے گی۔ اس لیے کہ نہایت ہی مکرم و معظم مقامات ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے رمضان شریف میں بُرائی کرنے کا گناہ دوسرے دنوں کے گناہ سے کہیں زیادہ بھاری ہوگا۔

الحاصل بدعت اور بدعتی کا کتنا خطرناک انجام ہے۔ ملاحظہ کریں کہ ایک تو اس کا کوئی عمل بول نہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لغت اس پر پڑی ہے۔ کیا یہ عذاب کچھ کم ہے؟

③ بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانا ہے

حضرت ابراہیم بن میسرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:-
من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام
ترجمہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد کی۔

بدعتی کی تعظیم میں اس کی اعانت و مدد، اس کی خدمت سب کچھ شامل ہے معلوم ہوا کہ بدعتی کی تعظیم و تکریم کرنا اسلام کو ڈھانے میں مدد دینا ہے یا پھر سنت کو ختم کرنے میں اس کا ہاتھ بٹانا ہے۔ (معاذ اللہ) اسی طرح اس کے برعکس بدعتی کی تنقیص اور

اس کی مذمت کرنا اسلام کو قوت پہنچانا اور دین کی تائید کرنا ہے۔ قالہ الطیبی:
حضرت علامہ شاہ ولیؒ (ص ۷۹۰) اس حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-
ووجه ذلك ظاهر لان المثنى اليه والتوفير له تعظيما له لأجل بدعته
وقد علمنا ان الشرع يأمر بزجره واهانته واذلاله بما هو اشد من
هذا كالضرب والقتل. فصار توقيره صدوذا عن العمل بشرع
الاسلام. واقبالا على ما يصاده وينافيه. والاسلام لا يهدم الا بتروك
العمل به والعمل بما ينافيه.
وايضافان توقير صاحب البدعة مظنة لمفسدتين تعودان على
الاسلام بالهدم:

احداهما: التفات الجہال والعامہ الى ذلك التوقير فيعتقدون في
المبتدع انه افضل الناس وان ما هو عليه خير مما عليه غيره
فيؤدي ذلك الى اتباعه على بدعته دون اتباع اهل السنة على سنتهم.
الثانية: انه اذا وقر من اجل بدعته صار ذلك كالحادى المحرض
له على انشاء الابتداع في كل شئ.

دعوى كل حال فتحيا البدع وتموت السنن. وهو هدم الاسلام بعينه.
ترجمہ۔ اور اس کی یہ وجہ ظاہر ہے کہ اس کے پاس جانا اور اس کی عزت کرنا اس کی
وجہ اس کی بدعت کے تعظیم کرنا ہے اور یہ بات ہم جان پائے ہیں کہ شریعت
ایسے آدمی کو جھڑکنے اس کی اہانت کرنے اور اسے اس درجہ ذلیل کرنے کا
حکم دیتی ہے جو اس سے بھی سخت ہے (جیسے مارنا اور قتل کرنا) سو اس کی
عزت کرنا شریعت کے تقاضے پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہوگا اور یہ اس بات

پر ہے جو تقاضائے شریعت سے ٹکرائے اور اس کی نفی کرے اور اسلام کی عمارت اسی طرح گرتی ہے کہ شریعت کے تقاضوں پر عمل نہ ہو اور اس پر عمل ہو جو اس کے منافی ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ بدعتی کی تعظیم کرنے میں دو ایسی برائیوں کا اندیشہ ہے جن سے بنیاد اسلام گرتی ہے۔

اولاً: جاہل اور عوام جب اس عزت افزائی کو دیکھیں گے وہ بدعتی کے بارے میں سمجھیں گے کہ یہ سب پر فضیلت لے جانے والا ہے اور جو بات وہ اختیار کئے ہوئے ہے وہ اس سے بہتر ہے جو دوسروں کا موقف ہے۔ سو یہ بات اس کی اس بدعت کی پیروی کی طرف لے جائے گی اور اس سے اہل سنت کے طریقے کی پیروی نہ ہونے پائے گی۔

ثانیاً: بدعتی جب اپنی بدعت کی وجہ سے عزت پائے گا تو وہ گویا ہر عمل میں بدعات پیدا کرنے کی ترغیب دینے والا داعی الی البدع ہے اور بات کچھ بھی ہو اس سے بدعات زندگی پاتی ہیں اور سنتیں مرقی ہیں اور یہ بعینہ ہم الاسلام ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں:-

جو شخص بدعتی کے ساتھ خذہ پیشانی کے ساتھ ملے گا جو اس کی خوشی کا باعث ہو تو اُس نے اُس نے اس چیز کی حقارت کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

سو بدعتی کی تعظیم کرنا گویا دین اسلام کو حقیر سمجھنا ہے اور اس کا انجام ظاہر ہے کہ بہت سی بُرا ہوگا۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے بدعت اور اہل بدعت سے نفرت کرے اور اس کو خدا اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تصور کرے

جو شخص کسی مسجد کے لیے بدعتی امام کے لیے ووٹ دیتا ہے وہ اس تمام مسجد کے نمازیوں

کے گناہ اپنے سر ڈالتا ہے اور وہ بدعتی مولوی جہاں جہاں بدعات پھیلائے گا۔ یہ سارا وبال اس شخص پر بھی آئے گا جس نے اسے امام بنانے میں ایک بدعتی کو تکریم بخشی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ السامی ایک حدیث پاک نقل فرماتے ہیں:-

جو شخص اللہ کے لیے بدعتی کو اپنا دشمن جلنے اُس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو شخص انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر اس پر ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے امن و امان میں رکھے گا اور جو ایسے لوگوں کو دلیل کرے اُسے بہشت کے سو درجے ملیں گے۔

شیخ المشائخ حضرت شاہ دلی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:-

بدعتی کی تعظیم ہرگز نہ کر کیونکہ اس سے اسلام کی ذلت ہوتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ارشاد ہے:-

اہل بدعت (کو سلام نہ کرو کیونکہ ان) کو سلام کرنے والا ان سے دوستی رکھتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ (۱۸۷ھ) کا ارشاد ہے:-

اہل بدعت کے ساتھ دوستی رکھنے والے کے نیک اعمال ضائع کر دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جو شخص اہل بدعت کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے خواہ اس کے نیک اعمال تھوڑے ہوں۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے کہ جس شخص نے بدعتی سے مصافحہ کیا اس نے اسلام کو نقصان پہنچا یا۔

بدعت اور اہل بدعت اکابرین کی نظر میں کیا ہیں۔ اس کے لیے آپ اُن کے بہت سے ارشادات ملاحظہ کریں گے۔

غور فرمائیے ایک شخص خود تو بدعتی نہیں مگر ایک بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اسے خوش آمدید کہتا ہے اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے، اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، اسے مسجد کا امام بناتا ہے اسے وعظ کہنے کے لیے جلاتا ہے تو چونکہ اس نے بدعتی کو اپنی اسمیت دی اس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام کے قلعہ کو پاش پاش کرنے میں اس کی مدد کی، اور اسلام کا قلعہ پاش پاش کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کا شیعہ نہیں، بلکہ کافروں اور منافقوں کا وطیرہ و طریقہ رہا ہے۔ ایک مسلمان جو وعدہ لاشریک لہ کی توحید اور خاتم الانبیاء و المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و سنت کا شیعہ رہا ہو، کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اسلام کو گرانے میں کسی کی مدد کروں۔ ہاں جو مسلمان ہی نہیں اس سے ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔

ان تصریحات کی روشنی میں ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے کہ کسی بدعتی کو اپنے ہاں جگہ نہ دیں۔ اس کی تعظیم و توقیر نہ کریں اور جانیں کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت ہے۔

۴۷ بدعت کی مخالفت نہ کرنے کا انجام

حضرت معاذ بن جبلؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:-

اذا حدث فی امتی البدع وشتت اصحابی فلیظہر العالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنہ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین۔

ترجمہ جب میری امت میں بدعت شائع ہو جائے اور میرے صحابہ کو برا بھلا کہا جائے اُس وقت عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو کام میں لا کر اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

سابقہ احادیث میں بدعتی کی تعظیم و اہانت اور بدعتی کو پناہ دینے پر شدید وعید ملاحظہ فرمائیے۔ اب اس حدیث پاک میں ان لوگوں پر لعنت کا ذکر آیا ہے جو بدعت کی ترویج و تہئیر پر خاموش بیٹھے ہیں اور صحابہ کرام کو سب و شتم کرنے پر بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب بدعت پیدا ہو اور دین میں نئی نئی باتوں کو داخل کیا جائے اور محدثات کا پودا سرسبز کرنے لگے تو اس کو وہیں کچل دو تاکہ لگنے نہ پائے۔

آج ذرا اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائیے کیا بدعت و محدثات کی بھرمار نہیں؟ کیا آپ نے صحابہ پر سب و شتم کرنے والے کی زبان اور اس کے قلم کو روکنے کی کوئی خدمت سرانجام دی ہے؟ سوچئے! غور کیجئے اور حدیث پاک کو پھر سے ایک مرتبہ پڑھ لیجئے اور اپنی فکر کیجئے۔

سو بدعت کی مذمت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو اپنا ناتواں درکنار اس کی مخالفت نہ کرنے کا بھی یہ خطرناک انجام ہے۔

(اللہم احفظنا من ظلماتہم ومن ظلمہم اہلہما)

۵ بدعت میں دوسروں کا بھی بوجھ

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجرہم شیء۔ ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعمل بہا بعدہ کتب علیہ مثل وزرہ من عمل بہا ولا ینقص من اوزارہم شیء۔

ترجمہ جس نے اسلام میں نیک طریقہ جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس شخص کے واسطے اس قدر اجر و ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنے والوں

کو اس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا اور اس کی پیروی کی گئی تو اسے اپنے اس عمل کا بھی گناہ ہو گا اور پیروی کرنے والے کے گناہوں کے برابر بھی اس کے گناہوں میں لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے گناہ میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

کسی اچھے اور نیک طریقہ سے اس عمل کا قائم کرنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رکھ کر اور آپ کی شریعت مطہرہ سے قولاً عملاً یا اشارۃً ثابت ہو جیسا کہ دوسری احادیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ :-

من احیاسنة من سنق قد امیت بعدی . (احمدیث)

ترجمہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مُردہ ہو چکی تھی الخ
من احیاسنة من سنتی فعمل بها الناس احمدیث

ترجمہ جس نے میری سنتوں میں سے کوئی سنت زندہ کی کہ لوگ اس پر عمل پیر ہوئے ..

اس سے معلوم ہوا کہ وہ طریقہ جس کا مارتہ یا اشارۃً دین اسلام میں ذکر تک نہ ہو اس سے وہ مراد لینا صحیح نہیں۔ ورنہ سنت و بدعت کی تمیز ختم ہو جائے گی بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام اچھے ہیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کی ظاہری شکل بھی صالح نظر آتی ہے، پھر کیا حرج ہے؟ حالانکہ ایسا سمجھنا صحیح نہیں کسی چیز کی شکل و صورت کا صالح ہونا اور عوام کا اس کو پسند کرنا شریعت تو نہیں بن سکتی۔ شریعت کی نظر میں تو اچھا طریقہ سے مراد وہی ہے جس کی اصل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رجال اللہ (اصحاب کرامؓ) سے ثابت ہو۔ ورنہ ہزار خوبیوں کے باوجود وہ اچھا طریقہ نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ہر شخص اپنے خود ساختہ طریقہ کو اچھا سمجھتا ہے اور لوگوں کا ایک ہجوم بھی اس کے پیچھے ہوتا ہے تو کیا وہ "اچھا طریقہ" کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اچھا طریقہ ہونے کے

لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل حضور یا صحابہ کی سنت میں موجود ہو۔
بُرا طریقہ سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جس کی اصل کتاب و سنت میں موجود نہ ہو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے خواہ اس کی شکل حسین ہو یا قبیح۔ بہر حال وہ بُرا ہے اور اس کا وبال نہ صرف یہ کہ اُس پر آپؐ پڑے گا۔ بلکہ اس کے بعد جتنے لوگ اس طریقہ پر عمل کریں گے سب کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لا دیا جائے گا۔

⑥ حوض کوثر سے محرومین

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اتدرون ما الکوتر فقلنا اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ منہم وعدنیہ ربی
عذوجل علیہ خیر کثیر و هو حوض ترد علیہ امتی یوم القیامۃ
انیتہ عدد النجوم فیختلج العبد منہم فاقول رب انہ من امتی
فیقال ماتدری ما احدثوا بعدک

ترجمہ تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے
میرے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے۔ وہ بہت ہی خیر و برکت والی ہے، وہ ایک
نہر ہے جس پر میری امت کو لایا جائے گا، اس حوض پر اتنے گلاس ہوں گے
جتنے آسمان کے ستارے (مراد کثرت) پس ایک آدمی کو وہاں سے بھگادیا
جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا کہ اے اللہ! یہ میری امت سے ہیں ان کو
کیوں ہٹایا گیا۔ ارشاد ہوگا۔ ماتدری ما احدثوا بعدک آپ نہیں جانتے کہ
انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں (دین میں) ایجاد کی تھیں۔

ایک اور روایت میں ہے:-

فاقول يارب هؤلاء من اصحابي فيجيبني ملك فيقول وهل تدرون

ما احدثوا بعدك به

ترجمہ: سو میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے لوگ ہیں، اس پر فرشتے

کہیں گے کہ آپ کو علم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کائناتی باتیں ایجاد کیں۔

یہاں ساتھ ہی سے مراد آپ کے امتی ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے

کتاب الاعتصام جلد ۱ ص ۹۷، کیونکہ صحابہ بدعت کا موضوع نہیں ہیں، وہ تو خود آسمان ہدایت

کے ستارے ہیں جن کے قدموں پر ہمیں چلنے کا حکم ہے۔ بدعت ان میں راہ نہیں پاسکتی وہ

خیر امت میں جو لوگوں کے لیے نمونہ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئن کر عرض کریں گے:-

(فاقول كما قال عبد الصالح) وكنت عليهم شهيداً اماماً مت فيهم فلما

توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شئ شهيد

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں کہ میں وہی بات کہوں گا جو نیک بندے یعنی حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ! میں ان پر مطلع رہا جب تک میں ان میں رہا پھر

جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے اور آپ ہر چیز کی پوری

خبر رکھتے ہیں۔

حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اہل بدعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے

اور آپ کو شہ کے پینے سے محرومی ہوگی۔

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے:-

سُحَقًا سُحَقًا ۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸ ۶۶۹ ۶۷۰ ۶۷۱ ۶۷۲ ۶۷۳ ۶۷۴ ۶۷۵ ۶۷۶ ۶۷۷ ۶۷۸ ۶۷۹ ۶۸۰ ۶۸۱ ۶۸۲ ۶۸۳ ۶۸۴ ۶۸۵ ۶۸۶ ۶۸۷ ۶۸۸ ۶۸۹ ۶۹۰ ۶۹۱ ۶۹۲ ۶۹۳ ۶۹۴ ۶۹۵ ۶۹۶ ۶۹۷ ۶۹۸ ۶۹۹ ۷۰۰ ۷۰۱ ۷۰۲ ۷۰۳ ۷۰۴ ۷۰۵ ۷۰۶ ۷۰۷ ۷۰۸ ۷۰۹ ۷۱۰ ۷۱۱ ۷۱۲ ۷۱۳ ۷۱۴ ۷۱۵ ۷۱۶ ۷۱۷ ۷۱۸ ۷۱۹ ۷۲۰ ۷۲۱ ۷۲۲ ۷۲۳ ۷۲۴ ۷۲۵ ۷۲۶ ۷۲۷ ۷۲۸ ۷۲۹ ۷۳۰ ۷۳۱ ۷۳۲ ۷۳۳ ۷۳۴ ۷۳۵ ۷۳۶ ۷۳۷ ۷۳۸ ۷۳۹ ۷۴۰ ۷۴۱ ۷۴۲ ۷۴۳ ۷۴۴ ۷۴۵ ۷۴۶ ۷۴۷ ۷۴۸ ۷۴۹ ۷۵۰ ۷۵۱ ۷۵۲ ۷۵۳ ۷۵۴ ۷۵۵ ۷۵۶ ۷۵۷ ۷۵۸ ۷۵۹ ۷۶۰ ۷۶۱ ۷۶۲ ۷۶۳ ۷۶۴ ۷۶۵ ۷۶۶ ۷۶۷ ۷۶۸ ۷۶۹ ۷۷۰ ۷۷۱ ۷۷۲ ۷۷۳ ۷۷۴ ۷۷۵ ۷۷۶ ۷۷۷ ۷۷۸ ۷۷۹ ۷۸۰ ۷۸۱ ۷۸۲ ۷۸۳ ۷۸۴ ۷۸۵ ۷۸۶ ۷۸۷ ۷۸۸ ۷۸۹ ۷۹۰ ۷۹۱ ۷۹۲ ۷۹۳ ۷۹۴ ۷۹۵ ۷۹۶ ۷۹۷ ۷۹۸ ۷۹۹ ۸۰۰ ۸۰۱ ۸۰۲ ۸۰۳ ۸۰۴ ۸۰۵ ۸۰۶ ۸۰۷ ۸۰۸ ۸۰۹ ۸۱۰ ۸۱۱ ۸۱۲ ۸۱۳ ۸۱۴ ۸۱۵ ۸۱۶ ۸۱۷ ۸۱۸ ۸۱۹ ۸۲۰ ۸۲۱ ۸۲۲ ۸۲۳ ۸۲۴ ۸۲۵ ۸۲۶ ۸۲۷ ۸۲۸ ۸۲۹ ۸۳۰ ۸۳۱ ۸۳۲ ۸۳۳ ۸۳۴ ۸۳۵ ۸۳۶ ۸۳۷ ۸۳۸ ۸۳۹ ۸۴۰ ۸۴۱ ۸۴۲ ۸۴۳ ۸۴۴ ۸۴۵ ۸۴۶ ۸۴۷ ۸۴۸ ۸۴۹ ۸۵۰ ۸۵۱ ۸۵۲ ۸۵۳ ۸۵۴ ۸۵۵ ۸۵۶ ۸۵۷ ۸۵۸ ۸۵۹ ۸۶۰ ۸۶۱ ۸۶۲ ۸۶۳ ۸۶۴ ۸۶۵ ۸۶۶ ۸۶۷ ۸۶۸ ۸۶۹ ۸۷۰ ۸۷۱ ۸۷۲ ۸۷۳ ۸۷۴ ۸۷۵ ۸۷۶ ۸۷۷ ۸۷۸ ۸۷۹ ۸۸۰ ۸۸۱ ۸۸۲ ۸۸۳ ۸۸۴ ۸۸۵ ۸۸۶ ۸۸۷ ۸۸۸ ۸۸۹ ۸۹۰ ۸۹۱ ۸۹۲ ۸۹۳ ۸۹۴ ۸۹۵ ۸۹۶ ۸۹۷ ۸۹۸ ۸۹۹ ۹۰۰ ۹۰۱ ۹۰۲ ۹۰۳ ۹۰۴ ۹۰۵ ۹۰۶ ۹۰۷ ۹۰۸ ۹۰۹ ۹۱۰ ۹۱۱ ۹۱۲ ۹۱۳ ۹۱۴ ۹۱۵ ۹۱۶ ۹۱۷ ۹۱۸ ۹۱۹ ۹۲۰ ۹۲۱ ۹۲۲ ۹۲۳ ۹۲۴ ۹۲۵ ۹۲۶ ۹۲۷ ۹۲۸ ۹۲۹ ۹۳۰ ۹۳۱ ۹۳۲ ۹۳۳ ۹۳۴ ۹۳۵ ۹۳۶ ۹۳۷ ۹۳۸ ۹۳۹ ۹۴۰ ۹۴۱ ۹۴۲ ۹۴۳ ۹۴۴ ۹۴۵ ۹۴۶ ۹۴۷ ۹۴۸ ۹۴۹ ۹۵۰ ۹۵۱ ۹۵۲ ۹۵۳ ۹۵۴ ۹۵۵ ۹۵۶ ۹۵۷ ۹۵۸ ۹۵۹ ۹۶۰ ۹۶۱ ۹۶۲ ۹۶۳ ۹۶۴ ۹۶۵ ۹۶۶ ۹۶۷ ۹۶۸ ۹۶۹ ۹۷۰ ۹۷۱ ۹۷۲ ۹۷۳ ۹۷۴ ۹۷۵ ۹۷۶ ۹۷۷ ۹۷۸ ۹۷۹ ۹۸۰ ۹۸۱ ۹۸۲ ۹۸۳ ۹۸۴ ۹۸۵ ۹۸۶ ۹۸۷ ۹۸۸ ۹۸۹ ۹۹۰ ۹۹۱ ۹۹۲ ۹۹۳ ۹۹۴ ۹۹۵ ۹۹۶ ۹۹۷ ۹۹۸ ۹۹۹ ۱۰۰۰

غور فرمائیے۔ اس نازک اور کٹھن مرحلے میں اہل بدعت کا کیا افسوسناک حشر ہوگا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے سے دُور فرمانے کا حکم دے دیں گے۔

حضرت علامہ ابو عمر بن عبد البرؒ ۴۶۲ھ فرماتے ہیں:-

كل من احدث في الدين فهو من المطرودين عن المحوض كالحواجج والودائع

وسائر اصحاب الهوى۔

ترجمہ: جس نے بھی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی وہ حوض سے دھسکارے ہوئے

ہوں گے جیسے خوارج و روافض اور تمام اہل ہوی (یعنی خواہشات نفسانی کا

اتباع کرنے والے)۔

کتنا بڑا بد قسمت ہے وہ انسان جو بدعت کی ترویج و تشہیر کرتا اور اپناتا ہے اور آخرت

کی نعمتوں سے محروم ہو رہا ہے۔ حضرت بکر بن عبد اللہ المزنیؒ سے روایت ہے:-

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال حلت شفاعتي لامتي الا صاحب بدعة

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شفاعت میری امت کے

لیے ثابت ہوگی مگر اہل بدعت کے لیے نہیں۔

کاوش! کہ اہل بدعت ان روایات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اہل سنت کے گروہ

میں شامل ہو کہ دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل کریں۔

④ بدعت کی نحوست

حضرت عصفی بن الحارث الثمالیؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:-

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتسل بسنة خيس

من احدث بدعة۔

۱۲۶ ۱۲۷ ۱۲۸ ۱۲۹ ۱۳۰ ۱۳۱ ۱۳۲ ۱۳۳ ۱۳۴ ۱۳۵ ۱۳۶ ۱۳۷ ۱۳۸ ۱۳۹ ۱۴۰ ۱۴۱ ۱۴۲ ۱۴۳ ۱۴۴ ۱۴۵ ۱۴۶ ۱۴۷ ۱۴۸ ۱۴۹ ۱۵۰ ۱۵۱ ۱۵۲ ۱۵۳ ۱۵۴ ۱۵۵ ۱۵۶ ۱۵۷ ۱۵۸ ۱۵۹ ۱۶۰ ۱۶۱ ۱۶۲ ۱۶۳ ۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷ ۱۶۸ ۱۶۹ ۱۷۰ ۱۷۱ ۱۷۲ ۱۷۳ ۱۷۴ ۱۷۵ ۱۷۶ ۱۷۷ ۱۷۸ ۱۷۹ ۱۸۰ ۱۸۱ ۱۸۲ ۱۸۳ ۱۸۴ ۱۸۵ ۱۸۶ ۱۸۷ ۱۸۸ ۱۸۹ ۱۹۰ ۱۹۱ ۱۹۲ ۱۹۳ ۱۹۴ ۱۹۵ ۱۹۶ ۱۹۷ ۱۹۸ ۱۹۹ ۲۰۰ ۲۰۱ ۲۰۲ ۲۰۳ ۲۰۴ ۲۰۵ ۲۰۶ ۲۰۷ ۲۰۸ ۲۰۹ ۲۱۰ ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ ۲۱۴ ۲۱۵ ۲۱۶ ۲۱۷ ۲۱۸ ۲۱۹ ۲۲۰ ۲۲۱ ۲۲۲ ۲۲۳ ۲۲۴ ۲۲۵ ۲۲۶ ۲۲۷ ۲۲۸ ۲۲۹ ۲۳۰ ۲۳۱ ۲۳۲ ۲۳۳ ۲۳۴ ۲۳۵ ۲۳۶ ۲۳۷ ۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۰ ۲۴۱ ۲۴۲ ۲۴۳ ۲۴۴ ۲۴۵ ۲۴۶ ۲۴۷ ۲۴۸ ۲۴۹ ۲۵۰ ۲۵۱ ۲۵۲ ۲۵۳ ۲۵۴ ۲۵۵ ۲۵۶ ۲۵۷ ۲۵۸ ۲۵۹ ۲۶۰ ۲۶۱ ۲۶۲ ۲۶۳ ۲۶۴ ۲۶۵ ۲۶۶ ۲۶۷ ۲۶۸ ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ ۲۷۲ ۲۷۳ ۲۷۴ ۲۷۵ ۲۷۶ ۲۷۷ ۲۷۸ ۲۷۹ ۲۸۰ ۲۸۱ ۲۸۲ ۲۸۳ ۲۸۴ ۲۸۵ ۲۸۶ ۲۸۷ ۲۸۸ ۲۸۹ ۲۹۰ ۲۹۱ ۲۹۲ ۲۹۳ ۲۹۴ ۲۹۵ ۲۹۶ ۲۹۷ ۲۹۸ ۲۹۹ ۳۰۰ ۳۰۱ ۳۰۲ ۳۰۳ ۳۰۴ ۳۰۵ ۳۰۶ ۳۰۷ ۳۰۸ ۳۰۹ ۳۱۰ ۳۱۱ ۳۱۲ ۳۱۳ ۳۱۴ ۳۱۵ ۳۱۶ ۳۱۷ ۳۱۸ ۳۱۹ ۳۲۰ ۳۲۱ ۳۲۲ ۳۲۳ ۳۲۴ ۳۲۵ ۳۲۶ ۳۲۷ ۳۲۸ ۳۲۹ ۳۳۰ ۳۳۱ ۳۳۲ ۳۳۳ ۳۳۴ ۳۳۵ ۳۳۶ ۳۳۷ ۳۳۸ ۳۳۹ ۳۴۰ ۳۴۱ ۳۴۲ ۳۴۳ ۳۴۴ ۳۴۵ ۳۴۶ ۳۴۷ ۳۴۸ ۳۴۹ ۳۵۰ ۳۵۱ ۳۵۲ ۳۵۳ ۳۵۴ ۳۵۵ ۳۵۶ ۳۵۷ ۳۵۸ ۳۵۹ ۳۶۰ ۳۶۱ ۳۶۲ ۳۶۳ ۳۶۴ ۳۶۵ ۳۶۶ ۳۶۷ ۳۶۸ ۳۶۹ ۳۷۰ ۳۷۱ ۳۷۲ ۳۷۳ ۳۷۴ ۳۷۵ ۳۷۶ ۳۷۷ ۳۷۸ ۳۷۹ ۳۸۰ ۳۸۱ ۳۸۲ ۳۸۳ ۳۸۴ ۳۸۵ ۳۸۶ ۳۸۷ ۳۸۸ ۳۸۹ ۳۹۰ ۳۹۱ ۳۹۲ ۳۹۳ ۳۹۴ ۳۹۵ ۳۹۶ ۳۹۷ ۳۹۸ ۳۹۹ ۴۰۰ ۴۰۱ ۴۰۲ ۴۰۳ ۴۰۴ ۴۰۵ ۴۰۶ ۴۰۷ ۴۰۸ ۴۰۹ ۴۱۰ ۴۱۱ ۴۱۲ ۴۱۳ ۴۱۴ ۴۱۵ ۴۱۶ ۴۱۷ ۴۱۸ ۴۱۹ ۴۲۰ ۴۲۱ ۴۲۲ ۴۲۳ ۴۲۴ ۴۲۵ ۴۲۶ ۴۲۷ ۴۲۸ ۴۲۹ ۴۳۰ ۴۳۱ ۴۳۲ ۴۳۳ ۴۳۴ ۴۳۵ ۴۳۶ ۴۳۷ ۴۳۸ ۴۳۹ ۴۴۰ ۴۴۱ ۴۴۲ ۴۴۳ ۴۴۴ ۴۴۵ ۴۴۶ ۴۴۷ ۴۴۸ ۴۴۹ ۴۵۰ ۴۵۱ ۴۵۲ ۴۵۳ ۴۵۴ ۴۵۵ ۴۵۶ ۴۵۷ ۴۵۸ ۴۵۹ ۴۶۰ ۴۶۱ ۴۶۲ ۴۶۳ ۴۶۴ ۴۶۵ ۴۶۶ ۴۶۷ ۴۶۸ ۴۶۹ ۴۷۰ ۴۷۱ ۴۷۲ ۴۷۳ ۴۷۴ ۴۷۵ ۴۷۶ ۴۷۷ ۴۷۸ ۴۷۹ ۴۸۰ ۴۸۱ ۴۸۲ ۴۸۳ ۴۸۴ ۴۸۵ ۴۸۶ ۴۸۷ ۴۸۸ ۴۸۹ ۴۹۰ ۴۹۱ ۴۹۲ ۴۹۳ ۴۹۴ ۴۹۵ ۴۹۶ ۴۹۷ ۴۹۸ ۴۹۹ ۵۰۰ ۵۰۱ ۵۰۲ ۵۰۳ ۵۰۴ ۵۰۵ ۵۰۶ ۵۰۷ ۵۰۸ ۵۰۹ ۵۱۰ ۵۱۱ ۵۱۲ ۵۱۳ ۵۱۴ ۵۱۵ ۵۱۶ ۵۱۷ ۵۱۸ ۵۱۹ ۵۲۰ ۵۲۱ ۵۲۲ ۵۲۳ ۵۲۴ ۵۲۵ ۵۲۶ ۵۲۷ ۵۲۸ ۵۲۹ ۵۳۰ ۵۳۱ ۵۳۲ ۵۳۳ ۵۳۴ ۵۳۵ ۵۳۶ ۵۳۷ ۵۳۸ ۵۳۹ ۵۴۰ ۵۴۱ ۵۴۲ ۵۴۳ ۵۴۴ ۵۴۵ ۵۴۶ ۵۴۷ ۵۴۸ ۵۴۹ ۵۵۰ ۵۵۱ ۵۵۲ ۵۵۳ ۵۵۴ ۵۵۵ ۵۵۶ ۵۵۷ ۵۵۸ ۵۵۹ ۵۶۰ ۵۶۱ ۵۶۲ ۵۶۳ ۵۶۴ ۵۶۵ ۵۶۶ ۵۶۷ ۵۶۸ ۵۶۹ ۵۷۰ ۵۷۱ ۵۷۲ ۵۷۳ ۵۷۴ ۵۷۵ ۵۷۶ ۵۷۷ ۵۷۸ ۵۷۹ ۵۸۰ ۵۸۱ ۵۸۲ ۵۸۳ ۵۸۴ ۵۸۵ ۵۸۶ ۵۸۷ ۵۸۸ ۵۸۹ ۵۹۰ ۵۹۱ ۵۹۲ ۵۹۳ ۵۹۴ ۵۹۵ ۵۹۶ ۵۹۷ ۵۹۸ ۵۹۹ ۶۰۰ ۶۰۱ ۶۰۲ ۶۰۳ ۶۰۴ ۶۰۵ ۶۰۶ ۶۰۷ ۶۰۸ ۶۰۹ ۶۱۰ ۶۱۱ ۶۱۲ ۶۱۳ ۶۱۴ ۶۱۵ ۶۱۶ ۶۱۷ ۶۱۸ ۶۱۹ ۶۲۰ ۶۲۱ ۶۲۲ ۶۲۳ ۶۲۴ ۶۲۵ ۶۲۶ ۶۲۷ ۶۲۸ ۶۲۹ ۶۳۰ ۶۳۱ ۶۳۲ ۶۳۳ ۶۳۴ ۶۳۵ ۶۳۶ ۶۳۷ ۶۳۸ ۶۳۹ ۶۴۰ ۶۴۱ ۶۴۲ ۶۴۳ ۶۴۴ ۶۴۵ ۶۴۶ ۶۴۷ ۶۴۸ ۶۴۹ ۶۵۰ ۶۵۱ ۶۵۲ ۶۵۳ ۶۵۴ ۶۵۵ ۶۵۶ ۶۵۷ ۶۵۸ ۶۵۹ ۶۶۰ ۶۶۱ ۶۶۲ ۶۶۳ ۶۶۴ ۶۶۵ ۶۶۶ ۶۶۷ ۶۶۸

ترجمہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں ان سے سنت اٹھالی جائے گی۔ اس لیے سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

بدعت کی نحوست کا اندازہ لگائیے کہ اس کی وجہ سے سنت جیسی مبارک نعمت اٹھا لی جائے تو آپ ہی سوچیں انسان کس طرح کامیابی کے مراحل طے کر سکے گا۔ کیونکہ کامیابی و کامرانی تو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے اور پھر بدعت کی نحوست اتنی ہے کہ انہیں قیامت تک سنت مبارکہ واپس نہیں دی جاتی۔ سیدنا حسان تابعیؒ (۱۲۰ھ) فرماتے ہیں:-

ما بدع قوم بدعة في دينهم الا نزاع الله من سنتهم مثل ما شملوا
يعيدها اليهم الى يوم القيامة

ترجمہ کوئی قوم دین میں بدعت نہیں نکالے گی مگر اللہ تعالیٰ اتنی ہی مقدار میں سنت ان سے اٹھالے گا اور پھر قیامت تک ان کو وہ سنت واپس نہیں کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو بھی کوئی مقام و مرتبہ ملا ہے وہ محض اتباع سنت اور اجتنب بدعت سے ملا ہے اور اگر کسی کو باوجود ریاضت و مجاہد کے کچھ نہ ملا تو اس کی واحد وجہ یہی ہوگی کہ اس میں بدعت کا کوئی نہ کوئی اثر ہے جس کی نحوست کی بناء پر وہ نورانیت نہیں حاصل کر سکا۔

حضرت حسن بن احیمین الباریؒ فرماتے ہیں:-

لا يظهر على احد شيء من نور الايمان الا باتباع السنة ومجانبة البدعة
وكل موضع ترك فيه اجتماعا ظاهرا بلا نور فاعلم ان مثله
بدعة خفيفة

ترجمہ جس کسی پر بھی نور ایمان سے کچھ ظاہر ہوا وہ محض اتباع سنت اور بدعت کی مخالفت و اجتنب سے ہوا اور جس جگہ ظاہری مجاہدہ محنت اور کوشش زیادہ دیکھو مگر اس میں نورانیت ظاہر نہ ہو تو سمجھو کہ یہاں کوئی تھپی ہوئی بدعت ہے (جس کی وجہ سے وہ شخص نورانیت سے محروم رہ رہا ہے)۔

آج ذرا اپنے گرد و پیش پر نظر کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی سنتوں کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ان سنتوں کی جگہ بدعات نے لے لی ہے۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان بدعات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کا نہ صرف یہ کہ مذاق اڑایا جاتا ہے بلکہ اسے بدنام کرنے، سب و شتم کرنے میں بھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جاتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر اس سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ان بدعات کی دلدل سے نکلنا چاہتا ہے اور سنت کا پابند ہونا چاہتا ہے تو اس پر آواز اس انداز میں کسی جاتی ہے کہ اس نے سنت کو ترک کر دیا، یہ رسول کا منکر ہو گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

حضرت حذیفہؓ نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا:-

آئندہ زمانے میں بدعت اس طرح پھیل جائے گی کہ اگر کوئی شخص اس بدعت کو ترک کرے گا تو اس کو کہیں گے کہ تو نے سنت ترک کر دی ہے۔ (معاذ اللہ)

یہ درحقیقت ان بدعات کی نحوست ہے جو اہل بدعت نے سنتوں کی جگہ اپنالی ہے اور جن کی نحوست کی بناء پر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں اور کسی کو سنت پر عمل کرتا دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ بدعات اور اہل بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-
اصحاب البدع کلاب اهل النار۔
ترجمہ: بدعتی جہنمیوں کے کتے ہیں۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی لکھتے ہیں :-

بد مذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر و ناپاک تر ہے
کتا فاسق نہیں ہے اور یہ اصل دین و مذہب میں فاسق ہے۔ کتے پر عذاب نہیں
ہے اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے میری نہ مانو، سید المرسلین کی حدیث مانو
ابو حاتم خزاعیؒ اپنی جزو حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے راوی ہیں کہ حضورؐ فرماتے
ہیں۔ اصحاب البدع کلاب اهل النار۔ بدعتی دوزخیوں کے کتے ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ بریلوی علماء اس حدیث کا بوجھ اپنے سر لینے کی بجائے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح پر ڈالتے ہیں۔ جناب احمد رضا خاں کے پیرخانہ مارہرہ شریف کے بزرگوں سے پوچھا گیا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کہنا کیسا ہے۔ اس کے جواب میں مولانا محمد میاں قادری برکاتی مارہری لکھتے ہیں:-

بد مذہب جہنمیوں کے کہتے ہیں کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کہتے کو اور وہ بھی
دوزخیوں کے کہتے کو اپنا قائد اعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے
گا۔ حاشا و کلامِ سرگز نہں ہے۔

بریلویوں نے اس حدیث کو قائد اعظم مرحوم پر چسپاں کرنے میں گور غلطی کی ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً انہوں نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے کہ اصحاب بدعت آخرت

میں دوزخ کے کتے بنائے جائیں گے اور جس طرح یہ آج کل اہل حق کو بھونکتے ہیں آخرت میں اپنے آپ پر بھونکنا ان کا نصیب ہو گا۔ وہاں اُن کی بھونک قائد اعظم تک ہر گز نہ جاسکے گی۔

سورسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوا کہ جنہوں نے دین میں دریا دیتیاں
کی ہیں شرعیّت مطہرہ کا منور چہرہ مسخ کرنے کی سازش کی، دینِ منیف میں بدعات کو جگہ دی سنت
پر عمل کرنے کی بجائے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کی اور اس کو دین کا نام دیا۔ تو چونکہ انہوں نے یہ
ہی گمان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) پورا پورا دین نہیں پہنچایا اور انہوں نے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں توہین و گستاخی کی سو ان کو جہنمیوں کے کتے سے تشبیہ دینا
بالکل صحیح ہے۔

قرآن کریم نے بھی ایک مقام پر ان لوگوں کو کتے سے تشبیہی ہے جو خواہشات نفسانی کا اتباع کرتے ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:-

دلو شئنا لرفعہ بہاؤ لکنہ اخلد الی الارض واتبع ہوۂ فمشلہ کمثل

الكلب ان تحمل عليه يلهث او تتركه يلهث ذلك مثل القوم

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا۔ (پ ۹ : الاعراف)

ترجمہ۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن یہ تو مہر و

زمین کا امداد تباع کیا اس نے اپنی خواہش کا تو اس کا حال ایسا ہے جیسے کتا۔ اس پر

تو بوجھ لادے تو مرنے اور چھوڑ دے تو مرنے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں

نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

غور فرمائیے اسلام کی نظر میں بدعت کتنا بُرا عمل اور اہل بدعت کتنے بد نصیب و بے

ہیں۔ ان کے ایجاد کا وبال کہاں کہاں پڑتا ہے کس کس طرح ان پر لعنت آتی ہے۔

ہیں چاہیے کہ ہمیشہ بدعات سے اجتناب کریں اور اہل بدعت سے دُور رہیں اور ہمیشہ

ملبرہ کا دامن تھامیں۔ اسی میں خیر و برکت، فلاح و سعادت ہے اور اسی سے دونوں

محال است کہ سعدی راہ صفا
تو اں رفت جز بر پئے مُصطفیٰ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ترجمہ: اسخری زمانہ میں کچھ ایسے دجال و کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے جن کو نہ تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے آباء و اجداد نے پس تم ان سے بچنا۔ ان کو اپنے قریب نہ آنے دینا۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔

۱۔ صحیح مسلم جلد اول

ترجمہ۔ اس امت کے آہری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کا نیکیوں کا اجر پہلے لوگوں کے اجر کی مثل ہوگا۔ وہ لوگ ہوں گے جو معروف کا حکم کریں گے، مکات سے روکیں گے اور اہل فتن سے ٹکریں گے (ان کا مقابلہ کریں گے)۔

اهل الفتن اى من البغاة والخوارج والروافض وسائر اهل البدع.

ترجمہ: اہل فتن سے مراد باغی، خابجی، رافضی اور تمام بدعتی گروہ ہیں۔

سو چاہیے کہ اہل بدعت سے شدید نفرت کا اظہار کیا جائے اور آدمی اہل سنت و
اجماع کا دامن پکڑ رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ایک لمبی لکیر کھینچی، پھر فرمایا :-

هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثُمَّ خَطَّ خَطوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هَذِهِ سَبِيلُ
عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ وَقُرْ وَأَنْ هَذَا صِرَاطِي
مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ الْآيَةُ ٢٠

ترجمہ۔ یہ اللہ کی راہ ہے پھر آپ نے اس کے دائیں اور بائیں خطوط کھینچے اور

فرمایا یہ غلط راہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک راہ پر ایک شیطان بیٹھا ہے جو لوگوں کو اس راہ کی طرف بلاتا رہا ہے۔ اور آپ نے اس پر یہ آیت پڑھی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) اور یہ میری سیدھی راہ ہے (صراطِ مستقیم ہے) تم اس پر چلتے رہو۔

دائیں بائیں کے ان خطوط سے معتہدین کے مختلف اجتہادات مراد نہیں۔ یہ سب ائمہ مجتہدین اہل حق میں سے ہیں۔ یہ شیطان نہیں شیاطین کی راہوں سے مراد بدعتی فرقوں کی راہیں ہیں جیسے معتزلہ، قدریہ، خوارج، روافض اور دیگر اہل بدعت وغیرہ۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو گمراہی کے راستے پر لے جانے کے لیے شیطانی مٹا غوثی قوتیں پوری طرح سرگرم عمل ہیں۔ اس پر چہار جائب سے حملہ آور ہیں۔ لیکن جب انسان قریب المرگ ہو جاتا ہے اور اس پر عالم آخرت کے بعض امور کھلنے لگ جاتے ہیں تو شیطان اپنی پوری شیطانیت کے ساتھ اس کے پاس آ بیٹھتا ہے۔ یہ ایک مومن کے ایمان و اعمال کی کڑی آزمائش کی گڑھی ہے۔ اہل اللہ اور سنت مبارکہ کی پابندی کرنے والے سنت کی برکت سے شیطان کی شیطانیت سے بچ جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو سنت کے مقابلے میں بدعات کو محبوب جان بنائے ہوئے تھے اور اسی یقین پر تھے کہ ان اعمال میں ثورانیت ہے۔ عین اس لمحے ان کو وہ اعمال انتہائی سیاہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اس پر اس کے ذہن کو عجیب جھٹکا لگتا ہے کہ وہ میں تو ان اعمال کو نیکیاں سمجھ کر کرتا رہا اور دوسروں کو اس کی تلقین و تائید کرتا رہا مگر یہاں تو معاملہ اس کے الٹ نکلا۔ اس وقت شیطان آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ ابھی تو یہاں (اس دُنیا میں) ہے مرا نہیں۔ ابھی مرنے پر تجھ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام جس کو تو سچا دین سمجھ رہا تھا اور اور اسے اپنائے ہوئے تھا وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول نہیں۔ (استغفر اللہ)

پہلے ناکامی اور بدعات کے اندھیرے تو اس کے سامنے آچکے ہوں گے لیکن اب وہ

بنیادِ اسلام میں بھی شک میں پڑ جائے گا۔ ادھر شرک و شہادت کا اظہار ہوگا۔ ادھر روح اس کے بدن سے کھینچ لی گئی اور شیطان اپنی کامیابی کے نعرے اس تیزی سے لگانے لگا جس طرح یہ بدعتی اپنے بدعتی پیروں اور مولویوں کے گرد حلقہ بنا کر زور زور سے نعرے لگایا کرتا تھا۔ یہ ہے بدعت کی ظلمت جو اس کے ایمان تک کو لے گئی۔ اور شیطان اب بھاگ گیا۔ قرآن کریم میں ہے:

لَمَثَلُ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ.

(پ: الحشر ع ۲)

ترجمہ۔ ان لوگوں کی مثال شیطان کی سی ہے کہ جب اس نے انسان سے کہا، کہ کفر کر۔ جب انسان نے کفر کر لیا تو شیطان کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں۔ شیطان اور شیطانی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہر شخص کی موت کفر و شرک پر ہو اور وہ اس کے لیے ہر حربہ آزماتے ہیں۔ فردعی مسائل کو قطعیت کا درجہ دینے والا بھی بالآخر اس خطرے میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانِ دین فردعی مسائل میں زیادہ شدت اختیار کرنے سے ہمیشہ اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔ کہ ان میں ایسی شدت اختیار نہ کرو کہ اُسے اس یقین تک لے جاؤ جو یقین ایک مومن کو خدا اور اس کے رسولِ خاتم کے بارے میں حاصل ہوتا ہے۔ فقہی مسائل کے بارے میں بھی یہ نصیحت مد نظر رکھنی چاہیے کہ:

مذہبنا صواب و یحتمل الخطاء

ومذہب مخالفنا خطا و یحتمل الصواب

یہ تو فقہی مسائل کی بات تھی جن کی اصل کسی نہ کسی درجے میں شریعت میں موجود ہوتی ہے جب ان میں احتیاط کا یہ حال ہے تو بدعت جن کی سرے سے اصل ہی نہیں اس پر عمل اور اضرار کتنا خطرناک ہوگا۔ اور پھر اس کو قطعیت اور کفر و اسلام کا فاصلہ ٹھہرا دینا، جیسا کہ آج کل اہل بدعت نے کر رکھا ہے کس قدر خطرناک ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بہر حال بدعت ایک ایسا خبیث عمل ہے کہ اس کا مرتکب عین موت کے وقت شیطان کی آخری واردات کا شکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات معاملہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوتی ہے۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

واما انه يخاف على صاحبها سوء الخاتمة والعياذ بالله فلان صاحبها مرتكب اثما وعاص لله تعالى حتما ولا نقول الا ان هو عاص بالكبر أو بالصغائر بل نقول هو مصر على ما عفى الله عنه والاصرار يعظم الصغيرة إن كانت صغيرة حتى تصير كبيرة وإن كانت كبيرة فاعظم ومن مات مصر على المعصية فيخاف عليه وربما اذا كشف الغطاء وعان علامات الآخرة استغفر الشيطان و غلبه على قلبه حتى يموت على التغير والتبديل به

ترجمہ۔ اور بہر حال بے شک بدعتی کے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اس لیے کہ بدعتی ایک گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ حتمی طور پر اللہ کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے ہم اس وقت یہ نہیں کہتے کہ وہ صغیرہ گناہ کے ذریعہ نافرمانی کر رہا ہے یا صغیرہ کے ذریعہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا ہے اس پر بدعتی اصرار کرتا ہے اور صغیرہ گناہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی معصیت پر اصرار کرے تو اس کے لیے سوئے خاتمہ کا اندیشہ ہے جب حقیقت کا پردہ کھلے گا اور عالم آخرت کے امور اس کے سامنے آئیں گے تو شیطان بھی آدھمکے گا اور (سوسہ دے کر) اس کے قلب پر اپنا غلبہ حاصل کر لے گا یہاں تک کہ وہ اپنے دین سے اس تبدیلی پر اگر مرجائے۔

علامہ مرصوفؒ آگے بھاگ لکھتے ہیں :-

لان المبتدع مع كونه مصرًا على ما نهى عنه يزيد على المصر بانه معارض للشرعية بعقله. غير مسلم لهدا في تحصيل أمره. معتقدا في المعصية أنها طاعة. حيث حسن ما قبحه الشارع. وفي الطاعة أنها لا تكون طاعة الا بضمانة نظره. فهو قد قبح ما حسنه الشارع ومن كان هكذا فحقيق بالقرب من سوء الخاتمة الا ما شاء الله. وقد قال تعالى في جملة من ذم أفامنوا مكر الله فلا يأمن مكر الله الا القوم الخاسرون (الاعراف) والمكر جلب السوء من حيث لا يظن له وسوء الخاتمة من مكر الله اذ يأتي الانسان من حيث لا يشعر به. اللهم انا نسألك العفو والعافية به

ترجمہ۔ بدعتی باوجودیکہ اس بات پر مصر ہے جس سے اللہ نے روکا ہے۔ اس شخص سے آگے ہے جو گناہوں پر اپنی عقل سے عمل پیرا ہے اور تحصیل امر میں اس کا قائل نہیں۔ لیکن وہ بدعتی گناہ کو طاعت سمجھ کر عمل میں لارہا ہے جس چیز کو شارع علیہ السلام نے برا جانا اُسے اچھا کہہ رہا ہے اور اپنی بات کو نیکی سمجھنے والا ہے (اور نیکی سمجھنا تو محض اس کی اپنی اختراع ہے) اس چیز کو قبیح سمجھ رہا ہے جسے شارع نے اچھا کہا ہے اور جس شخص کا یہ حال ہو تو وہ سوئے خاتمہ کے واقعی بہت قریب ہے مگر یہ کہ اللہ کسی کو بچالے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت میں اجمالاً یہ کہا ہے ”کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے دائرے سے۔ سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے دائرے سے مگر وہی لوگ جو خدائے میں پڑنے والے ہیں“ یہ مکر (تدبیر) بُرائی کو اس طرح لانے میں ہے کہ وہ سمجھ

بھی نہ پائے اور خاتمہ تدبیر الہی سے برا ہونا یہ ہے کہ انسان پر یہ اس طرح آئے کہ وہ اسے جان نہ سکے، اے اللہ! ہم آپ سے اس میں معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔

حضرت علامہ شاطبیؒ کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بدعتی کے سوائے خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ اگر کوئی بدعتی سوائے خاتمہ سے بچ جائے تو یہ محض ایک استثناء ہے۔ ورنہ عام طور پر بدعتی سوائے خاتمہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنتِ مطہرہ کی اتباع کی توفیق دے اور بدعت اور اہل بدعت سے بچائے۔ آمین۔

تردد کے فتنے سے بچنا

بدعتی بدعت پر عمل تو کئے جاتا ہے لیکن تحت الشعور میں وہ تردد کے فتنے میں بُری طرح گھرا ہوتا ہے علم اور سمجھ کی رُود سے وہ اس میں کوئی روشنی نہیں دیکھتا۔ لیکن جذبات اور ماحول کے زیر اثر وہ اپنی بدعات پر نہایت اکر کر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک فکری جنگ ہوتی ہے جس سے وہ پوری عمر تک نہیں پاتا۔ سچائی پر آنے میں وہ سوچتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور بدعات پر عمل پیرا ہونے میں اسے آخرت کی کوئی چمک دکھائی نہیں دیتی۔ وہ ساری عمر اس تردد کا شکار رہتا ہے اور اس تردد میں اس کا آخری وقت آ جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جس کے انتظار میں شیطان لعین مدت سے لگات لگائے ہوئے تھا۔

اب یہ تردد بڑھ کر قطعیاتِ اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جو نہی وہ اسلام کی صداقت میں شک میں پڑتا ہے روحِ قنبرِ عنقریب سے پرواز کر جاتی ہے۔

حسرت ہے اس مسافر بے بس کے حال پر جو تھک کے رہ جائے ہے منزل کے سامنے

چند شبہات کا ازالہ

اس راہ میں اٹھنے والے چند شبہات کا اصولی جواب ہم پہلے دے آئے ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں کچھ اور وضاحت کی جاتی ہے۔

کیا اقامت تراویح بدعت ہے؟

① — اہل بدعت کی جانب سے اکثر یہ بات سُنی جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی مناز جو باجماعت مقرر کی اس کے لیے وہ خود فرماتے ہیں کہ ان کانت ہذہ بدعة فنعمة البدعة۔ اگر یہ نیا طریقہ ہے تو اچھا طریقہ ہے

الجواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی شرعی حد صحابہ کرامؓ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدینؓ کا عمل تو ہمارے لیے خود محبت ہے جس کی تفصیل گزر چکی اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اصحابی کالنجوم فباتمہم اقتدیتم اہتدیتم۔ (المحدث)

مہ می گوید کہ اصحابی نجوم للسری قدوة وللطافی رجوم

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :-

انی لا ادری ما قدر بقائی فیکو فاقدوا بالذین من بعدی

ابی بکرؓ و عمرؓ۔

ترجمہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تمہارے اندر زندہ رہوں گا اس لیے میں تمہیں اپنے بعد الہ بکرم اور عمر کی اقتداء کرنے کی تلقین اور تاکید کرتا ہوں۔

② جب صحابی اپنے کسی عمل کو بدعت کہے تو اس سے مراد بدعت شرعی نہیں بلکہ بدعت لغوی ہے۔ علامہ مافظ ابن رجب منہلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:-

واما ما وقع في كلام السلف من استحسان بعض البدع فاما ذلك في البدع اللغوية لا الشرعية فمن ذلك قول عمر رضي الله عنه لما جمع الناس في قيام رمضان على امام واحد في المسجد وخرج وراهم يصلون كذلك فقال نعمة البدعة هذه۔

ترجمہ: بزرگوں کے کلام میں جو بدعت کے استحسان کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بدعت لغوی ہے بدعت شرعی نہیں۔ اسی میں سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے جب انہوں نے لوگوں کو رمضان میں باجماعت نماز تراویح پر جمع کیا اور دیکھا تو فرمایا کہ یہ اچھا طریقہ ہے۔

علامہ موصوفؒ اس پر لکھتے ہیں:-

ومراده ان هذا الفعل لم يكن على هذا الوجه قبل هذا الوقت ولكن له اصل في الشرعية يرجع اليهما۔

ترجمہ: حضرت عمرؓ کی اس قول سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا اس کیفیت سے پہلے تو نہ تھا لیکن اس کی اصل شریعت میں ضرور موجود تھی۔

حضرت مصلی اللہ علیہ وسلم تراویح کی مسجد میں اقامت کر کے اس کی راہ خود بنا چکے تھے۔

علامہ موصوفؒ نے اس کی چند مثالیں ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات گرامی کا یہ عمل دراصل سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مستفاد تھا اور ہم بتا چکے ہیں کہ ان

حضرات کے کام بھی سنت ہیں جس کی تائید سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ارشاد سے بھی بتلا دی گئی ہے۔ اس لیے ان پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں:-

هذا الذي فعله سنة لكنه قال نعمة البدعة هذه من حيث المعنى اللغوي لكونهم لم يفعلونه في حياة الرسول صلى الله عليه وسلم يعني من الاجتماع على مثل هذه وهي سنة من الشريعة۔

ترجمہ: یہ جواب نے کیا وہ سنت تھا لیکن اس نے اسے نعمۃ البدعہ کہا۔ ایسا کیا لغوی اعتبار سے تھا کیونکہ صحابہؓ اس طرح (ایک جماعت سے تراویح) حضورؐ کے زمانے میں نہ پڑھتے تھے یعنی اس طرح کا اجتماع نہ ہوتا تھا اور تراویح پڑھنا شرعاً سنت ہے بدعت نہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کہتے ہیں:-

سألت أبا حنيفة رحمه الله عن التراويح وما فعله عمر رضي الله عنه فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يخترعه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدع ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: میں نے امام ابو حنیفہؒ سے حضرت عمرؓ اور تراویح کے فعل کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمرؓ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا اور نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے انہوں نے جو کچھ حکم دیا وہ کسی اصل کی بناء پر تھا جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا۔

مشکوٰۃ شریف کے شارح حضرت مولانا ذاب قطب الدین صاحب لکھتے ہیں :-
حق یہ ہے کہ جو کچھ کہ خلفائے راشدینؓ نے کیا سنت ہے پس معنی بدعت کے
یہاں باعتبار لغت کے ہیں نہ اصطلاح فقہاء کے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جو حضرات سیدنا حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر اپنے مردوبہ
بدعات (جس کی شرع میں کوئی اصل نہیں) کی ترویج و تہذیب چاہتے ہیں وہ درحقیقت ان حضرات
گرامی قدر پر بہت بڑا بہتان باندھتے اور یہ کہتے نہیں ڈرتے کہ معاذ اللہ صحابہؓ بھی بدعتی تھے۔
(معاذ اللہ)

اس کی مزید تفصیل علامہ عافظ ابن رجب حنبلیؒ کی جامع العلوم والحکم ص ۲۳۳، علامہ ابن تیمیہؒ
کی تصنیف اقتضاء الصراط المستقیم میں، صلوٰۃ التراويح لیت بدعتہ شرعیہ ص ۱۴ پر اور علامہ ابن حجر
مکیؒ کی فتح المبین بشرح الاربعین ص ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محمد بن نصر مروزی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سوال کے
جواب میں الزاماً یہ بات کہی تھی کہ اگر یہ بدعت ہے تو اچھی بدعت سہی اور اچھی بدعت وہ ہے جس
کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اسے آپ نے وقتی طور پر چھوڑا ہو وہ متروک عن اہل
بہ ہو۔ اس پر نئے سرے سے عمل کرنا نعمت البدعت ہے یہ شرعی بدعت نہیں ہے۔

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں؟

اہل بدعت کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ حدیث پاک میں آیا ہے :-
ما راہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن۔

ترجمہ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اس سے استدلال کرتے ہوئے اہل بدعت کا کہنا ہے کہ ہمارے اکثر اعمال کو مسلمان

اچھا سمجھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ سو یہ اعمال بدعات کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان
کا استدلال یہ ہے کہ تمام مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ بدعت نہیں ہو سکتی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل بدعت کو حدیث پاک کے مفہوم و مطلب کے سمجھنے میں بڑی
غلطی لگی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری بدعت میں چونکہ بہت سے مسلمان شامل ہو جاتے ہیں
اور ان کو اچھا سمجھتے ہیں، اسی لیے یہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوگی۔ عاذا حدیث پاک کا ہرگز یہ مطلب
نہیں کہ جسے عام مسلمان اچھا سمجھ لیں وہ اچھی بن کر دین بن جائے۔ علماء اسلام نے اس کا
مطلب واضح کر دیا ہے جس سے یہ شبہ دفع ہو جائے گا۔ صاحب مجالس الاہلکار لکھتے ہیں :-

اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ ان بدعتوں کے جواز میں جن کے وہ عادی ہیں اس حدیث

سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں..... الخ

تو کیا ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ — (جواب یہ ہے کہ) ان کا یہ استدلال

جیسا کہ بعض فضلاء نے کہا، ٹھیک نہیں ہے اور یہ روایت ان کو مفید نہیں،

بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ یہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے جو عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے

اور اس کو احمد اور بن زاذ، طبرانی، طیالسی، ابونعیم نے اس طرح روایت کیا ہے :-

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب

کیا، پھر آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، پھر اس نے اپنے بندوں کے دلوں کی طرف

دیکھا تو ان میں سے آپ کے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان کو دین اسلام

کا مددگار اور بنی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین اچھا سمجھیں،

وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس چیز کو یہ مومنین برا سمجھیں وہ اللہ کے

نزدیک بھی بُری ہے۔

علامہ جمال الدین زلیعی نے نصب الراية جلد ۲ ص ۲۴ پر اور علامہ صلاح الدین علانی نے بھی اس کو ابن مسعودؓ پر موقوف بتلایا ہے۔

① اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ المسلمون میں الف لام مطلق جنس کے لیے نہیں ہے (اگر مطلق جنس کے لیے ہوتا) اس صورت میں یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں نہ ہر فرقہ ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہوں گے، سوائت کا ہر فرقہ اپنے ہی مذہب کو اچھا اور سچا سمجھتا ہے۔ تو لازم آئے گا کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو (حالانکہ ایسا نہیں ہے)۔

② اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا تو لازم آتا ہے کہ خُن و قبح میں کوئی تمیز نہ رہے۔

③ یا تو الف لام عہد کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتخار صحابہ میں ہے۔ پس المسلمون سے مراد فقط صحابہ ہیں۔

④ یا خصائص جنس کے استغراق کے لیے ہے۔ پس المسلمون سے مراد وہ لوگ ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوں گے کہ جس بات کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ اور جس کو صحابہ کرامؓ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

⑤ اور ممکن ہے کہ لام استغراق حقیقی کے لیے ہو۔ اس صورت میں معنی ہو گا کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے اور جس بات میں اُن کا اختلاف ہو جائے تو اب اس میں قرون ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جس کی نسبت خیر کی شہادت ہے۔

اہلسنت وہی ہیں جو اپنا دین پہلوں سے لیں صحابہ کرامؓ اور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کی پردہ کریں۔ نہ وہ لوگ کہ اپنی پسند کو صحابہؓ کی پسند کے درجہ میں رکھیں اور اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھیں۔

نوٹ

○ مجالس الابرار کتاب کی امام ہمام حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے تعریف و توصیف فرمائی ہے اور اس کے مصنف کو عالم، متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پر مادی بتایا ہے۔ اسی طرح "کشف الظنون" اور استخاف النبلاء میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے۔

مندرجہ بالا تفصیلی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جسے اہل بدعت بلا بار بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے۔ لہذا صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو وہ بُرا سمجھیں اس کی قباحت کا انکار ممکن نہیں اب آپ ہی سوچیں کہ وہ تمام بدعات جن پر اہل بدعت کو بُرا ناز ہے (اور نہ کرنے والوں کو ملعن و تشنیع کرتے ہیں) صحابہ کرامؓ سے ثابت ہیں یا نہیں؟ ائمہ مجتہدین سے ثابت ہیں یا نہیں؟ اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہوتا تو ہرگز ہرگز صحابہ کرامؓ اسے ترک نہ کرتے۔ اس لیے کہ ان کا علم بھی وسیع تھا اور عمل بھی بے نظیر، عشق بھی درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا اور جذبہ اطاعت بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ نیکی اور بھلائی کے حریص بھی تھے اور ہر نیکی و بھلائی کو حاصل کر کے اُن پر عمل بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ ان تمام بدعات پر (نہ تو ان مبارک ہستیوں نے عمل کیا نہ انہوں نے اس کی تاکید کی۔ لہذا یہ روایت اہل بدعت کے لیے دلیل نہیں بلکہ ان کی مخالفت و تردید پر مترشح ہے۔ اسی لیے صاحب "مجالس الابرار" نے فرمایا کہ "ان کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے"۔

چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پر ہے بجلی بنا یا تھا جس پر اشیانہ

② حضرت امام عبداللہ الحاکم (م. ۵۰۵) سند صحیح کے ساتھ اس روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں۔

مأراه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن و ماراه المسلمون سيئًا فهو عند

الله سيئ و قد راى الصحابة جميعًا ان يستخلفوا ابا بكر

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روایت درحقیقت صحابہ کرامؓ ہی کے بارے میں ہے اور اپنی کے قول و عمل پر حسن کا دار و مدار ہے۔

③ احناف کی مشہور کتاب ”شامی“ میں ہے۔

لا شك ان فعل الصحابة حجة و ماراه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن

ان عبارات کا حاصل یہ کہ صحابہ کرامؓ جس چیز کو اچھا سمجھیں وہی اچھی اور جس کو بُرا سمجھیں وہ بُری ہوگی۔ آج کل کے عوام کا کسی چیز کو اچھا سمجھ لینا دین و شریعت نہیں بن سکتا۔ کہ جس کو اہل بدعت تائید میں پیش کریں وہ شریعت بن جائے۔

عامۃ الناس کے عمل سے سند

اہل بدعت کی جانب سے یہ دلیل اکثر و پیشتر پیش کی جاتی ہے کہ اس میں بہت لوگوں کا تعاون ہے اور ان بدعات میں لوگوں کی رغبت ہے۔ اس لیے لوگوں کا تعامل و تعاون اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک مستحسن ہوگی اور بدعت نہیں کہلا سکتی، اتنے مسلمانوں کی بات کو اللہ تعالیٰ کیسے روک دے گا۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بدعت بدعت ہی ہے مخلوق کا تعامل یا ان کا تعاون بدعت کو سنت نہیں بنا سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب یہ بدعت نہیں رہی۔ امام غزالی (م. ۵۰۵) سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔

لہ المتحدک للحاکم جلد ۳ ص ۱۰ شامی جلد ۲

بے شک ابن عباسؓ نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین پر قائم نہ رہے بلکہ مخلوقات کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں لگ جائے اور جس میں وہ مصروف ہوں یہ بھی مصروف ہو جائے، جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہوں یہ بھی ڈوب جائے تو وہ بھی ان کی طرح ہی ہلاک ہوگا۔

صاحب مجالس الابرار بھی لکھتے ہیں :-

حق کو اختیار کر دو اور اس پر عمل کرو اگرچہ اس پر عمل کرنے والے کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اس لیے کہ وہ حق ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہ کرامؓ ہوں اور بعد صحابہؓ کے انہو باطل کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ بھی فرماتے ہیں :-

ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو۔ اس پر چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو۔ اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلفؒ کا مقولہ ہے :-

جب تم شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پر واہ نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری رائے کے خلاف ہو جائے۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کی کثرت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل اعتبار کتاب و

سنت کا ہے سیدنا مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندیؒ نے بھی بہت خوب لکھا ہے :-

اس زمانے کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور سنتوں کو محو کرتے ہیں، شائع اور پھیلی ہوئی بدعات کو تعامل جان کر جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر

لہ مجالس الابرار ص ۱۰ لہ ایضاً ص ۱۰ لہ ایضاً ص ۱۰

گمراہی شائع ہو جائے اور باطل متعارف و مشہور ہو جائے تو تعامل ہو جاتا ہے مگر یہ نہیں جانتے کہ یہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں، تعامل جو معتبر ہے وہ وہی ہے جو صدر اول سے آیا ہے یا تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ فتاویٰ عنایتیہ میں مذکور ہے۔

شیخ الاسلام شہیدؒ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا، وہ تعامل جواز پر دلالت کرتا ہے جو صدر اول سے استمرار کے طور پر ہوتا چلا آیا ہو۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر پر دلیل ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے اس کا مشروع ہونا ثابت ہو اور اگر اس قسم کا تعامل نہ ہو تو لوگوں کا فعل حجت نہیں ہو سکتا۔

حضرت مجدد صاحب کے ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ مخلوق کا تعامل جواز کی دلیل و حجت نہیں وہی بات حجت اور معتبر ہے جو صدر اول یعنی کتاب و سنت، صحابہ کرامؓ اور اہل سنت و اجماع سے ثابت و واضح ہو۔ فافہم

صوفیہ کے عمل سے کیا بدعات کو سند مل سکتی ہے؟

اہل بدعت بدعات کے جواز میں حضرات صوفیہ کرام و مجتہدین کا قتل و عمل پیش کر کے کہتے ہیں کہ ان کا قتل و عمل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدعت نہیں اور بنظر غائر دیکھا جائے تو اکثر و بیشتر ایسے ہی اقوال و اعمال پر بدعات کی عمارت استوار کی جاتی ہے؟ لوگ اپنے پیر خانوں کے نام سے چپے لگتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضرات صوفیہ بے شک بزرگوں میں سے ہیں لیکن ان کا

قول و عمل جب تک کتاب و سنت کے ترازو پر نہ تولایا جائے گا معتبر نہ ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ صوفیہ کرام و مجتہدین سے بعض اوقات حالت وجد میں یا حال کے وارد ہونے پر ایسے اعمال و اقوال سرزد ہو جاتے ہیں جن کا تعلق صرف ان کے اس حال سے مخصوص ہوتا ہے اور ان کے اس حال کو خدا کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے اس قول و عمل کو شریعت نہیں قرار دیا جاسکتا سیدنا مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:-

صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے۔ ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس معاملہ (یعنی حلت و حرمت) میں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شیبلیؒ، ابو الحسن نورمئیؒ کا عمل۔ اس زمانہ کے صوفیاء عظام نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر سرور و رقص کو اپنے دین و ملت کے طور پر اختیار کیا ہے اور اس کو طاعت و عبادت بنا لیا ہے۔ اتخذوا دینہم لہواً و لعباً (انہوں نے اپنے دین کو کھیل و تماشانا بنا رکھا ہے)۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

احکام شرعیہ کے ثابت کرنے میں معتبر کتاب و سنت ہے اور مجتہدوں کا قیاس اور اجماع امت بھی حقیقت میں احکام کے مثبت ہیں۔ ان چار شرعی دلیلوں کے سوا اور کوئی ایسی دلیل نہیں جو احکام شرعیہ کو ثابت کر سکے۔ الہام حلت و حرمت کو ثابت نہیں کرتا اور باطن والوں کا کشف فرض و سنت کو ثابت نہیں کرتا۔ ولایت خاصہ والے لوگ اور عام مومنین مجتہدوں کی تقلید میں برابر ہیں۔

سیدنا مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں کسی نے ایسے ہی کسی بزرگ کا عمل پیش کر کے حجت بنانا چاہا تو آپ اس کی تاب نہ لائے اور آپ کے قلم سے بے اختیار یہ فقرے نکل گئے:-

مخدوم! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل خواہ شیخ کبیر مبینی ہوں یا شیخ اکبر، ہمیں کلام محمد عربی علیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین ابن عربیؒ و صدر الدین قونویؒ و شیخ عبدالرزاق کاشیؒ۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحات مدینہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنا دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات میں ائمہ مجتہدین کا قول تو معتبر ہو سکتا ہے صوفیہ کرام کا نہیں (اگر کتاب و سنت سے ثابت ہو تو پھر اور بات ہے) اس لیے کہ وہ محض صوفیہ ہیں، اہل جہاد میں سے نہیں۔ حضرت امام ترمذی (۲۶۹ھ) ایک حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وَكذلك قال الفقهاء وهو اعلم بمعاني الحديث

ترجمہ: اور اسی طرح فقہاء نے فرمایا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

حضرت امام وکیعؒ (۱۹۷ھ) بھی فرماتے ہیں:-

وحدیث يتداوله الفقهاء خير من ان يتداوله الشيوخ

ترجمہ: اور وہ حدیث جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس سے زیادہ بہتر ہے جس کو صرف شیوخ بیان کرتے ہوں۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

فان علم الحلال والحرام انما يتلقى من الفقهاء

ترجمہ: حلال و حرام کا علم (اور مسائل) تو فقہاء ہی سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

پتہ چلا کہ دینی معاملات میں یا کسی چیز کی حلت و حرمت میں زریے صوفیہ و شیوخ کے اقوال

۱۔ مکتوبات شریف دفتر اول ۲۳۵ ۲۔ ترمذی جلد ۱۸۱ ۳۔ معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۱ فتح الباری ج ۳ بحوالہ مقام ابی منیف

و اعمال کو بطور حجت پیش کرنا درست نہیں، اعتبار و اعتماد فقہاء کرام کا ہے اس لیے کہ وہ دین کے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں اور دین کی لم سے واقف ہے اور بات اصل سے کہتے ہیں مجھ سے نہیں صاحب مجالس الابراہیم بھی تحریر فرماتے ہیں:-

دلیل مخصص وہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن و حدیث اور ان لوگوں کے

اجماع سے جو اہل اجتہاد ہیں ماخوذ ہو۔ اور جو عابد زاہد اہل اجتہاد نہیں ہیں

وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول

اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔ خلاف قرآن و حدیث

کسی عابد و زاہد کی بات نہ ماننا خود حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے

اور ساتھ ہی قرآن میں بھی اس کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

مشائخ اور صوفیہ سے کوئی ایسی بات دیکھیں جو بظاہر قرون ثلثہ (اسلام کے بہترین زمانوں)

میں نہ پائی گئی تو یہی بس ہے کہ ہم اس پر انہیں ملامت نہ کریں اور اسے منکرات میں نہ سمجھیں۔ لیکن

یہ نہیں کہ اس کی سند پکڑیں اور اسے نیکی کا کام سمجھ کر آگے عمل میں لائیں۔ فقہاء جو بات کہیں گے

وہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہوگی اور اجتہاد انہوں نے دریافت کی ہوگی اور مشائخ اگر کوئی

ایسی بات کریں یا کہیں تو ہو سکتا ہے کہ ان پر کوئی حال وارد ہو یا وہ یہ بات فقط علا جا کہہ

رہے ہوں۔ پیران کرام کے عمل سے نہ کسی اصل شرع کی تفصیص جائز ہے نہ اس میں امت کے

لیے کوئی راہ عمل ہے۔ اپنے پیروں کے عمل کے بہانے سے کسی عمل کو مسجد میں سند بنانا جائز نہیں۔

صحابہ خود بدعت کا موضوع نہیں

صحابہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر صحبت سے اس درجہ تزکیہ قلب ہو چکا تھا کہ ان کے

سینوں میں رضاء الہی کے خلاف کسی نفسانی خواہش کی دھڑکن تک نہ سنی جاتی تھی۔ بدعت کا سرچشمہ ذہنی

۱۔ مجالس الابراہیم ص ۱۶۶

رماندگی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں یہ ہیں سے بدعات کے سوتے پھوٹتے ہیں جب یہ ان حضرات میں منتفی ہوئیں تو یہ ناممکن ہوا کہ کوئی صحابی اپنے طور پر دین میں کوئی نیا کام پیدا کرے اور دین میں وہ دین میں وہ چیز لے آئے جو دین میں سے نہ ہو۔

اُدھر حضورؐ نے فرمایا کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کر تو تم راہ ہدایت پا لو گے اب ظاہر ہے کہ ستاروں سے روشنی ہی ملے گی۔ روشنی تیز ہو مدھم۔ لیکن ملے گی روشنی ہی اندھیرا کسی سے نہ ملے گا۔ صحابہؓ دین کا کوئی کام گو وہ نصا اور صراطِ حضرتِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی منقول ہو، وہ بدعت نہ سمجھا جائے گا۔ ہم یقین رکھیں گے کہ اس صحابی کے پاس اس باب میں حضورؐ سے کوئی اصل ضرور پہنچی ہوگی۔

صحابہؓ کا یہ مقام کسی بڑے سے بڑے شیخ طریقت کو حاصل نہیں۔ شیخ طریقت اپنے متوسلین کو کسی ایسی چیز کا پابند کرے جو پابندی شریعت نے نہیں لگائی یا جو چیز شرعاً لازم نہیں اس کا التزام کرے اسے اگر کسی درجے میں گوارا کیا جاسکتا ہے تو صرف اس تاویل سے کہ ایسا کرنا عقیدت مندوں کے لیے صرف علاجاً تجویز کیا جا رہا ہے۔ یہ صرف صحابہؓ کا مقام ہے کہ ان کی دین کی بتائی ہر بات شریعت سمجھ کر قبول کی جائے۔ اگر کوئی بات ان کی اجتہاد اور سنت نہ بھی ہو تو بھی اس پر بدعت کا اطلاق ہرگز نہ ہوگا۔ بدعت کی حد یہ ہے کہ صحابہؓ کے عمل میں اس کی کوئی اصل موجود نہ ہو۔ بدعت کا دور ان کے بعد شروع ہوا ہے۔ حضرت خذیفہؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں:-

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله فلا تعبدها۔

ترجمہ۔ رضاء الہی کے ارادے سے کسی جانے والی ہر نیکی جسے صحابہؓ نے دین کی بات نہیں سمجھا تم ہرگز اسے دین نہ سمجھنا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ لکھتے ہیں:

① سنت و بدعت باہم متقابل ہیں۔ جب کہا جائے کہ فلاں چیز سنت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ "بدعت" نہیں۔ اور جب کہا جائے کہ یہ چیز "بدعت" ہے تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ چیز خلاف سنت ہے۔

② میرا آپ کا اور تمام مسلمانوں کا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک طرف گذشتہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہو گئیں، تو دوسری طرف آئندہ قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ایک آپ ہی کی ذات گرامی ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شائد کی پسند و ناپسند معلوم ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند و ناپسند کا جو آئین دیا اسی کا نام دین و شریعت ہے۔ جس کی تکمیل کا اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے تین مہینے پہلے میدانِ عرفات میں کر دیا گیا۔ اب نہ اس دین میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ کسی اضافے کی گنجائش ہے۔

③ سنت طریقہ کو کہتے ہیں۔ پس عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور عادات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ اپنایا وہ "سنت" ہے اور اس کے خلاف "بدعت" ہے۔ طریقہ نبویؐ کا علم ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، (یہ حدیث میں اس مضمون کی تمہید میں نقل کر چکا ہوں) اس لئے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت بھی سنت نبوی کا حکم رکھتی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، ان کو دین کے معاملہ میں ثقہ اور امین فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اکرموا اصحابی فانہم
خیارکم ثم الذین یلونہم
ثم الذین یلونہم، ثم یشہرون
الحذیب، الحدیث (مشکوٰۃ ص ۵۵)

میرے صحابہ کی عزت کرو، کیونکہ وہ تم
میں سب سے پسندیدہ لوگ ہیں۔ پھر
وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ
لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ اس کے بعد

جھوٹ کا ظہور ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ میرا جو صحابی کسی زمین میں فوت ہوگا وہ قیامت کے دن لوگوں کا قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔ (حوالہ بالا)

یہ مضمون بہت سی احادیث میں ارشاد ہوا ہے، ادھر قرآن کریم نے مجاہد صحابہ کو "المؤمنین" اور "خیر امت" کا خطاب دیکر ان کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ اور جو شخص ان کے راستے سے ہٹ جائے اسے گمراہ قرار دیکر اس کو جہنم میں جھونکنے کی وعید سنائی ہے۔ اور بہت سی آیات کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رحمت و رضوان کے مشدے سنائے ہیں۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کا آئینہ ہے۔ جو کام ان اکابر نے بالاتفاق کیا ہو یا جس کام کو بالاتفاق ترک کر دیا ہو وہ قطعی ہے۔ اور اس سے انحراف کسی کے لئے جائز نہیں۔ اور جو کام بعض صحابہ نے کیا اور کسی نے اس پر بغیر نہ کی وہ بھی بلاشبہ حق و صواب ہے۔ اور

اس میں کسی شک و ارتباب کی گنجائش نہیں،
الغرض کسی چیز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین زمانے کے لوگوں کو خیر القرون کے لوگ فرمایا ہے، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ ان کے شاگرد، اور ان کے شاگردوں کے شاگرد (ان کو تابعین اور تبع تابعین کہا جاتا ہے) اس لئے ان تین زمانوں میں بغیر کسی روک ٹوک کے جس چیز پر مسلمانوں کا عمل درآمد رہا وہ سنت کے دائرے میں آتی ہے۔

⑤ "سنت" کی اس تشریح سے "بدعت" کی حقیقت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے۔ یعنی جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی ہو اسے دین کی بات سمجھ کر کرنا "بدعت" کہلا آئے۔ مگر اس کی مزید تشریح کیلئے چند چیزوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

اول: یہ کہ جس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سے زیادہ روایتیں منقول ہوں، وہ سب سنت کہلائیں گی۔ ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر کے دوسری کو "بدعت" کہنا جائز نہیں، الا یہ کہ ان میں سے ایک منسوخ ہو، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ائین بالجہر بھی ثابت ہے اور آہستہ بھی — لہذا یہ دونوں سنت ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کو "بدعت" کہنا اسکی مخالفت جائز نہیں۔

دوم: ایک کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثری معمول تھا، مگر دوسرا کام آپ نے کبھی ایک آدھ مرتبہ کیا، اس صورت میں اصل "سنت" تو آپ کا اکثری معمول ہوگا، مگر دوسرے کام کو بھی، جو آپ نے بیان جواز کے لئے کیا، "بدعت" کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اسے "جائز" کہیں گے اگرچہ اصل سنت وہی ہے جس پر آپ نے ہمیشہ عمل فرمایا۔

سوم: ان تین زمانوں کے بعد جو چیزیں وجود میں آئی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کو خود مقصود سمجھا جاتا ہے۔ دوسری وہ جو خود مقصود بالذات

نہیں بلکہ کسی مامور شرعی کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر ان کو کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں دین کا علم سیکھنے سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے بے شمار فضائل آئے ہیں اور اس کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب حصول علم کے وہ ذرائع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئے ان کو اختیار کرنا بدعت نہیں کہلائے گا۔ (بشرطیکہ وہ بذات خود جائز ہوں) کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں بلکہ مامور شرعی کا ذریعہ محض ہیں۔

اسی طرح مثلاً قرآن کریم اور حدیث نبوی میں جہاد کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ تو جن ذرائع سے جہاد کیا جاتا ہے اور جو مہتیار جہاد میں استعمال کئے جاتے ہیں ان کو اختیار کرنا محض اس لئے "بدعت" نہیں کہلائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام کے مبارک دور میں یہ آلات و ذرائع نہیں تھے کیونکہ یہ ذرائع خود مقصود بالذات نہیں ان کو بذات خود دین سمجھ کر کیا جاتا ہے۔

اسی طرح سفر حج بہت بڑی عبادت ہے۔ مگر سفر کے جدید ذرائع اختیار کرنا بدعت نہیں کیونکہ ہوائی جہاز یا بحری جہاز میں بیٹھنے کو بذات خود عبادت نہیں سمجھا جاتا، بلکہ حصول عبادت کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

الغرض جو چیزیں مامورات شرعیہ کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا استعمال جائز ہے لیکن کسی چیز کو بذات خود دین کے کام کی حیثیت سے ایجاد کرنا بدعت ہے۔

چہارم: قرآن کریم اور حدیث نبوی میں بہت سے مسائل شریعت کے اصول و قواعد ارشاد فرمائے گئے ہیں، اور اہل استنباط کو ان اصول و قواعد کی روشنی میں ان نئے مسائل کا حکم معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو بعد میں رونما ہونے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل میں ائمہ ہدای نے جو مسائل قرآن و سنت سے نکالے ان کو بھی

بدعت نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ سب قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ہی ثابت نئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم، سنت نبوی، تعامل صحابہ وتابعین کے بعد ائمہ اجتہاد کے اجتہادی مسائل کو بھی دین کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اور "اجتہاد" بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک غیر مستقل شرعی دلیل ہے:

پنجم: جو بات نہ قرآن کریم سے ثابت ہو، نہ حدیث نبوی سے، نہ تعامل صحابہ وتابعین سے۔ اور نہ فقہائے امت کے اجتہاد و قیاس سے، وہ دین سے خارج ہے، اس کو نہ کسی بزرگ کے کشف و الہام سے "دین" بنایا جاسکتا ہے۔ اور نہ کسی پڑھے لکھے کی قیاس آرائی سے۔ کیونکہ شریعت کے دلائل یہی چار ہیں جو میں نے اوپر ذکر کئے۔ ان کے علاوہ کسی چیز کو شرعی دلیل کی حیثیت سے پیش کرنا بجائے خود "بدعت" ہے، چہ جائیکہ اس سے دین کی کسی چیز کو ثابت کیا جائے۔

⑥ "بدعت" کی دو قسمیں ہیں ایک اعتقادی، دوسری عملی۔ اعتقادی بدعت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ ایسے عقائد و نظریات رکھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کے خلاف ہوں۔ "ظلمات بعضہا فوق بعض" کے مطابق آگے ان کی بہت سی قسمیں بن جاتی ہیں۔ بعض صریح کفر ہیں، جیسے قادیانیوں کا یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نعوذ باللہ۔ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ یا یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں، وغیرہ۔ اور بعض اعتقادی بدعتیں کفر تو نہیں، مگر ان کو ضلالت و گمراہی کہا جائے گا۔

عملی بدعت یہ کہ کسی عقیدے میں تو تبدیلی نہ ہو، مگر بعض اعمال ایسے اختیار کئے جائیں جو سلف صالحین سے منقول نہیں۔

⑦ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "بدعت" کی جتنی مذمت فرمائی ہے شاید کفر و شرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی برائی نہیں بیان فرمائی۔ اس سلسلہ

الغرض جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین نے نہیں کیا آج جو شخص اس کو عبادت اور دین بتاتا ہے وہ نہ صرف سلف صالحین پر بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئے دین پر حملہ کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے مردود ہونے میں کیا شبہ ہے؟

دوم: بدعت کے علاوہ آدمی جو گناہ بھی کرتا ہے اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ میں ایک غلط کام کر رہا ہوں، وہ اس گناہ پر پریشیاں ہوتا ہے اور اس سے توبہ کر لیتا ہے مگر "بدعت" ایسا منحوس گناہ ہے کہ کرنے والا اس کو غلط سمجھ نہیں بلکہ ایک "اچھائی" سمجھ کر کرتا ہے، اور شیطان اس گناہ کو اس کی نظر میں ایسا خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ اسے اپنی غلط روی کا کبھی احساس ہی نہ ہو پائے اور وہ مرتے دم تک توبہ سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے گنہ گاروں اور پابیوں کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، مگر بدعت کے مریض کو کبھی شفا نہیں ہوتی، لہذا یہ کہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت اس کی دستگیری کرے اور اس کی برائی اس کے سامنے کھل جائے۔

سوم: آدمی کو بدعت کی نحوست اور تارکی سنت کے نور سے محروم کر دیتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة
ففسد بسنة خیر من
احداث بدعة۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۷۱)

جب کوئی قوم کوئی سی بدعت ایجاد کر لیتی ہے تو اس کی مثل سنت اس سے اٹھالی جاتی ہے۔ اس نے چھوٹی سے چھوٹی سنت پر عمل کرنا بظاہر اچھی سے اچھی بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

ما ابتدع قوم بدعة في دينهم
جب کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت

کی ایک دو حدیثیں میں مصنون کے شروع میں نقل کر چکا ہوں اور اگر مزید نقل کر دوں گا تو یہ مصنون زیادہ طویل ہو جائے گا، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردود و ملعون اور منکرات و گمراہی فرمایا ہے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرے یا اس میں مبتلا ہو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کس قدر ذلیل آدمی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا کوئی فرض و نفل اللہ کی بارگاہ میں قبول نہیں۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی صاحب بدعت کی توفیق کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد دی۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص "انجاعت" سے ایک بالشت بھی دور ہٹا اس نے اسلام کا جوڑا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱) ان ارشادات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بظاہر معمولی سی بدعت سے بھی کس قدر نفرت تھی۔

رہا یہ کہ "بدعت" اس قدر مبغوض چیز کیوں ہے؟ اکابر امت نے اس پر بہت طویل کلام کیا ہے۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ یہاں چند وجوہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

اول: یہ کہ دین اسلام کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہو چکی اور وہ تمام باتیں جن سے حق تعالیٰ شائد کا قرب و رضا حاصل ہو سکتی تھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا، اب جو شخص دین کے نام پر کوئی بدعت گھڑ کر لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نعوذ باللہ ناقص ہے، اور قرب و رضائے خداوندی کا جو راستہ اس احمق کو معلوم ہوا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) معلوم نہیں ہوا۔ یادہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ شریعت کا جو فہم اور منشا خداوندی کا جو ادراک اس مبتدع کو ہوا وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ صحابہ و تابعین کو۔ نعوذ باللہ۔

گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ مجھے جواب ملے گا کہ
”آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا“ یہ جواب
سنکر میں کہوں گا :

صحفاً سحقاً لمن غدر بعدی پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لئے
(متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص ۳۸۸) جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی سنت کو چھوڑ کر دین میں نئی نئی بدعتیں ایجاد کر لی ہیں وہ قیامت
کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے محروم رہیں گے۔ اس
سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟ یہی سبب ہے کہ اکابر امت کو بدعت سے
سمت متنفر تھا۔ امام غزالیؒ اور عادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
اور اتباع سنت کی تاکید کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

”جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ میں اتباع سنت
کی ترغیب کے لئے بیان کیا تھا، اور جن اعمال کو عبادت
سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں
بلاعذر اتباع سنت چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا صاقت
جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی“

(تبلیغ دین ترجمہ اربعین ص ۴۲)

اور امام زبانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں :

از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ تضرع و بندہ، حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے
زاری والتجاء و افتقار و ذل و انکسار تضرع اور زاری، التجار و افتقار اور
در سرد و جہار مسألت می نماید کہ ہرچہ ذلت و انکسار کے ساتھ، خفیہ اور علانیہ
در دین محدث شدہ است و مبتدع درخواست کرتا ہے کہ دین میں جو

الآن نزع الله من سنتهم مثلها گھڑیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی بقدر سنت
ثم لا يعيدها اليهم الى يوم اس سے چھین لیتے ہیں اور پھر قیامت تک
القيامة (رواه الدارمی عن حسان موفوفا اسے انکی طرف واپس نہیں لوٹاتے۔
مشکوٰۃ ص ۳۸۸)

اور سنت سے اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ بدعت میں مبتلا ہونے کے
بعد قلب کی نورانیت و صلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ آدمی حق و باطل کی تمیز
کھو بیٹھتا ہے، اس کی مثال اس انارٹی کی سی ہو جاتی ہے جس کو کسی نو سر باز نے
روپیہ بڑھانے کا جھانہ دیکر اس سے اصلی نوٹ چھین لئے ہوں، اور جعلی نوٹوں
کی گدائی اس کے ہاتھ میں تنہا دی ہو۔ وہ احمق خوش ہے کہ اسے ایک کے
بدلے میں سو مل گئے مگر یہ خوشی اسی وقت تک ہے جب تک وہ انہیں
لیکر بازار کا رخ نہیں کرتا۔ بازار جاتے ہی اس کو نہ صرف کاغذ کے ان بے قیمت
پرزوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، بلکہ جعلی کرنسی کے الزام میں اسے ہتھکڑی
بھی لگا دی جائے گی۔ خوب سمجھ لیجئے کہ آخرت کے بازار میں صرف
اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا سکہ چلے گا۔ اور جن لوگوں نے
بدعتوں کی جعلی کرنسیوں کے انبار لگا رکھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی
بھی نہ ہوگی، بلکہ سکہ محمدی کے مقابلے میں جعلی کرنسی بنانے اور رکھنے کے الزام
میں پابند سلاسل کر دیئے جائیں گے۔ حدیث نبویؐ میں ارشاد ہے کہ

”میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا، جو شخص میرے

پاس آئے گا وہ اس کا پانی پئے گا۔ اور جو ایک بار پی لے
گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ میرے پاس وہاں
آئیں گے، جن کو میں پہچانتا ہوں گا۔ اور وہ مجھے پہچانتے ہوں
گے۔ مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی جائے

گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین او نبودہ — علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام — اگرچہ اُن چیز در روشنی مثل خلق صبح بود این ضعیف را با جمیع کہ باو مستند اند گرفتار اُن عمل محدث بگردانا، و مفتون حسن اُن متبع نکاد۔ بحرمتہ سید المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام —
(دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

بات بھی نئی پیدا کی گئی ہے اور جو بڑے بھی گھڑ لی گئی ہے جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھی اگرچہ وہ چیز روشنی میں سفیدہ صبح کی طرح ہو اللہ تعالیٰ اس بندہ ضعیف اور اس کے متعلقین کو اس نئے ایجاد شدہ کام میں گرفتار نہ فرمائے۔ اور اس کے حسن پر فریفتہ نہ کرے۔ بطیفیل سید مختار اور آل ابرار کے علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

یہ ناکارہ حضرت مجددؑ کی یہ وعاد اپنے لئے، آپ کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دہراتا ہے۔

چہارم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد گرامی سحفاً سحفاً لمن غیر بعدی (پھٹکار پھٹکار ان لوگوں پر جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل دیا) سے "بدعت" کے مذموم ہونے کی ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ "بدعت" سے دین میں تحریف و تغیر لازم آتا ہے۔

شرح اسکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ شائد نے یہ دین قیامت تک کے لئے نازل کیا ہے، اور قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کو اس کا مکلف کیا ہے، یہ تکلیف اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب کہ یہ دین اپنی اصل شکل میں محفوظ بھی ہو۔ اور جس طرح پہلے دین لوگوں کی آراء و خواہشات کی نظر ہو کر مسخ ہو گئے، اور ان کا حلیہ ہی بگڑ گیا اس دین کو یہ حادثہ پیش نہ آئے۔ پس جو لوگ بدعات ایجاد کرتے ہیں وہ دراصل دین اسلام کے چہرے

کو مسخ کرتے ہیں اور اس میں تحریف اور تغیر و تبدل کا راستہ کھولتے ہیں، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی حفاظت کا خود وعدہ فرمایا ہے اس لئے اس نے اپنی رحمت سے اس بات کا خود ہی انتظام فرما دیا ہے کہ یہ دین ہر دور میں انسانی خواہشات کی آمیزش اور بدعات کی ملاوٹ سے پاک ہے اور اہل بیت جب بھی اس کے حسین چہرے پر بدعات کا گرد و غبار ڈالنے کی کوشش کریں، علمائے ربانیتین کی ایک جماعت فوراً اسے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بِحَمْلِ هَذَا الْعِلْمِ مِنْ خَلْفِ عَدُولٍ. يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِيْنَ (مشکوٰۃ ص ۳۱)

ہر آئندہ نسل میں اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط تاویلوں اور جاہلوں کی تاویلوں کو صاف کرتے رہیں گے۔

اس لئے الحمد للہ اس کا تو اطمینان ہے کہ اہل باطل اس دین کے حسین چہرے کو مسخ کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ شائد نے اس کا خود کار نظام پیدا فرما دیا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ نئی نئی گھڑتیں اور بدعتیں ایجاد کر کے نہ صرف اپنی شقاوت میں اضافہ کرتے ہیں، بلکہ بہت سے جاہلوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

⑧ شاید آپ دریافت کریں گے کہ یہ لوگ دین میں نئی نئی بدعتیں کیوں نکالتے ہیں؟ اور ان کو خدا کا خوف اس سے کیوں مانع نہیں ہوتا؟ اس کو سمجھنے کے لئے مناسب ہو گا کہ ایجاد بدعت کے اسباب و محرکات کا مختصر سا جائزہ لیا جائے۔

اول: ایجاد بدعت کا پہلا سبب جہل ہے، شرع اسکی یہ ہے کہ بدعت میں ایک ظاہری اور نمائشی حسن ہوتا ہے، اور آدمی اسکی ظاہری شکل و صورت

نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”زین لہم الشیطان اعمالہم“ کہ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے۔
 (الغرض دین حق کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور نئی نئی نظریاتی اور عملی بدعتوں کو ان کی نظر میں مزین کر دینا یہ شیطان کا وہ کاری حربہ ہے جس سے وہ اللہ کی مخلوق کو بلا خوف و خطر گمراہ کر سکتا ہے۔
 یہ نکتہ ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ اور امام غزالیؒ، امام ابن جوزیؒ اور امام شحرابیؒ جیسے اکابر نے اس پر مستقل رسائل اور کتابیں لکھی ہیں۔

سوم: بدعات کی ایجاد کا تیسرا سبب حُب جاہ اور شہرت پسندی کا مرض ہے، یہ ایک نفسیاتی چیز ہے کہ لوگ جدت پسندی میں دلچسپی لیتے ہیں اور ہر نئی چیز کو (بشرطیکہ اس پر کوئی خوشنما غلاف چڑھا دیا جائے) دوڑ کر اچکھتے ہیں، اس لئے شہرت پسندی کے مریض دین کے معاملہ میں بھی نئی نئی جدتیں ترافتے رہتے ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ آخری زمانے میں بہت سے جھوٹے رجال (فریبی) ہوں گے، وہ تمہیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ کبھی تم نے سنی ہوں گی و نہ ہمارے باپ دادا نے۔ ان سے بچتے رہو، وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۸)

چہارم: بدعات کی اختراع و ایجاد کا ایک اہم سبب غیر اقوام کی تقلید ہے، تمدن و معاشرت کا یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب مختلف تہذیبوں کا امتزاج ہوتا ہے تو غیر شعوری طور پر ایک دوسری کو متاثر کرتی ہیں، جو قوم اپنے تہذیبی خصائص کے تحفظ کا اہتمام نہیں کرتی وہ اپنے بہت سے امتیازی اوصاف کھو بیٹھتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جو تہذیب مفتوح و مغلوب ہو وہ فاتح اور غالب تہذیب کے سامنے سر ڈال دیتی ہے۔
 مسلمان جب تک غالب و فاتح تھے، اور ان میں اپنے تہذیبی خصائص کے

تحفظ کی تب و تاب تھی اس وقت تک وہ دوسری تہذیبوں پر اثر انداز ہوتے ہے لیکن جب انکی ایمانی حرارت ٹھنڈی ہو گئی، دلوں کی انگلیٹھیاں سرد پڑ گئیں اور ان میں من حیث القوم اپنے خصائص کے تحفظ کا دلولہ نہ رہا تو وہ خود دوسری تہذیبوں سے متاثر ہونے لگے۔ دور جدید میں مسلمانوں کا انگریزی تہذیب سے متاثر ہونا اس کی کافی شہادت ہے۔ اس اجنبی اثر پذیری کا نتیجہ بسا اوقات یہ بھی ہوا کہ غیر اقوام کے رسوم و رواج کو دینی حیثیت دیدی گئی، اور اس کے جواز و استحسان کے بغوت پیش کئے جانے لگے۔ یہی راز ہے کہ ہر علاقے کے مسلمانوں میں الگ الگ بدعات رائج ہیں، ہندوستان میں جو بدعات رائج ہیں وہ عرب علاقوں میں نہیں۔ اور مصر و شام کی بہت سی بدعات ہندوستان میں رائج نہیں ہو سکیں۔

ہندوستان میں اسلام بڑی کثرت سے پھیلا مگر افسوس ہے کہ ان نو مسلموں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام نہ ہو سکا، اس لئے وہ لوگ جو ہندو مذہب چھوڑ کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اپنے سابقہ رسم و رواج سے آزاد نہ ہو سکے، بلکہ ہندو معاشرہ سے شدید اختلاط کی بنا پر ان مسلمانوں میں بھی بہت سی یہ چیزیں وراثتیں جو باہر سے آئے تھے۔ چنانچہ شادی اور مرگ کے موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں میں جو خلاف شرع رسمیں رائج ہیں، اور جن کو مردوں سے زیادہ عورتیں جانتی ہیں وہ سب ہندو مذہب کے جراثیم ہیں، جیسا کہ ایک نو مسلم عالم مولانا عبید اللہ نے ”تحفۃ الہند“ میں تحریر فرمایا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ خدا نخواستہ ہندوستانی مسلمان کی ساری چیزیں ہندوانہ ہیں اور نہ یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان ان میں مبتلا ہیں، بلکہ میری مراد ان رسوم و عادات سے ہے جن کا ثبوت ہماری اسلامی شریعت میں نہیں، بلکہ ہندو معاشرے میں ملتا ہے، بہت

سے ایسے علاقے جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ مسلمان وہاں بہت ہی قلیل تعداد میں تھے، اور ان کو اسلامی تعلیم و تربیت کا موقعہ میسر نہیں آتا تھا ان کے نام تک ہندوانہ تھے، وہ سر میں چوٹی تک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ بے چارے ہندوانہ بدعات میں مبتلا نہ ہوتے تو اور کبھی کیا کئے تھے۔ اس سے دوسرے ممالک کے مغلوب مسلمانوں کی حالت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور پھر چونکہ یہ رسوم و عادات گویا انکی فطرت ثانیہ بن گئی ہیں اس لئے وہ اسلامی تعلیم کو ایک نئی چیز سمجھتے ہیں، بہت سی عورتوں اور نادان مردوں کو جب اسلامی مسائل سے مطلع کیا جائے تو انھیں یہ کہتے سنا گیا ہے ”نئے نئے مولوی، نئے نئے مسئلے“ گویا وہ رسم و رواج جو ہندو معاشرے سے وراثت میں ملا ہے وہ تو ایک مستقل دین کی حیثیت رکھتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، جن سے وہ ہمیشہ غافل اور نادان واقف رہے ہیں ان کے نزدیک ایک نیا دین ہے۔

یہ تھے وہ چند اسباب جو اسلامی معاشرے میں بدعات کے فروغ کا سبب بنے، اور مجھے افسوس ہے کہ اس میں قصور عوام سے زیادہ ان اہل علم کا ہے جنہوں نے اسلام کی پاسبانی کا فریضہ انجام دینے اور دینِ قیم کو بدعات کی آلائش سے پاک رکھنے کے بجائے سیلابِ بدعات میں بہ جانے کو کمال سمجھ لیا۔

دوم، جو عمل بذاتِ خود مباح ہو مگر اس میں بدعت کی آمیزش ہو جائے یا اس کو سنت سمجھا جانے لگے تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

حدیث و فقہ کی کتابوں میں اس قاعدے کی بہت سی مثالیں مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے ائمہ احناف نے نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (مالیگری ص ۱۲۱ ج ۱، شامی ص ۱۲۱ ج ۱)

درمختار (قبیل صلوة المسافر) وغیرہ میں ہے

مجددة الشکر مستحبة۔ سجدہ شکر مستحب ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے
 بہ یفتی، لکنہا تکرر بعد
 الصلوة، لان الجہلۃ یعتقدونها سنة
 اوداجبة، وکل مباح
 یؤدی الیہ فہو مکروہ۔ ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی بات کو، جو دین نہیں، دین میں ٹھونسنے کے مترادف ہے۔

(رد المحتار ص ۱۲ ج ۲)

سوم، ایک چیز بذاتِ خود مستحب اور مندوب ہے۔ مگر اس کا ایسا التزام کرنا کہ رفتہ رفتہ اس کو ضروری سمجھا جانے لگے اور اس کے تارک کو ملامت کی جانے لگے تو وہ فعل مستحب کے بجائے گناہ اور بدعت بن جاتا ہے۔

مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد اکثر و بیشتر داہنی جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ لگالے کہ دائیں جانب سے گھومنے ہی کو ضروری سمجھنے لگے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بسا اوقات بائیں جانب سے گھوم کر متوجہ ہوا کرتے تھے (مشکوٰۃ ص ۸۵)

چہارم، جس فعل میں کفار و فجار اور اہل بدعت کا تشبہ پایا جائے اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ بہت سی احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار و فجار کی مشابہت سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

من تشبه بقوم فهو منهم۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہوگا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۷)

اسی قاعدے کے تحت علمائے اہل سنت نے محترم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تذکرہ شہادت سے منع کیا ہے۔ اصول الصغار اور جامع الرموز میں ہے :

سئل رضی اللہ عنہ عن ذکر مقتل الحسين في يوم عاشورا أيجوز أم لا، قال لا، لأن ذلك من شعار الروافض (بعوالہ الجنة لا هل السنة ص ۱۲)

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام افعال جو اہل بدعت کا شعار بن جائیں ان کا ترک لازم ہے۔ پنجم : جب کسی فعل کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو جائے تو ترک سنت فعل بدعت سے بہتر ہے۔ (البحر الرائق ص ۲ ج ۲)

اور رد المحتار ص ۶۲ ج ۱ میں ہے : اذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة راجحاً علی فعل البدعة۔ جب کسی حکم میں تردد ہو جائے کہ یہ سنت ہے یا بدعت ؟ تو سنت کا ترک کر دینا بہ نسبت بدعت کرنے کے راجح ہے

اس قاعدے سے ان تمام امور کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جن کے سنت اور بدعت ہونے میں اختلاف ہو۔ بعض اے سنت بتاتے ہوں اور بعض بدعت سنت و بدعت کے سلسلہ میں جو نکات میں نے ذکر کئے ہیں اگر ان کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں کوئی وقت پیش

نہیں آئے گی کہ اہل سنت کون ہیں۔ میں اس بحث کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی وصیت پر ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں :

”وَأَمَّا رَأْه دِيْكَرُ بَزْعَمُ فَيَقْرَأُ التَّزَامِ مَتَابَعَتِ سُنَّتِ سَنِيَّةٍ اسْتِ عَلَى صَاحِبِهَا الصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ وَاجْتِنَابُ اسْمِ وَرِسْمِ بَدْعَتِ — تَأْذِيرُ بَدْعَتِ حَسَنَةٍ وَرِزْكَ بَدْعَتِ سَيِّئَةٍ احْتِرَازُ نَهْيٍ لِبُؤْسِ اَزْيِ دَوْلَتِ بِشَامِ جَانِ اَوْ نَزْدِ وَايِ مَعْنَى اَمْرٍ مَّتَعَسَّرَ اسْتِ كَمَا عَالَمُ دُرِّيَاثُ بَدْعَتِ غَرَقِ كُتْمَةٍ اسْتِ وَبُظْلَمَاتِ بَدْعَتِ اَرَامِ گِرَفَتِ، كَرَامَجَالِ اسْتِ كَرْدَمِ اَز رَفْعِ بَدْعَتِ زَنْدِ، وَبَاقِيَاثُ سُنَّتِ لَبِ كَشَايِدِ۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہ ہائے بدعت اند و نحو کنند ہائے سنت۔ بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجزاز بلکہ باسحتان آن فتوای می دہند۔ و مردم را ببدعت دلالت می نمایند۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵)

ترجمہ : وصول الی اللہ کا دوسرا راستہ (جو ولایت سے بھی قریب تر ہے) اس فقیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا اور بدعت کے نام و رسم سے بھی اجتناب کرنا ہے آدمی جب تک بدعت ثبوت کی طرح بدعت حسنہ سے بھی پرہیز نہ کرے اس دولت کی بُو بھی اس کے مشام جان تک نہیں پہنچ سکتی اور یہ بات آج کل از بس دشوار ہے۔ کیونکہ جہان کا جہان دریائے بدعت میں ڈوبا ہوا اور بدعت کی تارکیوں میں آرام پکڑے ہوئے ہے۔ کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت کا دم ماسے یا کسی سنت کو زندہ کرنے میں لب کشائی کرے۔

بحث محفل میلاد و قیام میلاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایک کامل و اکمل نمونہ ہیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي
رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ ۖ لَّهِ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
اقدس میں تمہارے لیے بہترین
نمونہ موجود ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ
اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي ۖ
يُحِبِّبْكُمْ اللَّهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ
اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
اے نبی! آپ لوگوں سے فرما
دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت
رکھتے ہو تو میری اتباع کرو
جس کے نتیجہ میں اللہ تم سے
محبت کرے گا اور تمہاری

گناہ معاف کر دے گا۔

اس دور کے اکثر علماء بدعات کو رواج دینے والے اور
سنت کو مٹانے والے ہیں۔ جو بدعتیں چاروں طرف پھیل گئی
ہیں ان کو مخلوق کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا
فتویٰ دیتے ہیں، اور بدعات کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔
حق تعالیٰ شائد مجھے، آپ کو، آپ کے رفقاء کو اور تمام مسلمانوں
کو حضرت مجددِ رح کی اس وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہو گیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مکمل ترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے آپ کو کامل ترین نمونہ کے مطابق بنالیں۔ اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی نہ کریں۔ اگر ہم نے اس نمونہ کی مکمل اتباع کر لی تو پھر ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے اور وہ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ ورنہ سوائے دنیا و آخرت کے گھاٹے اور بد بختی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر مبارک اور دُرُودِ دو سلام

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ ۚ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ایک بہت بڑا احسان قرار دیا ہے اور احسان کا فطری تقاضا ہے کہ اس پر محسن کا شکریہ ادا کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

لَبِئْسَ شُكْرًا لَوْ زِيدَتْكُمْ ۚ

اگر تم میری نعمتوں پر شکر ادا کرو گے تو میں اس نعمت میں ضرور اضافہ کروں گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۚ

اپنے رب کی نعمتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کونسی نعمت ہوگی جنہیں رحمتہ للعالمین کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے۔ یعنی انکی فائز اقدس سراپا نعمت و رحمت ہے اور چونکہ نعمت کا شکریہ اس میں مزید اضافہ کا موجب ہے۔ لہذا ہمارے نزدیک حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جمیل ایمان کی نچنگی، ثابت قدمی اور اتباع سنت کا سبب ہے۔ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کن حالات میں اس دنیا میں تشریف لائے؟ ماحول کیا تھا؟ خاندان کون اور کیسا تھا؟ کب نبوت ملی؟ پیغمبرانہ زندگی کیسے گزری؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا مقام عطا فرمایا؟ اور آپ کو کن معجزات سے نوازا گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ موضوعات ہیں جو آپ کے ذکر جمیل کے ذیل میں آتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس وقت یا اس سے پہلے اور بعد میں ظاہر ہونے والے معجزات کے بیان کے لیے ہمارے اکابر نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ”نَشْرُ الطَّيِّبِ فِي ذِكْرِ النَّبِيِّ الْحَبِيبِ“ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے بیان کے لیے لکھی گئی ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کا ذکر مبارک ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔ قصہ مختصر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خواہ قبل از ولادت کے ہوں یا اس کے بعد کے نیز خود ولادت باسعادت کا

تذکرہ باعث خیر و برکت و نیک بختی و سعادت کی علامت ہے اور اس سے روگردانی و اعراض باعث محرومی و خسران، اور شقاوت و بد بختی کی نشانی، رہا درود و سلام کا معاملہ تو اس کے فضائل اس کثرت سے احاطہ میں بیان ہوئے ہیں کہ ان کے تفصیلی ذکر کے لیے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات درکار ہیں۔

جس مجلس میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جائے اس وقت نہ صرف نام لینے والے پر بلکہ ہر سننے والے پر ضروری ہے کہ آپ پر درود بھیجے۔

ہمارے اکابر نے درود شریف کے فضائل پر مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ”زاد السعید“ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی مشہور عالم کتاب ”فضائل درود شریف“ نیز درود شریف کی ایک مشہور زمانہ کتاب ”دلائل النجرات“ کی ایک منزل روزانہ پڑھنا ہمارے بے شمار بزرگوں کا معمول ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے درود شریف کی بدولت ہی حاصل کیا ہے الغرض یہ کوئی نزاعی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح منظوم کلام کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خراج عقیدت پیش کرنا اور سجائے نثر کے نظم میں آپ کے حالات و کمالات اور معجزات وغیرہ کا بیان بھی باعث از یاد محبت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منظوم کلام میں آپ کی نعت بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام امور محل نزاع سے خارج ہیں نزاع صرف مروجہ مغل میلاد میں ہے۔ اس لیے اب ہم مروجہ مغل میلاد

کی حقیقت مختصراً ذکر کر دیتے ہیں۔ بعد ازاں اس کے جواز و عدم جواز پر بحث کریں گے۔

مروجہ مغل میلاد کی حقیقت

عوام سے چندہ جمع کر کے ایک مجلس منعقد کی جاتی ہے جس میں ضرورت سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے بلکہ مسجد وغیرہ کی بیرونی دیواروں کو دھن کی طرح بجلی کے چھوٹے چھوٹے قمقموں (جنہیں مرحلوں سے تعبیر کیا جاتا ہے) سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ نیز مسجد کے اندر جھنڈیاں کثیر تعداد میں لگائی جاتی ہیں۔ غرض عام حالات کی بہ نسبت کہیں زیادہ اہتمام کے ساتھ اور کثیر رقم خرچ کر کے اس جگہ کو آراستہ کیا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے اسلام جیسے سادے اور فطری مذہب میں اس قسم کے فضول اور غیر ضروری اخراجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لیے سوائے نود و نمائش کے اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ پھر انتہائی اہتمام کے ساتھ لوگوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر اردو کا درود شریف جو احمد رضا خان صاحب نے نظم کیا ہے بلند آواز سے سب لوگ مل کر پڑھتے ہیں یعنی

ع مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

نیز ایک شخص کچھ مخصوص اشعار پڑھتا ہے۔ کچھ دیر بعد اشعار ہی میں سب سے کہتا ہے کہ اب اٹھ کھڑے ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لارہے ہیں۔ پھر سب اس عقیدے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں چند اشعار خطہ ہوں

مچی ہے دھوم پمپیر کی آمد آمد ہے حبیب خالق اکبر کی آمد آمد ہے
خوشی کے جوش میں ہیں بلبلیں بھی نغمہ نیاں چمن میں آج گل تر کی آمد آمد ہے
دورانو ہو کے ادب سے پڑھو صلوٰۃ و سلام عزیز و خلق کے مصد کی آمد آمد ہے
جمیل قادری کہہ دے کھڑے ہوں اہل سنت
ہمارے حامی و یار کی آمد آمد ہے

ایضاً

نبیؐ آج پیدا ہوا چاہتا ہے یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے
خریدے گا عصیاں کو جیتے بدلے خریدار پیدا ہوا چاہتا ہے
یہ عالم بنایا ہے جس کا براتی ہویدا وہ دولہا ہوا چاہتا ہے
خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم شہ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے
اٹھو بہر تعظیم اے اہل محفل نبیؐ جلوہ فرما ہوا چاہتا ہے
اس کے بعد بزعم خویش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بلند آواز
سے سب لوگ مل کر نئے سے نئے ملا کر (کھڑے کھڑے) اردو کا درود
شریف پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس مخصوص شکل کے ساتھ جو محفل میلاد رائج ہے بریلوی حضرات اس کو
واجب اور فرض کفایہ قرار دیتے ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب فرماتے ہیں
ان عبارات اور فتاویٰ علماء سے یہ صاف ظاہر ہے کہ
پہلے زمانے میں مولود شریف کا کرنا صرف مستحسن یا مستحب اور مسنون تھا لیکن
اب اس زمانے میں اس کو ضروری تصور کر کے فرض کفایہ تحریر فرمایا ہے۔
جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۲۰

۱۔ قبارہ بخشش ص ۹۲-۹۳ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۔ انوار آفتاب ملت ص ۳۹۸

بریلوی علمائے نے کی ہے۔ اس محفل میں ذکر ولادت باسعادت
کے وقت کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات اس قدر ضروری خیال کرتے ہیں کہ
جو شخص اس موقع پر کھڑا نہ ہوا اسے یہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج سمجھتے
ہیں چنانچہ قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں :-

”اگر کوئی شخص ذکر ولادت باسعادت کے وقت مولود شریف

میں تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھڑا نہ ہو وہ آیت
قرآنی کا ملکہ شقی القلب (بدنخت دل والا) مہین (اہانت کرنے

والا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ ۱۔

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب اور دیگر ۲۰ بریلوی علمائے
نے کی ہے۔

ایک اور مقام پر قاضی فضل احمد صاحب ایک عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں
شرک کرنا قیام کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں استخفاف
اور توہین ہے جو کفر ہے۔ ۲۔

جس کی تصدیق بریلویوں کے امام احمد رضا خان صاحب نے کی ہے۔

مُرجع محفل میلاد کے بارے میں ہمارا موقف

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خیر امتی سب سے بہتر زمانہ میرا ہے

قرنی شو (یعنی صحابہ کرام کا زمانہ) پھر وہ

۱۔ انوار آفتاب صداقت ص ۲۶ ۲۔ ایضاً ص ۳۳

الذین یلونہم
شوالذین
یلونہم
لہ

لوگ جو ان کے ساتھ متصلاً بعد
میں آئیں گے (یعنی تابعین
عظام) پھر وہ لوگ جو متصلاً
ان کے بعد آئیں گے (یعنی
تابع تابعین)

ہمارا موقف مروجہ محفل میلاد کے بارے میں یہ ہے کہ نہ اس کا تذکرہ
قرآن پاک میں ہے اور نہ ہی اس کا پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ملتا
ہے اور نہ صحابہؓ، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانوں میں اس کا کوئی
سراغ ملتا ہے۔

باوجودیکہ ربیع الاول کا مہینہ اس کی مخصوص تاریخیں اور قرآن و سنت کا
تمام وہ ذخیرہ ان حضرات کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ جسے آج فریقین
مروجہ محفل میلاد کے اثبات کے لیے پیش کرتا ہے اور ان میں عشق رسولؐ
ہم لوگوں سے کہیں زیادہ اور فراواں مقدار میں پایا جاتا تھا اور اس عمل کو انجام
دینے سے کوئی رکاوٹ بھی اس دور میں موجود نہ تھی لہذا ثابت ہوا کہ یہ
بدعت ہے جس کا ذکر احادیث میں انتہائی مذمت کے ساتھ آیا ہے
جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ مروجہ محفل میلاد قرآن و
سنت سے ثابت نہیں اور صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں
میں اس کا وجود نہ تھا اور اہلسنت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام -
امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

کے ہاں اس کا سراغ نہیں ملتا۔ تو پھر یہ رسم شروع کب ہوئی؟ کون اس
کو شروع کرنے والا تھا؟ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کی ابتدائی
تاریخ ذکر کریں۔

مُرجہ محفل میلاد کی ابتدا کب ہوئی؟ اور کس نے کی؟

بجائے اس کے کہ ہم اپنی جانب سے اس کے متعلق کچھ لکھیں بریلویوں
کے مشہور علماء کی تحریرات پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بریلویوں کے
مفتی احمد یار خان صاحب ایک عربی عبارت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔

”جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور

(عمر) ابن دحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب

لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو تہنیرا شرفیاں زندہ کیں۔“ لہ

بریلویوں کے ایک اور عالم جناب قاضی فضل احمد صاحب لکھتے ہیں:

”یہ امر بھی سہم ہے کہ اس ہیئت کذا ئیہ (مخصوص شکل)

سے یہ عمل خیر و برکت و نعمت و رحمت سلسلہ سے حکم

بادشاہ اولی الامر..... جاری ہے۔ لہ

اس کتاب کی بریلویوں کے امام احمد رضا خاں صاحب سمیت ۴۱ بڑے

بڑے علماء نے تصدیق کی ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے یہ ثابت ہو گیا

کہ بریلوی علماء کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اس مخصوص شکل کے ساتھ میلاد

کی ابتداء حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۶۰۰ سال بعد ساتویں صدی میں ہوئی

ہے اور شاہِ اربل اور عمر بن وحیہ نے مل کر اس کو ایجاد کیا ہے اور بریلویوں کے اقرار سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اربل کے بادشاہ (ابوسعید مظفر الدین) کے لیے سب سے پہلے میلاد کی کتاب ایک سرکاری و درباری مولوی عمر بن وحیہ نے لکھی اور بادشاہ سے بطور انعام ایک ہزار اشرفیاں حاصل کیں۔ اس عالم کے حالات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں۔

یعنی وہ مذہباً ظاہری تھا
”کان ظاہری المذہب“
اہلسنت کے علاوہ یہ ایک
کثیر الوقیعۃ فی الاثمۃ
باطل فرقہ ہے، ائمہ اہلسنت و
و فی السلف من العلماء
دوسرے متقدمین علماء پر اعتراض
کیا کرتا تھا، گندی زبان والا، بیوقوف
خبیث اللسان احمق
اور بہت متکبر تھا۔
شدید الکبر“

نیز محدث ابن خبار مروجہ مختل میلاد کے بانی مولوی عمر بن وحیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”میں نے سب لوگوں کو اس کے جھوٹے ہونے اور ناقابل اعتما
ہونے پر متفق پایا ہے۔“

ایک اور محدث اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔
”ایسی ایسی باتوں کا دعویٰ کیا کرتا تھا جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی
تھی۔“

اس محفل میں جو شاہِ اربل اور عمر بن وحیہ جیسے مولوی نے ایجاد کی تھی اس میں ذکر ولادت با سعادت کے وقت کھڑا ہونا داخل نہ تھا۔ کھڑے ہونے

۱۔ لسان المیزان ج ۲ ص ۲۹۶، ۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۲۹۵، ۳۔ ایضاً ج ۲ ص ۲۹۴

کو قیام کہتے ہیں۔ یہ قیام مزید ڈیڑھ سو سال بعد میں ایجاد ہوا تھا۔ چنانچہ زمانہ حال کے مشہور بریلوی عالم جناب احمد سعید شاہ صاحب کاظمی لکھتے ہیں۔
”مسئلہ قیام میلاد میں امام سبکی اور ان کے ہم عصر مشائخ و علماء کی اقتدار کافی ہے۔“

جناب تقی الدین سبکی کا انتقال ۷۵۶ھ میں ہوا ہے۔ بریلویوں کے احمد سعید شاہ صاحب کاظمی کی عبارت بالا سے ثابت ہو گیا کہ نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کے وقت کھڑا ہونا تقی الدین سبکی المتوفی ۷۵۶ھ کے دور سے شروع ہوا ہے۔ رہا ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی قرار دینا تو یہ تو ابھی اسی صدی کی بات ہے۔ سب بڑی عمر کے لوگ اس دن کو بارہ وفات کہا کرتے تھے۔

اس کو عید میلاد النبی قرار دینا محمد نور بخش توکلی کا کام ہے چنانچہ زمانہ حال کے ایک بریلوی عالم محمد عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں۔

”آپ (محمد نور بخش توکلی) ہی کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندو پاک میں بارہ وفات کی بجائے ”عید میلاد النبی“ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔“

یاد رہے کہ محمد نور بخش توکلی کا انتقال ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ بمطابق ۲۲ مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا تھا۔

ایک دوسرے بریلوی عالم علامہ اقبال احمد فاروقی ایم اے موصوف کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ :-

”آپ کی دینی خدمات سے ایک نہایت اہم خدمت یہ ہے کہ

۱۔ کتاب میلاد النبی ص ۵۸، ۲۔ تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۵۹

آپ نے گورنمنٹ کے گزٹ اور سرکاری کاغذات میں بار و فاتحہ غلط عمومی اصطلاح کو عید میلاد النبی کے نام سے تبدیل کرانے کی جدوجہد کی اور اس میں یہاں تک کامیاب ہوئے کہ گورنمنٹ سے اس مقدس دن کی تعطیل عام منظور کرائی۔ آج ہی تعطیل خدا کے فضل سے اسلامیانِ پاکستان کی ایک اہم تقریب میں تبدیل ہو گئی ہے۔“ لے

بارہ ربیع الاول کی تاریخ جو مشہور قول کے مطابق حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات ہے اس کو نورنجش تو کلی صاحب نے عید میلاد النبی بنا دیا۔ باوجودیکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت بروز پیر ہوئی اور تقویمی اصول کے مطابق پیر کا دن ۲ ربیع الاول یا پھر ۹ ربیع الاول کو آتا ہے از روئے حساب بارہ ربیع الاول کو پیر کا دن درست بنتا ہی نہیں۔ لے

بارہ ربیع الاول کی تاریخ کو یا اس فارسی ضرب المثل کا مصداق ہے کہ ”ابتداءً ظلم درجہاں اندک بود ہر کہ آید بلاں مزید کرد“ یعنی ظلم کی ابتدا جہان میں معمولی سی ہوتی ہے لیکن جو بھی آتا ہے اس پر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ مروجہ محفل میلاد میں بدعت ہونے کے علاوہ دیگر کسی شرعی خامیاں موجود ہیں۔ مروجہ محفل میلاد کی اس حیثیت کو تو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس کی موجودہ ہیئت و صورت صحابہ اور فقہاء کے دور میں کسی تاریخی حوالے

لے مقدمہ تذکرہ سیدنا غوث اعظم ص ۸، ۲۷ حوالہ کے لیے دیکھئے رحمۃ اللعالمین ج اول ص ۱۱۸ مصنفہ فاضی سلیمان منصور پوری (۲) اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص ۱۳۲۸ (۳)

سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۱۸ مصنفہ علامہ شبلی نعمانی۔

سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور یہ بعد کی پیداوار اور بدعت ہے، لیکن بدعت ہونے کے علاوہ اس میں کسی شرعی خامیاں ایسی ہیں جو اس کے ناجائز ہونے کے لیے بجائے خود بہت کافی ہیں۔

مروجہ محفل میلاد میں باپی جانے والی شرعی خرابیاں

پہلی شرعی خرابی | ایک غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا! شریعت کی نظر میں یہ چیز انتہائی مذموم ہے کہ جس چیز کو اس کے اپنے مقام سے گھٹایا بڑھا دیا جائے مثلاً کسی فرض و واجب چیز کو اس کے اپنے مرتبہ سے گھٹا کر محض سنت و مستحب کے درجہ میں لے آیا جائے۔ یا کسی مستحب و مباح کام کو اس کے اپنے درجہ سے بڑھا کر فرض یا واجب قرار دے دیا جائے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔
”لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یرى ان حقاً علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیراً یمضون عن یسارہ“
تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے کہ وہ نماز سے فراغت کے بعد دائیں جانب مڑنے کو ہی ضروری سمجھ لے۔ کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں جانب مڑتے دیکھا ہے۔“

لے مشکوٰۃ ص ۸، بخاری ج اول ص ۱۱۸

بریلوی حضرات بھی اس شرعی اصول کے ماننے میں سارے ساتھ پوری طرح متفق ہیں چنانچہ بریلویوں کے علامہ سید محمود احمد رضوی ہتھم مدرسہ حزب الاحناف لاہور رقمطراز ہیں :-

” فقہاء احناف بہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی امر مستحب کو فرض واجب سمجھنے لگے، یا کسی امر مستحب کو فرض و واجب کا درجہ دے تو جان لو کہ اس پر شیطان کا داؤ چل گیا۔ علامہ طیبیؒ شرح مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بالا کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ”اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور نخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤ اس پر چل گیا“ (کہ شیطان اسے گمراہ کر دیا) جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کہ کسی بدعت یا منکر (بری بات) کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا۔“

بہر حال حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فقہاء احناف کے اس بیان سے جو بریلویوں کے علامہ سید محمود احمد رضوی نے نقل کیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری کام سمجھ کر کرنے والا شخص شیطان کے پھندے میں پھنس کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص غیر ضروری کام کو ضروری نہیں سمجھتا لیکن اتنی پابندی سے کرتا ہے کہ دیکھنے والا شخص اس کو ضروری سمجھ لیتا ہے تو وہ بھی انہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہوگا جو غیر ضروری کام کو ضروری سمجھ کر کرنے والے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ کسی نماز میں کوئی مخصوص سورت ہمیشہ اور مسلسل پڑھنا منع ہے چنانچہ

بریلویوں کے مفتی محمد خلیل صاحب رقمطراز ہیں :-

”سورتوں کا معین کر لینا کہ اس نماز میں ہمیشہ وہی سورتیں پڑھائے مکروہ ہے۔ مگر جو سورتیں احادیث میں وارد ہیں ان کو کبھی کبھی تبرکاً پڑھ لینا مستحب ہے مگر ہمیشہ نہ پڑھے کہ کوئی واجب گمان کرے“ لے خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی غیر ضروری کام کو ضروری سمجھنا یا اس کو اتنے اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنا، جس سے دیکھنے والے کو یہ شبہ گزرے کہ یہ کام ضروری ہے شرعاً منع ہے اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص پر شیطان کا داؤ چل گیا اور اس نے اس شخص کو گمراہ کر دیا ہے۔

دوسری شرعی خرابی | ایک غیر ضروری کام کے لیے لوگوں کو دعوت دینا اور جمع کرنا۔

فرائض و واجبات کے لیے دعوت دینا اور لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ضروری اور فرض ہے لیکن نفلی کاموں کے لیے فرائض و واجبات کا سا اہتمام کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نماز چاشت کو مسجد میں اہتمام کے ساتھ ادا کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-

”جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں وہ ان لوگوں کے مجتمع ہونے اور مسجد میں علی الاعلان پڑھنے کی بنا پر ہے۔ مطلب یہ کہ یہ نماز (چاشت کی نماز) حد ذات میں (یعنی بذات خود) تو مشروع (جائز) ہے لیکن اس کا ایسا اجتماع و اظہار جیسا کہ فرائض میں ہے بدعت ہے اس لیے کہ نوافل میں سنت (طریقہ) اور اس کی فضیلت

چھپانے اور گھر میں پڑھنے میں ہے۔^۱
اسی طرح نفل نماز کو جماعت سے ادا کرنا گوجائز ہے مگر لوگوں کو بلا کر ادا
اکٹھا کر کے اہتمام کے ساتھ نوافل کی جماعت کرنا مکروہ ہے اور اتفاقہ
طور پر اگر چار یا پانچ آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نفل نماز باجماعت پڑھنا منع ہے
کیونکہ اگرچہ یہاں اہتمام کے ساتھ نفل کی جماعت کے لیے بلایا نہیں گیا ہے
لیکن پھر بھی اہتمام کی سی شان خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اس لیے چار یا پانچ
آدمیوں کا نفل نماز باجماعت پڑھنا منع ہے خواہ بلا کر ان کو جمع کیا گیا ہو یا بلا
دعوت خود بخود جمع ہو گئے ہوں۔

چنانچہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں :

” ہمارے امہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نوافل کی عجت
بتداعی (لوگوں کو بلا کر اکٹھا کر کے) مکروہ ہے تداعی
(جمع کرنے کے لیے بلانا) مذہب اصح میں (زیادہ صحیح مذہب
کے مطابق) اس وقت متحقق ہوگی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں۔^۲
مجدد الف ثانی سرسیدی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں پر اعتراض کرتے ہوئے
جو مسجد میں تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے، ارشاد فرماتے ہیں :-
” نماز تہجد کو جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اطراف و جوانب
سے اس وقت لوگ نماز تہجد کے لیے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور
خاص اہتمام سے اس کو ادا کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل (نفل نماز
کے لیے لوگوں کو بلانا اور اہتمام کرنا) مکروہ تحریمی ہے۔“^۳

۱۔ مباح النبوت اردو جلد اول ص ۶۸ مطبوعہ کراچی ۲۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم

ص ۶۸، ۳۔ مکتوبات مجدد الف ثانی حصہ سوم ص ۶۸

بہر حال ان حوالجات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نوافل کو اہتمام کے ساتھ
ادا کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور کسی مقام پر جمع کر کے باجماعت ادا کرنا
شرعاً جائز نہیں ہے اور اتفاقہ طور پر اگر چار آدمی جمع ہو جائیں تو بھی نوافل
جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیے جاسکتے کیونکہ اس میں بھی اہتمام کی سی شان
پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ پانچوں نمازوں کی سنتوں اور نوافل کو گھر میں
پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ بقول شیخ عبدالحق محدث
دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

” نوافل میں سنت طریقہ اور اس کی فضیلت چھپانے اور گھر

میں پڑھنے میں ہے۔“^۱

اور بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں
” تراویح اور تہجد المسجد کے سوا تمام نوافل، سنن راتبہ ہوں یا غیر
راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ، گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثواب
اکمل ہے۔“^۲

اس کے بعد دلائل سے اس مسئلہ کو ثابت کر کے لکھتے ہیں۔

” اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائما سب سنتیں مسجد ہی
میں پڑھیں ہوتیں۔ تاہم بعد اس کے حضور ہم سے ارشاد فرما چکے۔
” فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنا چاہئیں۔“ اور فرمایا
ماورائے فرائض (فرائض کے علاوہ) اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد
مدینہ طیبہ (مسجد نبوی) میں پڑھنے سے زیادہ ثواب لکھتا ہے۔“^۳

۱۔ مباح النبوت اردو جلد اول ص ۶۸، ۲۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۸۔

۳۔ فتاویٰ رضویہ ج سوم ص ۶۹

سے یہ عقیدہ مسلمانوں نے اپنا لیا ہے کیونکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ جو مجلس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر منعقد کی جاتی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے ہیں چنانچہ بائبل میں مذکور ہے ”جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں“ لے

مسلمانوں کے لیے تو کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وہ یہ عقیدہ قائم کر لیں کہ جو محفل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر منعقد کی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ضرور تشریف لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عقائد کی خرابی اعمال کی خرابی سے کہیں زیادہ بُری اور نقصان دہ ہے۔

اس قدر اہتمام سے یہ محفل میلاد منعقد کی جاتی ہے کہ جس سے ناواقف عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھ گئی ہے کہ نماز روزہ وغیرہ فرض امور سے زیادہ محفل میلاد کی شرکت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ کی نماز بھی نہ پڑھنے والے لوگ اس محفل میلاد میں ضرور شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر بیویوں کے مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں۔

”بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا ہے۔“ لے

لے انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰

لے جاد الحق حصہ اول ص ۲۳

عوام کو غلط عقائد و نظریات سے بچانا بھی ضروری ہے۔ اس لیے اگر کسی غیر ضروری کام کرنے کے باعث لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہوں تو وہ غیر ضروری گواہی جگہ اچھا ہی کیوں نہ ہو ترک کر دیا جاتا ہے۔

اس اصول کو بریلوی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ جناب احمد رضا خان صاحب سے ایک بار پوچھا گیا کہ بعض علاقوں میں لوگ نماز عید اور نماز استسقاء کو جاتے ہوئے علم (جھنڈا) لے کر عید گاہ تک جاتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے تو انہوں نے اس کو جائز اور مباح قرار دینے کے بعد لکھا۔

”ہاں جہاں اس سے کوئی محذور شرعی (شرعی طور پر کوئی غلط بات) پیدا ہوتا ہو مثلاً جن بلاد (شہروں) میں محرم کے علم (جو شیعہ نکالتے ہیں) رائج ہیں عوام اس کو ان سے سمجھیں یا اس سے ان کے جواز پر استدلال کریں اور فرق سمجھانے کی ضرورت پڑے وہاں اس سے احتراز ہی کیا جائے کہ کوئی امر ضروری نہیں اور احتمال فتنہ و فساد عقیدہ ہے نہ ہر ایک کو سمجھا سکیں اور نہ ہر ایک سمجھانے سے سمجھے گا تو ایسی بات کرنی کیا ضروری ہے؟ حدیث میں ارشاد ہوا ”ایاک وما یعتذر منه“ (یعنی جن چیزوں کے کرنے سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہو ان سے پرہیز کرو تا کہ بعد میں عذر نہ کرنا پڑے)“ لے

اسی طرح عوام میں ایک نماز صلاۃ الرغائب کے نام سے رائج تھی جسے رجب کے مہینہ میں لوگ جماعت کے ساتھ معراج کی رات میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز شب برارت اور شب قدر میں بھی لوگ صلاۃ البراءۃ اور صلاۃ اللہ

لے عرفان شریعت حصہ دوم ص ۲

بڑے اہتمام اور جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ فقہار کرام نے اس اہتمام اور جماعت کے ساتھ ان نفل نمازوں کو پڑھنے سے روک دیا۔ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔
 ”متاخرین کا ان (صلوة الرغائب، صلاۃ البراءۃ اور صلاۃ القدر) پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام ان نمازوں کو سنت نہ سمجھیں۔
 احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت نے بتا دیا کہ علماء کرام نے ان نمازوں کے پڑھنے سے محض اس لیے روکا ہے کہ ان کے پڑھنے سے عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ نمازیں سنت ہیں اور عوام کو اس غلط نظریہ (کہ یہ نمازیں سنت ہیں) سے بچانے کے لیے علماء کرام نے ان نمازوں کو اہتمام وغیرہ سے پڑھنے سے روک دیا۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ فریقین کے نزدیک یہ اصول صحیح اور مسلم ہے کہ
 ”ان تمام غیر ضروری کاموں کو چھوڑ دینا ضروری ہے جن سے عوام کسی غلط نظریہ اور فاسد عقیدہ میں ملوث ہو جاتے ہوں۔ گو وہ غیر ضروری کام اپنے مقام پر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ عوام کے عقائد و نظریات کی حفاظت بڑا اہم فریضہ ہے۔“

لیکن بریلوی حضرات نامعلوم ”مروجہ محفل میلاد“ پر اس اصول کو لاگو کرنے سے کیوں راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ مروجہ محفل میلاد کو اگر تھوڑی دیر کے لیے جائز بھی فرض کر لیا جائے تو بھی جب لوگ اس کو فرض و واجب کا درجہ دینے لگ گئے ہیں اور یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے اور اس پر اتنا اصرار ہے کہ نوبت مقدمات تک پہنچ رہی ہے

توان حالات میں مذکورہ بالا شرعی اصول کی رُو سے اس محفل کو بند کر دینا چاہیے۔
 ایسے اشعار محفل میلاد میں پڑھے جاتے ہیں جو
پانچویں شرعی خرابی | از روئے شریعت قطعاً صحیح نہیں ہوتے ہیں
 مثلاً جو اشعار ہم پہلے عرض کر چکے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے۔

۵۔ نبی آج پیدا ہوا چاہتا ہے

یہ کعبہ گھر اس کا ہوا چاہتا ہے

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو آج ساڑھے چودہ سو سال کا عرصہ گزر رہا ہے اور آفتاب رسالت کے تریٹھ سال کا عرصہ گزار کر پردہ فرما جانے کو بھی آج تقریباً چودہ سو سال بیت رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ولادت و وفات کا ایک دن مقرر ہے۔ کسی بھی فرد بشر کی ولادت ایک سے زائد بار نہیں ہوتی لیکن بریلوی حضرات آٹے دن محفل میلاد میں یہ کہتے رہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہونے والے ہیں خوشدید قسم کی ایک گستاخی ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر جو پہلے درج کیا جا چکا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

۵۔ خدا کے خزانوں کا مختار و حاکم

شہِ دین و دنیا ہوا چاہتا ہے

اس شعر کو سن کر ہر ناواقف اور جاہل شخص یہ عقیدہ بنا لے گا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم بن چکے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک و سا بھی نہیں ہے اور اس شعر میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل طور پر خدا تعالیٰ کے خزانوں کا مختار و حاکم بتایا جا رہا ہے۔

بہر حال ثابت ہو گیا کہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد نہ صرف یہ کہ تکمیل دینِ اسلام کے چھ تئو سال بعد کی پیدا شدہ ایک بدعت ہے بلکہ اس قسم کی ہیشمار شرعی خرابیوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک خرابی اس رواجی محفل میلاد کے ناجائز ہونے کے لیے تنہا کافی ہے۔

مروجہ محفل میلاد پر بریلویوں کے دلائل کے جوابات

ہم باحوالہ ثابت کر چکے ہیں کہ ”مروجہ محفل میلاد“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ تئو سال بعد پیدا ہوئی ہے اس لیے بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اس مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید یا حدیث پاک یا صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر مروجہ محفل میلاد قرآن و سنت یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہوتی تو بریلوی حضرات یہ کبھی نہ فرماتے کہ اس مخصوص محفل میلاد کا ایجاد کرنے والا بادشاہ اور مولوی عمر بن دحیہ ساتویں صدی ہجری کے آدمی ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عوام کو مغالطہ دینے کے لیے وہ قرآن پاک کی چند آیات اور کچھ احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان آیات و احادیث پاک کے صحیح معانی اور ان کا اصل مطلب واضح کر دیں۔

بریلویوں کے قرآن پاک سے استدلال کا جواب

پہلی آیت :- اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ اللّٰہ اور اس کے فرشتے نبی صلی

يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ اللّٰہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجتے ہیں
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا و سلام بھیجو۔

اس آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور فرشتے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا رحمت کرتے ہیں (یعنی اے اللہ! اُن پر تو اپنی رحمتیں نازل فرما) لہذا اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اس بات میں اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔ بریلویوں کا یہ قول کہ تمام عبادات میں صرف درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شریک ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بندے درود شریف یوں پڑھا کرتے ہیں۔
اللہ وصل علی محمد الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمت نازل فرما تو کیا اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح درود شریف پڑھتے ہیں۔ یقیناً اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خدا کوئی اور تو ہے نہیں جس کے سامنے وہ یہ دُعا کرے کہ اے اللہ! اپنی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرما۔ درحقیقت یہ مغالطہ اس لیے لگ گیا کہ لفظ صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور عام مومنین کی طرف کی گئی ہے جس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ تینوں طرف نسبت کے وقت معنی ایک ہی رہیں گے حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ علماء کرام اور قرآن پاک کے مفسرین نے یہ بیان فرمایا کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو

رحمت بھیجنا مراد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں نبی پر اور جب اس کی نسبت فرشتوں یا مومنین کی طرف ہو تو اس سے مراد دعا رحمت ہوتی ہے۔ یعنی فرشتے اور مومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا رحمت کرتے ہیں لہذا آیت مذکورہ بالا سے یہ سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور مسلمان سب درود پڑھنے میں شریک ہیں غلط ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔ لہذا مروجہ محفل میلاد ثابت ہو گیا تو اس سلسلے میں غرض ہے کہ اولاً تو یہ بات ہی بالکل بے جوڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے ہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مروجہ محفل میلاد ثابت ہوتا ہے تو پھر مسلمان کا میلاد ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس رکوع میں آیت مذکورہ موجود ہے اس سے پہلے والے رکوع میں عام مسلمانوں پر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے جس کا ترجمہ فرقی مخالف کے سب سے بڑے عالم احمد رضا خان صاحب نے یہ کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ
عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
ترجمہ: (اے ایمان والو) وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے

اسی طرح حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کے ص ۹۸ پر ۳ حدیثیں بالکل انہی لفظوں (ان اللہ و ملائکتہ یصلون) کے ساتھ آئی ہیں جن میں زیر زیر کا بھی فرق نہیں ہے ملاحظہ فرمائیے۔

لہ سورۃ الاحزاب ۴۴ ترجمہ قرآن پاک از احمد رضا خان بریلوی۔

(۱) ان اللہ و ملائکتہ
یصلون علی الذین
یلون الصفوف الاولیٰ لہ
(۲) ان اللہ و ملائکتہ
یصلون علی میامن
الصفوف لہ
(۳) ان اللہ و ملائکتہ
یصلون علی الصف
الاول لہ

یعنی خدا اور اس کے فرشتے
صلوٰۃ بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو
پہلی صفوں کے قریب ہوں۔
یعنی خدا اور اس کے فرشتے صلوٰۃ
بھیجتے ہیں صفوں کے اندر
دائیں جانب والے لوگوں پر۔
یعنی اللہ اور اس کے فرشتے
صلوٰۃ بھیجتے ہیں پہلی صف والے
لوگوں پر۔

جب ان تمام مقامات پر خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے پہلی صف والے لوگوں یا دائیں جانب والے لوگوں پر صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم اب ان لوگوں کا میلاد کرنا شروع کر دیں۔

بعینہ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا میلاد مخصوص طریقے سے شروع کر دیا جائے۔ ان تمام عبارات کا سیدھا سا اور صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر اپنی مخصوص رحمتیں نازل فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے "دعا رحمت" کرتے ہیں۔ اور جو بس قدر رحمت کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ اسی کے درجہ کے مطابق اس پر اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

دوسری آیت

وَرَفَعْنَا لَكَ
یعنی ہم نے آپ کے ذکر کو

لہ ابوداؤد ص ۹ ، لہ ابوداؤد ص ۹۸ ، لہ مسند احمد

بلند کیا ہے۔

ذکر لے

فریق مخالف اس آیت کو بھی مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ لیکن اس آیت شریفہ کو مروجہ محفل میلاد سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس آیت کی تشریح کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواباً یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتُ
یعنی جب میرا ذکر ہوگا تو آپ کا ذکر لازمی میرے ذکر کے

مع

ساتھ ہوگا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا: یرید الاذان والاقامة والتشهد والخطبة علی المنابر۔ یعنی اس سے مراد کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت اذان و اقامت، تشهد اور خطبوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے یہی اس حدیث سے مراد ہے۔

غرض اس آیت شریفہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور بلندئی مرتبہ معلوم ہوتی ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں اور نہ ہی یہ بات محل نزاع ہے۔ اس آیت کا مروجہ محفل میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

تیسری آیت

وَسَلِّوْا عَلَیْهِ یَوْمَ
وُلِدَ وَ یَوْمَ یَمُوْتُ
سلامتی ہو ان (حضرت یحییٰ علیہ السلام) پر ولادت کے

۱۰ سورۃ الانشراح پ، ۱۵ تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۹

و یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا
دن، وفات کے دن اور جس دن (دوبارہ) زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے

بریلوی حضرات اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن بجلے اس کے کہ اپنی طرف سے اس آیت کی شرح و تفسیر کے لیے عرض کریں فریق مخالف کے علماء کرام سے اس آیت کی تفسیر نقل کر دیتے ہیں تاکہ اصل مطلب اس آیت کا واضح ہو جائے۔ چنانچہ بریلویوں کے صدر الافاضل مولوی نعیم الدین مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

”یہ تینوں دن (ولادت، وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے

کا دن یعنی قیامت) بہت اندیشہ ناک ہیں کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا۔ اس لیے ان تینوں موقعوں پر امن و سلامتی عطا رکھی۔“

بریلویوں کے مفتی جناب احمد یار خان صاحب اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

”معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی ولادت، زندگی، وفات، قبر، حشر غرض یہ کہ ہر حجبہ اللہ کی امان میں رہتے ہیں۔ یحییٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت شیطان نے نہ چھوڑا جیسا کہ عام بچوں کو چھوڑتا ہے۔ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمہ وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نگرانی و حفاظت میں رہتے

۱۵ سورۃ مریم: ۱۵ تفسیر مولوی نعیم الدین مراد آبادی ص ۲۳ طبع تاج کمپنی
۱۶ تفسیر نور العرفان ص ۴۸۔ طبع ادارۃ کتب اسلامیہ گجرات۔

ہیں۔ نہ شیطان کا بس اُن پر چل سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا خوف انہیں لاحق ہوگا اس آیت میں یوم ولادت، یوم وفات اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا دن محض اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ یہ دن ہر انسان کے لیے انتہائی اہم ہوتے ہیں۔ اگر ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امان مل جائے تو باقی ایام میں تو بطریق اولیٰ امن و سلامتی حاصل ہو جائے گی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ اس آیت کا بھی مروجہ محفل میلاد سے کوئی تعلق نہیں۔

بریلویوں کا ایک حدیث پاک سے استدلال اور اس کا جواب

بریلوی حضرات عام طور پر کہتے ہیں کہ جن جن امور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف لفظوں میں نام لے کر منع نہیں فرمایا تو ایسی سب چیزیں جائز ہیں۔ اور استدلال میں یہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں :-
 مَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ حلال وہ ہے جس کو اللہ نے
 وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حلال کر دیا اور حرام وہ ہے
 حرام وما سکت جس کو اللہ نے حرام کر دیا،
 عَنْهُ فَهُوَ عَقْوٌ - اور جس سے خاموشی اختیار کی
 ہے وہ ”عَقْوٌ“ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث مبارک کا یہ مطلب ہرگز نہیں جو بریلوی حضرات لیتے ہیں کہ جس چیز کو حرام قرار دیا گیا ہے صرف وہ حرام ہے باقی سب چیزیں حلال ہیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ

والسلام ایسے ہی فرمادیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیزوں کی ۲ قسمیں تھیں حلال کو علیحدہ بیان کرنا، حرام کو الگ ذکر کرنا اور پھر ان دونوں سے علیحدہ کر کے ان چیزوں کو ذکر کرنا جن کا صاف صاف حکم قرآن سے معلوم نہیں ہوتا صاف صاف بتلا رہا ہے کہ یہ تیسری قسم کی چیزیں نہ حلال ہیں شمار کی جاسکتی ہیں اور نہ حرام ہیں۔ چنانچہ دوسری حدیث شریف میں اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

الامرثلثة امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بیت رشده فرمایا کہ کام تین طرح کے ہیں۔
 ماتبعه وامر بین ۱۔ وہ کام جس کا ہدایت ہونا
 غیہ ناجتنبه واضح ہے سو اس کی اتباع کرو
 وامر اختلاف ۲۔ وہ کام کہ اس کی گمراہی ظاہر
 فیہ فكله الى ہو تو اس سے پرہیز کرو ۳۔
 الله عز وجل وہ کام جس میں اشتباہ ہو (یعنی
 صاف طور پر اس کا حکم قرآن
 وسنت سے معلوم نہ ہوتا ہو)
 سو اس کا معاملہ خدا تعالیٰ
 کے سپرد کر دو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں بیان کرتے ہیں: ”پس بسپار اور ابجد و توقفت کن دران“، ۱۔
 ”سو اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو یعنی اس میں توقفت کرو۔“

فقہ حنفی کی کتابوں میں بھی اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا حکم واضح اور صاف طور پر قرآن و سنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام علاء الدین محمد بن علی السبکی المتوفی ۷۸۸ھ اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :-

”علی ما هو المنصور من ان الاصل فی الامور التوقف“ یعنی وہ مسلک جسے دلائل کی نصرت و امداد حاصل ہے یہ ہے کہ تمام چیزوں میں شریعت کا اصل حکم یہ ہے کہ توقف کیا جائے تاوقتیکہ کسی دلیل سے اس کا حلال یا حرام ہونا معلوم ہو جائے۔ لہٰذا درمختار حنفی فقہ کی وہ مایہ ناز کتاب ہے جس کی تعریف بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب نے بایں الفاظ کی ہے۔

”درمختار سجد علم کی وہ درمختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشرق و مغرب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ و تدقیقات عالیہ پر ہو گیا۔“ لہٰذا بہر حال حدیث پاک سے اور فقہ حنفی سے ثابت ہو گیا کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ

”ایسے تمام امور میں توقف کیا جائے گا جن کا واضح اور صاف حکم قرآن و سنت میں ہمیں نہ ملتا ہو۔“ لہٰذا بریلوی حضرات کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ جس کا حرام ہونا قرآن و سنت میں مذکور نہ ہو ایسی تمام چیزیں اور ایسے تمام کام حلال ہیں۔

اس اصول کے باوجود جو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں ہم کہتے ہیں کہ ”میلاد

لہٰذا درمختار ج اول ص ۱۰۰ ، فتاویٰ رضویہ ج سوم ص ۱۰۰

کی مروجہ محفل“ ان امور میں داخل نہیں ہے جن کا حکم قرآن و سنت سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے بارے میں شریعت کا وہ اصول ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

ہر وہ کام جو کارِ ثواب سمجھ کر کیا جائے اور قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو ایسا کام شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہلاتا ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ

”کل بدعة ضلالة“ ”ہر بدعت گمراہی ہے“

البتہ وہ نیا کام جو دین سمجھ کر اور کارِ ثواب سمجھ کر نہ کیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں بدعت نہیں کہلاتا بلکہ لغوی طور سے وہ بھی ایک بدعت (نئی ایجاد) ہے لیکن محض نوا ایجاد ہونا مضر نہیں ہے۔ بریلوی حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ بدعت وہی مضر ہے جو دین کے کاموں میں ہو چنانچہ بریلویوں کے امام جناب احمد رضا خان صاحب تمباکو کو حلال قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

”رہا اس (تمباکو) کا بدعت ہونا یہ کچھ بحث ضرر نہیں کہ یہ بدعت

کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں۔“ لہٰذا

جناب احمد رضا خان صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ وہی بدعت مضر ہے جو امور دین میں ہو۔ اور بدعت جو دنیاوی چیزوں میں ہو یعنی اس کو کوئی شخص دینی کام سمجھ کر نہ کرے تو ایسی بدعت مضر نہیں ہے یہی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ لغوی بدعت ۲۔ شرعی بدعت لغوی بدعت ہر وہ چیز ہے جو نئی ایجاد کی گئی ہو۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰ ، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۹ ، ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰ ابن ماجہ ص ۱۰۰

لہٰذا احکام شریعت ج ۱ ص ۱۰۰

شرعی بدعت صرف وہ نئی ایجاد شدہ چیز ہے جسے دین اور کارِ
ثواب سمجھ کر کیا جائے اور اس کا ثبوت قرآن و سنت سے نہ ہو۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ”کہ ہر بدعت گمراہی ہے“۔ اس سے بدعت
شرعیہ مراد ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا جواب

بریلوی حضرات کے استدلال
کی حیثیت مزید واضح کرنے
کے لیے ہم حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب نقل کرتے ہیں
اور زیر بحث مسئلہ میں وہی جواب ہم اپنے لیے مستعار لیتے ہیں۔ واقعہ
یہ ہے کہ کسی منکر تقدیر نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور
اپنے عقیدہ انکار تقدیر پر یہ دلیل پیش کی کہ قرآن پاک کی بعض آیات سے
تقدیر کی نفی ثابت ہوتی ہے اس لیے تقدیر کا عقیدہ رکھنا مسلمان ہونے
کے لیے نہ ضروری ہے اور نہ ثابت بلکہ تقدیر کا انکار ہی بعض آیات قرآنیہ
کے موافق ہے تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے اس
بے بنیاد شبہ کو دور کرنے کی غرض سے یہ ارشاد فرمایا۔

لقد قرؤا منه ما قرأتہ و علموا منہ

تاویلہ ما جہلتہ و قالوا بعد ذلک کلامہ

”حضرات صحابہ و تابعین نے قرآن پاک کی یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں
جو تم پڑھتے ہو لیکن وہ ان آیتوں کی مراد کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے۔
انہوں نے یہ تمام آیات (جن کو تم انکار تقدیر پر دلیل کے طور پر پیش
کرتے ہو) پڑھنے کے باوجود تقدیر کا اقرار کیا ہے۔“

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام
آیات صحابہ و تابعین کے مقدس دور میں موجود تھیں اور پڑھی بھی جاتی تھیں اور وہ
ان آیات کے حقیقی معانی اور تقاضے تم سے زیادہ جانتے تھے اس لیے کہ
انہوں نے براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تھی۔
تو جب انہوں نے ان آیات و احادیث سے یہ مفہوم مراد نہیں کیا تو تمہارا ان
آیات سے انکار تقدیر ثابت کرنا ضلالت و گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہی جواب
ہم بریلوی حضرات کو پیش کرتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے
جو آیات و احادیث آپ پیش کرتے ہیں وہ سارا علمی ذخیرہ صحابہ و تابعین
کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب
اور آپ کی رفعت شان و بلندی مرتبت سے وہ ہم سے کہیں زیادہ واقف
تھے اور عشق رسول کا جذبہ فراواں اور عقیدت و محبت نبوی ہم سے بہت
زیادہ ان کے سینوں میں موجزن تھی۔ اور ربیع الاول کا مہینہ اور اس کی بارہ
تاریخ بھی ہر سال ان کے سامنے آتی تھی۔ اور اس مروجہ محفل میلاد سے کوئی
مانع بھی ان کے دور میں موجود نہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے ہاں اس طرح
کے میلاد کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ان
آیات و احادیث کا وہ مطلب قطعاً نہیں ہے جو بریلوی حضرات بروز کماندا
چاہتے ہیں۔

بریلوی حضرات کی قیاس آئی کا جواب

افسوس کہ جب بریلوی علماء مروجہ محفل میلاد کو قرآن و حدیث سے ثابت

کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر حق بات کو تسلیم کرنے کی بجائے غلط بات پر محض ملمع چڑھانے کے لیے کہتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد مسند درجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

۱۔ صلوٰۃ و سلام ۲۔ تلاوت قرآن پاک ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت و معجزات وغیرہ کا بیان ۴۔ دُعا و غیرہ۔ اور پھر لوں استدلال کرتے ہیں کہ جب مروجہ محفل میلاد کے یہ سب اجزاء جائز اور درست ہیں تو پھر مجموعہ بھی جائز ہو گیا۔

لیکن یہ انداز استدلال انتہائی غلط اور بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ اپنی رائے اور قیاس سے نئی عبادات ایجاد نہیں کی جاسکتیں کیونکہ عبادات میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اتبعوا اُشارنا ولا
تبتدعوا فتد
کفیتو لہ
تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور
نئی نئی بدعات مت ایجاد کرو
کیونکہ دین تمہارے لیے کافی
یعنی مکمل کر دیا گیا ہے۔

اور حضرت خذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں :-

کل عبادۃ لم يتعبدها
اصحاب رسول الله صلى
الله عليه وسلم فلا
تعبدوها

۱۔ الاعتصام جلد اول صفحہ ۵۴ ۲۔ الاعتصام جلد اول صفحہ ۱۱۳

بہر حال عبادات کے معاملہ میں قطعاً قیاس نہیں کیا جاسکتا بلکہ جو عبادت جس طرح کی گئی تھی وہ عبادت بالکل اسی طرح سرانجام دینی ہوگی۔ جو عبادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے وہ ادا کرنی ہوگی اور جو آپ نے ادا نہیں کی وہ عبادت بدعت ہوگی۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں دے کر ہم اس بات کو واضح کر دیتے ہیں۔

(۱) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے۔

وَيَكْرَهُ ان يَتَنَفَّلَ

ترجمہ: ”صبح صادق کے طلوع

ہونے کے بعد ۲ رکعت سنت

فجر کے علاوہ کوئی نفل نماز پڑھنا

مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا انتہائی

شائق ہونے کے باوجود ۲ رکعت

سے زیادہ نوافل نہیں پڑھے۔“

(۲) ”نماز عید سے پہلے عید گاہ

میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے باوجود نماز کا انتہائی شائق

ہونے کے نوافل عید سے

قبل نہیں پڑھے ہیں۔“

(۳) اسی طرح رجب کے مہینہ میں ایک نماز پڑھنا لوگوں میں رائج تھا جسے

۱۔ ہدایہ جلد اول صفحہ ۵۴ ۲۔ ہدایہ ج اول صفحہ ۱۱۳

لا یضیع من حسناتکم
شیء و یحکو یا امة
محمد صلی اللہ علیہ
وسلو ما اسرع
ہلکتکم فاولا صحابة
بینکم متوافرون
وهذا ثیابہ لو
تبل و انیتہ لم
تکسی..... او مفتحی
باب ضلالتہ

تم پر اے امت محمد! کیا
اتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے ہو؟
ابھی تک صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم تم میں بکثرت موجود اور
ابھی تک جناب رسول اللہ کے
کپڑے پرانے نہیں ہوئے
اور ابھی تک آپ کے برتن
نہیں ٹوٹے تم ان حالات
میں بدعت اور گمراہی کا دروازہ
کھولتے ہو!

ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب ان
لفاظ میں منقول ہے کہ :-

” میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ خدائے وحدہ لا شریک لہ کی
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے نہایت تاریک اور سیاہ بدعت
ایجاد کی ہے یا پھر تم علم میں جناب نبی کریمؐ کے صحابہؓ سے
بڑھ گئے ہو۔“

(۳) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کسی ختنے کی دعوت میں شرکت
کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ جب انکار کی وجہ
دریافت کی گئی تو فرمایا :

انا کنا لاناف

الختان علی عہد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ولا ندعی لہ

ختنوں میں نہیں جایا کرتے تھے
اور نہ اس کے لیے دعوت
دی جاتی تھی۔“

ان تمام شواہد کے پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادات
میں قیاس اور رائے کو کوئی دخل نہیں۔ جہاں حضورؐ کا عمل ثابت ہے وہاں عمل
کرنا ضروری ہے اور جہاں عمل ثابت نہیں وہاں ترک عمل میں حضورؐ کی اتباع
ضروری ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

والمتابعت کما تکون
فی الفعل تکون
فی الترتیب ایضا فمن
واظب علی فعل لم
یفعلہ الشارع فهو
مبتدع

”حضورؐ کی متابعت جیسے فعل
میں ہوتی ہے اسی طرح ترک
فعل میں بھی ہوتی ہے۔ تو جو
شخص کسی ایسے کام پر مداومت
(ہمیشگی) کرے جو حضورؐ نے
نہیں کیا تو وہ بدعتی ہے۔“

اکابرین بزرگان دین کے واقعات بریلویوں کا استدلال اور اس کا جواب

جب بریلوی حضرات قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس
مروجہ محفل میلاد کو ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر بعض بزرگوں کے
واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ اصولی بات مد نظر رہنی چاہیے کہ بزرگوں اور مشائخ کے

شاہ ولی اللہ کی ایک عبارت سے بریلویوں کا استدلال اور اس کا جواب

بریلوی حضرات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی استدلال کرتے ہوئے مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الحدیث الثانی والعشرون - ہائیسویں حدیث
 أَخْبَرَني سَيِّدِي
 الْوَالِدُ مَا كُنْتُ
 أَصْنَعُ فِي أَيَّامِ
 الْمَوْلِدِ

میرے والد نے مجھے خبر دی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر ان کی ولادت کے ایام میں کھانا تیار کرتا تھا۔ ایک سال مجھے کچھ میسر نہ ہوا کہ کھانا تیار کر سکوں سوائے ٹھننے ہوئے چنوں کے تو میں نے وہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دئے۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ وہ چنے آپ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ خوش و خرم ہیں۔

طَعَامًا صِلَةً بِالنَّبِيِّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَلَمَّ يَفْتَحْ لِي سَنَةً
 مِنَ السِّنِينَ شَتَّى
 أَصْنَعُ بِهِ طَعَامًا فَلَمْ
 أَجِدْ إِلَّا حِمَصًا
 مَمْتَلِيًا فَتَسَمُّهُ
 بَيْنَ النَّاسِ فَرَأَيْتُهُ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 وَبَيْنَ يَدَيْهِ هَلِيزٌ

اقوال و افعال شرعی طور پر حجت نہیں ہوتے اور نہ ان سے کوئی مسئلہ ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے جلیل القدر خلیفہ مولانا نصیر الدین محمود چیر آغ دہلوی نے ان لوگوں سے فرمایا جو حضرت خواجہ صاحب کے کسی فعل کو بطور استدلال پیش کرتے تھے۔

”شیخ کا قول حجت شرعیہ (شرعی دلیل) نہیں۔ قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنا چاہیئے“۔

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ :-
 ”صوفیاء کرام کا عمل کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے میں سند اور دلیل نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم انہیں معذور قرار دے کر ملا مت نہ کریں اور ان کے معاملے کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اس جگہ (حلال و حرام ہونے میں سند اور دلیل کے لیے) امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول درکار ہے۔ ابو بکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کا عمل معتبر نہیں ہے“۔

اس اصولی جواب کے بعد عرض ہے کہ جن بزرگوں کے واقعات کا بریلوی حضرات سہارا لینا چاہتے ہیں ان میں کسی بزرگ سے بھی ماہانہ محفل میلاد کا ثبوت اس انداز میں نہیں ملتا جس انداز سے بریلوی حضرات التزام کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی بزرگ سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مروجہ محفل میلاد مسجد میں کسی بزرگ نے منعقد کی ہو یا مسجد میں محفل میلاد منعقد کرنے کا حکم دیا ہو۔

و بامثال هذه المجالس اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں۔
ورأيت يخالط انوار الملائكة انوار الرحمة له

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اس عبارت سے مروجہ محفل میلاد ثابت بھی ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس عبارت سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے روز آپ کی جائے پیدائش میں جہاں آج کل ایک جمع ہوا ہے جمع ہو گئے تھے۔ یہ جمع ہونا مروجہ محفل میلاد منعقد کرنے کے لیے نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مقدس و متبرک عام کی زیارت کے لیے لوگ آ جا رہے تھے۔ اسی طرح ایک اتفاقاً اجتماع ہو گیا اور اس مناسبت سے کہ وہ متبرک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہے۔ لوگ ولادت باسعادت کے واقعات کا ذکر کر رہے تھے اور وہ شریف بھی شخص اپنے طور پر پڑھ رہا تھا۔ اتنی بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے ایک بہت بڑے عالم مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں :-

”وہ محفل میلاد جس میں قیود مروجہ متعارفہ میں سے کوئی قید نہ ہو نہ قید مباح نہ قید مکروہ۔ سب قیود سے مطلق ہو مثلاً کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو گئے۔ کسی نے ان کو اہتمام کر کے نہیں بلایا کسی اور (دوسری) مباح (جائز) ضرورت سے بلائے گئے تھے۔ اس مجمع میں خواہ کتاب سے یا زبانی حضور پر نور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ

علیہ وسلم کے حالات شریفہ (ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات وغیرہ) اور دیگر اخلاق و شمائل و معجزات و فضائل مبارکہ صحیح صحیح روایات سے بیان کیے گئے اور اثنا بیان میں اگر ضرورت امر بالمعروف و بیان احکام کی دیکھی جاوے تو اس میں بھی دریغ نہیں کیا گیا۔ یا اصل اجتماع استماع و عطا و احکام (وعظ سننے کے لیے) اور اس کے ضمن میں ان وقائع شریفہ (ولادت باسعادت کے واقعات) و فضائل کا بیان بھی آ گیا۔ یہ وہ صورت ہے کہ بلائیکر (بلا انکار) جائز بلکہ مستحب و سنت ہے۔“

یہ اجتماع جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی تھی، مروجہ محفل میلاد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا کیونکہ

- (۱) دعوت دے کر اور بلا کر لوگوں کو جمع نہیں کیا گیا تھا۔
- (۲) اس میں بصورت اشعار کچھ نہیں پڑھا گیا۔
- (۳) اس میں کسی قسم کی اسراف و فضول خرچی کا ارتکاب نہیں کیا گیا تھا۔
- (۴) اس میں قیام بھی نہ تھا کہ سب لوگ کچھ دیر بعد یہ سمجھتے ہوئے کھڑے ہو گئے ہوں کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔
- (۵) اس میں کھانے، پینے، شیرینی وغیرہ کا اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔
- (۶) محفل میلاد منعقد کرنے کے لیے لوگوں کا اجتماع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ آپ کی پیدائش کی متبرک و مقدس جگہ کی زیارت کے لیے بغیر بلائے ہوئے از خود لوگ جمع ہو گئے تھے گویا مروجہ محفل میلاد کی کوئی بات بھی اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔ صرف دھوکہ دینے اور مغالطہ میں مبتلا

کرنے کے لیے ایسے حوالجات پیش کیے جاتے ہیں۔

بریلوی حضرات کا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ایک عبارت سے استدلال اور اس کا جواب

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب کی عبارت کو بھی بریلوی حضرات مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس کے آخر میں مروجہ محفل میلاد کی بدعتوں پر جو تنقید فرمائی ہے اس کو بریلوی حضرات گول کر جاتے ہیں۔ حضرت شیخ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

”ولایزال اہل الاسلام
یحتفلون بشہر
مولدہ صلی اللہ علیہ
وسلم۔ ویعملون
الولایم ویصدقون
فی لیلالہ بانواع
الصدقات ویظہرون
السُّرورَ ویزیدون
فالمبرات ویعتنون
بفتراء مولدہ الکریم
ویظہر علیہم من
برکاتہ کل فصل
عمیم وما جذب

ترجمہ:- ”اور ہمیشہ ہی مسلمان
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ولادت
کے مہینہ میں محفلیں کیا کرتے
ہیں اور کھانے پکاتے ہیں
اور اس ماہ کی راتوں میں طرح طرح
کے صدقات کرتے ہیں۔ اور
خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور
نیکیوں میں اضافہ کرتے ہیں
اور ان لوگوں پر اس عمل کی
برکت سے ہر قسم کی برکتیں
نازل ہوتی ہیں۔ اس عمل کے
مجترب خواص میں سے یہ ہے
کہ وہ لوگ پورے سال امن

من خواصہ اند
امان فذلک
العام وبشوی عاجل
بنیل البغیۃ والمرام
فرحم اللہ امرء
اتخذ لیلی شہر
مولدہ المبارک اعیاداً
لیکون اسشد غلبۃ
علی من فی قلبہ
مرض وعناد ولقد
أطنب ابن الحاج فی
المدخل فی الافکار علی من
احدثہ الناس من
البدع والاهواء والغناء
بالآلات المحرمة عند
عمل المولد الشریف
فاللہ تعالیٰ یتیبہ
علی قصده الجلیل ویسلک
بناسبیل السنۃ فانہ
حسبنا ونعم الوکیل“

ہیں رہتے ہیں اور حاجت وائی
اور مقصود برآری کی بڑی بشارت
ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص
پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائیں
جس نے حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی ولادت کے ایام میں
خوشی کی تاکہ جس شخص کے دل
میں روگ اور عناد ہے وہ اس
میں اور سخت ہو جائے بیشک
امام ابن الحاج نے اپنی کتاب
”مدخل“ میں بڑا شدید انکار کیا
ہے۔ ان بدعتوں اور نفسانی
خواہشوں اور حرام آلات کے
ساتھ گانے بجانے پر جو لوگ
محفل میلاد میں کرتے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ امام ابن الحاجؒ کو ان کے
نیک ارادہ کا بدلہ دے اور
ہمیں سنت کے طریقہ پر چلنے
بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے لیے
کافی اور بہترین کار ساز ہے۔“

چونکہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۹۵۸ھ اور وفات ۱۰۵۲ھ کی ہے۔ اور محفل میلاد کی ابتدا ۶۰۴ھ میں ہوئی تھی جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اور اس چار، ساڑھے چار سو برس کے عرصہ میں یہ چیز کافی پھیل چکی تھی، اس لیے حضرت شیخ عبدالحقؒ نے ماہ ربیع الاول کو خوشی کا ایک مہینہ اور صدقہ و خیرات اور دوسری نیکیوں میں اضافہ کرنے کا مہینہ قرار دیتے ہوئے اس سے زائد تمام باتوں کو عبث اور ناجائز ثابت کرنے کے لیے فرمایا۔

”بیشک امام ابن الحاجؒ نے اپنی کتاب ”مدخل“ میں ان بدعتوں نفسانی خواہشوں اور صرام آلات کے ساتھ گانے بجانے پر شدید انکار کیا ہے جو لوگ محفل میلاد میں کرتے ہیں“۔ لہ

اور اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن الحاجؒ کو دعا دیتے ہوئے اور اپنے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع و پیروی کی دعا مانگتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ امام ابن الحاجؒ کو ان کے نیک ارادہ (بدعتوں اور ناجائز چیزوں کو ختم کرنے کا ارادہ) کا بدلہ دے اور ہمیں سنت کے طریقہ پر چلائے“۔ لہ

یہ تمام عبارت آپ کے سامنے ہے۔ اس کے کسی لفظ سے بھی مروجہ محفل میلاد کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ لیکن بریلوی حضرات پھر بھی محض دھوکہ دہی اور مغالطہ آفرینی کے لیے ان عبارتوں کو مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ حضور

لہ ما ثبت بالسنت ص ۱۷۱ لہ ما ثبت بالسنت ص ۱۷۱

صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کی بناء پر ماہ ربیع الاول میں صدقہ و خیرات کرنا اور نیکیوں میں اضافہ کرنا اور اظہارِ خوشی وغیرہ باتوں میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس مروجہ محفل میلاد میں ہے جس کی حقیقت ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور اس میں جو جو شرعی خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو بھی قدرے تفصیل سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمیؒ کی عبارت سے استدلال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت بھی بریلوی حضرات بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ پہلے ہم پوری عبارت مع ترجمہ ذکر کرتے ہیں پھر ثابت کریں گے کہ اس عبارت کا مروجہ محفل میلاد سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ انکی اصل عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

”اکثر محافل میلاد جو ہمارے ہاں رائج ہیں ان میں اچھی اور بُری دونوں طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ خیر کی باتیں مثلاً ”صدقہ و خیرات“ ذکر و درود، و سلام، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، اور بُری باتوں میں سے عورتوں کا اجنبی مردوں کو دیکھنا بھی ہے۔ البتہ بعض محفل میلاد ایسی بھی ہیں جن میں کوئی عیب اور شرعی خرابیاں نہیں پائی جاتی۔ لیکن ایسی محفلیں بہت کم اور نادر ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی قسم کی محفلیں ممنوع اور ناجائز ہیں۔ کیونکہ شریعت کا یہ قاعدہ بڑا مشہور ہے کہ ”فوائد حاصل کرنے سے نقصانات کا دور کرنا مقدم ہے“۔ لہذا جو شخص جانتا ہے کہ کسی

محفل میلاد میں ایک بھی شرعی خرابی پائی جاتی ہے یاں ہمہ وہ اس میں شرکت کرتا ہے تو وہ خدا کی نافرمانی کرنے والا اور گناہگار ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ اس شخص نے اس محفل میلاد میں خیر کے کام بھی کئے تو بھی یہ خیر اس شرک و تدارک نہیں کر سکتا جو اس میں پایا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلائی کے نفلی کاموں میں تو بقدر استطاعت اور جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا ہی کام کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اسکے برعکس برائی کی تمام قسموں اور تمام صورتوں سے مکمل بچنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ برائی کو تھوڑی ہو اس کے کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اور اس کے برعکس ثواب کا (نفلی) کام جتنا ہو سکے اتنا کر لے۔ اور دوسری قسم کی محفل میلاد جس میں کوئی برائی اور شرعی خرابی نہ پائی جاتی ہو بلاشبہ سنت ہے اور ان احادیث کے ذیل میں آتی ہے جو ذکر کی فضیلت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو قوم اللہ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے فرشتے انکو ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت الہی ان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور سکینہ (سکون و اطمینان وغیرہ) ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہیں۔“ لے

شیخ ابن حجر کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ مروجہ محفل میلاد کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ

ذکر ولادت جس محل میں ہوتا ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے۔
۱۔ وہ محفل جس میں ناجائز امور پائے جاتے ہیں ایسی محفل تو قطعاً ناجائز ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اکثر محفل میلاد اسی زمرے میں شامل ہیں کیونکہ وہ ناجائز امور پر مشتمل ہوتی ہیں۔
۲۔ وہ محفل جو ہر قسم کی بری باتوں اور ناجائز امور سے پاک ہو یہ بلاشبہ جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دوسری قسم کی محفل وہی ہو سکتی ہے جس میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور آپ کے معجزات کا ذکر ہو اور اس سے زائد کچھ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ اس حد تک کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔
شیخ ابن حجر اپنی اسی کتاب ”فتاویٰ حدیثیہ“ میں ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

”بہت سے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت محفل میں کھڑے ہوتے ہیں یہ بدعت ہے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وغیرہ نہیں آئی ہے (اس لیے یہ گناہ ہے) البتہ عوام مغفور سمجھے جاسکتے ہیں کہ انہیں علم نہیں ہے لیکن اس کے برعکس خواص (یعنی جاننے والے لوگ) معذور نہیں ہیں۔“ لے
شیخ ابن حجر محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بدعت قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ آج کل کی مروجہ محفل میلاد میں کھڑے ہونے کو بریلوی حضرات نے فرض واجب کا درجہ دے رکھا ہے۔ جیسا کہ سابقہ مضمون میں ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں۔

قارئین کرام آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بریلوی حضرات کس قدر حوالہ جات

میں قطع و برید کرنے کے عادی ہیں کیونکہ اسی کتاب ”فتاویٰ حدیثیہ“ میں لکھا ہوا ہے کہ محفل میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت کھڑا ہونا بدعت اور گناہ ہے۔ لیکن بریلوی حضرات اسی کتاب سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ مروجہ محفل میلاد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا جز اعظم ہی ”قیام“ ہے۔ اس قیام کے بغیر آج کل محفل میلاد کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بریلویوں کے ان تمام حوالوں کا جواب عرض کرنے کے بعد ہم جناب کی توجہ درج ذیل امور کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

مساجد میں اشعار پڑھنا ممنوع ہیں

(۱) مروجہ محفل میلاد میں اشعار پڑھے جاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یُسْتَقَادَ فی المسجد وان یُنْشَدَ فیہ الاشعار وان تُقَامَ فیہ الحدود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر قصاص لینے اور اشعار پڑھنے اور حد چوری زنا وغیرہ کی شرعی سزا قائم کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے کہ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تناسد الاشعار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر شعر پڑھنے اور خرید و فروخت کرنے اور نماز

۱۰ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰۰ : ابوداؤد ج دوم ص ۲۶۱

المسجد وعن البیع والاشواء فیہ وان یخلق الناس یوم الجمعة قبل الصلوة فی المسجد۔

جمعہ سے پہلے حلقہ باندھ کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع فرمایا تھا، اس لیے دوسرے خلیفہ راشد حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی سے باہر ایک جگہ بنا دی تھی اور حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص شعر وغیرہ پڑھنا چاہے تو مسجد سے باہر اس جگہ آکر پڑھ لے۔

حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

وعن مالک قتال بنی عمر رحبة فی ناحية المسجد تسمى البطحاء وقال من كان یرید ان یلغظ او ینشد شعراً او یرفع صوته فلیخرج الی هذه الرحبة

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد (نبوی) کے کنارے ایک کھلی جگہ بنائی تھی جس کا نام ”بطحیاء“ تھا اور فرمایا جو شخص باتیں کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا زور سے بولنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اس کھلی جگہ ”بطحیاء“ میں آجائے۔

اس حدیث کی شرح میں ایک شافعی عالم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد سے باہر شعر پڑھنے کے لیے جگہ اس لیے بنائی تھی تاکہ مذموم (برے) اشعار لوگ مسجد میں پڑھیں

۱۰ ایضاً ص ۱۰۰۰ : ابوداؤد ج اول ص ۱۰۰۰ ، ترمذی ج اول ص ۱۰۰۰ ، ۲۰ مشکوٰۃ ص ۱۰۰۰

لیکن کیا رہویں صدی کے مجدد ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
 وقول ابن حجر ای
 شعر مذموماً لیس
 فی محلہ لاندہ لایباح
 مطلقاً لہ
 ابن حجر کا یہ کہنا کہ اس حدیث
 میں شعر سے شعر مذموم مراد ہے
 صحیح نہیں کیونکہ شعر مذموم کا
 پڑھنا تو بالکل جائز نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مذموم اشعار
 کا پڑھنا تو سرے سے جائز ہی نہیں خواہ مسجد کے اندر ہو یا مسجد سے باہر اس
 لیے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذموم
 اشعار پڑھنے کے لیے مسجد سے باہر جگہ بنائی تھی تاکہ لوگ وہاں جا کر مذموم اشعار
 پڑھ لیا کریں۔

بہر حال اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسجد میں ان اشعار
 کا پڑھنا بھی ممنوع ہے جو شریعت کے مطابق ہوں اور ان میں کوئی خلاف
 شرع مضمون بھی نہ ہو۔

”ایک شبہ اور اس کا جواب“

اس موقع پر یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
 حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو مسجد نبوی میں شعر پڑھنے کا حکم
 فرمایا تھا اور ان کے حق میں دُعا فرمائی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت
 حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو چونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور خصوصی اجازت تھی اس لیے ان کا مسجد میں شعر
 پڑھنا ناجائز نہ ہوگا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع و سُرّی کے باعث
 قابلِ اجر و ثواب ہوگا لیکن دوسروں کے لیے حکم وہی ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ
 وسلم کی مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں اشعار نہ پڑھے
 جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت
 حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مسجد میں شعر پڑھنے کی اجازت نہ دی
 یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو قسم دے کر یہ دریافت فرمایا کہ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا
 ہے کہ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا ہے کہ تم میری طرف
 سے کفار کو (اشعار میں) جواب دو۔ لہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصدیق فرمانے کے بعد حضرت
 عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو مسجد میں اشعار پڑھنے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے عام لوگوں کے
 لیے مسجد سے باہر ایک کھلی جگہ بنائی اور فرمایا کہ جو شخص شعر پڑھنا چاہے
 وہ مسجد سے باہر اس جگہ آکر پڑھے کیونکہ عام لوگوں کے لیے مسجد میں اشعار
 پڑھنے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات انکے سامنے
 تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی مزید ملاحظہ فرمالیا جائے
 آپ نے فرمایا کہ

من بأیت موہ ینشد
 ف المسجد شعراً
 جس شخص کو مسجد میں شعر پڑھتے
 ہوئے دیکھو اس کو کہو خدا

فَقُولُوا فَضَّلَ اللَّهُ فَانَاكَ تیرا منہ توڑ دے۔ تین بار آپ
ثلاث مراتب لے نے فرمایا۔

خلاصہ کلام ہم کہتے ہیں کہ ”مروجہ محفل میلاد“ اگر عقائد میں سے
ہوتی تو ضرور عقائد کی کتابوں — شرح عقائد نسفی۔
شرح عقائد جلالی۔ شرح مواقف، مسامرہ اور امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی
لکھی ہوئی کتاب ”العقیدۃ الطحاویۃ“ وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا۔ اور اگر مروجہ
محفل میلاد کا تعلق ”اعمال و عبادات“ سے ہوتا تو ضرور فقہ کی کتابوں

فتاویٰ عالمگیریہ، فتاویٰ شامی، ہدایہ، البحر الرائق، البدائع والصنائع وغیرہ
میں اس کا ذکر ہوتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ عقائد کی کتابوں
میں ”مروجہ محفل میلاد“ کا ذکر ہے نہ فقہ کی کتابوں میں۔ آخر جب حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے ”نماز تبسُّع“، ”استخارہ“، ”حفظ قرآن کی دعا“، وغیرہ امور
کا مفصل طریقہ ذکر فرمایا اور امت کو اس طریقہ کے مطابق ان اعمال کو انجام
دینے کا حکم دیا تو کیا وجہ ہے کہ ”مروجہ محفل میلاد“ اس طریقہ اور کیفیت کے
ساتھ جس طرح بریلوی حضرات کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادات سے ثابت نہیں ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس طریقہ اور کیفیت کا
نہ ملنا صاف بتلا رہا ہے کہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

عید میلاد النبی:

۱۳ ربيع الاول کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ”جشن عید“ منایا
جاتا ہے۔ اور آج کل سے اہل سنت کا خاص شعار سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے بارے
میں بھی چند ضروری نکات عرض کرتا ہوں۔

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ایک اعلیٰ ترین عبادت بلکہ روح ایمان
ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ سرمہ چشم بصیرت ہے۔
آپ کی ولادت آپ کی صغر سنی۔ آپ کا شباب۔ آپ کی بعثت، آپ کی دعوت،
آپ کا جہاد، آپ کی قربانی۔ آپ کا ذکر و فکر، آپ کی عبادت و نماز، آپ کے
اخلاق و شمائل، آپ کی صورت و سیرت، آپ کا زہد و تقویٰ، آپ کا علم و خشیت
آپ کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، آپ کی صلح و جنگ، خفگی و غصہ، رحمت
و شفقت، تبسم و مسکراہٹ، الغرض آپ کی ایک ایک ادا اور ایک ایک حرکت
و سکون امت کے لئے اسوۂ حسنہ اور اکیسر ہدایت ہے، اور اس کا سیکھنا
سیکھانا، اس کا مذاکرہ کرنا، دعوت دینا امت کا فرض ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔
اسی طرح آپ سے نسبت رکھنے والی شخصیات اور چیزوں کا تذکرہ بھی عبادت
ہے۔ آپ کے احباب و اصحاب، ازواج و اولاد، خدام و مہتمل، آپ کا لباس و پوشاک،
آپ کے ہتھیاروں، آپ کے گھوڑوں، چروں اور ناقہ کا تذکرہ بھی عین عبادت ہے
کیونکہ یہ دراصل ان چیزوں کا تذکرہ نہیں بلکہ آپ کی نسبت کا تذکرہ ہے۔ صلی
اللہ علیہ وسلم۔

② آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ

سے لیکر قبل از نبوت تک کا۔ اور دوسرا بعثت سے لیکر وصال شریف تک کا پہلے حصہ کے جسے جتہ بہت سے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں اور حیات طیبہ کا دوسرا حصہ — جسے قرآن کریم نے امت کے لئے ”اسوۂ حسنہ“ فرمایا ہے — اس کا مکمل ریکارڈ حدیث و سیرت کی شکل میں محفوظ ہے۔ اور اس کو دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ آپ باہر خوبی و زیبائی گویا ہماری آنکھوں کے سامنے چل پھر رہے ہیں، اور آپ کے جمال جہاں آرا کی ایک ایک ادا اس میں صاف جھلک رہی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بلا مبالغہ یہ اسلام کا عظیم ترین اعجاز اور اس امت مرحومہ کی بلند ترین سعادت ہے کہ ان کے پاس ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا ریکارڈ موجود ہے۔ اور وہ ایک ایک واقعہ کے بارے میں دلیل و ثبوت کے ساتھ نشاندہی کر سکتی ہے کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ — اس کے برعکس آج دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جن کے پاس ان کے ہادی کی زندگی کا صحیح اور مستند ریکارڈ موجود ہو۔ یہ نکتہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، اس لئے یہاں صرف اسی قدر اشارے پر اکتفاء کرتا ہوں۔

۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک نکتے کو اپنی زندگی کے ظاہر و باطن پر اس طرح آویزاں کیا جائے کہ آپ کے ہر امتی کی صورت و سیرت، چال ڈھال، رفتار و گفار، اخلاق و کردار آپ کی سیرت کا مرقع بن جائے۔ اور دیکھنے والے کو نظر آئے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جہاں بھی موقع ملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر سے ہر مجلس و محفل کو معمور و معطر کیا جائے۔ آپ کے فضائل و کمالات اور آپ کے بابرکت اعمال و اخلاق اور طریقوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اور آپ کی زندگی کے ہر نقش قدم

۴) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جملے نہیں کئے، اور نہ میلاد کے مغنیلین سجائیں۔ اس لئے کہ وہاں ”ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات“ کا قلعہ

پر مرٹنے کی کوشش کی جائے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین اور ائمہ ہادی ان دو نوس طریقوں پر عامل تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے عمل سے زندہ کرتے تھے اور ہر محفل و مجلس میں آپ کی سیرت طیبہ کا تذکرہ کرتے تھے۔ آپ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ سنا ہوگا کہ ان کے آخری لمحات حیات میں ایک نوجوان ان کی عیادت کے لئے آیا۔ واپس جانے لگا تو حضرت نے فرمایا: برادر تمہاری چادر ٹخنوں سے پچی ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ ان کے صاحبزادے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اپنانے کا اس قدر شوق تھا کہ جب حج پر تشریف لے جاتے تو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں پڑاؤ کیا تھا وہاں اترتے، جس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا اس درخت کے نیچے آرام کرتے۔ اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فطری ضرورت کے لئے اترے تھے، خواہ تھکانا نہ ہوتا تب بھی وہاں اترتے، اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اسکی نقل اتارتے۔ رضی اللہ عنہ۔

یہی عاشقان رسول تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) جن کے دم قدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ صرف اوراق و کتب کی زینت نہیں رہی بلکہ جیتی جاگتی زندگی میں جلوہ گر ہوئی۔ اور اس کی بوئے عنبرین نے مشام عالم کو معطر کیا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؓ بہت سے ایسے ممالک میں پہنچے جن کی زبان نہیں جانتے تھے۔ نہ وہ ان کی لغت سے آشنا تھے، مگر ان کی شکل و صورت، اخلاق و کردار اور اعمال و معاملات کو دیکھ کر علاقوں کے علاقے اسلام کے حلقہ بگوش اور جمال محمدی کے غلام بے دام بن گئے۔ یہ سیرت نبوی کی کشش تھی جس کا پیغام ہر مسلمان اپنے عمل سے دیتا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵) سلف صالحین نے کبھی سیرت النبی کے جملے نہیں کئے، اور نہ میلاد کے مغنیلین سجائیں۔ اس لئے کہ وہاں ”ہر روز روز عید اور ہر شب شب برات“ کا قلعہ

تھا۔ ظاہر ہے کہ جب ان کی پوری زندگی "سیرت النبی" کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جب ان کی ہر محفل و مجلس کا موضوع ہی سیرت طیبہ تھا۔ اور جب ان کا ہر قول و عمل سیرت النبی کا مدرسہ تھا تو ان کو اس نام کے جلسوں کی نوبت کب آ سکتی تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور سے بعد ہوتا گیا عمل کے بجائے قول کا اور کردار کے بجائے گفتار کا سکتا چلنے لگا۔ — الحمد للہ یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوئی۔ آج اس گئے گزشتے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا آئینہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی کے گیسو و کاکن سنارتے ہیں، اور ان کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت ملک سلیمان اور گنچ قارون سے زیادہ قیمتی ہے۔ لیکن مجھے شرمساری کے ساتھ یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ایسے لوگ کم ہیں، جب کہ ہم میں سے اکثریت مجھ ایسے بدنام کنندہ گپوڑوں اور نعرہ بازوں کی ہے جو سال میں ایک دو بار سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نعرے لگا کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کے ذمہ ان کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حق تھا وہ قرض انہوں نے پورا ادا کر دیا، اور اب ان کے لئے شفاعت واجب ہو چکی ہے۔ مگر ان کی زندگی کے کسی گوشے میں دور دور تک سیرت طیبہ کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت کے ایک ایک نشان کو انہوں نے اپنی زندگی کے دامن سے کھینچ کھینچ کر صاف کر ڈالا ہے۔ اور روز مرہ نہیں بلکہ ہر لمحہ اسکی مشق جاری رہتی ہے، مگر ان کے ہتھوڑوں کو کبھی احساس تک نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سنتوں اور اپنے طریقوں کے ٹٹنے سے کتنی تکلیف اور اذیت ہوتی ہوگی۔ وہ اس خوش فہمی میں ہیں کہ بس قرآنی کے دو چار نغمے سننے، نعت شریف کے دو چار شعر پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

⑤ میلاد کی محفلوں کے وجود سے امت کی چھ صدیاں خالی گزرتی ہیں اور ان چھ

صدیوں میں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں۔ مسلمانوں نے کبھی "سیرت النبی" کے نام سے کوئی جلسہ یا "میلاد" کے نام سے کوئی محفل نہیں سجاا۔ "محفل میلاد" کا آغاز سب سے پہلے ۶۰۴ھ میں سلطان ابوسعید مظفر اور ابو الخطاب ابن وحیہ نے کیا۔ جس میں تین چیزیں بطور خاص ملحوظ تھیں۔

① بارہ ربیع الاول کی تاریخ کا تعین۔

② علماء و صلحاء کا اجتماع۔

③ اور ختم محفل پر اطعام طعام کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب۔ ان دونوں صاحبوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس قماش کے آدمی تھے؟ بعض مؤرخین نے ان کو فاسق و کذاب لکھا ہے۔ اور بعض نے عادل و ثقہ۔ واللہ اعلم۔

جب یہ نئی رسم نکلی تو علمائے امت کے درمیان اس کے جواز و عدم جواز کی بحث چلی۔ علامہ فاکہانی رحمہ اور ان کے رفقاء نے ان خود ساختہ قیود کی بنا پر اس میں شرکت سے عذر کیا، اور اسے "بدعت سیرہ" قرار دیا۔ اور دیگر علماء نے سلطان کی ہمنوائی کی۔ اور ان قیود کو مباح سمجھ کر اس کے جواز و استحسان کا فتویٰ دیا جب ایک بار یہ رسم چل نکلی تو یہ صرف "علماء و صلحاء کے اجتماع" تک محدود نہ رہی بلکہ عوام کے دائرے میں آکر ان کی نئی نئی اختراعات کا تحفہ مشق بنتی چلی گئی۔ آج ہمارے سامنے عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو ترقی یافتہ شکل موجود ہے (اور ابھی خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں مزید کتنی ترقی مقدر ہے)، اب ہمیں اس کا جائزہ لینا ہے۔

⑥ سب سے پہلے دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ جو فعل صحابہ و تابعین کے زمانے میں کبھی نہیں ہوا بلکہ جس کے وجود سے اسلام کی چھ صدیاں خالی چلی آئی ہیں۔ آج وہ اسلام کا شعار کہلاتا ہے۔ اس شعار اسلام کو زندہ کرنے والے "عاشقان رسول" کہلاتے ہیں۔ اور جو لوگ اس نو ایجاد شعار اسلام سے نا آشنا ہوں ان کو۔

کہنا بجا ہے۔ اس کی دعوت اور اس کا پیغام کسی خاص تاریخ کا مرہون منت نہیں بلکہ
آفاق و ازمان کو محیط ہے۔

اور پھر دوسری قوموں کے پاس تو دوچار ہستیاں ہونگی جن کی سالگرہ مناکر وہ
فارغ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کے دامن میں ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں
ایسی قد آور ہستیاں موجود ہیں جو ایک سے ایک بڑھ کر ہیں اور جن کی عظمت کے سامنے
آسمان کی بلندیاں پیچ اور نورانی فرشتوں کا تقدس گدراہ ہے۔ اسلام کے پاس کم و بیش
سوالاکھ کی تعداد تو ان انبیاء کی ہے۔ جو انسانیت کے ہیرو ہیں، اور جن میں سے ایک ایک
کا وجود کائنات کی ساری چیزوں پر بھاری ہے۔ پھر انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا قافلہ
ہے ان کی تعداد بھی سوالاکھ سے کیا کم ہوگی پھر ان کے بعد ہر صدی کے وہ لاکھوں
اکابر اولیاء اللہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں رشد و ہدایت کے مینارہ نور تھے۔ اور
جن کے آگے بڑے بڑے جابر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اب اگر اسلام
شخصیتوں کی سالگرہ منانے کا دروازہ کھول دیتا تو غور کیجئے اس امت کو سال بھر
میں سالگرہوں کے علاوہ کسی اور کام کے لئے ایک لمحہ کی بھی فرصت ہوتی؟ —
ہونکہ یہ چیز ہی اسلام کی دعوت اور اس کے مزاج کے خلاف تھی اس لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین کے بعد چھ صدیوں تک امت کا مزاج اس
کو قبول نہ کر سکا۔ اگر آپ نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے تو آپ کو معلوم ہو
گا کہ اسلامی تاریخ میں چھٹی صدی وہ زمانہ ہے جس میں فرزند ان تالیث نے صلیبی
جنگیں لڑیں، اور مسیحیت کے ناپاک اور منحوس قدموں نے عالم اسلام کو روند ڈالا،
ادھر مسلمانوں کا اسلامی مزاج داخلی و خارجی فتنوں کی مسلسل یلغار سے کمزور پڑ گیا
تھا۔ ادھر مسیحیت کا عالم اسلام پر فاسقانہ حملہ ہوا، اور مسلمانوں میں مفتوح قوم کا
ساحس کبھری پیدا ہوا، اس لئے عیسائیوں کی تقلید میں یہ قوم بھی سال بعد اپنے
مقدس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے "یوم ولادت" کا جشن منانے لگی، یہ قوم کے

رشتہ دار رسول تصور کیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط
کاکش! ان حضرات نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ چھ صدیوں کے جو مسلمان ان کے اس
خود تراشیدہ شعار اسلام سے محروم ہے میں ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟
کیا وہ سب نعوذ باللہ دشمنان رسول تھے؟ اور پھر انہوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہوتا
کہ اسلام کی تکمیل کا اعلان توحید الوداع میں عرفہ کے دن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ کونسا
پیغمبر آیا تھا جس نے ایک ایسی چیز کو ان کے لئے شعار اسلام بنا دیا جس سے چھ
صدیوں کے مسلمان نا آشنا تھے۔ کیا اسلام میرے یا کسی کے آبا کے گھر کی چیز ہے
کہ جب چاہو اس کی کچھ چیزیں حذف کر دو، اور جب چاہو اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ
کر ڈالو؟

⑤ دراصل اسلام سے پہلے قوموں میں اپنے بزرگوں اور بانیان مذہب کی
برسی منانے کا معمول ہے، جیسا کہ عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت
پر "عید میلاد" منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے برسی منانے کی رسم کو ختم
کر دیا تھا، اور اس میں دو حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ سالگرہ کے موقع پر جو کچھ کیا جاتا ہے
وہ اسلام کی دعوت اور اس کی روح و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اسلام
اس ظاہری سچ و سچ، نمود و نمائش اور نعرہ بازی کا قائل نہیں، وہ اس شور و شغب
اور ہاؤ ہو سے بٹ کر اپنی دعوت کا آغاز دلوں کی تبدیلی سے کرتا ہے، اور عقائد
حق، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تربیت سے "انسان سازی" کا کام کرتا ہے۔
اس کی نظر میں یہ ظاہری مظاہرے ایک کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جن کے
بارے میں کہا گیا ہے "جگمگاتے درو دیوار دل بے نور ہیں"

دوسری حکمت یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح کسی خاص موسم میں
برگ و بار نہیں لاتا، بلکہ وہ تو ایسا سدا بہار شجرہ طوبی ہے، جس کا پھل اور سایہ
دائم و قائم ہے۔ گویا اس کے بارے میں قرآنی الفاظ میں "اکملہا دائم و ظلہا"

کمزور اعصاب کی تسکین کا ذریعہ تھا تاہم جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، امت کے مجموعی مزاج نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ساتویں صدی کے آغاز سے لیکر آج تک علماء امت نے اسے "بدعت" قرار دیا اور اسے "ہر بدعت گمراہی ہے" کے زمرے میں شمار کیا۔

⑧ اگرچہ "میلاد" کی رسم ساتویں صدی کے آغاز سے شروع ہو چکی تھی، اور لوگوں نے اس میں بہت سے امور کے اضافے بھی کئے لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اسے "عید" کا نام دیتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "میری قبر کو "عید" نہ بنانا" اور میں اوپر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے بتا چکا ہوں کہ "عید" بنانے کی ممانعت کیوں فرمائی گئی تھی۔ مگر اب چند سالوں سے اس سالگرہ کو "عید میلاد النبی" کہلانے کا شرف بھی حاصل ہو گیا ہے۔

دنیا کا کون سا مسلمان اس سے ناواقف ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے "عید" کے دو دن مقرر کئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کو بھی "عید" کہنا صحیح ہوتا، اور اسلام کے مزاج سے یہ چیز کوئی مناسبت رکھتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کو "عید" قرار دے سکتے تھے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ پسندیدہ چیز ہوتی تو آپ نہ سہی، آپ کے خلفائے راشدین ہی آپ کے یوم ولادت کو "عید" کہہ کر "جشن عید میلاد النبی" کی طرح ڈالتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے دو ہی نتیجے نکل سکتے ہیں یا یہ کہ ہم اس کو "عید" کہنے میں غلطی پر ہیں۔ یا یہ کہ لغو باللہ ہمیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی ہے مگر صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کو کوئی خوشی نہیں تھی، انہیں آپ سے اتنا عشق بھی نہیں تھا جتنا ہمیں ہے۔ ستم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں تو اختلاف ہے، بعض ۹ ربیع الاول بتاتے

ہیں۔ بعض ۸ ربیع الاول، اور مشہور بارہ ربیع الاول ہے۔ لیکن اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ ۱۲ ربیع الاول ہی کو ہوئی۔ گویا ہم نے "جشن عید" کے لئے دن بھی تجویز کیا تو وہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے داغ مفارقت دے گئے، اگر کوئی ہم سے یہ سوال کرے کہ تم لوگ "جشن عید" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ پر مناتے ہو؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خوشی میں؟ (لغو باللہ) تو شاید ہمیں اس کا جواب دینا بھی مشکل ہو گا۔

بہر حال میں اس دن کو "عید" کہنا معمولی بات نہیں سمجھتا، بلکہ اس کو صاف صاف تحریف فی الدین سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ "عید" اسلامی اصطلاح ہے۔ اور اسلامی اصطلاح کو اپنی خود رائی سے غیر منقول جگہوں پر استعمال کرنا دین میں تحریف ہے۔

⑨ اور پھر یہ "عید" جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق منائی جاتی ہے وہ بھی لائق شرم ہے، بے ریش لڑکے غلط سط نعیتیں پڑھتے ہیں، موزون اور منکھڑت قفے کہنا نیاں، جن کا حدیث و سیرت کی کسی کتاب میں کوئی وجود نہیں، بیان کی جاتی ہیں، شور و شغب ہوتا ہے۔ نمازیں غارت ہوتی ہیں، اور نامعلوم کیا کیا ہوتا ہے، کاشش! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو "بدعت" ایجاد کی گئی تھی اس میں کم از کم آپ کی عظمت و تقدس ہی کو ملحوظ رکھا جاتا۔ غضب یہ کہ سمجھایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان خرافاتی محفلوں میں بنفس نفیس تشریف بھی لاتے ہیں۔ فیما غریبہ الاسلام!

⑩ اب میں اس "عید میلاد النبی" کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں "عید میلاد النبی" کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور جگہ جگہ بڑے بڑے چوکوں میں سانگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔

اور "بیت اللہ" کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیا اسفاہ!

"جشن عید میلاد" کی باقی ساری چیزوں کو چھوڑ کر اسی ایک منظر کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنی قباحتوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا گیا ہے۔

اول، اس پر جو ہزاروں روپیہ خرچ کیا جاتا ہے یہ محض اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے۔ آپ ﷺ کے حوالے سے کتنے چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ اور شمع جلانے والوں پر اس لئے لعنت فرمائی ہے کہ یہ فعل عبث ہے۔ اور خدا کے دیئے ہوئے مال کو مفت ضائع کرنا ہے۔ ذرا سوچئے! جو مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم، قبر پر ایک چراغ جلانے کو فضول خرچی کی وجہ سے ممنوع اور ایسا کرنے والوں کو ملعون قرار دیتا ہے اس کا ارشاد اس ہزاروں لاکھوں روپے کی فضول خرچی کرنے والوں کے بارے میں کیا ہو گا؟ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ یہ فضول خرچی وہ عزت زدہ قوم کر رہی ہے جو روٹی کپڑا مکان کے نام پر ایمان تک کا سودا کرنے کو تیار ہے۔ اس فضول خرچی کے بجائے اگر یہی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے غریب و مساکین کو چکے سے نقد دے دی جاتی تو نمائش تو بلاشبہ نہ ہوتی مگر اس رقم سے سینکڑوں جڑے گھر آباد ہو سکتے تھے۔ ان سینکڑوں بچیوں کے ہاتھ پیلے کئے جاسکتے تھے جو اپنے والدین کے لئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ فضول خرچی اس قوم کے رہنماؤں کو سمجھتی ہے جس کے بہت سے افراد و خاندان نانِ شبینہ سے محروم اور جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہوں؟ اور پھر یہ سب کچھ کیا بھی جا رہا ہے کس مہتی کے نام پر؟ جو خود تو پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے، مگر جانوروں تک کی مہجوک پیاس سنکر ٹپ جاتے تھے۔ آج کیونز م اور لادین سوشلزم، اسلام کو دانت دکھا رہا ہے۔ جب ہم دنیا کی مقدس ترین ہستی

کے نام پر یہ سارا کھس کھلیں گے تو لادین طبقے، دین کے بارے میں کیا تاثر لیں گے؟ فضول خرچی کرنے والوں کو قرآن کریم نے "انخوان الشیاطین" فرمایا تھا، مگر ہماری فاسد مزاجی نے اس کو اعلیٰ ترین نیکی اور اسلامی شعار بنا ڈالا تھا۔

ج "ببوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبیت"

دوسرے اس فعل میں شیعوں اور رافضیوں کی تقلید ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ رافضی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سالانہ برسی منایا کرتے اور اس موقع پر تعزیه، علم، دلدل وغیرہ نکالا کرتے ہیں۔ انھوں نے جو کچھ حسینؑ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کیا وہی ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرنا شروع کر دیا۔ انصاف کیجئے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کا سوانگ بنا کر اسے بازاروں میں پھرانا اور اس کے ساتھ روضہ اطہر اور بیت اللہ کا سامعہ کرنا صحیح ہے تو روافض کا تعزیه اور دلدل کا سوانگ رچانا کیوں غلط ہے؟ افسوس ہے کہ جو ملعون بدعت رافضیوں نے ایجاد کی تھی ہم نے ان کی تقلید کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے کی کوشش کی۔

تیسرے، اس بات پر بھی غور کیجئے کہ روضہ اطہر اور بیت اللہ کی جو شبیہ بنائی جاتی وہ شیعوں کے تعزیه کی طرح محض جعلی اور مصنوعی ہے، جسے آج بنایا جاتا ہے اور کل توڑ دیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مصنوعی سوانگ میں اصل روضہ اطہر اور بیت اللہ کی کوئی خیر و برکت منتقل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی اس چیز میں کسی درجہ میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کوئی تقدس اور کوئی برکت نہیں تو اس فعل کے محض لغو اور عبث ہونے میں کیا شک ہے؟ اور اگر اس میں تقدس اور برکت کا کچھ اثر آجاتا تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور کسی مصنوعی اور جعلی چیز میں روضہ مقدسہ اور بیت اللہ شریف سے تقدس و برکت کا اعتقاد رکھنا اسلام کی علامت ہے یا جاہلیت کی؟ اور پھر روضہ شریف اور بیت اللہ

شریف کی شبیہ بنا کر لگے دن سے توڑ پھوڑ دنیا کیا ان کی توہین نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ بادشاہ کی تصویر بادشاہ نہیں ہوتی، نہ کسی خاص کمرے یا مکان میں بادشاہ کا کوئی کمال ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بادشاہ کی تصویر کی توہین کو قانون کی نظر میں لائق تعزیر مجرم تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسے بادشاہ سے بغاوت پر محمول کیا جاتا ہے، لیکن آج روضہ اطہر اور بیت اللہ شریف کی شبیہ بنا کر کل اسے منہدم کرنے والوں کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ اسلامی شعائر کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چوتھے، جس طرح شیعہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعزیہ پر چڑھاتے اور فتنے مانتے ہیں۔ اب رفته رفته عوام کا لانا عام اس نوعیت کا "بدعت" کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنے لگے ہیں۔ روضہ اطہر کی شبیہ پر درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ اور بیت اللہ شریف کی شبیہ کا باقاعدہ طواف ہونے لگا ہے۔ گویا مسلمانوں کو حج و عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں، ہمارے ان دوستوں نے گھر گھر میں روضے اور بیت اللہ بنا دیئے ہیں، جہاں سلام بھی پڑھا جاتا ہے، اور طواف بھی ہوتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت نہیں کہ میں اس فعل کی قباحت و شناعة اور ملعونیت کو ٹھیک ٹھیک واضح کر سکوں۔ ہمارے ائمہ اہل سنت کے نزدیک یہ فعل کس قدر قبیح ہے؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہے، وہ یہ کہ ایک زمانے میں ایک بدعت ایجاد ہوئی تھی کہ عرفہ کے دن جب حاجی حضرات عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں تو ان کی مشابہت کے لئے لوگ اپنے شہر کے کھلے میدان میں نکل کر جمع ہوتے۔ اور حاجیوں کی طرح سارا دن دعا و تضرع، گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں گزارتے۔ اس رسم کا نام "تعریف" یعنی عرفہ منانا رکھا گیا تھا۔ بظاہر اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک اچھی چیز تھی کہ اگر اس کا رواج عام ہو جاتا تو کم از کم سال بعد تو مسلمانوں کو توبہ و استغفار

کی توفیق ہو جایا کرتی۔ مگر ہمارے علمائے اہل سنت نے (اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس بدعت کی سختی سے تردید کی، اور فرمایا:

التعریف لیس بشری۔ یعنی اس طرح عرفہ منانا بالکل لغو اور بیہودہ حرکت ہے شیخ ابن نجیم صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

”چونکہ وقوف عرفات ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص مکان کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے یہ فعل اس مکان کے سوا دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔ جیسا کہ طواف وغیرہ جائز نہیں، آپ دیکھتے ہیں طواف کعبہ

کی مشابہت کے طور پر کسی اور مکان کا طواف جائز نہیں“ (صفحہ ۱۶۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ ”میری قبر کو عید نہ بنا لینا“

اس میں تحریف کا دروازہ بند کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ اور انھیں حج کی طرح

عید اور موسم بنا لیا تھا“ (حجۃ اللہ البالغہ)

شیخ علی القاری رحمہ اللہ شرح مناسک میں فرماتے ہیں کہ طواف کعبہ شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لئے انبیاء و اولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔ جاہل لوگوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں، خواہ وہ مشائخ و علماء کی شکل میں ہوں“ (بحوالہ الجنتہ لابل المستنہ)

اور بحر الرائق، کنایہ شرح ہدایہ، اور معراج الدرایہ میں ہے کہ ”جو شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مسجد کا طواف کرے۔ اس کے حق میں کفر کا اندیشہ ہے“ (الجنتہ لابل المستنہ ص ۷)

ان تصریحات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روضہ اطہر اور کعبہ شریف کا سوا گنگ بنا کر ان کے ساتھ اصل کا سا جو معاملہ کیا جاتا ہے ہمارے اکابر اہل سنت کی نظریں

اسکی کیا حیثیت ہے ۔

خلاصہ یہ کہ "جشن عید میلاد" کے نام پر جو خرافات رائج کر دی گئی ہیں۔ اور جن میں ہر آٹھ سال مسلسل اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اسلام کی دعوت ۔ اسکی روح اور اس کے مزاج کے یکسر منافی ہیں۔ میں اس تصور سے پریشان ہو جاتا ہوں کہ ہماری ان خرافات کی روئے اد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں پیش ہوتی ہوگی تو آپ پر کیا گذرتی ہوگی ؟ اور اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہمارے درمیان موجود ہوتے تو ان چیزوں کو دیکھ کر ان کا کیا حال ہوتا ؟ بہر حال میں اس کو نہ صرف "بدعت" بلکہ "تحریف فی الدین" تصور کرتا ہوں۔ اور اس بحث کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ایک ارشاد پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اسی مسئلہ میں اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا ہے :

"بہ نظر انصاف بینندہ کہ اگر فرضاً حضرت ایشاں دریں زمان در دنیا زندہ می بودند و این مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا باین امر راضی می شدند، و این اجتماع را پسندیدند یا نہ، یقیناً فقیر آں است کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودند۔ مقصود فقیر اعلام بود، قبول کنند یا نہ کنند بیچ مضائقہ نیست و گنجائش مشاہرہ نہ"

ترجمہ : انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ اگر بالفرض حضرت ایشاں اس وقت دنیا میں تشریف فرما ہوتے اور یہ مجلس اور یہ اجتماع منعقد ہوتا آیا آپ اس پر راضی ہوتے، اور اس اجتماع کو پسند فرماتے یا نہیں ؟ فقیر کا یقین یہ ہے کہ اس کو ہرگز جائز نہ رکھتے۔ فقیر کا مقصود صرف امر حق کا اظہار ہے۔ قبول کریں یا نہ کریں کوئی پرواہ نہیں۔ اور نہ کسی جھگڑے کی گنجائش۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶)

مسئلہ ایصالِ ثواب

فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں سہ ماہی، برسی وغیرہ

ایصالِ ثواب :

۱ ایصالِ ثواب کی حقیقت یہ ہے کہ آپ کوئی نیک عمل کریں اور وہ حق تعالیٰ کے یہاں قبول ہو جائے تو اس پر جو ثواب آپ کو ملنے والا تھا آپ یہ نیت یا دعا کر لیں کہ اس عمل کا ثواب فلاں زندہ یا مرحوم کو عطا کر دیا جائے۔ ایصالِ ثواب کی یہ حقیقت معلوم ہونے سے آپ کو تین مسئلے معلوم ہو جائیں گے۔

ایک یہ کہ ایصالِ ثواب کسی ایسے عمل کا کیا جاسکتا ہے جس پر آپ کو خود ثواب ملنے کی توقع ہو، ورنہ اگر آپ ہی کو اس کا ثواب نہ ملے تو آپ دوسرے کو کیا بخشیں گے ؟ پس جو عمل کہ خلافِ شرع اور خلافِ سنت کیا جائے وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔ اور ایسے عمل کے ذریعہ ثواب بخشنا خوش فہمی ہے۔

دوم : یہ کہ ایصالِ ثواب زندہ اور مردہ دونوں کو ہو سکتا ہے۔ مثلاً آپ دو رکعت نماز پڑھ کر اس کا ثواب اپنے والدین کو یا پیر مرشد کو ان کی زندگی میں بخش سکتے ہیں، اور ان کی وفات کے بعد بھی۔ عام رواج مُردوں کو ایصالِ ثواب کا اس وجہ سے ہے کہ زندہ آدمی کے اپنے اعمال کا سلسلہ جاری ہے جب کہ مرنے کے بعد صدقہ جاریہ کے سوا آدمی کے اپنے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، اس لئے مرحوم کو ایصالِ ثواب کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یوں بھی زندوں کی طرف سے مُردوں کے لئے کوئی تحفہ اگر ہو سکتا ہے تو ایصالِ ثواب ہے۔

د استغفار، ذکر و تسبیح، درود شریف، تلاوت قرآن مجید، نفلی نماز در روزہ، صدقہ و خیرات، حج و قربانی وغیرہ۔

(۳) یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو چیز صدقہ و خیرات کی جائے وہ بعینہ میت کو پہنچتی ہے۔ نہیں بلکہ صدقہ و خیرات کا جو ثواب آپ کو ملنا تھا ایصالِ ثواب کی صورت میں وہی ثواب میت کو ملتا ہے۔

نتیجہ، دسواں وغیرہ

علماء اہل سنت نے تیجا، ساتواں، نواں، چالیسواں

کرنے کی رسم کو بدعت کہا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں لکھتے ہیں:

عادت بنوی نہ بود کہ برائے میت در عادت بنوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تھی
غیر وقت نماز جمع شوند، و قرآن خوانند کہ میت کے لئے وقت نماز کے علاوہ
دخات خوانند، نہ بر سر گور نہ غیر آں۔ جمع ہوں۔ اور قرآن خوانی کریں۔ اور ختم
دائیں مجموعہ بدعت است و مکروہ۔ نعم پڑھیں، نہ قبر پر اور نہ کسی دوسری جگہ۔
تعزیت اہل میت و تسلیہ و صبر فرمودن یہ ساری چیزیں بدعت اور مکروہ ہیں ہاں
سنت و مستحب است، اما ایں اجتماع اہل میت کی تعزیت کرنا، ان کو تسلی دلانا
مخصوص روز سوم و ارتکاب تکلفات دیگر اور صبر کی تلقین کرنا سنت و مستحب ہے
و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ لیکن یہ تیسرے دن کا خاص اجتماع اور
بدعت است و حرام (ص ۲۴۳) دوسرے تکلفات۔ اور مردہ مال جو یتیموں
کا حق بن چکا ہے۔ بغیر وصیت کے خرچ کرنا بدعت اور حرام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قبر میں مردے کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص دریا میں ڈوب رہا ہو۔ اور لوگوں کو مدد کے لئے پکار رہا ہو۔ اسی طرح مرنے والا اپنے ماں باپ بہن بھائی اور دوست احباب کی طرف سے دعا کا منتظر رہتا ہے۔ اور حیث اس کو پہنچتی ہے تو اسے دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور حق تعالیٰ شانہ زمین والوں (یعنی زندوں) کی دعاؤں کی بدولت اہل قبور کو پہاڑوں برابر رحمت عطا فرماتے ہیں۔ اور مردوں کے لئے زندوں کا تحفہ استغفار ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص ۲۱۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں نیک بندے کا درجہ بلند فرماتے ہیں تو وہ عرض کرتا ہے یا الہی! مجھے یہ درجہ کیسے ملا؟ ارشاد ہوتا ہے، ”تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی بدولت“ (رداد احمد مشکوٰۃ ص ۲۱۰)
امام سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ زندہ لوگ کھانے پینے کے جتنے محتاج ہیں مردے دعا کے اس سے بڑھ کر محتاج ہیں۔ (شرح صدور سیرطی ص ۲۱۰)
بہر حال ہمارے وہ بزرگ، احباب اور عزیز واقارب جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان کی مدد و اعانت کی یہی عورت ہے کہ ان کے لئے ایصالِ ثواب کیا جائے یہی ان کی خدمت میں ہماری طرف سے تحفہ ہے۔ اور یہی ہمارے تعلق و محبت کا تقاضا ہے۔

سوم: تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ جس عمل کا ثواب کسی کو بخشا منظور ہو یا تو اس کام کے کرنے سے پہلے اس کی نیت کر لی جائے یا عمل کرنے کے بعد دعا کر لی جائے کہ سہی تعالیٰ شانہ اس عمل کو قبول فرما کر اس کا ثواب فلاں صاحب کو عطا فرمائیں۔

(۲) میت کو ثواب صرف نفلی عبادات کا بخشا جاسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کسی دوسرے کو بخشنا صحیح نہیں۔

(۳) جہور امت کے نزدیک ہر نفلی عبادت کا ثواب بخشنا صحیح ہے۔ مثلاً، دعا

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے یہاں جو 'رسم قل' کی جاتی ہے۔ برادری کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ختم پڑھا جاتا ہے۔ اور دیگر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ یہ رسمیں خلاف شریعت اور بدعت ہیں۔ اپنی اپنی جگہ ذکر و تسبیح، تلاوت، وزود شریف اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ میت کو ایصالِ ثواب جتنا چاہے کرے، اور میت کو ثواب بخشے، یہ بلاشبہ صحیح اور درست ہے، لیکن میت کے گھر جمع ہونا، اور اس کے مال سے کھانا تیار کرنا اور دوسروں کو بھیجنا کھانا شریعت کے خلاف ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

بعد مرؤن من رسوم دنیوی مثل وہم
دستم ششماہی دبر سینی بیج نکند
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از
سہ روز ماتم کردن جائز نداشته اند و
حرام ساخته اند۔ (ملا بد منہ ص ۱۶)

علامہ شامی فتح القدر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

دیکرہ الضیافۃ من الطعام
من اهل الميت، لانه شرع
فی السرور لا فی الشرور وہی
بدعت مستقبحة روى الامام احمد
وابن ماجة باسناد صحيح عن
جرير بن عبد الله قال كنا لعدۃ
الاجتماع الى اهل الميت و

اہل میت کی طرف سے کھانے کی
دعوت مکروہ ہے، اس لئے یہ تو
خوشی کے موقع پر مشروع ہے نہ کہ غمی
کے موقع پر۔ امام احمد اور ابن ماجہ
حضرت جریر بن عبد اللہ صحابیؓ سے بلند
صحیح روایت کرتے ہیں کہ ہم میت کے
گھر جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے

منعہم الطعام من لنیاحۃ
(رد المحتار ص ۲ ج ۲)

نیز علامہ شامی فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”مکروہ ہے کھانا تیار کرنا پہلے دن، تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد،
اور تہوار کے موقع پر قبر کی طرف کھانا لے جانا، اور قرأتِ قرآن
کے لئے دعوت کا اہتمام کرنا، اور ختم کے لئے یا سورۃ النعام یا
سورۃ الاخلاص کی قراءت کے لئے بزرگوں اور قاریوں کو جمع کرنا
حاصل یہ کہ قرأتِ قرآن کے وقت کھانا کھانا مکروہ ہے“
آگے چل کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ہمارے اور شافعیہ کے مذہب میں یہ افعال مکروہ (تحریمی) ہیں
خصوصاً جب کہ وارثوں میں نابالغ یا غیر حاضر لوگ بھی ہوں۔ قطع نظر
ان بہت سے منکرات کے، جو اس موقع پر کئے جاتے ہیں۔
مثلاً بہت سی شمعیں اور قندیلیں جلانا، ڈھول بجانا، خوش الکافی
کے ساتھ گیت گانا، عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا جمع ہونا، ختم
اور قراءتِ قرآن کی اجرت لینا، وغیر ذلک، جن کا ان زمانوں
میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اور ایسی چیز کے حرام اور باطل ہونے
میں کوئی شک و شبہ نہیں“ (حوالہ مذکورہ)

بچ جائے۔ اگر کوئی عالم دین اس رسم درواج کی تردید کرے، اگر وہ امام مسجد ہے تو مسجد میں اس کے لئے اللہ اکبر کہنا دشوار ہے۔ کیونکہ جن حضرات کے پاس فتوؤں کی شہینری ہے وہاں سے دھن کی گولی بنا کر اس کے سر کو اس کا نشانہ بنا کر مارتے ہیں اور اس کے نیچے میں اسے لازمی طور پر سب سے کھنا پڑ جاتا ہے۔

اگر وہ عالم دین تردید کے لئے تیار نہ ہو تو پھر خوفِ خدا پیش نظر ہے کہ رب العالمین کے سامنے قیامت کے دن حاضر ہو کر کیا جواب دے گا۔ اسی نظریہ کے پیش نظر میں تردید کرنا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پوچھ لیں کہ تم نے ان غلط بدعات کو دیکھتے ہوئے کیوں نہ رد کیا، اور خاموش رہے ہو۔ اس طرح اگر امام مسجد ہو تو اس پر جب وہاں سے فتویٰ دھابی کا آ جائے تو اس کو اپنے گادوں کے لوگ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس سے سخت نفرت کرتے ہیں اور ان کی نظر میں مرتد ہو گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی کلمہ فرمایا۔

یَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ
الضَّارُّ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ
كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ (التَّوْحِيدِ ص ۵۷)

لوگوں پر ایک وقت آئے گا جس میں دین پر صبر کرنے والے انھارے کو پکڑنے والے کی طرح ہوگا۔

حقیقت میں یہی وقت آج موجود ہے جس سے آج کل ہمیں سابقہ پڑا ہے۔
اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باب چہارم

میت کے گھر سے کھانا

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ کسی گھر میں جب میت ہو جائے تو وہ صبح سویرے گادوں کے میراثی کو اطلاع دے گا اور وہ گادوں سے بڑے بڑے دیگ لائیں گے جس میں کھجور، چاول اور مونگ آسکتا ہو۔ تو وہ جلدی جلدی پکوانے کا انتظام شروع کرتا ہے، اور ادھر گھیرا گندم کی روٹی کافی مقدار میں پکاتے ہیں اور ترکاری گوشت اور سالن وغیرہ کا انتظام بھی فرماتے ہیں اور جب تمام لوگ مردہ کی تدفین وغیرہ کے انتظام سے فارغ ہو جاتے ہیں تو آواز دے گا۔

تَعَالُوا إِلَى الْمَرْزِ - پھول تیار ہے آ جاؤ۔ کوئی نہ مان نہ جاہیں۔ تو تمام مہمان اور گادوں والے میت کے گھر آتے ہیں کوئی چاول ترکاری کوئی پلاؤ گوشت کوئی روٹی کچنی وغیرہ کھا کر پھر چلے جاتے ہیں۔ اور گادوں کی عورتیں اور بام کے دیہاتوں کی عورتیں یہ میت کے گھر میں کھانا کھاتی ہیں۔

بہر حال کھانے سے تمام حضرات فارغ ہو کر پھر تبصرہ شروع کرتے ہیں بعض کہیں گے بہت بہترین صدقہ کیا اور بہت اچھا پلاؤ تھا۔۔۔ اور بعض کہیں گے فلاں خبیث کو کچھ جب صدقہ نہیں کر سکتا ہے تو کیوں کرتے ہیں گھی خراب گوشت خراب اور فلاں فلاں چیز خراب تھی۔ تو گھر والا جیسا کہ اپنے مرے کیلئے پریشان ہوتا ہے ایسا ہی سقاظ اور روٹی اور دیگر اخراجات اور رسومات کے لئے پریشان ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر غریب ہو گھر میں کچھ نہ ہو تو یہ ضرور ہی کسی شخص سے قرضہ لے گا تاکہ اس رسم درواج کو پورا کرے اور بدنامی کے دھبے

میت کے گھر سے اول سوم روز روٹی کھانا

(احادیث کی روشنی میں)

چونکہ باب سوم میں مفصل گزر چکا ہے کہ دین کامل ہے اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دین میں کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو نیکی کا کام ہو انہوں نے نہ کیا ہو۔ یا کیا ہو لیکن ہم سے پوشیدہ رکھا ہو۔

لہذا جب ہم احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو گھر والوں سے روٹی کھانا تو درکنار بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے گھر والوں کو روٹی کھلانے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ شیخ الاسلام علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں:

لما جاء نعي جعفر قال لنبی صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لاول جعفر طعاما فانہ قد اتاهم یشغلهم واما یریشغلهم

جب حضرت جعفر کی موت کی خبر پہنچی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جعفر کے گھر والوں کو کھانا تیار کرو یا جو کچھ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جس نے ان کو مشغول کیا ہے یا (یہ فرمایا ہے) ایسا امر آیا ہے جس نے ان کو مشغول کیا ہے۔ (کھانا پکانے سے)

اور حضرت الامام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور حضرت الامام سلیمان بن الاسود متوفی ۲۷۵ھ اور حضرت الامام ابی ہریرہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت الامام سنن الدارقطنی ص ۷۹ ج ۲ کے الترمذی ص ۱۱۹ ج ۱ سے ابوداؤد ص ۱۶۲ ص ۱۶۳ شرح عون المعبود، دوسرا نسخہ ص ۹۱ کے السنن الکبریٰ ص ۶۱

النووی متوفی ۵۳۵ھ اور حضرت الامام الحافظ ابن العربی متوفی ۷۴۵ھ وغیرہ محدثین حضرات نے اس حدیث کو نقل کیا ہے تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس گھر میں میت ہو جائے ان کے لئے کھانا کھلانے کا انتظام چاہئے۔ کیونکہ ان کے گھر میں مصیبت آئی ہے اور وہ مردہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوں گے تو جب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین یہ ہے کہ گھر والوں کو روٹی کھلائیں اور ہمارا طرز عمل اور طرز زندگی یہ ہو کہ میت والے کے گھر سے روٹی کھائیں تو یہ ظاہر ہے کہ ہمارا طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے مخالف ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر اس فعل کو ہم کا خیال درکار ثواب سمجھیں تو یہ دین پر الزام ہوگا کہ دین ناقص ہے یہی نیکی کا کام تھا اس میں رہ گیا تھا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آئے گا کہ یہ نیکی کا کام اس نے ہم سے پوشیدہ رکھا تھا دونوں خلاف شریعت اور دونوں باتیں کفر صریح۔ لہذا یہ ثابت ہو گیا کہ میت کے گھر والوں سے روٹی کھانا ناجائز ہے اور نیکی کا کام نہیں۔ اس لئے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کنا نعد الاجتماع الی اهل البيت وصنیعة الطعام من النیاحۃ

کہ ہم صحابہ کرامؓ میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (جیسے حرام) سمجھتے تھے۔

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ (میت پر چیخ مار کر رونا) جیسے حرام سمجھتے تھے اور ہمارے لوگ اس کھانے کو ولیمہ (شادی) کی

المجموع شرح المہذب ص ۳۱۴ ج ۲ عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹ ج ۳ علامہ نعیمی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام احمد اور ابن ماجہ صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے المجموع شرح المہذب ص ۳۲۰

روٹی کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔ اور حلال کرنا بھی ایک حکم شرعی ہے۔ اس کے دیکھنے کی شکل دیکھنی چاہیے۔ اور دلیل شرعی تو نہیں تو اس کے یہی دو مطلب ہو سکتے ہیں یا تو یہ چیز حلال تھی لیکن صحابہ کرام نے ہم کو نہیں بتائی یا یہ چیز حرام تھی لیکن ہم اسے حلال سمجھتے ہیں۔ ایک میں تو صحابہ کرام پر الزام آتا ہے دوسرے میں مستقل طور پر شریع کا دعویٰ کر رہے ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو چیز حلال ہو وہ حرام نہیں ہو سکتی اور جو حرام ہو وہ حلال نہیں ہو سکتی۔ حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا دونوں ناجائز اور حرام لہذا میت کے گھر سے روٹی انہی دنوں میں کھانا بھی ناجائز اور حرام، اور تو نہ بن جاوے گا غلام۔

میت کے گھر سے روٹی کھانا فقہاء اور محدثین کی نظر میں

حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب بن البرزازی الحنفی متوفی ۸۲۷ھ فرماتے ہیں -

دیکرہ اتخاذا الضیافۃ
ثلاثۃ ایام روا کلہا وانما
شرعت للسرور ویکرہ
اتخاذ الطعام فی الیوم
الاول والثالث وبعث
الاسبوع والاعیاد و
نقل الطعام الی القبر
فی المواسم واتخاذ
الدعوتۃ بقراءۃ القرآن
وجمع الصلحاء والقراء
للختم اول لقراءۃ سورۃ الانعام
اولی الاخلاص فالحاصل
ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ
القرآن لاجل الاکل مکروہ

لہ قادی بزاز یہ طبع برہان عالمگیری

حرام ہے (میت کے گھر سے) مہمانی کرنا
اور کھانا تین دن کیونکہ یہ (چیزیں) انہی
کے وقت ہوتی ہیں نہ کہ غمی کے دن اور حرام
ہے مہمانی کرنا پہلے دن تیسرے دن اور
مغفہ کے دن اور عیدوں کے موقع پر
اور موسم میں قبر کو طعام لے جانا حرام ہے
اور قرآن کے پڑھنے کے واسطے دعوت دینا
حرام۔ اور ختم کلام پاک یا سورۃ الانعام
اور سورۃ اخلاص پڑھنے کے لئے صلحاء
اور قاریوں کو جمع کرنا حرام ہے۔
حاصل یہ ہے کہ طعام تیار کرنا کھانے کی
خاطر قرآن پڑھنے کے وقت حرام ہے۔

فقیر محمد بن عبدالواحد بن عبدالحکیم ابن الہمام الحنفی متوفی ۸۶۱ھ فرماتے ہیں۔
 ویکرہ اتخاذا الضیافۃ من
 الطعام من اهل البيت لانه
 فی السرور لا فی الشرور وہی
 بدعتہ قبیحۃ

اور علامہ ابن عابدین متوفی ۲۵۳ھ فرماتے ہیں۔
 ویکرہ اتخاذا الضیافۃ من
 الطعام من اهل البيت لانه
 شرع فی السرور لا فی الشرور
 وہی بدعتہ مستقبیحہ

پھر حدیث حضرت جریر بن عبد اللہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلیل میں پیش کر کے
 ولا سيما اذا كان في الورثۃ
 صغاراً وغائب مع قطع النظر
 عما يحصل عند ذلك غالبها
 من المنكرات الكثيرة كما يفتق
 الشكوك والقناديل التي لا تزد
 في الافراح ... واجتماع النساء
 المذمران واخذ الاجرة على الذكر
 وقراءة القرآن وغير ذلك مما
 هو شهاه في هذه الامعان
 له فتوى القدر ص ۱۱ ج ۲

وما كان ذلك فلا شك في حرمته
 وبطلان الوصية به لا حول
 ولا قوة الا بالله العلي
 العظيم

المحدث الامام النووي متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

واما اصول اهل البيت
 طعاما وجمع الناس عليه فلو
 ينقل فيه شئ وهو بدعت
 غير مستحبة هذا كلام المشا
 ويستدل بحديث جرير
 ابن عبد الله رضي الله عنه

توان معتبر فقہار اور محدثین حضرات نے تصریحات فرمائی ہیں کہ جو مہمان نزدیک
 نزدیک گاؤں سے آئے ہیں یا اپنے گاؤں والے مہمان بن رہے ہیں ان کو روٹی کھانا میت کے گھر
 حرام ہے۔ کیونکہ مہمانوں کو تو روٹی اور کھانا جو کھلاتے ہیں تو شاید یوں اور دیگر خوشیوں کے
 اوقات میں اور یہ وقت ان کے غم کا ہے تو اس لئے چاہیے کہ ان کے لئے کھانا تیار کریں
 نہ کہ ان سے کھائیں۔

جیسا کہ شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن الحسین متوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں۔

۱۔ المختار ص ۶۰۳۔ دیکھ لیجئے مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۲ اور مجاہد ص ۳۳
 مجلس ۵۵ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۱۶۴۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۴۔ ۲۔ المجموع شرح
 المہذب ص ۳۲، بذل المجموع شرح ابی داؤد مولانا خلیل احمد متوفی ۱۲۲۶ھ ص ۹۹ کہ یہ طریقہ قبیح
 بدعت ہے۔ اس میں تفصیل دیکھیں جو قابل دید ہے۔

وینتخب ان یجعل شیتا
من الطعام لا ولیاء البیت
و یبعث الیهم روئوسهم قد
شغلوا عن ذلک

مستحب ہے کہ میت کے گھر والوں کو
کھانا تیار کر کے بھیجیں کیونکہ وہ کھانا
تیار کرنے کے دھندوں سے غافل ہیں
(بوجہ مرگ کے)

اور اسمعیل بن یحییٰ المزنی اپنے استاد مجتہد امام شافعی سے نقل کرتے ہیں۔
قال الشافعی و احب
لقربة البیت و جیرانہ ان
یعملوا لاهل البیت فی یومهم
ولیقتهم طعاما یسعهم فانہ
سنة و فعل الخیر

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میت کے
رشتہ داروں اور محسبوں کو مستحب ہے کہ میت کے
گھر والوں کو کھانا بھیجیں کہ ان کے لئے
پیٹ بھر دن رات کے لئے کافی ہو اور یہ سنت
ہے اور بھلائی اور سیکی کا کام ہے۔

اور حافظ ابن العربی متوفی ۷۴۶ھ فرماتے ہیں کہ
سنت طریقہ یہی ہے کہ جس دن ان کے گھر میں میت ہو گئی ہے تو ان کیلئے
کھانے کا انتظام کریں کیونکہ یہ غم اور مصیبت کی وجہ سے کھانے تیار کرنے سے
غافل ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے تو چاہیے کہ ان کے لئے اس دن کھانے کا انتظام
کریں

مسلا ابن نجیم حنفی متوفی ۷۹۷ھ فرماتے ہیں کہ
تین دن تعزیت کے لئے بیٹھنے میں مضائقہ نہیں۔ لیکن اسی شرط پر کہ ممنوع
اور ناجائز چیزوں کا ارتکاب اس میں نہ ہو۔ اور ممنوع اور ناجائز بتاتے ہیں۔ فرماتے
ہیں۔

۱۔ التفت فی الفوائد ص ۱۳۱ ، ۲۔ مختصر المزنی ص ۳۹

۳۔ عارضۃ الاحوذی ص ۲۱۹

من فرش البسط و
الاطمعة من اهل البیت
لانہا تتخذ عند السوء
ولا بأس بان یتخذ لاهل
البیت طعاما

چٹائی اور تالین بچھانا اور روٹی کھانا
میت کے گھر والوں سے کیونکہ یہ چیزیں
خوشی کے وقت ہوتی ہیں اور میت کے
گھر والوں کو کھانا کھلانے میں مضائقہ نہیں۔

نظامہ کلام کیا یہ ہوا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا ہے اور
محدثین اور فقہار میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے کو سنت سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام
میت کے گھر والوں سے کھانا کھانے کو زحمت کی مانند حرام سمجھتے ہیں۔ اور فقہار اور
محدثین بھی میت کے گھر والوں سے کھانے کو حرام سمجھتے ہیں اور ہمارے ملک میں
اس فعل کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور نہ کرنے والے کو دھابائی اور پنج پیری اور مخالف
دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔ ابھی خود ہی فیصلہ کریں کہ

حق پران دونوں میں سے کون ہے ایک شخص اس کامل دین کو جو آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جانی اور مالی قربانیاں دے کر تمام عالم میں پھیلا یا تھا پس
کر رہا ہے اور دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد کے بے سرو پا اقوال
اعمال عوام کے سامنے نہ صرف یہ کہ بیان کر رہا ہے بلکہ عوام پر فرض سالارم قرار دے
ہے۔ تو کیا دوسرا شخص جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تمام محدثین
فقہار کے اقوال کے مخالف بھی ہے تو یہ گمراہ اور دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف نہیں
ہوگا اور پہلا شخص جو دہی سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کا طرز عمل پیش

۱۔ بحر الرائق ص ۲۰۷

کر رہا ہے وہ گمراہ ہو گا۔ ع

برین عقل و دانش بیاہد گریست

اور پھر عزیت میں جو حالات ہیں کہ قالین بچھا کر اور سر ہانے لگا کر لوگ آتے ہیں اور پندرہ بیس دن تک سلسلہ جاری رہتا ہے، اور روٹی پلاؤ، گوشت کھلاتے ہیں۔ اور بعض لوگ بخنی اور بعض روٹی ترکاری اور بعض دودھ کی چائے اور بعض تہہ چائے کے مطالبے کرتے ہیں۔

اور دو تین مرتبہ چائے پیتے ہیں اور پھر بعض جگہوں میں جب سے فارغ ہوتے ہیں پھر سگریٹ اور حقہ سے دھواں نکال دیتے ہیں۔ اور دو دراز کی باتیں ہو رہی ہیں کوئی کیا بات کرے گا کوئی کیا بات کرے گا۔ اور میت کے گھر والے ایک دوڑ گھر کی طرف لگائے گا تا کہ بخنی، ترکاری، چاول اور روٹی وغیرہ کم نہ ہو جائے اور دوسری طرف ہمانوں کی جانب دوڑے گا تا کہ ہمان ناراض نہ ہو جائیں۔

کیا کوئی عالم دین بشرطیکہ خوف خدا رکھتا ہو اس فعل کو بھی جائز سمجھے گا یا بطور حیلہ صدقہ یا اور کوئی بناوٹی دلیل بنا کر۔ اور حقیقت یہی ہے کہ جب کوئی عالم دین اس فعل کو دیکھے گا تو اس کا دل غم سے لبریز ہو جائے گا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا ایک مسلسل تانتا بندھ جائے گا کہ ان سادہ لوح مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، اور نہایت بے جگری سے ان غریبوں اور مسکینوں کے مال کو لوٹا جا رہا ہے۔ اور جو ان کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ ظاہر کرے انہیں بدنام کر کے کسی قسم کے الزامات لگا کر دھابی پانچ پیری کہہ لوگوں کو متنفر کر رہے ہیں علاوہ ازیں ان پر حقیقت نہیں ہی ہے اور کسی طرح سے بھی عوام کو حق کی خبر تک نہ لگے۔ اسی طرح ان کا مال کھاتے رہیں۔ قاتلہم اللہ انی یوفکون

ضروری تنبیہ

ہم نے بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت کر دیا ہے کہ سنت طریقہ یہی ہے کہ میت کے گھر والوں کے لئے کھانے کا انتظام کیا جائے احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء سے واضح کر دیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ موجودہ دور میں جو رواج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور تمام فقہائے کرام کے طرز عمل کے بالکل خلاف ہے۔

لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جو حضرات لکیر کے فقیر ہیں وہ اس طرز عمل کے لئے کیا دلیل پیش کرتے ہیں یا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ویسے ہی کئے جا رہے ہیں۔ تو یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ان کے پاس دلیل شرعی میں سے کوئی ثبوت نہیں نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث پیش کر سکتے ہیں اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا طرز عمل ایسا بتا سکتے ہیں اور نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نام کا قول بتا سکتے ہیں یا البتہ اتنا تو ضرور ہے کہ ایک شخص نے الحمد للہ کی بجائے الحمد للہ (بیم کے ساتھ) پڑھا تو کسی نے دریافت کیا کہ بھائی صاحب یہ الحمد للہ ہے حاء کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ بھائی میرے پاس تو یہ بیم کے ساتھ ہے۔ تو وہاں مکھی نے نیچے داغ لکھا یا تھا بس وہی مکھی کا داغ ان کے پاس ہے۔ وہ یہ ہے کہ

علامہ ولی الدین تبریزی صاحب مشکوٰۃ متوفی ۷۲۸ھ نے ایک حدیث بیان کی ہے، جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ۔
عاصم اپنے باپ کلیل سے روایت کرتا ہے اور وہ ایک انصاری سے

روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے۔

فلما رجع استقبلہ داعی
امرأتہ
جب وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو کسی عورت کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینے آیا

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مع صحابہ کرام) تشریف لائے اور طعام حاضر کیا اور صحابہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھے کہ آپ ہی ابتدا کریں تب ہم ابتدا کریں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ اٹھایا تو فرمایا کہ مجھے ایسے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت بلا اجازت لیا گیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان قیدیوں کو لیجاؤ۔

لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہ کھایا۔۔۔۔۔
چونکہ اس حدیث میں امرأتہ ذکر ہے تو امرأتہ کا معنی عورت ہے اور جو اس کے ساتھ ہمارے ضمیر ہے۔ یہ کس طرف راجع ہے۔ یعنی کس کی بکری تھی تو حضرت ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۳ھ نے فرمایا۔ ای امرأتہ البیت یعنی میت کی بیوی۔ گویا کہ ملا علی قاری نے ضمیر کی تعیین فرمائی۔ لہذا اس سے ثابت ہوا کہ میت کے گھر سے اول روز کھانا جائز ہے۔

جواب: اس سے استدلال کرنا چنچر و جوبہ باطل اور مردود ہے۔
اول صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے ابو داؤد سے اور فرمایا ہے رواہ ابو داؤد لہذا اصلی ماخذ مشکوٰۃ کا ابو داؤد ہے وہاں امرأتہ کا ذکر ہے اور ہمارا ضمیر نہیں

اور یہ کاتب سے غلطی ہو گئی ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دعوت کے لئے کسی شخص کی بیوی نے قاصد بھیجا۔ اور ملا علی قاری کی تشریح اسی ضمیر پر موقوف تھی جب ضمیر ہی غلط تو تشریح ہی غلط۔ تو اس سے دعویٰ کیسا ثابت ہوگا۔
دوہ: حضرت امام ابو بکر البیتقی متوفی ۳۵ھ نے اسی عام بن کلیب کی روایت کو ذکر کیا ہے۔ جس میں صاف تصریح موجود ہے کہ یہ کسی دیگر شخص کی بیوی تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

قال صنعت امرأة من
المسلمین من قریش لرسول
صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعته
واصحابہ
کہ قریش کے مسلمانوں کی ایک عورت نے طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو دعوت دی تھی۔

اگر میت کی بیوی ہوتی صنعت امرأة البیت کیوں نہ فرماتے۔ لہذا جیسا کہ امام بیہقیؒ کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ضمیر غلط ہے اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔
تسویہ: حاکم ابو عبد اللہ متوفی ۴۰۱ھ نے بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اصحابہ مردوا بامرأة فذبحت لهم
شاة واتخذت لهم طعاما فلما رجع
قالت یا رسول اللہ انا اتخذناکم
طعاما انکم
(حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ایک عورت کے پاس سے گزرے تو اس نے بکری ذبح کر کے ان کیلئے طعام بنایا جب آپؐ واپس تشریف لائے تھے تو عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کے طعام کا انتظام کیا ہے ان

تشہیر: حضرت الامام المجتہد نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۷ھ نے اسی عاصم بن کلب کی روایت نقل کی ہے جس میں لفظ امراۃ کی جگہ رجل ہے جیسا فرماتے ہیں ابو حنیفہ عن عاصم بن کلب عن ابیہ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صنع رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ عاصم سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی سے تواتر کرتے ہیں کہ اس نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طعام کا انتظام کیا تھا۔

تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانے کا انتظام فرمایا تھا لیکن دلپسی کی صورت میں شاید وہ شخص گھر میں نہ ہوں گے تو اس کی بیوی نے ایک تاصد بھیجا ہوگا کہ آج ہماری دعوت ہے۔ اور دعوت میں یہ ماجرا پیش آیا کہ بکری بلا اجازت مالک ذبح کی گئی تھی۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر والوں نے عذر بیان کیا کہ ہم نے ایک آدمی بکری خریدنے کے لئے بھیجا لیکن وہاں نہ ملی پھر لونڈی کے پاس بھیجا وہاں بھی نہ ملی پھر ایک عورت کو خبر بھیجی اس نے یہ بھیج دی۔

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے دوسری میں دیگر کیفیت ہے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو معمولی شبہات سے بھی اجتناب فرماتے تھے اس لئے یہ کھانا نہ کھایا اور قیدیوں کو بھیجا۔ تو لکیر کے فقیر حضرات تو اگر امام ابو حنیفہ کی روایت کی طرف نظر کریں تو شاید پھر یہ حدیث استدلال میں پیش ہی نہ کریں کیونکہ اس میں امراۃ کا لفظ نہیں بلکہ رجل کا ہے۔ تو سارا مسئلہ حل ہو گیا لیکن عشق تو بڑی بلا ہے۔

تو اس حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام راستہ سے گزر رہے تھے کہ عورت نے جب دیکھا تو کھانے کا انتظام کیا۔۔۔ دلپسی میں ان کو دعوت دی۔

تو اس سے بھی جیسا کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ضمیمہ حدیث میں نہیں تو اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔ کیونکہ یہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میت کے گھر سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام سمجھتے تھے، اگر یہ میت کی بیوی ہوتی تو پھر یہ اس کے چشم دید واقعات تھے پھر یہ تو ممکن نہیں کہ ایسے کہتے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی بیوی سے دعوت قبول کر لیتے تو اس فعل کو صحابہ سنت ہی سمجھ لیتے پھر تو تمام زندگی میں کبھی کوئی صحابی تو اس سنت کو بجا لاتے حالانکہ کسی صحابی سے اس کا ثبوت نہیں۔ لہذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ میت کی بیوی نہیں تھی۔

چھٹا: عاصم کی روایت میں صرف رجل کا ذکر ہے معلوم نہیں کہ کون تھا کون نہیں اور دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تصریح موجود ہے۔ لہذا اگر بالفرض ہم

تسلیم بھی کر لیں پھر بھی دوسری روایت کو ترجیح ہوگی۔

پنجم: اگر بالفرض ہم یہ بھی تسلیم کیا جیسا کہ لکیر کے فقیر کہتے ہیں پھر بھی ان کے استدلال اس حدیث سے صحیح نہیں کیونکہ یہ طعام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہیں کھایا۔ بلکہ جیل میں جو کفار قیدی تھے انہیں بھیجا۔

تو ان حضرات کو چاہئے کہ ابھی کوئی حدیث پیش کریں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام نے میت کی بیوی کے گھر سے اول سوم وغیرہ خصوصی دنوں میں ایک مرتبہ روٹی کھائی ہو ہا تو ابھانک ان کت تو صادقین۔

جو پیٹ کا عاشق ہو۔ وہ کہاں حق بات تسلیم کرتا ہے۔

ہفت : تعجب کی بات ہے کہ امام نذری متوفی ۲۸۵ھ امام ابو داؤد متوفی ۲۴۵ھ امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ امام ابن العربی ۳۸۵ھ امام نووی متوفی ۴۸۱ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ منویہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کو کھانا کھلائیں۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع صحابہ کرام میت کے گھر والوں سے کھانے کو نوحہ کی طرح حرام جانتے ہیں۔

اور محدث امام نووی متوفی ۷۴۷ھ اور فقیہ محمد بن شہاب ابن النیر از صاحب فتاویٰ بزاز متوفی ۸۲۷ھ اور فقیہ ابن الہمام صاحب نفع القدر متوفی ۸۶۱ھ اور فقیہ ابن نجیم صاحب البحر متوفی ۷۵۰ھ اور فقیہ ابن عابدین صاحب رد المحتار متوفی ۷۵۳ھ میت کے گھر والوں کے کھانے کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ صرف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۲ھ سے مرقات شرح مشکوٰۃ میں غلطی ہو گئی ہے کہ مطلق عورت سے میت کی عورت بنادی تو متبعین کے لئے یہ نص قطعی بن گئی (إنا للہ وانا الیہ راجعون) حضرات یہ حقیقت تھی جو میں نے تمہارے سامنے واضح کر دی کہ ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں اور قیامت تک نہیں لاسکتے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

باقی ماننا اور نہ ماننا یہ ہر ایک شخص کی اپنی مرضی پر متوقف ہے، جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے دن ملنا ہے وہاں حساب کتاب ہوگا۔ تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ ان مضبوط اور زنی دلائل کو دیکھ کر خود بخود مطمئن ہو جائے گا اور خواہ مخواہ غریب اور مسکینوں کے مالوں کو نہیں لوٹے گا کیونکہ ان غریبوں کا نقصان بھی ہوتا ہے اور ثواب سے بھی عاری اور محروم رہ جاتے ہیں تو خسرو الدنی و الاخرۃ۔ لبتہ چند دن کے بعد جتنی طاقت ہو صدقہ کر لیں اور ثواب بھی ملے گا اور میت کو بھی

فائدہ پہنچے گا۔

اور جو شخص ضد اور عناد پر کمر بستہ ہو تو ان کو حق بات ماننے سے کیا تعلق وہ تو اپنی ضد کو پورا کرنا چاہتا ہے خواہ اسلام سے دور ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب محفوظ رکھے۔ آمین

محمد نے فرمایا صحابہ کو **اِصْنَعُوا رِوَالَ جَعْفَر** کھانے کے انتظام سے از حد و امر اس کے قول پر جو ہے خیر البشر جب کہا جائے ما جالمکم نذیر من کعشر لیکن فائدہ نہیں ہوگا از صدق خبر فرا خوف کر از عذاب قبر! ورنہ ارمان کرو گے یوم حشر سن لیں میری طرف سے سچی خبر لقد اضلنی الشیطن عن الذکر نجات نہیں دے گا از صاحب السعر اس میں ہے کفر کا خطر

۱۔ جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو ۲۔ ان کو حادثہ موت پیش آیا ہے جس نے ان کو کھانے کے انتظام سے روک رکھا ہے۔ ۳۔ قیامت میں فرشتے کہیں گے کیا تم کو (تمہارے پاس) ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ ۴۔ قیامت کے دن کہے گا کیوں نہیں بلکہ آیا تھا لیکن ہم نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں نازل کی ہے۔ پھر ان کو جواب ملے گا کہ تم تو بڑی گمراہی میں مبتلا تھے۔ ۵۔ شیطان کم نجت نے مجھ کو نصیحت کے بعد بہکا دیا ۶۔ کاش کہ ہم سنتے یا سمجھتے ان

کھانے پر ختم

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیتے ہیں اس پر میا بخی سے کچھ پڑھواتے ہیں۔ اور اس کو بعض لوگ "فاتحہ شریف" اور بعض "ختم شریف" کہتے ہیں۔ بادی النظر میں یہ عمل بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، اور لوگ اس کے اسی ظاہری حسن کے عاشق ہیں، مگر اس میں چند امور توجہ طلب ہیں۔

اول: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین میں اس کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے بلاشبہ یہ طریقہ خلافِ سنت ہے اور آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ کے حوالے سے سن چکے ہیں کہ جو چیز خلافِ سنت ہو وہ مذموم اور قابلِ ترک ہے اگر شریعت کی نظر میں یہ طریقہ مستحسن ہو تا تو سلفِ صالحین اس سے محروم نہ ہوتے۔

دوم: عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے میت کو ثواب نہیں پہنچتا، بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہوگا "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ خدا و رسول کے مقابلے میں گویا نئی شریعت بنانا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا نہیں بتایا۔ اور نہ سلفِ صالحین نے اس پر عمل کیا، اب دیکھئے کہ جو حضرات یہ فقرہ دہراتے ہیں "مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ درود" اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے۔ پس یہ کیسی دینداری ہے کہ ایک نئی بدعت گھر گھر ایسے فقرے چست کئے جائیں جن کی زد میں سلفِ صالحین آتے ہوں، اور ان اکابر کے حق میں ایسے ناروا الفاظ استعمال کئے جائیں۔

سوم: کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا صرح ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر صرح کیا ہوگا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے اکابر اہل سنت نے کھانے پر قرآن کریم پڑھنے کو

بے ادبی تصور کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ کے فتاویٰ میں ہے: "سوال: کسے کلام اللہ یا آیت کلام مجید پر طعام خواند چہ حکم است؟" میگوید کہ کلام اللہ بر طعام آبخان است کہ کسے در جائے ضرور بخواند۔ نعوذ باللہ منہا۔ جواب: بایں طور گفتن روا نیست بلکہ سوء ادبی است اگر ایں چنین گفت کہ در ہجوں اینجا خواندن سوء ادبی است مضائقہ ندارد۔ و ایں ہم وقتے است کہ بطریق دعو و پند خواند، و اما بطور دعو و پند و منع از شرک و بدعت خواندن در ہر جا روا است، بلکہ برائے رد بدعت گاہ واجب می شود" (فتاویٰ عربی ص ۹۲)

ترجمہ: سوال: کوئی شخص کلام اللہ، یا قرآن مجید کی آیت کھانے پر پڑھے تو کیا حکم ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ کلام اللہ کھانے پر پڑھنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص قضاے حاجت کی جگہ پر پڑھے۔ نعوذ باللہ۔

جواب: ایسا کہنا روا نہیں بلکہ بے ادبی ہے، ہاں اگر یوں کہے کہ اسی طرح کھانے پر قرآن پڑھنا بھی بے ادبی ہے تو مضائقہ نہیں۔ اور یہ بے ادبی بھی اس وقت ہے جب کہ بطور دعو و نصیحت نہ پڑھے، لیکن دعو و نصیحت کے طور پر اور شرک و بدعت سے منع کرنے کے لئے پڑھنا ہر جگہ درست ہے۔ بلکہ ردِ بدعت کے لئے بسا اوقات واجب ہے۔

حضرت شامی صاحب کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ کھانے پر قرآن مجید پڑھنا ایک طرح سے بے ادبی ہے چہارم: میا بخی کو بلا کر جو کھانے پر ختم پڑھایا جاتا ہے اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ میا بخی اپنے ختم کے بدلے میں کھانا لے جاتے ہیں۔ اور گھر والے اپنے کھانے کے بدلے میں میا بخی سے ختم پڑھوا لیتے ہیں۔ اگر میا بخی ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے کھانا نہ دیں تو میا بخی ختم کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، گویا میا بخی کے ختم اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کا معادضہ

اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں“ (ص ۹۱ - بحوالہ راہ سنت)

الف: اپنے مرحوم بزرگوں اور عزیزوں کے لئے دعا و استغفار کی پابندی کی جائے۔
ب: جتنی بہت ہو درود شریف، تلاوت قرآن مجید، کلمہ شریف اور تسبیحات پڑھ کر ان کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اگر ہر مسلمان روزانہ تین مرتبہ درود شریف، سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص پڑھ کر بخشہ یا کرے تو مرحومین کا جو حق ہمارے ذمہ ہے کسی درجے میں وہ ادا ہو سکے۔

○

تیرہواں دن ، اور دیش یعنی بنیے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرہواں یا سولھواں
دن اور شودر یعنی بالدھی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن
ہے۔ — از انجملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے ، یعنی مرنے کے چھ مہینے بعد —
ازاں جملہ برسی کا دن ہے ، اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں۔ — ازاں جملہ

حیثیت پر تھے درجہ میں زیر بحث آنی چاہیئے۔ بلکہ ان چاروں سے پہلے ان کا تاریخی منظر بھی سامنے ہونا چاہیئے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز ان پانچ اُمور پر ترتیب سے گفتگو کریں گے۔ واللہ هوالموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ اب اس کی شرعی حیثیت پانچویں منبر پر آئے گی اور اس میں یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ اس میں اور کتنی بدعات پسٹی ہوئی ہیں اور اس کی نسبت حضرت الشیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف کرنا اور اسے (گیارہویں شریف کو) ان کے ذمے لگانا کتنا بڑا ظلم اور ظلم بالائے ظلم ہے۔

گیارہویں کا تاریخی پس منظر

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) پچھٹی صدی میں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے (اسلام کی پہلی پانچ صدیوں میں) حضرت سرکار بغداد کے نام ایصالِ ثواب کی یہ رسم یا تقریب کہیں نہ تھی۔ اب آپ کے بعد یہ کب جاری ہوئی۔ اس کی تاریخی تحقیق نہایت ضروری ہے۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۳ھ) گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجددِ ملت ثانیؒ (۱۵۲۵ھ) پھر آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۷ھ) بلکہ ان سے آگے آنے والے عمدہ مشائخ نقشبندیہ حضرت قاضی شہداء صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) اور خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) ان بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قیرہویں صدی کے نصفِ اول تک اہل السنۃ والجماعۃ میں گیارہویں کے نام سے کوئی دینی تقریب یا مذہبی رسم قائم نہ ہوئی تھی۔

ہندوستان سے باہر عراق (جہاں حضرت سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مزار ہے) اور مصر و شام بلکہ ملائیشیا اور انڈونیشیا تک کہیں یہ بات نہیں ملتی کہ کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی قبرستان میں کوئی تقریب اس نام سے کی گئی ہو اگر کوئی دوست اس پر کوئی مستند حوالہ پیش کر دے تو ہم اس کے بہت ممنون ہوں گے۔

گیارہویں شریف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد:

کسی مسئلہ کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس مسئلے کی عملی صورت کیا ہے اور جس طرح اسلام میں اعمال کے پیچھے عقائد کا پس منظر ہوتا ہے۔ اس گیارہویں کے پیچھے کون سے عقائد کارفرما ہیں۔ گیارہویں کا فیصلہ اس کے پس پشت پر بسنے والے عقائد کے پیش نظر اس کی عملی صورت پر دیا جائے گا۔ اور عملی صورت سے مراد کسی خاص فرد یا خاص مسجد میں دی جانے والی گیارہویں نہیں۔ اس میں عامۃ الناس کے عمل و دخل کو دیکھا جائے گا۔ جو مسئلہ عام طور پر رائج ہو اس میں عوام کا اعتبار ہونا چاہیئے نہ چند خواص کا جو ہر طور پر اس کی حدود و ممنوعہ کا کسی درجے میں سدباب کر دیتے ہیں۔

علماء کو چاہیئے کہ ایسے مسائل میں وہ عوامی ذہن اور عمل کا لحاظ کریں۔ اپنی فقہی و شگافیوں سے عوام کو بدعات میں نہ لے جائیں۔ عوام کے مبلغ علم ان کی سوچ اور فکر اور ان کے عقیدہ و عمل کو سامنے رکھیں۔ علماء کرام اپنی مقتدا حیثیت میں عوام کے حالات کو جاننے اور سمجھنے اور ان کے مطابق نہیں گمراہی سے نکالنے یا اس میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہیں۔ محسن اپنے فائدے یا آئے دن کچے پکائے کھانے پینے کی سہولت میں اپنی اور اپنے مقتدیوں کی آخرت کو برباد کرنا یہ کوئی ایسی چوٹی غلطی نہیں ہے جس سے آفتاب نہ اُترے۔ پس اس کے بارے میں کوئی سوال نہ ہو۔

تو اگر اصرار ہو کہ بات نہ کر تو بتانا کہاں تو منسلک

مجھے راجز نور سے لگے نہیں شری راہبری کو سوال ہے

سو گیارہویں کے موضوع پر اس کے اعتقادی پس منظر عملی صورت حال اور عرفی پیرایہ عمل ہی امور ہیں جن کے جانے بغیر اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ دینا جلد بازی ہوگی۔ اس کی شرعی

بریلوی علماء کے عوامی مغالطے

قرآن و حدیث میں جہاں کہیں گیارہ کا لفظ آجائے بریلوی علماء پکار اٹھتے ہیں لیجئے گیارہوں ثابت ہوگئی مولانا محمد عمر اچھروی قرآن کی اس آیت سے گیارہوں ثابت کرتے تھے جس میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے گیارہ ستاروں کو خواب میں سجدہ کرتے دیکھا۔ مولانا عبدالغفور تہجدی والفقیر دلیال عشر (قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی) سے گیارہ کا مجموعہ بنا تے تھے۔

بریلوی عوام اپنے ان اکابر کے ان دلائل پر اب تک ناز کرتے ہیں کہ دیکھا گیارہوں قرآن کریم سے ثابت ہوئی یا نہ؟ حالانکہ وہ خود جانتے ہوتے ہیں کہ ان آیات کے نزول کے وقت حضرت تید شیخ عبدالقادر جیلانی پیدا نہ ہوئے تھے۔ نہ کسی نے ان دنوں ان آیات پر گیارہوں شریف کا عمل کیا تھا۔ پھر جب یہ حدیث سے اپنا مسئلہ ثابت کرنے پر آتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عشرہ مبشرہ کے دس صحابہؓ کو ملا کر گیارہوں ثابت کرتے ہیں۔

گیارہوں تو گیارہ کا نام نہیں نہ یہ گیارہ کے مجموعے کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک تاریخ کا نام ہے۔ یہ گیارہ دنوں یا گیارہ راتوں یا گیارہ افراد کا نام نہیں جس طرح دوسرا تیسرا چوتھا اور پانچواں ایک ایک فرد کا نام ہے۔ گیارہواں یا گیارہویں ایک عدد ہے اور وہ عدد ترتیبی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں گیارہ ستاروں نے سجدہ کیا تھا۔ (ایک) گیارہویں ستارے نے نہیں والفقیر دلیال عشر میں بھی دس راتوں کا ذکر ہے دسویں ایک رات کا نہیں عشرہ مبشرہ بھی دس صحابہؓ تھے ایک نہیں کہ اس کی وجہ سے چاند کی گیارہ تاریخ کو تبرک بنا دیا جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ گیارہویں چلی کہاں سے ہے امد ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے پہلے کیا کبھی گیارہویں کا عمل کسی جگہ ہوا تھا۔ ہم تو اس کی تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر افسوس کہ ہمارے بریلوی دوستوں نے بھی اس سلسلہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کی اور اس باب میں

کئی مسئلہ حوالہ ہمیں نہیں دکھا سکے۔

ہندوستان میں محدثین دہلی (حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ) کے خلاف اٹھنے والے پہلے بزرگ مولانا فضل رسول بدایونی ہیں۔ آپ اپنے ہم ذوق احباب و تلامذہ کو جمع کر کے ایک مجلس کیا کرتے تھے جس میں وہ ان محدثین دہلی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے اس کے لیے آپ کو روزانہ گیارہ روپے ملتے تھے۔ مورخ اسلام جناب محمد یعقوب قادری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اس بڑھتی ہوئی بہت اور چڑھتی ہوئے ولولہ نے خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو آخر اس جستجو پر بارادہ ریاست گو الیار گھر سے قصہ سفر کیا۔
ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں:-

حکام وقت نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کے دست طلب بڑھانا شروع کر دیئے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا۔

اس وقت اس سے ہمیں بحث نہیں کہ وہ سرکاری کام کیا تھے؟ اس وقت ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دہلی کے نواب محی الدولہ نے ان کی راہ معاش قائم کرادی جناب یعقوب قادری صاحب آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے تھے:-

اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکے سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی۔

یہ گیارہ روپے روزانہ صرف مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۳۱ھ) کے ہاں ہی تبرک نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بھی گیارہ روپے کے اس تبرک کے قائل تھے۔ آپ نے جب مولانا کچھوچھو کی کو اپنے

ہاں افتاء کے لیے بلایا تو اپنے اسی رقم سے نیک قال لی۔ مولانا کچھ تھپی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

مجھے کار افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیری منگائی اپنے پنگ پر مجھے بھا کر لے

اپنے پنگ پر کیوں بٹھایا؟ یہ اس لیے کہ مولانا احمد رضا خاں کو بھی تو نواب رامپور اپنے خاص پنگ پر بٹھایا تھا۔ رامپور کے نواب کلب علی خاں شیعہ حلقوں میں اس پہرے سے بہت معروف تھے۔ انہیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی ہو۔ جب حضرت (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پنگ پر بٹھایا اور بہت لطف و کرم سے باتیں کرتے رہے۔

نواب صاحب کا چودہ سال کی عمر کا انتخاب پھر اپنے خاص پنگ پر لے جانا اور لطف و محبت سے باتیں کرنا یہ اس وقت زیر بحث نہیں دونوں خان تھے۔ ہم یہاں صرف گیارہ روپے کے متبرک وزینہ کی بات کر رہے ہیں کہ مولانا افضل رسول بدایونی کو سرکار سے یہ جو تنخواہ ملتی تھی مولانا احمد رضا خاں نے بھی اس عدد متبرک کو یاد رکھا۔ اب ان گیارہ روپوں سے جو مجلس ہوتی تھی اس کا نام گیارہ ہویں کی مجلس ہو گیا۔ ہندوستان میں یہ گیارہویں شریف کی تاریخ ہے۔

انگریزی عہداری میں گیارہویں کی یہ مجلس جس طرح گیارہ روپے کی انگریزی تنخواہ سے چلی اسے انگریزوں نے مخالف حلقوں میں کچھ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔

جنگ عظیم اول انگریزوں اور جرمنوں میں لڑی جا رہی تھی ترک جرمنوں کے حلیف تھے اور روس یوروپ کے ساتھ تھا۔ ہندوستان میں بریلوی شریف کو کے قصیدے پڑھ رہے تھے اور علماء دیوبند کی

مہر دیاں ترکوں کے ساتھ تھیں نظر ہے کہ ان حالات میں جرمن انگریزوں اور ان کے تمام حلیفوں کے سخت خلاف تھے۔

جرمنوں نے دیکھا کہ بریلوی مولوی گیارہویں شریف کے عنوان سے بریلوی حمایت کی صفیں بچھا رہے ہیں۔ انہوں نے انہیں محفل دیوانگان مشہور کر دیا اور اب تک یہ محفل دیوانگان جرمنی میں بڑے احترام سے منائی جاتی ہے۔

نوائے وقت لاہور نے اپنی ۱۸ نومبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں ۱۱ نومبر کی خبر پر اس عنوان سے شائع کی۔

پاگلوں کی عید لیکن مذاق اڑانا منع ہے

واشنگٹن (انٹرنیشنل ڈسک) جرمنی میں گیارہویں مہینے کی گیارہ تاریخ کو رات گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی گئی۔ تقریب کے شرکار کو اختیار تھا کہ وہ جو چاہیں پہنیں اور جوجی میں آئے کر گزریں۔ شرکار نے عجیب و غریب لباس پہن رکھے تھے اور انٹرنیشنل حرکتیں کر رہے تھے۔ میلے میں شریک ہونے کے قواعد کی رو سے ایک دوسرے پر ہنسنے اور مذاق اڑانا منع تھا۔

نوائے وقت نے اپنی ۲۴ نومبر کی اشاعت میں سراہے میں یہ بھی لکھا ہے۔

جرمنی میں ہر سال گیارہویں مہینے یعنی نومبر کی گیارہ تاریخ کو گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر پاگلوں کی عید منائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سال بھی گیارہ نومبر کو پاگل عید کا ہتوار منایا گیا۔ اس تقریب میں شرکار کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جیسا لباس چاہیں پہنیں اور جیسی حرکتیں چاہیں کریں۔ چنانچہ لوگ عجیب و غریب لباس پہن کر اس تقریب میں شریک ہوئے جنہیں دیکھ کر ہمیں مضطرب کرنا مشکل تھا۔

جرمنی میں تو یہ عید سال کے بعد منائی جاتی ہے مگر پاکستان میں ہر ماہ یہ سلسلہ چلتا ہے جرمنی میں پاگلوں

کی اس عید میں دیگوں کی کوئی چہل پس نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے ہاں اس میں منہ کا مزہ بدلنے کا پورا سامان ہوتا ہے۔ نوائے وقت کے سپورٹس ایڈیشن میں اس خبر کے ساتھ یہ تصریح بھی موجود ہے۔

ہمارے ہاں بھی اس قسم کے میسے منعقد ہوتے رہتے ہیں بلکہ جرمنی کے برعکس ہمارے ہاں سال بھر پاگل میسے کا سامان جاری رہتا ہے اور منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ہم کبھی ایک آدھ روز سنجیدگی سے کام لیتے ہیں۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ گیارہویں شریف پر جمع ہونے والے لکھنؤ کے یہ بانکے سب ہوشمند بزرگ ہیں یا یہ واقعی اپنے فکری اور علمی حواس کھو چکے ہیں۔ ہمیں اس کی تاریخ اس سے پہلے کی نہیں ملتی۔ جب انگریزی سرکار کی طرف سے اس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو گیارہ روپے میہ وظیفہ ملتا تھا۔

یاد رکھیے گیارہویں شریف کی اس رسم یا پاگلوں کی اس عید کا سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے بدعات کی آلائش کے بغیر جو کار خیر سر انجام پائیں اس کا تقدس پاگلوں کی ان محفلوں سے ہرگز مجروح نہیں ہوتا۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لیے ان کے کھانے پینے کے سامان اور خوشبو سے مہکتی دیگیں ہی تو وہ سامان جذب ہے جس پر ہر طرف سے جہاں کچھ چلے آئے ہیں۔

جرمنوں کو ایک طرف رکھتے صرف مسلمانوں کو لیجئے ان کے عوام جس حسن عقیدت سے ان دیگوں اور ملوں کے جلووں پر ایمان قربان کرتے ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علماء تو تاویل کر کے اپنے مکھن کی راہ بنا لیتے ہیں۔ لیکن زبوں حالی ان عوام کی قابلِ رحم ہے جو بھینس کا پورا دودھ اس راہ میں لگا دیتے ہیں۔ مبادا گیارہویں روپے پر صاحب ہمارے بھینس مار نہ دیں یا اس کا دودھ خشک نہ کر دیں۔

مسئلہ گیارہویں میں عوام و خواص کے دو مسلک

جہاں تک عوام کا تعلق ہے یہ ایک مشاہدے کا موضوع ہے اس پر کتابی حوالے کی بات نہیں ہوتی۔ وہ اپنی بات کتابوں میں لکھیں تو عوام ہی کیا ہوتے۔ اس اہلیت کے لوگ تو پھر ان کے خواص میں ٹھیں گے۔ اس باب میں آپ ان عوام کے عمل اور ان کے انہماک کو دیکھیں۔

گیارہویں دینے والے عوام میں آپ کو ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ملے گی جو باقاعدگی سے نہ نذر دیتے ہیں نہ دکان دیتے ہیں اور نہ وہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو سمجھتے ہیں۔ وہ گیارہویں حضرت پیر صاحب کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے دیتے ہیں۔ جو گیارہویں نہیں دیتا اسے وہ برملا کہتے ہیں کہ وہ گیارہویں والے پیر صاحب کو مانتا ہی نہیں۔ گویا گیارہویں دینا حضرت پیر صاحب کے حضور ان کی پیروی کو ماننے کا اقرار ہے۔

اہل علم غور فرمائیں کیا یہ نذر غیر اللہ نہ ہوتی؟ کیا ان جاہلوں کا یہ عقیدہ نہ ٹھہر کہ اگر ہم گیارہویں نہ دیں گے ہماری بھینس مرجائے گی۔ نہ بھی مرے تو پیر صاحب کم از کم اس کا دودھ تو ضرور کم کر دیں گے اور یہ کہ حضرت پیر صاحب متصرف فی الامور ہیں۔ دنیا کا نظام وہی چلا رہا ہے۔

ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے بندہ والے کے

بلا میں مال دنیا کام کس کا عزتِ اعظم کا

فحسکی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر

تصرف اس وجہ سب پر ہے آقا عزتِ اعظم کا

اس عقیدے سے کہ حضرت پوری دنیا میں متصرف الامور ہیں بلا میں وارد کرنا اور مالنا سب انہیں کے ہاتھ میں گیارہویں شریف کا ختم محض ایک ایصالِ ثواب کا عمل نہیں رہ جاتا۔

حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذر ہے ایک نیاز ہے اور حضرت کو اپنے اوپر خوش کرنے کی ایک عاجزانہ صدا ہے۔

اب یہ مسئلہ تو فقہا سے پوچھیں کہ کیا اللہ کے سوا کسی کی نذر ماننا جائز ہے؟ اگر آپ حنفی ہیں تو فقہ حنفی کی اس صراحت کو دیکھ لیں:-

والنذر للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق
ترجمہ۔ اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی روا نہیں۔

اور آگے جا کر علامہ شامی یہ بھی لکھتے ہیں:-

ان ظن ان المیت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده
ذلك كفر

ترجمہ۔ اگر اس نے گمان کیا کہ مرحوم بزرگ دنیوی امور میں تصرف کرتے ہیں اور اس کا اعتقاد یہی ہے تو اس نے کفر کیا۔

فقہ حنفی کے اس فیصلے کے خلاف بریلویوں کا یہ اعلان ایک دفعہ پھر پڑھ لیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:-

ان کا حکم جہاں میں نافذ

قادر کل کے نائب اکبر

کن کارنگ دکھاتے یہ ہیں

قبضہ کل رکھاتے یہ ہیں

جہاں تک تصرف کا تعلق ہے ان کا تصرف بدوں اعتقاد تصرف ہے ہی نہیں اور اس کے بغیر یہ عمل ہی نہیں سکتے۔ یہ اعتقاد تصرف ہی ہے جو انہیں خالق ہوں اور مقبروں پر جمع کئے رکھتا ہے۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے

کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد العباد

ملہ رد المحتار جلد ۲ ص ۱۳۱ ملہ ایضاً ملہ حدائق بخشش حصہ ۳ ص ۵۲

اب اگر ماہنامہ رمضانے مصطفیٰ نے یہ کہہ دیا تو یہ مولانا احمد رضا خاں کی کہی بات ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

فلحکمى نافذ فی کل حال سے ہونا نافذ

تصرف انس و جان سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

اس عربی کا مطلب یہ ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے:-

سو میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے کون ہے جو میرے تصرف کو روک سکے۔

عوام حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو اس طرح مدبر عالم اور متصرف فی الامور سمجھتے ہوئے ان کی گیارہویں دیتے ہیں اور اعتقاد کے اس پس منظر کے ساتھ یہ صریحاً نذر غیر اللہ ہے جو شرک کی سرمد کو چھو رہی ہے۔

پھر تاریخ کا تعین عوام کے ہاں واجبات میں سے ہے دن کو ختم ہو تو گیارہ تاریخ کو یہ گیارہ بجے ختم دلوائیں گے۔ رات کو ہو تو یہ رات گیارہ بجے ختم شروع کریں گے اور گیارہ بجکر گیارہ منٹ پر اسے ختم کریں گے۔ خواص کے کھانے کی مجلس میں پہلے گیارہ پلیٹیں رکھی جائیں گی اور پھر گیارہ قسم کے کھانے بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر زیب دسترخواں ہوں گے۔ عوام اسے گیارہ کے تصور میں اتنے کھو چکے ہیں کہ بسا اوقات ان کے علماء بھی ان کی اس گیارہ پرستی سے تنگ ہاتھ ہیں جب تک کھانا سامنے نہ لا کر رکھیں۔ ختم خواں کا گلا بھی پورا کام نہیں کرتا۔

یہ بات بریلوی عوام کی ہو رہی تھی۔ اب بریلوی خواص کی بات سن لیں انہیں اپنے ان اعمال بدعت پر کوئی دلیل نہیں ملتی۔ تو وہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ اسلام میں یہ کوئی ضروری عمل نہیں ہے۔

مولانا ابوالبرکات کے صاحبزادے مولانا محمود احمد رضوی نے اپنے والد کی زندگی میں گیارہویں کے بارے میں اعلان کیا تھا:-

نہ ہم فرض سمجھتے ہیں نہ واجب بلکہ جواز کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ جو شخص حضور غوثِ عظیم کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب نہیں کرتا اس پر ہم کوئی حکم نہیں لگاتے کیونکہ مباح فعل کو واجب یا فرض کر دینا گمراہی ہے۔
پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:-

۱۔ دن معین کرنا بھی ہمارے ہاں ضروری نہیں۔ ۲۔ کھانا سامنے رکھا جائے یا پیٹھ کے پیچھے رکھ لیا جائے۔ ۳۔ غرباء میں کھانا وغیرہ تقسیم کر کے ثواب پہنچایا جائے۔ ۴۔ یا قرآن پڑھ کر ہر طرح جائز ہے۔

جب دن معین کرنا ضروری نہیں تو ان کے علماء جو گیارہ تاریخ کے افضل ہونے پر یا گیارہ کے عدد کے متبرک ہونے پر تقریریں کرتے ہیں کیا وہ سب کی سب بیکار نہ ہو گئیں۔
ہاں مولانا نے کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھنے کی جو صورت بیان کی ہے یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آتی مولانا کھانا پیٹھ کے پیچھے رکھ کر کیسے کھاتے ہوں گے۔ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اور کیا یہ کھانے کی طرح بے ادبی نہیں۔ کھانا ہمیشہ سامنے رکھ کر ہی کھانا چاہیے اور یہی سنت ہے۔

مولانا نے ۲ میں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ ختم پڑھنا کھانا کھانے سے پہلے ضروری نہیں کھانا کھا کر بھی ایصالِ ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔ کھانا نہ ہو تو صرف قرآن کریم کا بھی ایصالِ ثواب کیا جا

۱۔ یعنی ثواب کے درجہ میں نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ زمین سے سفر کرنا جائز ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس سے ثواب ملے گا۔ جن کاموں پر ثواب ملے ان کا کم از کم درجہ مستحب کا ہے یہ مستحب ایک شرعی حکم ہے جس کی دلیل شریعت سے لانی پڑتی ہے۔ اس سے بچنے کے لیے رضوی صاحب یہاں مباح کا لفظ استعمال کرتے ہیں شریعت میں مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو نہ یہ کہ کوئی اسے کارِ ثواب سمجھے۔ ۲۔ ماہنامہ رضوان لاہور ستمبر ۱۹۵۶ء ایڈیٹر مولانا محمود احمد رضوی۔

سکتا ہے۔ گیارہویں کے بارے میں یہ ان کے خواص کی رائے ہے۔
اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ بریلویوں کے ہاں مسئلہ گیارہویں پر بالکل دو متضاد ذہن کا کم کر رہے ہیں۔ ایک ان کے عوام کا اور ایک ان کے خواص کا۔ یہ خواص جب اپنے عوام میں جاتے ہیں تو ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب نہ گیارہ تاریخ کی کوئی تخصیص ہے نہ گیارہ بجے کی اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے کی۔

کیا ہم اس مقام پر پوچھ سکتے ہیں کہ گیارہویں کے موضوع پر مسجدوں میں جو آئے دن سرچھٹل ہوتی رہتی ہے کیا وہ اتنے کمزور موضوع کی بات ہے جو مستحب یا مباح سے کچھ آگے نہیں بڑھتا اور اگر اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹے درجے کے اعمال یکسر چھوڑ دیئے جائیں تو اس میں کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ بریلویوں کو چاہیے کہ وہ ایسے چھوٹے درجے کے اختلافات کو جو مستحب یا مباح کے آگے کسی درجے میں نہ ہوں یکسر چھوڑ دیں۔

بریلویوں کے مولانا محمود احمد رضوی نے جس طرح کھل کر بات کہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے گیارہویں شریف کو کوئی ضروری عمل نہیں صرف مباح کے درجے کا ہے۔ اس طرح جمعیت علمائے پاکستان کے معتد رہنما شاہ فرید الحق نے بھی مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لیے ایک بہت اچھی بات کہی ہے۔ روزنامہ جنگ لاہور نے اپنی ۲۰ اکتوبر ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں آپ کے اس بیان کو نمایاں طور پر شائع کیا ہے۔

جو چیزیں فرض و واجبات میں شامل ہیں انہیں ختم کر دینا چاہیے

بریلوی اپنے ان کاموں کو جو آئے دن امت میں اختلاف کا موجب بنتے رہتے ہیں ختم کرتے ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں۔ تاہم ہم یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ نے اس طرح کے ایصالِ ثواب کو نہیں چھوڑنا تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ گیارہویں شریف کا کھانا خود نہ کھائیں نہ دیگر اغنیاء کو کھلائیں۔ اسے صرف غریبوں کا حق سمجھیں اور یہ کھانا انہی تک پہنچائیں۔ پھر دیکھئے اس نیک قوم سے

مسلمانوں میں اتفاق بڑھتا ہے یا نہ

حالات یہ ہیں کہ کوئی شخص بریلوی مولویوں کو گیارہویں کے ان کھانوں سے نہیں بٹا سکتا۔ یہ پلاؤ زردہ سلوہ اور کھیر تو ان کے دلوں کی جان اور ان کی دولت ایمان ہیں۔ کاش کہ یہ مولوی مولانا احمد رضا خاں کی اس بات کو ہی مان لیں۔

مردہ (مرد تو میں) کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے بلکہ ایک اور جگہ پر لکھتے ہیں۔

شرعیات میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہے جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے بلکہ

عوام و خواص کے اختلاف کی صورت میں راہ عمل

آپ یہ بات تفصیل سے پڑھ آئے ہیں کہ گیارہویں کے مسئلے میں عوامی ذہن اور بریلوی علماء کے عقیدے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عوام و خواص کے اس اختلاف کی صورت میں ان کے لیے راہ عمل کیا ہے۔

فقہ حنفی کی روشنی میں اس صورت حال میں عوام کی بات کا اعتبار ہوگا خواص کا نہیں بلکہ کو شرک و بدعت کے اس اندھیرے سے نکالنے کے لیے ایسے اعمال کو یکسر ختم کرنا ہوگا۔ رہے علماء تو ان کو نقصان صرف ان طرح طرح کے کماؤں سے محرومی کا ہوگا اور یہ کوئی بڑا نقصان نہیں عوام کا دین و ایمان تو بچ جائے گا۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان کے مولوی جن عوام کی دولت پر چلتے ہیں انہی کے ایمان اور ان کی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔

نماز کے بعد سجدہ کرنا اپنی ذات میں کوئی عمل ناجائز نہیں مباح ہے لیکن عوام اسے سنت

۱۰ احکام شریعت حصہ دوم ص ۵۳۵ ۱۱ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۵۳۵

یاد واجب سمجھنے لگیں تو یہ سجدہ شکر خواص کے لیے بھی ناجائز ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے اختلاف کی صورت میں اعتبار عوام کا ہوگا خواص کا نہیں جمیل القدر حنفی فقیہ علامہ علی لکھتے ہیں۔

وما یفعل عقیب الصلوٰۃ فمکروہ لان الجہال یعتقد و ہما سنۃ او واجبۃ و کل مباح یودی الیہ فمکروہ بلکہ

ترجمہ۔ اور یہ جو نماز کے بعد سجدہ کا رواج ہو چلا ہے یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام اسے سنت یاد واجب سمجھنے لگیں گے اور ہر مباح جو (عوام کی نظر میں) اس درجہ پر سمجھا جانے لگے وہ مکروہ ہے۔

اب کیا عوام اور بریلوی جاہل اس عمل گیارہویں کو اپنے ذہن میں سنت اور واجب کے درجے میں نہیں سمجھتے ہیں تو اب بریلوی علماء کو چاہیے کہ انہیں ان بدعات سے روکیں نہ کہ انہیں تنہائی میں کہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف دیوبندی اعتراضات کو ٹالنے کے لیے ایسی باتیں لکھتے ہیں یہ نہیں کہ ہمارے اصل عقیدے ایسے ہوں۔ اصل عقیدے میں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

واذا خلوا الی شیا طینہم قالوا انا معکم اما نحن مستہزءون۔ یاد رکھئے ان لوگوں کو ان کی یہ تجارت ہرگز کوئی فائدہ نہ دے گی انہوں نے ہدایت کے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رکھی ہے۔

اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالمعدیٰ فارحمت تجارتہم وما کانوا مہتدین۔

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔ سو نہ فائدہ دیا ان کو ان کی تجارت نے اور نہ ہیں وہ ہدایت پانے والے۔

یہ حضرات اندر سے خود بھی اپنے عوام کے ساتھ ہیں اسے محض ایصالِ ثواب نہیں جانتے نذر سمجھتے ہیں اسے محض ایک مباح عمل سمجھتے تو شاہ فرید الحق کے مشورے پر اسے چھوڑ دیتے۔

۱۲ غیزۃ التملی ص ۲۱۴

اب اگر بریلوی مولوی اتحاد ملت کے وسیع تر مقصد کے لیے گیارہویں کی رسم نہیں چھوڑتے تو سو اس کے کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اسے صرف ایصالِ ثواب نہیں سمجھتے حضرت اشینغ نید عبد القادر جیلانیؒ کی عظمت و عظمت کے آگے نذر ماننے ہیں مبادا حضرت پیر صاحب کا جلال ان کی بھینسوں کو نہ مار ڈالے۔

اب آپ ہی بتائیں کیا یہ محض ایصالِ ثواب ہے یا نذر غیر اللہ ہے؟ کیا اس میں حضرت پیر صاحب کی تعظیم ساتھ نہیں اور کیا یہ گیارہویں دلانے والے حضرت پیر صاحب کے جلال کے آگے جھکے نہیں جاپے ایصالِ ثواب عام اموات کا بے شک ایصالِ ثواب ہو گا لیکن گیارہویں کو تو یہ لوگ حضرت پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم اور ایک منت سمجھتے ہیں جس سے ان کے بگڑے کام بنتے ہیں اور ڈوبے بیڑے ترستے ہیں۔ یہ ایک نیاز ہے جسے یہ پیر صاحب کے حضور پیش کرتے ہیں۔

اس بات کے ثبوت کے لیے کہ ان کے ہاں گیارہویں صرف ایصالِ ثواب نہیں یہ پیر صاحب کے حضور ایک نذرانہ تعظیم ہے۔ ایک نیاز ہے اور ایک منت ہے۔ بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت کو دیکھئے:-

مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد تو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں عرف میں اسے فاسخ کہتے ہیں اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔

یہ ختم گیارہویں پیر صاحب کی ایک منت ہے اس کے لیے قصور کے مولوی عبید اللہ صاحب کے رسالہ نذر اولیاء کا صفحہ ۷۷ ملاحظہ ہو آپ لکھتے ہیں:-
سرکار بغداد کی اندیس مانی جاتی تھیں۔

اب آپ ہی انصاف کریں یہ گیارہویں کا ختم کیا محض ایصالِ ثواب ہے یا یہ حضرت پیر صاحب کی منت ہے کہ آپ کہیں بھلی بھینس کو نہ مار دیں اس لیے یہ نذرانہ تعظیم پیش کیا جا رہا ہے۔

نذر کرنا تو دینے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ مگر نذر ماننا دینے کے معنی میں نہیں آتا۔ نذر ماننا ان بندگوں کے تقرب کی تلاش اور ان سے اپنے کام نکلوانے کی ایک التجا ہے اور یہ پیشکش اس کے لیے ایک نذرانہ۔ جو ان کے بگڑے کام بناتا ہے اور انہیں شرک کی دلدل میں گرتا ہے۔ ہے کوئی خوش نصیب جو اس دلدل سے نکلے اور شرک سے توبہ کرے۔

افسوس کہ یہ لوگ تو بتوں پر چڑھائی گئی نذر وں کو بھی حلال سمجھتے ہیں انہیں کھانے سے غرض ہے اور صورت جو بھی ہو ہوتی رہے۔ اور گیارہویں میں تو بتوں کی بات نہیں حضرت پیر ان پیرؒ کو تعظیماً ثواب دے دیا تھا۔ کیا یہ ان کے نام کی نندیں نہیں؟ ایصالِ ثواب میں تعظیم کی نیت آنے سے ہی یہ عمل نذر بن جاتا ہے۔

ان کے ایک مولوی کرم حسین قادری ساکن بہاری پور تحصیل تندر تارن ضلع امرتسر نے بتوں کے نام کی نذر وں کو حلال قرار دینے پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے:-

عمدة الکلام فی تحلیل مندورة الاصنام

نام پر غور فرمائیے اور ان لوگوں کی اس جرأت کی داد دیجئے۔ کس طرح کھٹے بندوں بتوں کے نام کی نذر وں کو حلال ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ کتاب پبلک پریس جالندھر میں ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں المتوفی (۱۹۲۰ء) کی زندگی میں طبع ہوئی۔ خان صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا جب مولوی کرم حسین کو بتایا گیا کہ قرآن کریم نے تو دعا اہل بہ لغیر اللہ میں ہر اس چیز کو حرام قرار دیا ہے جس پر تعظیماً غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اب یہ چیز اس کی نذر ہو چکی۔ تو مولوی صاحب نے لکھا:-
بہت سے علمائے دین نے صرف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

کی پیروی میں آیت دعا اہل بہ لغیر اللہ کو بگاڑا۔

غلام المحمدین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا نام بغیر شاہ کے لکھنا بریلویوں کی ان حضرات محدثین دہلی سے نفرت و رد پر وہ کا پتہ دیتا ہے۔ تاہم مولوی کرم حسین نے اس میں اتنا

مانا ہے۔ یہ لوگ جب شیخ سدو کے مزار پر بکرے لے جاتے ہیں تو انہیں وہاں خدا کے نام سے ذبح کرتے ہیں مگر اس میں تعظیم اور تقرب شیخ سدو کا ملحوظ ہوتا ہے۔ گھر کی عورتیں بھی جب نذر مان لیں تو ان کے ہاں خاوند کو اس نذر کا پورا کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ۔ اب یہ ایصالِ ثواب ہوا یا نذر مانا۔ آپ فیصلہ کریں یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ اعمال گیارہویں کی کھیر ہو یا شیخ سدو کے بکرے شیخ عبدالحق کی سہنی ہو یا شاہ مدار کے مرغے یہ سب نذریں ہیں۔ مگر بریلویوں نے اہل سنت میں پذیرائی پانے کے لیے اس کا نام ایصالِ ثواب بنا رکھا ہے اور اصل نیت ان کا نذر ماننا ہوتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا مفتی علی خاں لکھتے ہیں:-

جب گھر کی بی بی نے شیخ سدو کا بکرا یا مدار صاحب کا مرغ مان لیا تو میاں کو کرنا ضرور ہے ایمان رہے یا نہ رہے۔

ماننے کے لفظ پر غور کیجئے۔ یہ سنت ماننا ہے یا ایصالِ ثواب کرنا۔ آپ ہی فیصلہ کریں ہم کہیں گے تو آپ کو شکایت ہوگی کہ ہمارے رازوں سے پردہ کیوں اٹھ رہا ہے ہم کہیں گے، نہاں کے ماند آں راز سے کزو سازند محفلہا کیا مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندیوں سے ملے ہوئے تھے۔

بریلوی مولویوں کی اپنے لیے نذر چائز کرنے کی دلیل

جب ہم کہتے ہیں کہ نذر و نیاز کی دیکیں اور ختم کے کھانے اغتیا۔ اور مولویوں کے لیے جائز نہیں یہ غلطہ عریار اور مساکین و یتامی کا حق ہے۔ بریلوی علماء کہتے ہیں کہ فقہ کے اس قانون سے ہم مستثنیٰ ہیں۔ نذر کا کھانا مذہبی پیشواؤں کے لیے شروع سے جائز رہا ہے۔ انجیل میں اس کی شہادت موجود ہے اور شریعت محمدی نے اسے ممنوع نہیں کیا۔ یہ اصل ہے ہمارے پاس ختم اور ایصالِ ثواب کے چالیس برس کھانے کی یہ اصل موجود ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ بیان حضرت داؤد کے ذکر میں موجود ہے۔

تو تسلیم کر لیا کہ بہت سے علمائے دین نبیوں کے نام کی نذر و نیاز کو حرام کہتے ہیں اور یہ چند بریلوی ہیں جو کسی بریائی کو ضائع نہیں جانے دیتے گروہ دیوبندی بھوانی کے نام کی نذر کیوں نہ ہو سستی کے سوا اسے ہر کوئی کھا سکتا ہے۔

مولوی کرم حسین صاحب لکھتے ہیں:-

اگر کوئی سید زکوٰۃ وغیرہ کھاتا ہے اور دیوبندی بھوانی کی نذر و نیاز ماننا ہے تو اس کو اس کی بریائی سے مطلع کرنا چاہیئے۔

بریلویوں کے نزدیک گویا زکوٰۃ اور دیوبندی بھوانی کی نذر و نیاز سب حلال ہے۔ دیوبالی کی مٹھائی دیوبندی بھوانی کی نذر و نیاز ہوتی ہے۔ اگر ہندو اسے مسلمانوں کے ہاں بھجیں تو مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں اس دن نہ لیں اگلے دن لے لیں:-

اس روز نہ لے ہاں اگر اگلے روز دے تو لے لے۔

مولوی کرم حسین لکھتے ہیں:-

میری تحریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کل نذریں خواہ کوئی شخص کسی کی نذر کرے حلال ہیں۔

جب ان کے ہاں کوئی نذر ممنوع نہیں تو گیارہویں شریف جسے یہ حضرت پیران پیر کی نذر مانتے ہیں ظاہر ہے کہ ان پر اس کے نذر بغیر اثر ہونے کا کوئی بوجھ نہیں آتا۔ اگر یہ لوگ اپنے عوام کو مغالطہ دیتے کے لیے اسے ایصالِ ثواب کہتے رہیں تو یہ صرف ان کی ایک مصیحت ہے لیکن اس مصیحت سے یہ نذر ایصالِ ثواب نہیں بن جاتی۔

شیخ سدو کے بکرے اور شاہ مدار کے مرغے

بات صرف گیارہویں کی کھیر کی نہیں نہ یہ کہ یہ ایصالِ ثواب نہیں یہ ان بزرگوں کی تعظیم و نذر

وہ خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا نہ اس کو روتا تھا نہ اس کے ساتھیوں کو مگر صرف کاہنوں کو ملے

کاہن یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے وہ نذر کے کھانے بے دریغ ہڑپ کتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے روٹیوں اور ختم کے کھانے کو جائز نہیں کیا۔ آپ نے یہ بات ایک مارا من دل سے کہی ہے جیسے آج ہم کہیں کہ بریلوی مولوی کس طرح غریبوں اور یتیموں کا حق بلاؤ کار ہضم کرتے ہیں۔ اس آیت سے اگلی آیت ملاحظہ ہو:-

تم نے تورات میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن بسکے میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات بطور طنز فرما رہے ہیں۔ ان پر دہائیوں میں بریلوی مولویوں میں فرق ہے تو سبت اور جمعرات کا — وہ سبت کے دن نذر کی روٹیاں توڑتے تھے، اور یہ جمعرات کو۔

ثانیاً عیسائی پادری اگر انجیل کے اس جزئیہ سے استدلال کریں تو کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل مذہب یہ ہے کہ پادری تنخواہ نہیں لیتا۔ شادی شدہ نہیں ہوتا۔ نہ وہ کوئی جائیداد خریدتا ہے۔ وہ اگر نذرانوں پر گزراوقات کرے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن بریلوی مولوی تو اس حال میں نہیں ہیں ان کے لیے یہ ایصالِ ثواب کا کھانا اور جمعرات کا ختم کیسے حلال ہو گئے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ تم نے اگر عیسائیوں کے پیچھے چلنا ہی ہے تو یہ خطرہ بھی لینا پڑے گا کہ دنیا کہے بریلویت عیسائیت کی ہی ایک نشاۃ جدیدہ ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے تو مطلقاً یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ اس میں بریلویوں کے لیے انجیل کے بیان کی طرح کوئی استثناء نہیں رکھا تھا۔ ہم کہاں کہہ گئے۔ اس خلافِ مراد مسئلے پر اپنے اعلیٰ حضرت کو بھی مجھل گئے۔

ہم اس پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

گیارہویں کی رسم

گیارہویں کی رسم: ہر قمری مہینے کی گیارہویں رات کو حضرت محبوب سبحانی غوث مہدانی شیخ المشائخ شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے وہ گیارہویں کی رسم کے نام سے مشہور ہے۔ اس سلسلہ میں چند امور لائقِ توجہ ہیں۔

اول: گیارہویں شریف کا رواج کب سے شروع ہوا؟ مجھے تحقیق کے باوجود اسکی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، تاہم اتنی بات تو معلوم ہے کہ سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی (نور اللہ مرقدہ) جن کے نام کی گیارہویں دی جاتی ہے، ان کی ولادت سنہ ۷۱۵ھ میں ہوئی اور نوے سال کی عمر میں ان کا وصال ۸۱۵ھ میں ہوا، ظاہر ہے کہ گیارہویں کا رواج ان کے وصال کے بعد ہی کسی وقت شروع ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین، ائمہ دین خصوصاً امام ابوحنیفہؒ اور خود حضرت پیران پیرؒ اپنی گیارہویں نہیں دیتے ہوں گے، اب آپ خود ہی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ جس عمل سے اسلام کی کم از کم چھ صدیاں خالی ہوں کیا اسے اسلام کا جز تصور کرنا اور اسے ایک اہم ترین عبادت کا درجہ دے ڈالنا صحیح ہوگا؟ اور آپ اس بات پر بھی غور فرما سکتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں نہیں دیتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعینؒ امام ابوحنیفہؒ اور خود حضرت غوث پاک کے نقش قدم پر چل رہے ہیں یا وہ لوگ جو ان اکابر کے عمل کے خلاف کر رہے ہیں؟

دوم: اگر گیارہویں دینے سے حضرت غوث اعظم رحمہ کی روح پُر فزح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو بلاشبہ یہ مقصد بہت ہی مبارک ہے، لیکن جس طرح یہ ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اس میں چند خرابیاں ہیں۔

ایک یہ کہ ثواب تو جب بھی پہنچا یا جائے پہنچ جاتا ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا، مگر یہ حضرات گیارہویں رات کی پابندی کو کچھ ایسا ضروری سمجھتے ہیں گویا یہی خدائی شریعت ہے۔ اور اگر اس کے بجائے کسی اور دن ایصالِ ثواب کرنے کو کہا جائے تو یہ حضرات اس پر کسی طرح راضی نہیں ہوں گے۔ ان کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایصالِ ثواب مقصود نہیں، بلکہ ان کے نزدیک یہ ایک ایسی عبادت ہے جو صرف اسی تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے۔ الغرض ایصالِ ثواب کے لئے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے۔ جسکی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ اور اسی کو ضروری سمجھ لینا خدا و رسول کے مقابلے میں گویا اپنی شریعت بنانا ہے۔

دوسرے، گیارہویں میں اس بات کا خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا ہے کہ کھیر ہی پکائی جائے حالانکہ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہوتا تو اتنی رقم بھی صدقہ کی جاسکتی تھی۔ اور اتنی مالیت کا غلہ یا کپڑا کسی مسکین کو چپکے سے اس طرح دیا جاسکتا تھا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی۔ اور یہ عمل نمود و نمائش اور ریا سے پاک ہونے کی وجہ سے مقبول بارگاہِ خداوندی بھی ہوتا، کھیر پکانے یا کھانا پکانے ہی کو ایصالِ ثواب کے لئے ضروری سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر ایصالِ ثواب ہی نہیں ہوگا۔ یہ بھی مستقل شریعت سازی ہے۔

تیسرے، ثواب تو صرف اتنے کھانے کا طے گا جو فقراء و مساکین کو کھلا دیا جائے، مگر گیارہویں شریف پکا کر لوگ زیادہ تر خود ہی کھاپی لیتے ہیں یا اپنے عزیز و احباب کو کھلا دیتے ہیں، فقر آدمساکین کا حصہ اس میں بہت ہی کم ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا کھانا پکایا گیا پورے کا ثواب حضرت پیران پرورد کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہے، کیونکہ شرعاً ثواب تو اس چیز کا ملتا ہے جو بطور صدقہ کسی کو دے دی جائے۔ صرف کھانا پکانا تو کوئی ثواب نہیں۔

چوتھے، بہت سے لوگ گیارہویں کے کھانے کو تبرک سمجھتے ہیں، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ جو کھانا خود کھالیا گیا وہ صدقہ ہی نہیں۔ اور نہ حضرت پیران پرورد کے ایصالِ ثواب

سے اس کو کچھ تعلق ہے اور کھانے کا جو حصہ صدقہ کر دیا گیا اس کا ثواب بلاشبہ پہنچے گا لیکن صدقہ کو تو حدیث پاک میں "ادساخ الناس" (لوگوں کا میل کچیل) فرمایا گیا ہے، اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لئے صدقہ جائز نہیں۔ پس جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "میل کچیل" فرما رہے ہوں اس کو تبرک سمجھنا، اور بڑے بڑے مالداروں کا اس کو شوق سے کھانا اور کھلانا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف نہیں؟ اور پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ ایصالِ ثواب کے لئے اگر غلہ یا کپڑا دیا جائے کیا اس کو بھی کسی نے کبھی "تبرک" سمجھا ہے؟ تو آخر گیارہویں تاریخ کو دیا گیا کھانا کس اصول شرعی سے تبرک بن جاتا ہے؟

پانچویں، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ گیارہویں نہ دینے سے ان کے جان و مال کا (خدا نخواستہ) نقصان ہو جاتا ہے، یا مال میں بے برکتی ہو جاتی ہے، گویا نماز، روزہ حج، زکوٰۃ جیسے قطعی فرائض میں کوتاہی کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، مگر گیارہویں شریف میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو جان و مال کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک ایسی چیز جس کا شرع شریف میں اور امام ابو حنیفہ رحمہ کی فقہ میں کوئی ثبوت نہ ہو جب اسکا التزام فرائض شرعیہ سے بھی بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ایسا اعتقاد جم جائے کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض کیساتھ بھی ایسا اعتقاد نہ ہو تو اس کے مستقل شریعت ہونے میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اور پھر اس پر بھی غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین، اور بڑے بڑے اکابر اویار اللہ میں سے کسی کے بارے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ اگر ان اکابر کے لئے ایصالِ ثواب نہ کیا جائے تو جان و مال کا نقصان ہو جاتا ہے، میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر حضرت پیران پرورد کی گیارہویں نہ دینے ہی سے کیوں جان و مال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، ہمارے ان بھائیوں نے اگر ذرا بھی غور و فکر سے کام لیا ہوتا تو ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے اس غلو سے حضرت پیران پرورد کی

تو بہن کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سووم، ممکن ہے عام لوگ ایصالِ ثواب کی نیت ہی سے گیارہویں دیتے ہوں، مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ گیارہویں حضرت پیران پیر کے ایصالِ ثواب کے لئے نہیں دیتے۔ ایک بزرگ نے اپنے علاقے کے گوالوں کو ایک دفعہ وعظ کیا کہ دیکھو بھی! گیارہویں شریف تو خیر دیا کرو، مگر نیت یوں کیا کرو کہ ہم یہ چیز خدا تعالیٰ کے نام پر صدقہ کرتے ہیں اور اس کا جو ثواب ہمیں ملے گا وہ حضرت پیران پیر کی روح پر فتوح کو پہنچایا جاتے ہیں، اس یقین کا جواب ان کی طرف سے یہ تھا کہ ”مولوی جی! خدا تعالیٰ کے نام کی چیز تو ہم نے پرسوں دی تھی، یہ خدا کے نام کی نہیں، بلکہ حضرت پیران پیر کے نام کی ہے۔“ ان کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گیارہویں، حضرت شیخ رحمہ کے ایصالِ ثواب کے لئے نہیں دے رہے۔ بلکہ جس طرح صدقہ و خیرات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح وہ خود گیارہویں شریف کو حضرت کے دربار میں پیش کر کے آپ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور یہی راز ہے کہ وہ لوگ گیارہویں دینے نہ دینے کو مال و جان کی برکت اور بے برکتی میں داخل سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی بے سمجھی کی وجہ سے بڑے خطرناک عقیدے میں گرفتار ہیں،

چہارم: جن لوگوں نے حضرت غوث اعظم رحمہ کی غنیۃ الطالبین اور آپ کے مواظب شریفہ (فتوح الغیب) وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت شیخ رحمہ امام احمد بن حنبل رحمہ کے پیرو تھے، گویا آپ کا فقہی مسلک ٹھیک وہی تھا جو آج سعودی حضرات کا ہے جن کو لوگ ”نجدی اور دہابی“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت شیخ رحمہ اور ان کے مقتدا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ کے نزدیک جو شخص نماز کا تارک ہو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اگر حضرت غوث اعظم رحمہ آج دنیا میں ہوتے تو ان لوگوں کو جو نماز روزہ کے تارک ہیں مگر التزام سے گیارہویں دیتے ہیں، شاید اپنے فقہی مسلک کی بناء پر مسلمان بھی نہ سمجھتے، اور یہ حضرات، نجدیوں کی طرح، حضرت شیخ رحمہ پر دہابی ہونے کا فتوای دیتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت پیران پیر یا دوسرے اکابر کے لئے ایصالِ ثواب کرنا سعادتمندی ہے۔ مگر گیارہویں شریف کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ مذکورہ بالا وجہ سے صحیح نہیں بغیر تخصیص وقت کے جو کچھ یسرائے اس کا صدقہ کر کے بزرگوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا

مولانا عبد الرحیم راجپوری فتاویٰ رحیمیہ میں لکھتے ہیں :

سوال :- بعض جگہوں پر نماز جنازہ کے بعد مقللاً سورہ فاتحہ (الحمد شریف) اور تین یا گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص (قل ہوا لبس پڑھ کر میت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ اس طرح دعا مانگنے کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے ؟

بعضوں کا کہنا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے بعض علماء مذکورہ طریقہ سے دعا مانگنے کی مخالفت کرتے ہیں اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ کیا یہ کہنا حق بجانب ہے ؟

جواب :- جنازہ کی نماز میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھی جاتی ہے دوسری تکبیر کے بعد درود شریف تیسری تکبیر کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے اُس میں وفات پانے والوں کے لئے مغفرت کی اور زندہ لوگوں کے لئے سلامتی ایمان کی دعا ہوتی ہے اس کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم فرمودہ ہیں۔ باقی یہ صورت یعنی نماز جنازہ کے بعد جنازہ کو روک کر سب کے دعا مانگنے کا التزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں ہے لہذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو مرد (یعنی جو کوئی ایسا کام کرے جس کے لئے ہمارا حکم نہ ہو ہمارا دستور نہ ہو تو وہ مردود ہے) (مسلم شریف ص ۲۶) اور حضرت حذیفہ کا فرمان ہے کہ کل عبادۃ لہ تبعدھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدواھا (الاعتصام ص ۳۳) (یعنی ہر ایسی عبادت جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے نہیں کی تم بھی مت کرنا۔

اور حضرت امام مالک نے فرمایا کہ ”میں نے اسلام میں کوئی نئی بات نہ سنی (زیادتی کی) اور اُس کو

اچھا سمجھا تو اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی احکام کی تبلیغ میں حیانت اور نفی کرے والا ٹھہرایا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا) تو جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں دین میں شامل نہ تھا وہ آج دین میں داخل نہیں ہو سکتا۔ (الاعتصام ص ۳۳)

باقی یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی ممانعت نہیں کی یہ صرف نادانیت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس صدی سے نہیں بلکہ تقریباً گیارہ سو برس سے فقہا کرام نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو خلاف سنت اور ممنوع و مکروہ قرار دیتے رہے ہیں اور اس کے ناجائز ہونے کا فتوے دیتے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) تیسری صدی ہجری کے فقیہ امام ابو بکر بن حامد معاصر ابو جعفر البکیر المتوفی ۳۶۲ھ (کذا فی نواد البیہ ص ۵۲) فرماتے ہیں ان الدعاء بعد صلوۃ الجنائزۃ مکروہ (رجندی ص ۱۱) یعنی بے شک نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

(۲) اور پانچویں صدی ہجری کے فقیہ شمس الدین حلوانی المتوفی ۵۵۵ھ اور (۳) بخاری کے مفتی قاضی شیخ الاسلام علامہ شمس الدین المتوفی ۵۵۵ھ فرماتے ہیں لا یقوم الرجل بالدعاء بعد صلوۃ الجنائزۃ (فتیۃ ص ۱۱) یعنی نماز جنازہ کے بعد کوئی شخص دعا کے لئے نہ کھڑا ہو یعنی دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔

(۴) اور چھٹی صدی ہجری کے فقیہ امام طاہر بن احمد بخاری سرخسی المتوفی ۵۵۵ھ فرماتے ہیں لا یقوم بالدعاء فی قراۃ القرآن لأجل المیت بعد صلوۃ الجنائزۃ و قبلھا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔

(۵) اور مذکورہ صدی کے دوسرے فقیہ علامہ سراج الدین آوینی (صاحب فتاویٰ سراجیہ سال تصنیف ۵۵۵ھ) فرماتے ہیں اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم داعیالہ (فتاویٰ سراجیہ

(۱۳) اور محمود خانی میں ہے "دعا خواندہ فتویٰ بریں قول است" (قلمی ص ۳۴) یعنی بعد نماز جنازہ دعا نہ کرے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔

(۱۵) اور تیرھویں صدی ہجری کے فقیہ قاضی مفتی محمد سعد اللہ المتوفی ۱۲۹۶ھ فرماتے ہیں "غالی انکارا بہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن برائرسنون منع می کنند" (فتاویٰ سعدیہ ص ۱۳) یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کہ بہت سے غالی نہیں ہے اس لئے کہ اکثر فقہاء امرسنون پر زیادتی لازم آنے کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔

(۱۶) اور فقیہ مولانا قطب الدین صاحب مظاہر حق سال تصنیف ۱۲۵۳ھ فرماتے ہیں۔ اور دعا نہ کرے میت کے لئے بعد نماز جنازہ کے اس لئے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں" (مظاہر حق ص ۵۵)

(۱۷) اور فقیہ علامہ عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۳ھ لکھتے ہیں کہ دعا کرنے کے قائل ہیں دیکھئے نفع المفتی ص ۱۳۳ سال تصنیف ۱۳۰۳ھ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے علماء کرام پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ مذکور رواج کی مخالفت گیارہ سو سال سے ہوتی چلی آئی ہے۔

صحیح اور معتد طریقہ سے ثابت ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد متنبی دیوانٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے اتنی دیر تک نہ کہ پاس تلاوت قرآن اور استغفار میں مشغول رہیں یہ مستحب ہے اس سے میت کو اس فائدہ ہوتا ہے اس صحیح اور ثابت شدہ طریقہ کو چھوڑ کر دعائے غفرت کا نیتی دفت و نیادی باتوں میں سرگ کر دیا جاتا ہے اور برائے نام دعا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں یا خلاف سنت طریقہ میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں، حق تعالیٰ تمام بھائیوں کو سنت طریقہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و اہل بیتہ اجمعین۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مع قاضیخان ص ۱۴۱) (ترجمہ) "جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کرتے ہوئے کھڑا رہے۔" (۱۷) اور ساتویں صدی ہجری کے فقیہ مختار بن محمد زاہدی المتوفی ۱۲۵۵ھ کی بھی یہی رائے ہے (فتاویٰ قسینیہ ص ۱۱۱)

(۱۸) اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن الحاج المتوفی ۱۲۷۴ھ فرماتے ہیں کہ یہ رواج قابل ترک ہے (کتاب المدخل ص ۲۲)

(۱۹) نویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب کوردی المتوفی ۱۲۷۴ھ فرماتے ہیں۔ لا یقرب بالمدعو بعد صلوة الجنازة لانه عامرة لان ما کثر ما دعاوی بزارید مع عندید جب نماز جنازہ کے بعد دعا کے

لئے ٹھیرے کیونکہ وہ ایک مرتبہ دعا کر چکا ہے کیونکہ نماز جنازہ کا بڑا حصہ دعا ہی ہے۔ (۲۰) اور دسویں صدی ہجری کے فقیہ علامہ علی برجندی (صاحب برجندی سال تصنیف ۱۲۷۴ھ) بھی ممنوع ہونے کے قائل ہیں (فتاویٰ برجندی ص ۱۱)

(۲۱) تیرہ سو صدی کے دو فقیہ شمس الدین محمد زراسانی تہستانی المتوفی ۱۲۷۴ھ فرماتے ہیں کہ لا یقرب داعیہ (فتویٰ با ت روز ۱۳۱۱) دعا کرنے کے لئے ٹھیرے، (۲۲) اور دسویں صدی ہجری کے اور فقیہ علامہ ابن نجیم مصری المتوفی ۱۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

لا یبعد التسلیم (بہر سائق ص ۱۸۳) یعنی سلام کے بعد دعا نہ کرے۔ (۲۳) دسویں صدی کے چوتھے فقیہ مفتی نصیر الدین صاحب فتاویٰ برہنہ سال تصنیف ۱۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔ "وبعد ایسا وہ نماز برائے دعا" فتاویٰ برہنہ ص ۳

(۲۴) اور گیارہویں صدی ہجری کے مجدد علامہ علی قاری المتوفی ۱۵۳۳ھ فرماتے ہیں ولا یبعد للمیت بعد صلوة الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوة الجنازة (مرقاۃ المفاتیح شرح منکاة المصابیح ص ۳۱۱) (ترجمہ) نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ

نماز جنازہ میں دعا کرنے کا شریعت میں ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

شریعت نے نماز جنازہ کا ایک خاص طریقہ تجویز فرمایا ہے

مگر نماز جنازہ کے بعد اجتماعی طور پر دعا کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اس موقع پر اجتماعی دعا کیا کرتے تھے۔ اس لئے جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرنا، اور اس کو ایک سنت بنانا بدعت ہوگا۔ جنازے کے بعد دعا کرنی ہو تو صفوں کی ترتیب کو توڑ دیا جائے۔ اور ہر شخص اپنے طور پر بغیر ہاتھ اٹھانے دعا کرے تو مضائقہ نہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازے کی جو کیفیت منقول ہے اس میں رد و بدل کی اجازت نہیں۔

قبروں کو پختہ کرنا، گنبد بنانا وغیرہ

پہلے گزر چکا ہے کہ جب کوئی مسئلہ قرآن کریم اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس میں کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اختیار نہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ شدہ امر اور حکم سے خلاف کریں تو دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

اور جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس میں صاف فیصلہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کو امر کرتا ہے اس پر عمل کرو اور جس چیز سے تم کو روکتا ہے اس سے رک جاؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ
وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا
وَاتَّقُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ

اور جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو
اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو
اور خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا سخت عذاب دینے والا ہے

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے مقابلہ کریں تو ان کے واسطے سخت عذاب ہے، تشریح کے لئے

لے احشر ۷۔ آیات کریمہ کی تشریح مطالعہ کیجئے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۶، تفسیر روح المعانی ص ۵۶ اور علامہ حافظ محمد بن بجان متوفی ۷۳۵ھ نے کتاب البحر میں بہترین تفصیل فرمائی ہے، مطالعہ کیجئے۔

مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ کیجئے۔

مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُزِّلَ مَا تَوَلَّى
وَنُصِّلِيهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ
مَصِيرًا ۝

وَمَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا
فِيهَا ۝ ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ
فِي الْأَذَلِّينَ ۝

جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم
نہ مانے سو اس کے لئے ہے دوزخ
اس میں رہیں گے ہمیشہ۔
اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جبکہ
سیدھی راہ اس پر کھل چکی ہے اور سب
مسلمان کے راستہ کے خلاف چلے تو اس کو
ہم اس طرف چلائیں گے جدھر وہ خود
بھڑکے اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں
جو بدترین جائے قرار ہے۔

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول
سے مقابلہ کرے تو اس کے واسطے ہے دوزخ
کی آگ اس میں رہیں گے ہمیشہ۔ یہی ہے
بڑی رسوائی

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول
کے خلاف کرتے ہیں وہ لوگ ہیں
ذیل لوگوں میں۔

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ قبروں کو کچھ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور
چراغ جلانا اور قبروں پر سجدیں بنانا وغیرہ احادیث صحیحہ سے مخالف ہیں اور بعض امور
کو منع فرمایا ہے اور بعض پر لعنت فرمائی ہے لہذا جو حضرات ان لغویات میں
ملوث ہیں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے مخالف ہی ہیں
بلکہ چار مذاہب کے ائمہ مجتہدین، فقہاء اور مفسرین اور محدثین سے یہ لوگ
خلاف کر رہے ہیں۔ تو جس طرح یہ اس دعویٰ میں کہ ہم اہل سنت و الجامعہ
اور اکابر اور بزرگان دین کے مسکب پر ہیں جھوٹے ہیں تو اس طرح یہ لوگ بالکل
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر رہے ہیں کیونکہ جب
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس سے تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو تم منع ہو جاؤ اور جب
یہ لوگ منع تو خود نہیں ہوتے کہ ان چیزوں کو واجب ہی قرار دیتے ہیں تو یہ سب
سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جو خدا تعالیٰ اور
اس کے رسول کا مقابلہ کرے یا ہودہ مندرجہ بالا وعیدات سے عبرت حاصل کر
لیں اور میں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں تفصیل سے یہ ثابت کر دیں گا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء اور مفسرین اور محدثین اور
جمہور علماء ان چیزوں کو ناجائز کہہ دیتے ہیں باقی ہم غریب لوگ ہیں بات مانتے
ہیں یا نہ لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھ کر عین نظر سے مطالعہ کریں اور ہوا نفس
تمہارے حوالہ کر دیتے ہیں۔ وباللہ استعین



۱۳۳۳

۱۱۵ النساء ، ۳ التوبة ۶۱۳

۲۱ المجادلة ۲۱

۲۰ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یذنی علی القبر وراویقہ علیہا اوصالی علیہا رواۃ ابو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور ان پر بیٹھنے اور ان پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔

درجالہ ثقافت

۳۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر عمارت بنانے اور قبر کو سیتہ بنانے سے منع فرمایا۔

وان يخصص ٥٢

۴۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ جس مرض میں وفات پائے تھے آپؐ نے اس مرض میں فرمایا تھا۔

لَعْنُ اللّٰهِ اِلَيْهِمُودُ و
النَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ
اَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا ۚ

اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت
کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں
پر مسجدیں بنائیں۔

١٤ مجمع الزوائد ص ٦١ قال في الحافظ نويرة الدين علي بن أبي بكر الليثي مشوفي ٨٠٤ هـ

عبد الله بن أحمد بن حنبل مؤلف الفتح الرباني عبد الرحمن البناء

۳ بخاری ۶۳۹، شریاری ۲۳۲، روح المعانی ۱۲۳۷/۱۵، تفصیل دیکھ لیں۔

کتاب الام ۲۷۸، البوداد مع شرحه ۲۱، مسند احمد ۱۵۱، منهاج السنة ص ۱۳۱،

فيل الماد طار $\frac{129}{2}$ -

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان یجصصوا القبر وان یشعد
علیہ وان یبنی علیہ رواہ
مسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو کھچتہ بنانے
اور قبر پر چمچھٹنے اور اس پر عمارت تعمیر
کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مسلمانے
روایت کیلی ہے۔

اصحیح مسلم جلد ۳۱ بر حاشیہ ارشاد الساری تالیف الامام مسلم بن الحجاج متوفی ۲۶۱ھ

مسند امام احمد بن حنبل $\frac{1}{8}$ بترتيب مؤلف الفتح الرباني تأليف الامام المجتهد احمد
ابن حنبل متوفى سنة ٢٤١ هـ.

ابن حبل متوفی ۲۰۹ هـ
الترمذی ج ۱۲ تألیف الامام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۰۲ هـ
ابوداود ج ۲۰۹ مع شرح عون المعبود تألیف الامام سلیمان بن الا متوفی ۲۰۵ هـ
السنائی ج ۸ مع شرح لجنال الدین کیوطی تألیف الامام احمد بن شعیب متوفی ۲۴۰ هـ

محلّی ابن حزم ص ۳۳۵ تألیف علی بن احمد بن حزم متوفی ۵۶۰ هـ
السنن الکبریٰ ص ۳۳۸ تألیف احمد بن حنبل البیہقی متوفی ۵۸۰ هـ

شرح السنه ٥٠٥ تأليف محي السنه حسين بن مسعود البغوي متوفى ٥١٦ هـ
جامع اصول في احاديث الرسول ٥١٥ تأليف الامام محمد الدين مبارك بن احمد بن الاثير متوفى
نراد المعاد ٥٢٠ تأليف الامام شمس الدين ابن قيم متوفى ٥٤١ هـ

۵۔ اور علامہ ابن کثیر متوفی ۷۴۷ھ ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم وصالححيهم مساجدا يحذر ما فعلوا ۱
اللہ لعنت کرے یہود اور نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء و ادرصلیٰ کی قبروں پر مسجدیں بنائیں آپؐ تو ان کے فعل سے پرہیز کی تلقین فرما رہے تھے۔

۶۔ علامہ آکوسی متوفی ۷۴۷ھ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نقل کر کے فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج ۲
ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی لعنت ہو تم زائرات کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغ روشن کرنے والوں پر

۱۔ تغیر ابن کثیر ص ۷ ج ۳ ۲۔ عورتوں کی زیارت پر بحث آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳۔ روح المعانی ص ۲۳۷، ابوداؤد ص ۱۰۵، الترمذی ص ۱۲۵ بروایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، نسائی ص ۱۳۲ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا، السنن الکبریٰ ص ۸، المغنی مع الشرح الکبیر ص ۳۸۸، عمدۃ القاری ص ۱۹۰۔ الاختیارات الفقیہ ص ۸۸،

الزواجر عن اقتراف الکبائر ص ۱۶۵

المعجم المنہر للحدیث النبوی ص ۳۶۷

بذل المجہود ص ۱۹۵

۷۔ اور بحوالہ مسلم فرماتے ہیں۔

الاوان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم مساجد فاني انهاكم عن ذلك ۱
خبردار تم سے پہلے لوگوں نے انبیاء کی قبروں پر مسجدیں بنائیں اور میں تم کو ان سے منع کرتا ہوں۔

۸۔ اور بحوالہ مسند عبد الرزاق فرماتے ہیں۔

من شرار امتي من يتخذ القبور مساجد ۲
میری امت میں شر ترین لوگ ہیں جنہوں نے قبروں پر مسجدیں بنائیں۔

۹۔ اور امام محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۵۵ھ فرماتے ہیں۔

عن معاذ رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يكره ان تؤطأ القبور اعظاما للمسلمين واكراما لهم ويكره ان يتخذ القبور مسجدا وقبلة يحسب اليها فان اهل الجاهلية كانوا يفعلون ذلك ۳
حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پامال کرنا مکروہ سمجھتے تھے مسلمانوں کے احترام اور عزت کی وجہ سے اور قبروں پر سجدہ بنانا اور قبروں کو قبلہ بنانا کہ ان کی طرف نماز پڑھیں مکروہ سمجھتا تھا۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔

۱۔ روح المعانی ص ۲۳۷ ج ۱۵

۲۔ نوادر الاصول فی معرفة احادیث الرسول ص ۲۴۲

بما انزل علی محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) لے

نوٹ: یہاں یہ بات فائدہ سے عالی نہیں ہوگی کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پہلے تمام کو قبروں کی زیارت کرنے سے منع فرمایا تھا پھر کچھ عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کنت نھیتکم عن
زیارة القبور فزوروها
میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے
منع کیا تھا۔ اب قبروں کی زیارت
کیا کرو۔ (احديث)

اور دوسری حدیث میں آتا ہے۔

فانھا تذکر الموت
تو کیا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہ۔ علامہ محیی الدین
نودی متوفی ۱۰۷۰ھ تین اقوال نقل کرتے ہیں۔ حرام، مکروہ،
مباح۔ پھر فیصلہ فرماتے ہیں کہ سخت قول یہی ہے کہ عورتوں کو قبروں کی
زیارت کرنے کی اجازت نہیں اور حدیث میں صرف مردوں کو اجازت
فرمائی ہے۔ اس میں عورتیں داخل نہیں بنا بر مذہب سخت ارے
راقع الحروف کہتا ہے کہ حقیقت یہی ہے جو علامہ نودی
نے فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ

۱۔ مسند احمد بن حنبل ۲۷۱ ۲۔ یہ بات یاد رکھیں کہ حدیث میں قبروں
کی زیارت کی اجازت جو ہوئی ہے بنا بر سخت ارے صرف مردوں کے لئے لیکن مفسر
اس زیارت سے دو چیزیں ہیں ایک موت یاد آجائیگی دوسری چیز دعا کرنا اگر میت
مومن ہو تیسری چیز حدیثوں میں نہیں ۳۔ النودی شرح مسلم ص ۳۱۳ و ص ۳۱۶ پر حاشیہ
ارشاد الساری۔

ایک حدیث ذکر کر کے پھر فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے
کہ عورتوں کو قبروں کے لئے جانا ناجائز ہے لے

اور اسی طرح مبارک بن احمد متوفی ۱۰۷۰ھ بحوالہ ابوداؤد ایک روایت
نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ ایک میت (کے جنازہ) کے لئے گئے تھے اور جب وہاں سے
فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بھی واپس ہو گئے اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازہ پر جا کر ٹھہرے۔ تو ہم نے ایک عورت دیکھی میرا گمان
یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا جب وہ چلی گئی حضرت فاطمہ رضی
اللہ عنہا تھیں۔

فقال لہما رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ما اخرجک
یا فاطمہ من بیتک قالت
اتیت یا رسول اللہ اھل
ھذا المیت عزیتھم
بہ فقال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لعلک
بلغت معھما الکدی (بخاری)
مضمونہ ای المقابر فقالت معاً
اللہ وقد سمعت تذکر فیہا

پس فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت فاطمہ سے کہ کس چیز نے تجھے گھر
سے نکالا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ
میں میت کے گھر والوں کی تعزیت کے لئے
گئی تھی آپ نے فرمایا شاید تو ان کے
ساتھ قبرستان گئی ہے اس نے
عرض کی میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں
اُس سے کہ میں قبرستان جاؤں اور
تحقیق میں نے سنا ہے وہ جو آپ نے
اس کے بارے میں فرمایا ہے آپ نے فرمایا

لے السیر الکبیر ص ۲۳۶

فقال لو بلغت محهم الكس
فذكر تشديدا في ذلك
اور علامہ احمد بن محمد حجر مکی متوفی ۹۷۲ھ بحوالہ ابوداؤد مندرجہ حدیث
نقل کر کے پھر فرماتے ہیں۔

وسواء النساء الا ان
قال في اخره او بلغت ما مدهم
ما رأيت الجنة حتى يراها
جد أبيك

اور قاضی ابوسعید حنفی متوفی ۳۱۵ھ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو قبروں کی زیارت
کے لئے جانا ناجائز ہے

اور علامہ کوسعی کافر زہد رجبند سید نعمان خیر الدین شہیر بابن الاکوسی
فرماتے ہیں۔

ومن الكبائر زيارة
النساء

لیکن پھر بھی اگر ان کو قبروں کی اجازت ہو جائے تو موجودہ دور میں جو دور و
دراز سفر پر عورتیں جاتیں ہیں بلکہ بعض اوقات غیر محرم سے کابل تک جاتی
ہیں یہ کس مسلمان کے نزدیک جائز ہے یہ تو ادنیٰ مومن بھی شاید اس کے جواز
کا قول نہیں کرے گا اور اس طرح موجودہ دور میں اولیاء کرام کی زیارتوں پر جو

۱۔ جامع الاصول فی احادیث الرسول ص ۱۵۱، ۲۔ الزواجر ص ۱۶۵، ۳۔
مجالس البر ص ۳۳۶، ۴۔ جلال العین فی محامد الاحمدین ص ۵۲۲

عورتوں کا حشر ہوتا ہے الامان والحفیظ یہ تو بالکل قطعاً حرام ہی ہے۔

حضرات!

قبروں کو نچتہ بنانا ان پر گنبد اور مسجدیں تعمیر کرنا اور چراغ جلانا اور عورتوں
کو قبروں کی زیارت کرنے کے لئے جانا نہایت مفصل اور محسوس دلائل کی
روشنی میں تمہارے سامنے پیش کئے گئے ہیں کہ یہ چیزیں خلاف شریعت
ہیں۔

اور اس میں شک نہیں کہ جب کسی چیز کو احادیث سے ناجائز ثابت کریں
تو پھر کسی کتاب کی ضرورت نہیں پڑتی۔۔۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کا قول رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ وما ینتطق عن الہوی
ان ہوا لا وحی یوحی (الایات) وہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتا
مگر جس چیز کی وحی ہوتی ہے وہی جو کچھ وہ بیان کیا کرتا ہے
اور دیگر حضرات کے اقوال میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے
کہ اجتہاد میں مجتہد سے غلطی سرزد ہو جائے معصوم تو نہیں اور نبی صلی
اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ تو معصوم کے اقوال سے ہم نے قبروں کو
نچتہ کرنا اور ان پر عمارتیں بنانا وغیرہ امور کو ناجائز ثابت کر دیا۔ تو پھر
کسی شخص کے قول کے لئے ضرورت نہیں

لیکن پھر بھی ہم صاحبزادگان اور ان کے متقدمین حضرات کی تسلی کے
لئے ائمہ مجتہدین اور فقہار اور مفسرین اور محدثین کے نظریات پیش کرتے
ہیں تاکہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حضرات جیسا کہ صحیح احادیث سے نما
کر رہے ہیں ایسا ائمہ مجتہدین اور تمام علمائے دین سے ہی مخالفت کر رہے
ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ حضرات اپنے نظریات کے

اثبات کے لئے ادا شدہ عیشتیں نہیں کر سکتے اور نہ کر سکیں گے
واللہ اعلم ۔

قبروں کو نختہ کرنا اور کفہ بنانا وغیرہ

ائمہ مجتہدین کی نظر میں

مسک الامام المجتہد نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ

امام محمد بن الحسن شیبانی متوفی ۱۶۹ھ اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ مجھے اپنے استاد نے حدیث بیان کی ہے ۔

یورفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن تزیین القبور وتخصیصہا لے
اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت پہنچائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مزین بنانے اور قبروں کو نختہ بنانے سے منع فرمایا ہے ۔

مسک الامام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ
حضرت امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں ۔

ان لا یبنی ولا یخصص فان ذلك یشبه الزینۃ والخیلاہ ولیس الموت موضع واحد منهما ۔
قبر پر نہ عمارت بنائی جائے گی اور نہ نختہ کیا جائے گا کیونکہ یہ تو زینت اور متکبرین کی عادت سے مشابہ ہے اور موت ان دونوں میں

ایک کی جگہ نہیں ۔

لے کتاب آثار از نصب الراية ۳۰۳ تألیف علامہ جمال الدین حنفی متوفی ۶۶۲ھ

ولو امر قبور المهاجرین و الانصار مجصصة ۔

عن طاؤس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان تبنی القبور او تجصص وقال الشافعی وقد رایت من الولادة من یهدم ما بنی فیہا ولو امر الفقهاء یعیبوا علیہ ذلك لے

اور میں نے مہاجرین اور انصار کی قبروں کو نختہ بنی ہوئی نہیں دیکھی
حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارت تعمیر کرنے اور قبروں کو نختہ بنانے سے منع فرمایا ہے اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ میں یمن کے قبروں پر عمارت ڈھانے کو دیکھتا ہوں ۔ اور میں نے کسی کو اس پر عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا ۔

مسک الامام المجتہد مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ والامام المجتہد احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

ومسک جمہور علماء

حضرت محی الدین یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۷۴۹ھ فرماتے ہیں کہ قبروں کو نختہ بنانا ، اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا اور قبروں پر کھنا اس میں امام مالکؒ و امام احمدؒ اور داد اور جمہور علماء متفق ہیں کہ یہ مکروہ ہیں

مسک الامام المجتہد نعمان بن ثابت مسک الامام محمد مسک الامام ابی یوسف

حضرت ابویسحاق جوزجانی متوفی ۳۸۰ھ اپنے استاد امام محمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے مجھے فرمایا تھا کہ جب میں کوئی مسئلہ ذکر کروں ۔ اور اس میں اختلاف نہ ہو ۔ تو یہ امام ابو حنیفہؒ و امام ابویوسفؒ اور میرا بنوں کا اتفاق مسئلہ ہوگا ۔

لے کتاب الام ۲۷۷ ۲۷۸ المجموع شرح المہذب ۲۹۸

قبروں کو پختہ بنانا ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ فقہائے اخلاف اور مفسرین کی نظر میں

حضرت امام شمس الدین رشتی متوفی ۷۸۳ھ قبروں کو مریج بنانے کو ردافض کا
مسک بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولا تجصص لما روی
ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم نھی عن تجصیص
القبر و تر بیعہا
قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ روایت
کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے قبر کو پختہ بنانے اور مریج بنانے
سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت امام فخر الدین حسن بن منصور قاضی خان متوفی ۵۹۲ھ فرماتے ہیں۔

ولا یجصص القبر لما
روی عن النبی صلی
علیہ وسلم انه نھی عن
التجصیص والتفضیض وعن
البناء فوق القبر
لما روی عن ابی حنیفہ
انہ قال ولا یجصص القبر
ولا یطین ولا یرفع علیہ
بناء
قبر پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے روایت ہے کہ آپ قبر کو پختہ بنانے
اور چاندی کے پانی سے جڑا د کرنے اور
قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔
اور امام ابو حنیفہ سے روایت کی گئی کہ اس نے
کہا ہے کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس
کی لپٹائی کی جائے اور نہ اس پر عمارت بنائی
جائے۔

بناء

۱۔ المکتبہ ۶۲، معانی الآثار ۲۲۸، ۲۲۹ بھی ملاحظہ کریں۔ ۲۔ فتاویٰ تھانیہ ص ۱۹۲ بر حاشیہ
۳۔ المکتبہ ۶۲، معانی الآثار ۲۲۸، ۲۲۹

لہذا وہ قبروں کو پختہ نہ بنانا بغیر کسی اختلاف کے یوں ذکر کرتے ہیں۔

قلت اراء ایت القبر
هل تکره ان یجصص
قال نعم
میں (ابو سلیمان) نے امام محمد صاحب
سے کہا کہ کیا آپ قبروں کو پختہ بنانا
مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام محمد صاحب نے
فرمایا۔ ہاں۔ (یعنی مکروہ ہے)

مسک الامام علی بن احمد بن حسن متوفی ۴۵۶ھ

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

ولا یحل ان ینی القبر
ولا ان یجصص ولا ان
یزاد علی ترابہ شی
و یهدم کل ذلک۔ عن
ابی الہیاج قال قال لی
عملی بن ابی طالب لا ابغثک
کا بعثنی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان لا
تدع تمثالا ولا طمستہ
ور قبراً مشرفاً الاوسط
جائز نہیں قبر پر عمارت تعمیر کرنا جائز
نہیں قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں نکلی
ہوئی مٹی سے زیادہ قبر پر ڈالنا۔
ان تمام کو ڈھانا چاہیے۔ ابو الہیاج
الاکند سے روایت ہے کہ مجھے حضرت
علی نے کہا کہ میں تجھے اس چیز پر نہ بھیجوں
جس پر مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا
کہ کوئی مجھ پر فخر نہ کرے نہ چھوڑنا اور
اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر اس کو برابر کرنا۔

۱۔ کتاب الفصول ۲۲۲، تالیف الامام محمد متوفی ۲۶۱ھ

۲۔ المجلد ۳۲، ابوداؤد ۲۰۸، مع شرح عون المعبود

اور حضرت حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب بن البرزازی متوفی ۸۲۶ھ فرماتے ہیں۔
ولا یبنی علیہ بیت ولا
یجصص^۱

قبر پر مکان نہ بنایا جائے اور نہ
قبر کو نچتہ بنایا جائے۔

اور حضرت شیخ زین الدین محقق ابن نجیم متوفی ۸۹۷ھ فرماتے ہیں۔
ولا یجصص لحدیث جائز^۲
نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان یدجصص
القبر وان یبنی علیہ
وان یکتب علیہ^۳

قبر کو نچتہ نہ بنایا جائے کیونکہ حضرت
جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیا ہے
کہ آپ نے قبر کو نچتہ بنانے اور
قبر پر عمارت بنانے اور قبر پر لکھنے
سے منع فرمایا ہے۔

اور علامہ محقق محمد امین ابن عابدین متوفی ۱۲۵۳ھ فرماتے ہیں۔

اما البناء علیہ فلو
اذا من اختار جوازہ و
عن ابی حنیفہ یکرہ
ان یبنی علیہ بناء من
بیت او قبۃ او نحو
ذلک لما روی عن جابر
نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عن تجصیص القبور^۴

میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے قبر پر
عمارت بنانے کو پسند کیا ہو اور امام ابو حنیفہ
سے روایت ہے کہ قبر پر عمارت بنانا مکروہ ہے
خواہ مکان ہو یا گنبد یا ان کی مانند دیگر چیز
کیونکہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں
کو نچتہ بنانے اور قبروں پر
لکھنے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے

۱۔ فتاویٰ بزاز بر حاشیہ عالمگیری ص ۸۱، ۲۔ بحر ارق ص ۲۰۹، تفصیل دیکھئے الکبیر ص ۵۹۹
و بدل الصنائع ص ۳۲، فتح القدیر ص ۲۲۵، المستخلص ص ۲۲۵، فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۳۸
۳۔ فتاویٰ بزاز ص ۲۲۶، حاشیہ السالک ص ۲۲۶، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۹۲، ۲۲۲

وان یکتب علیہا وان یبنی
علیہا مرداء مسلحہ وغیرہ^۵
اور حضرت قاضی ابراہیم متوفی تقریباً ۸۱۰ھ۔ مسجد ضرار کے گرانے کے بعد
فرماتے ہیں کہ

جو چیز اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہو تو اس کو گرانا چاہئے۔

کالمساجد البنیۃ
علی القبور و کذا
القباب اللتی بنیت علی
معصیۃ الرسول و مخالفتہ
و کذب بناء استست علی معصیۃ
الرسول و مخالفتہ فهو
بالعدم اولی^۶

جیسے وہ مسجدیں جو قبروں پر
بنائی گئی ہیں اس طرح وہ
گنبدیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے
رسول کے خلاف بنائے گئے ہیں۔
اور ہر عمارت جو اللہ اور اس کے رسول کے
خلاف تعمیر کی گئی ہو وہ گرانے کی
مستحق ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری (مرتبہ در زمانہ سلطان اورنگ زیب متوفی ۱۱۱۸ھ)
میں لکھتے ہیں۔

ولا یربع ولا یجصص
ویکرہ ان یبنی علی القبر
اد یقعد اد ینام علیہ
ویکرہ ان یبنی علی القبر
مسجد او غیرہ ... و یکرہ

قبر کو مربع نہ بنایا جائے اور نہ نچتہ
کیا جائے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا اور
قبر پر بیٹھنا اور قبر پر سونا (یتھام)
مکروہ ہیں۔ قبر پر سب بنانا یا اس کی مانند
دیگر چیز (جیسا گنبد اور مکان) مکروہ ہے۔

۱۔ رد المحتار ص ۶ اور درمک کتاب میں ختم کلام ہجرت اور تیجہ اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ
ذکر کرتے فرماتے ہیں کل هذه بدع منکرات۔ یہ تمام بدعات منکرات ہیں (مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۲۹)
۲۔ مجاہد ابی ہریرہ ص ۱۲۹

عند القبر ما لم يعهد
من السنة والمعهود
منها ليس الا زيارته
والدعاء عند قائما
كذا في البحر

اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ قبر کے
پاس مکروہ ہے۔ اور جو سنت سے
ثابت ہے وہ قبر کی زیارت اور اس کے
پاس (اس کے لئے) دعا کرنا کھڑا ہو کر
(بشرطیکہ مومن ہو) بھرا رات میں بھی
لکھا ہے۔

اور علامہ محقق مفسر شہاب الدین آلوسی متوفی ۱۲۷۲ھ قیروں پر
عمارت اور مسجدیں وغیرہ بنانے کی تردید احادیث سے کر کے بجا لے کر ابراہیم
مکی کہ وہ مندرجہ ذیل چیزوں کو گناہ کبیرہ میں شمار کرتے ہیں۔ قبروں کو مسجدیں
بنانا۔ قبروں کی طرف نماز پڑھنا، قبروں کو بوسہ دینا۔ قبروں کا ملوان
کرنا۔ پھر کہتے ہیں

دکون من الفعل کبیره
ظاہر من الاحادیث

ان چیزوں کا گناہ کبیرہ ہونا تو
احادیث سے ظاہر (معلوم)
ہوتا ہے۔

وكانه قاس عليه كل تعظيم
للقبر كاليقاد السرح عليه
تعظيمه له وتبركابه والظن
به كك

گویا کہ اس نے ہر اس چیز کو اس
پر قیاس کیا ہے جس میں قبر کی
تعظیم ہوتی ہے جیسا کہ قبر کی تعظیم کے
لئے چراغ جلانا اور اس سے تبرک
حاصل کرنا اور قبر کے ارد گرد طواف کرنا

وقال بعض الحنابلة قصد
اور بعض حنبلی کہتے ہیں قبر کے پاس

۱۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۶۶، ۲۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۳۷

الرجل الصلوة عند القبر
مقبورا به عين المحادثة
لله تعالى ورسوله ابداء
دين له يذنب به الله عز وجل
جل منهي عنها ثم اجماعا
فان اعظم المحرمات و
اسباب الشرك الصلوة عند
واتخاذها مساجدا وبنائها
عليها وتجب المبادرة
لهدمها وهدم القباب
التي على القبور اذ هي
اضر من مسجد الضرار
لانها اتست على محبة
رسول الله صلى الله عليه
وسلم لانه عليه السلام
نهي عن ذلك وامر بهدم
القبور المشرفة وتجب ازالته
كل قنديل او سراج على قبر
ولا يصح دقنه ولا نذره

تبرک کے واسطے کسی شخص کو نماز پڑھنا
یہ بعینہ اللہ تعالیٰ اور اس رسول سے
مقابلہ کرنا ہے اور ایسے دین کی ایجاد
ہے جس پر اللہ عز وجل نے اجازت
نہیں فرمائی پھر اس پر علماء کا اجماع ہے
کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیزوں
سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے اور
ان پر سجدیں بنانا ہے یا عمارتیں بنانا
ہے اور واجب جلدی کرنا کہ قبروں پر
عمارت کو اور جو ان پر گنبد بناتے ہیں گرا
دیے جائیں کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ
نقصان دہ ہیں اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی مافرمانی میں تعمیر کئے ہیں کیونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا
اور حکم دیا تھا اپنی قبروں کے گرانے کا اور
واجب کہ قبروں پر جو چراغ اور قنديل ہوں اس
کو دور کر دیا جائے اور اس کا وقف کرنا اور
نذر کرنا ناجائز ہے۔

۱۔ تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸

پھر کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔

وقد اُفتی جمع بھدم
کل ما بقرافة مصر من الایة
حتى قبة الامام الشافعی
التي بناها بعض الملوك
ويحیی اكل احد هدم ذلك
ماله خيش منه مفسدة

علماء کی جماعت نے فتویٰ دیا تھا
ان تمام عمارتوں کے گرانے پر جو مصر
میں تھیں یہاں تک کہ امام شافعی
پر کسی بادشاہ نے گنبد بنایا تھا اس کو
بھی گرایا اور ہر ایک ایسی چیز کا گرانا
مناسب ہے، جب تک فساد کا خطرہ
نہ ہو۔

پھر اخیر میں یوں الفاظ ذکر کر کے فیصلہ کرتے ہیں۔

ویکفیک فی معرفۃ الحق
تتبع ما صنع اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی قبر
علیہ الصلوٰۃ والسلام وهو
افضل علی وجه الارض

حق کے پہچاننے میں آپ کے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا فعل کافی ہے
جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر سے کیا تھا حالانکہ تمام سطح زمین پر
اس کی قبر افضل ہے۔

نوٹ: علامہ آلوسی نے فرمایا کہ حق کے پہچاننے میں تمہاری وہی طریقہ کافی ہے
جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل قبر سے کیا تھا لہذا اس کے لئے مندرجہ
ذیل تشریحات مطالبہ کیجئے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

(۱) حضرت امام المجتہد محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۴۰ھ روایت نقل کر کے فرماتے ہیں
انہ قبل لسعد بن ابی وقاص حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا

تفسیر روح المعانی ص ۲۳۸ ، ۲۳۹ تفسیر روح المعانی ص ۲۳۹

ننخذ لك شيئاً كانہ الصندق
من الخشب فقال اصنعوا بی
ما صنعتہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم انصبوا علی
اللبن واهیلوا علی التراب

ہم تمہارے لئے کوئی چیز نہ بنائیں گویا
ان کی مراد لکڑی سے (ان کے لئے)
صندوق بنانا تھا۔ اس نے فرمایا کہ میرے لئے
وہ طریقہ اختیار کرو جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے اختیار کیا ہے۔ میری
کے اوپر کچی اینٹیں کھڑا کر دو اور میری (قبر)
کے اوپر مٹی ڈال دو۔

امام المحدثین ابو بکر بن احمد بن الحسن البیہقی متوفی ۵۵۵ھ ایک روایت نقل کر
فرماتے ہیں۔

عن القاسم بن محمد قال
دخلت علی عائشة فقلت
یا امہ اکشغی لی من قبر
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وصاحبہ فکشفتم لی عن
ثلاثة قبور لا مشرف
ولا لا طعة

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ میں
ہے کہ میں حضرت عائشہ کے پاس
گیا اس سے کہا کہ آماں جان بتا دیں مجھے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ
کے صاحبین کی قبریں پس بتا دیں تین قبریں
جو نہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زیادہ
متصل۔

اور علامہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن العربی متوفی ۵۴۵ھ بھی یہی روایت نقل
کر کھڑاتے ہیں۔

قال القاسم بن محمد دخلت علی عائشة
قاسم کہتا ہے کہ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا

۱۔ کتاب الام ص ۲۴۴
۲۔ السنن اکبری ص ۳

قبروں کو بچتہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ شوافع فقہاء اور محدثین کی نظر میں

امام ابو البرہم اسمعیل بن یحییٰ المزنیؒ اپنے استاد امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں
قال ولا تبنى القبور ولا تجصصہا
نہ قبروں پر عمارت نہیں بنائی جائے گی اور
نہ قبروں کو بچتہ بنایا جائے گا۔
اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی والاصحاب
امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک
يكره ان يجصص القبور وان يكتب
قبر کو بچتہ بنانا اور قبر پر اس کا نام لکھنا
عليه اسم صاحبها وغير ذلك
غیرہ اور قبر پر عمارت تعمیر کرنا (یہ تمام)
وان يبنى عليه وهذا خلاف
مکروہ ہیں ہمارے نزدیک اس میں کسی اختلاف
فيه عندنا ، وقال الشافعی في
نہیں اور امام شافعیؒ نے کتاب الام میں فرمایا
الام ورأيت من الولادة من
ہے کہ میں بچپن سے قبروں پر عمارت کے ڈھانچے
يهدم ما بنى فيها ولو اراد الفقهاء
کو دیکھنا ہوں اور میں نے فقہاء میں سے کسی
يعيبون عليه ذلك
کو عیب لگاتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔

اور امام نوویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کی قبروں کی تشہیح کرتے ہیں
کہ نہ وہ زیادہ زمین سے بلند تھیں اور نہ زمین سے متصل پھر حضرت عائشہ کی روایت سے قبر

۱۔ مختصر المزنی ص ۳۵

۲۔ المجموع شرح المنہج ص ۲۹۵

فقلت يا اماه اكشفي لي عن
قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وصاحبه فكشفت لي عن
ثلاثة قبور لا طئة
اور اسے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبین کی قبریں بتا دیں
تو آپ نے تین قبریں بتا دیں کہ زمین
سے متصل نہیں تھیں۔

اور علامہ نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ حضرت قاسم کے قول میں پورے وہی الفاظ
نقل کرتے ہیں۔ جو امام بیہقی نے نقل کئے ہیں۔
لا مشرفة ولا لا طئة
کہ زمین سے زیادہ بلند تھیں اور نہ زمین سے متصل
اور امام نوویؒ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

ويرفع نحو شبر
قبر کو ایک بالشت مقدار بلند کیا جائے گا۔
اور علامہ جمال الدین عسکری بن یوسف زلیعی حنفی متوفی ۶۲۲ھ روایت میں ہیں کہ
روایت قاسم نقل کرتے ہیں کہ
اور عسکری بدر الدین محسب بن احمد عینی حنفی متوفی ۵۵۵ھ بحوالہ الدرۃ
التحقیق فی احیاء المذنبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی
اللہ عنہما کی قبروں کی تشہیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن عثمان بن فسطاس قال
رأيت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مرتفعاً نحو اربعة اصابع وقبر
ابی بکر وراء قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقبر عمر اسفل منه
عثمان بن فسطاس سے روایت ہے کہ
کہ میں نے (عمر بن عبد العزیز کے دور میں)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا کہ وہ چار
زمین سے بلند تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آپ کی
قبر سے اس طرف تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی
قبر سے عمر رضی اللہ عنہ کی قبر نیچے تھی۔

۱۔ ماضی الاحوذی ص ۲۹۹ ، ۲۔ المجموع شرح المنہج ص ۲۹۵ ، ۳۔ النووی ح مسلم ص ۲۹۵
۴۔ نسب النبی ص ۲۲۵ ، ۵۔ عمدة القاری شرح بخاری ص ۲۲۵

قبروں کو بخت بنانا وغیرہ

فقہاء حنابلہ کی نظر میں

کو بخت بنانے اور قبروں پر عمارت تعمیر کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قبروں کو بخت بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور ان پر لکھنا یہ تمام بالاتفاق ناجائز ہیں۔ اس میں امام مالک، امام احمد اور داؤد اور جمہور علماء متفق ہیں۔ اور ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ قبروں پر گنبد بنانا ہو یا عمارت تعمیر کرنا ہو یا اس کی مانند دیگچہ کوئی چیز یہ تمام مکروہ ہیں اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر عام مقبرہ میں ہو تو پھر ان کو ڈھانے میں بھی علماء کا اختلاف نہیں اور علامہ ثقی الدین ابوبکر بن محمد شافعی فرماتے ہیں کہ قبر پر عمارت نہیں تعمیر کی جائے گی اور نہ قبر کو بخت بنایا جائے گا۔

عسکرموفق الدین عبد اللہ بن قاسم حنبلی متوفی ۶۲۲ھ فرماتے ہیں:

وکیف البناء علی القبر
وتجسیصہ والکتابة علیہ
لما روی مسلم فی صحیحہ
قال نہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان یخصص القبر وان
یبنی علیہ وان یقعد علیہ
وزاد الترمذی ان یتب علیہ
وقال ہذا حدیث حسن صحیح
وہذا ذلک من زینۃ الدنیا
فلا حاجۃ بالمیت الیہ

مکروہ ہے قبر پر عمارت بنانا اور قبر کو بخت بنانا اور قبر پر لکھنا کیونکہ امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو بخت بنانے سے اور قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

اور ترمذی نے ایک لفظ اور بڑھایا ہے کہ قبر پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور دو روایات ہیں کہ یہ (قبروں کو بخت کرنا) اور ان پر عمارت بنانا وغیرہ دنیا کی زیبائیت کی اشیاء ہیں۔ میت (مردہ) کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اور دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ المجموع شرح المہذب ۲۹۸ ج ۵
۲۔ کتاب الاخبار فی حل غایۃ الاختصار ۲۳۴

۱۔ المغنی ۳۸۶ ج ۲ اور اسطیٰ عبد الرحمن بن عمر محمد بن احمد بن قاسم متوفی ۶۲۲ھ
۲۔ الشرح الکبیر ۳۸۶ ج ۲ میں ذکر کیا ہے۔

ولا يجوز ان يبني عليه
مسجد لقول النبي صلى الله
عليه وسلم لعن الله اليهود والنصارى
قبروا انبيائهم مساجد
اور پہلی کتاب میں فرماتے ہیں
ولو ابيح لم يلعن النبي
صلى الله عليه وسلم من فعله
ولا نفيه تضييعا لآمال و
افراطا في تعظيم القبور
اشبه تعظيم الاصنام
ولا يجوز اتخاذ المسا
جد على القبور

قبر پر مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہودیہ پر اللہ کی
لعنت ہو جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو
مسجدیں بنایا۔

اگر یہ چراغ جلانا اور قبروں پر مسجدیں بنانا
اور عقودوں کو قبروں کی زیارت کیلئے جلانا
جائز ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لعنت نہ فرماتے
اور دروس بات یہ کہ اسمیں لکھنا کو فضول ضائع کرنا
ہے اور قبروں کی تعظیم میں اتنی افراط اور زیادتی
کہ تمہوں کی تعظیم سے مشابہ ہے اور قبروں پر
مسجدیں بنانا جائز نہیں۔

اور علامہ شیخ غلام الدین ابوالحسن بن محمد بن عباس متوفی ۳۸۵ھ فرماتے ہیں
ويجوز الاسراج على
القبور واتخاذ المساجد
عليها وبينهما ويتعين
انزلتها قال ابو العباس
انما اعاد في هذا بابين
في معرفة المعرفين

ابو العباس شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں
کہ میں نے معروف علماء کے درمیان اختلاف
کو اس مسئلہ میں نہیں دیکھا۔

۱۔ زائد المعرف ۳۶۰ اور اس طرح المتفنع فی فقہ الامام احمد ۲۸۵ میں ذکر کیا ہے
۲۔ المختار فی الفقہ ۳۶۰ ۳۔ الاختیارات الفقهية ۵۸

شیخ الاسلام ابن قیم متوفی ۷۵۱ھ

قبروں پر چادریں ڈالنا اور قبروں کو پتھروں اور پکی اینٹوں سے
مضبوط بنانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فكل هذه بدعة مكرهه
مخالفة لهديه عليه السلام
وقد بحث علي بن ابي طالب
الى اليمن ان لا يدع
تمشالا او طمسه ولا قبورا
مشرفا او سوا له
یہ تمام چیزیں مکروہ اور بدعت ہیں اور نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ہیں کیونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو یمن
بھیجا تھا کہ کوئی مجسمہ نہ ڈالو بغیر مٹانے نہ چھڑائی
اور کوئی اونچی قبر نہ چھڑائیں مگر اس کو برابر
کریں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ :

قبروں کو تختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا اور مسجدیں بنانا اور چراغ جلانا وغیرہ،
مروجہ امور کو احادیث سے غلط انداز باطل ثابت کر دیا گیا اور یہ بھی بتایا کہ امام
ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ ان چیزوں
کے مخالف ہیں اور فقہائے احناف، شوافع اور حنابلہ تمام ہی ان چیزوں
کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

اور میں نے اجمالی تبصرہ مندرجہ ذیل کتابوں سے کر دیا ہے۔
• صحیح مسلم • مسند احمد بن حنبل • ابوداؤد • ترمذی • النسائی • ابن کبری

۱۔ زاد المعاد ۵۲۲۔ اس حدیث کے متعدد حواجیات پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔ دہاں خط
کریں۔

مسئلہ مذکورہ کو ہم نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا کہ قبروں کو پختہ بنانا اور ان پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ امور شرعیات مطہرہ کے سراسر خلاف ہیں اور ساتھ ہی ائمہ مجتہدین، فقہاء، ائمہ دین، مفسرین اور محدثین کے اقوال سے واضح کر دیا کہ جو لوگ دن رات ان کے اثبات میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور ان کے خلاف کرنے والوں پر وہابی پنج پیری کے فتوے لگاتے ہیں۔ یہ لوگ برائے نام اہل سنت و الجماعت، بزرگان دین اور سلف صالحین کی طرف اپنے آپ کی نسبت کرتے ہیں بلکہ یہ حضرات احادیث صحیحہ کے جیسے کہ مخالف ہیں اس طرح اپنے مذہب کے بھی مخالف ہیں

غضب بالا نے غضب یہ ہے کہ امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور فقہائے احناف، شوافع، حنابلہ تمام کے مخالف ہیں۔ لہذا جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن ملنا ہے اور وہاں حساب کتاب ہوگا تو وہ گہری نظر سے مطالعہ کر کے نظریہ تبدیل کریں اگر اس تحقیق کے باوجود وہ کسی بے معنی حواشی سے دھوکہ میں مبتلا رہے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا • نہ قبروں کو پختہ کرنا نہ ان پر عمارت بنانا چار اماموں نے تصریحات ہی فرمائیں • ناجائز ہے قبروں کو پختہ کرنا اور پرگنہ بنانا محدثین فقہاء تمام اس کے ہیں قائل • ناجائز ہی ہیں پھر کیوں حق کو نہ مانا ایمان سے کہہ دو تم کبھی بھی ! • نقاحت سے بات کرو گے یا ہمیشہ جھوٹا بات تمہارا طبیعہ ہے وجہنا آباؤنا • اور سنت کے خلاف لوگوں کو ہمہ تن گانا کیا ایمان نہیں ہے تمہارا خدا پر • کہ ہم کو لوگوں کیلئے بناتے ہو نشان

لے سمجھاری لے کہ ہم نے باپ دادا کو اس پر پایا ہے ۔

• شرح السنہ • جامع الاصول • مجمع الزوائد • صحیح بخاری • ارشاد لسانی • منہاج السنہ • نیل الاوطار • تفسیر ابن کثیر • تفسیر روح المعانی • المغنی • الرد المحتار • المعجم المفہرس • بذل المجہود • نوادر الاصول • مستدرک • تلخیص • عارضۃ الاحوذی • التلخیص الکبیر • جلاء العینین • کتاب الآثار • کتاب الام • کتاب الاصل • المحلی • المبسوط • معانی الآثار • فتاویٰ قاضیخان • فتاویٰ بزازیہ • سحر ارائی • الکبیری • بدائع الصنائع • فتح القدیر • المستخلص • خلاصۃ الفتاوی • حجة اللہ الی الخیر • فتاویٰ رشیدیہ • فتاویٰ دارالعلوم دیوبند • رد المحتار • مجموعہ رسائل ابن عابدین • مجالس الامیر • فتاویٰ عالمگیری • النووی شرح مسلم • نصب الرایۃ • عمدۃ القاری • مختصر المزنی • المجموع شرح المہذب • کتاب الاختیار فی حل غایۃ الاختصار • المغنی • الشرح الکبیر • الکافی • المقنع • الاختیارات الفقہیہ • زاد المعاد •

حضرات! جو شخص حق کا طالب ہو تو اس کے لئے اپنا ضمیر اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں دے گا انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ جو چیز قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کے باوجود اگر ایک شخص اس غلط کام پر ڈٹ جائے تو اس کا مطلب اس کے سودا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک قرآن اور احادیث صحیحہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ علامہ ابن حزم نے کیا خوب ہی فرمایا ہے ۔

کل ما جاء به نص قرآن • جس چیز پر قرآن کی آیات یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت • لا ینکرہ الا جہل • کی سنت موجود ہو تو اس سے انکار نہیں کر • او مغلل اور ردی الدین • لگا مگر جاہل یا غافل یا مردود دین والا

لے الفصل فی الملل والاهواء والنحل • ج ۲

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

پختہ مزارات اور ان کے قبے : قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور نقل کر چکا ہوں ، ہمارے ائمہ اہل سنت نے اپنی ارشادات کی روشنی میں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے ۔ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ولا نرى ان يزاد على ما خرج منه • اور ہم اس کو صحیح نہیں سمجھتے کہ جو مٹی
ونكره ان يحصص او يطین • قبر سے نکلے اس سے زیادہ ڈالی جائے۔
ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى • اور ہم قبریں پختہ بنانے اور انکی لپائی کو مکروہ
عن تربع القبور وتخصيصها قال • جانتے ہیں ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
محمد به نأخذ وهو قول الج • قبریں مریج بنانے اور انھیں پختہ کرنے سے
حيفه - (كتاب الآثار ص ۹۷) • منع فرمایا ہے ۔ ہمارا یہی مذہب ہے ۔ اور

یہی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے ۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہر اونچی قبر کو منہدم کر کے اسے برابر کرنے کا حکم دیا تھا ۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے مطابق میں نے مکہ مکرمہ میں ائمہ کو قبروں پر بنائی گئی عمارتوں کے منہدم کرنے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا ہے ۔ (شرح مسلم نووی ص ۳۱۲)

اس سے معلوم ہوا ہو گا کہ حضرات اولیاء اللہ کے مزارات پر جو گنبد اور قبے بنے ہوئے ہیں وہ اکابر اس سے بالکل بری ہیں ۔ انھوں نے نہ اس فعل کو کبھی پسند فرمایا نہ اسکی اجازت دی ہے ۔ اور نہ اسکی وصیت فرمائی ہے ، اگلی فتہ داری ان دنیا دار امراء و سلاطین پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مقدسہ کی مخالفت کر کے اس فعل شنیع کو روا رکھا ، اور اب تو لوگوں نے قبر کے پختہ ہونے اور اسپر شاندار روضہ تعمیر ہونے ہی کو ولایت کا معیار سمجھ لیا ہے ۔ ایسے بہت سے واقعات آپ کے علم میں ہونگے کہ کسی تاجر

کیا کر دے یوم جزا میں مالک کے سامنے • جب ہم صاف کریں گے اپنا دامن منظر لومانا
نام لکھتے ہیں اپنا اہل السنۃ و الجماعۃ • صحیح ادلہ کی تردید کے لئے بناتے ہیں بہانا
ہم کو بناتے ہو پتہ پیری و کبابی • یہ الزامات ہیں برسی عادت مثل زمانا
اگر تم میں سوہمت یا دیانت • تو لاؤ کوئی دلیل برائے جواز گنبد بنانا
اگر محمد کو اپنا نبی مانتے ہو تم بھی !! • تو قبروں کو نہ پختہ کرنا نہ ان پر گنبد بنانا
یا سچے ہو تم دعویٰ تقلید میں ! • تو حرام سمجھو قبروں کو پختہ کرنا ان پر گنبد بنانا
حق سے تم ہو اعراض کرنے والے ! • پھر کیوں ہم کو بناتے ہو طپالوں و نشانہ
خوف کرد اللہ تعالیٰ کی صفۃ تھارہ • جزا دے گا یوم جزا میں ہی حرکت مجرمانا
میں خان بادشاہ غریب گنبدگار ہوں بے شک !

لیکن عوام کے مالوں کو نہیں بناتا ہوں بہانا

تمام دلیل ہیں تمہارے سامنے • ہم پر فرض تھا بیان مانتے ہو یا نہ ماننا
انشاء اللہ دیکھو گے اگر تم نے قلم اٹھایا • غریب کے قلم میں نہ رخصت ہیں تمہاں شرکا
الزامات نہ لگاؤ خوف کرو خدا سے ! • ایسا نہ ہو کہ بن جائے تم کو جہنم ٹھکانا !

نوٹ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گنبد خضر و جو مکان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها پر بنائی گئی ہے ۔ اس پر اپنے حضرات کو قیاس کرنا بہالت ہے ۔

(تدبر و کن علی بصیرت)



قبر نے خواب یا الہام کا حوالہ دیکر کسی جگہ جعلی قبر بنا ڈالی اور لوگوں نے اسکی پرستش شروع کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط بہر حال حنفی مذہب کی قرینا نام معتبر کتابوں مثلاً عالمگیری، قاضی خان، حبیبی، درمختار، کبیری وغیرہ میں اس فعل کو ناجائز لکھا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ فرماتے ہیں :

اما البناء فلم اَرٰہُ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے اختار جواز (رد المحتار ج ۲ طبع بمصر) جواز کو اختیار کیا ہو۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی رحمہ فرماتے ہیں :

وآنحضرت بر قبور اولیاء عمارتہائے رفیع اور یہ جو اولیاء اللہ کی قبروں پر اونچی اونچی بنامی کنند، و چراغاں روشن کنند و عمارتیں بناتے ہیں۔ چراغاں کرتے ہیں۔ اور ازیں قبیل ہر چہ می کنند حرام است : اسی قسم کے اور کام جو کرتے ہیں، یہ سب حرام ہیں۔ (ماہنامہ ص ۸۴ مطبوعہ مجتہباتی ۱۳۱۱ھ)

قبروں پر غلاف چڑھانا :

قبروں پر غلاف چڑھانا بھی جائز نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ و تابعین اور ائمہ ہدایت کے مبارک زمانے میں کسی کی قبر پر چادر نہیں چڑھائی گئی۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں :

فی الاحکام عن الحجۃ : متکہہ الاحکام میں "الحجۃ" سے نقل کیا ہے کہ قبروں پر چادر ڈالنا مکروہ ہے۔

(رد المحتار ج ۲)

قبروں پر چراغ جلانا :

قبر پر چراغ اور قندیل روشن کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ممانعت فرمائی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائراٹ القبور والتخذین علیہا المساجد والسرج۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو قبروں کو سجدہ بناتے ہیں اور ان پر چراغ جلاتے ہیں۔

علامہ علی نقاری حنفی اسکی شرح میں فرماتے ہیں :

والنہی عن اتخاذ السراج لما فیہ تفسیع المال، لانه لا نفع لاحد من السراج، ولا نہا من آثار جہنم، واما للاحتراز عن تعظیم القبور كالنہی عن اتخاذ القبور مساجد (حاشیہ مشکوٰۃ)

قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت یا تو اس لئے ہے کہ اس میں مال کو بے فائدہ ضائع کرنا ہے، کیونکہ اس کا کسی کو نفع نہیں، اور اس لئے کہ آگ تو جہنم کے آثار میں سے ہے (اس کو قبروں سے دور رکھنا چاہیے)، یا یہ ممانعت قبروں کی تعظیم سے بچانے کے لئے ہے جیسا کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت بھی اسی بناء پر ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی فرماتے ہیں :

"قبور اولیاء بلند کر دن، و گنبد براں ساختن، و عرس و امثال آن

و چراغاں کر دن ہمہ بدعت است، بعضے ازاں حرام است، و بعضے مکروہ، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان را لعنت گفتہ، و فرمودہ کہ قبر مرا عید و مسجد نہ کنید

۔ در مسجد سجدہ میکنید، و روز عید برائے مجمع روزے در سال مقرر

کرده شدہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ را فرستاد

کہ قبور مشرّف را برابر کنند، و ہر جا کہ تصویر بنیند او را محو کنند"

(ارشاد الطالبین ص ۲)

ترجمہ : "اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا کرنا، ان پر گنبد بنانا، ان کا

ترجمہ : "اولیاء اللہ کی قبروں کو اونچا کرنا، ان پر گنبد بنانا، ان کا

تھیں اس سے منع کرتا ہوں۔ (حوالہ بالا)

ایک اور حدیث میں ہے :

اللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد۔
اشتد غضب اللہ علی قوم
اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱)
اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کو پوجا
جائے۔ اللہ کا غضب سخت بڑھکتا ہے
اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو
سجدہ گاہ بنائے۔

قیس بنی سعد صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حیرہ گیا۔ وہاں میں نے
دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا:
دیکھو! اگر تم میری قبر کے پاس سے گزرتے
تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے عرض کیا
ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر زندگی میں بھی نہ کرو
اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ
کے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں
کو سجدہ کریں۔ بوجہ اس حق کے جو اللہ تعالیٰ
نے مردوں کا ان پر رکھا۔

ارأیت لو مررت بقبری اکنت
نسجد لہ؟ فقلت لا، فقال
لا تفعلوا لو کنت امر احداً
ان یسجد لاحد لا مرث النساء
ان یسجدن لاوزاجہن۔ لما
جعل اللہ لہم علیہن من حق
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۲)

ان احادیث طیبہ پر غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بارے
میں قبر پرستی کا خطرہ کتنی شدت سے محسوس فرماتے ہیں اور پھر کس سختی کے ساتھ اس
سے ممانعت فرماتے ہیں، جس قبر کو سجدہ کیا جائے اسے بت قرار دیکر سجدہ کرنے والوں پر
لغت فرماتے ہیں اور اُسے غضب خداوندی کے بھڑکنے کا سبب ٹھہراتے ہیں۔
ان احادیث کی بناء پر علمائے اہل سنت نے قبر پر سجدہ کرنے کو شرک جلی فرمایا

عرس وغیرہ کرنا، چراغ روشن کرنا، یہ ساری چیزیں بدعت ہیں۔ ان
میں بعض حرام ہیں۔ اور بعض مکروہ۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں
پر شمع جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔
اور فرمایا ہے کہ میری قبر کو عید اور مسجد نہ بنالینا۔ مسجد میں سجدہ
کیا کرتے ہیں، اور عید کا دن مجمع کے لئے سال میں ایک دن مقرر
کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ
عنہ کو اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ ادبچی قبروں کو برابر کر دیں۔ اور
جہاں تصویر دیکھیں اُسے مٹا ڈالیں۔

قبروں پر طواف اور سجدہ وغیرہ:

مذاہف لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کا طواف کرتے ہیں ان کے آستانے
کو چومتے ہیں، یہ تمام افعال شرعاً ناجائز ہیں۔ اور ہمارے ائمہ اہل سنت نے ان کے حرام
و ناجائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لئے کہ طواف، سجدہ، رکوع، ہاتھ باندھ کر کھڑے
ہونا یہ سب عبادت کی شکلیں ہیں، اور ہماری شریعت نے قبروں کی ایسی تعظیم کی
اجازت نہیں دی ہے کہ پوجا کی حد تک پہنچ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
معلوم تھا کہ پہلی امتیں اسی غلو سے گمراہ ہوئی ہیں۔ اس لئے آپ نے اپنی امت کو
ان افعال سے بچنے کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے، اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی
اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں فرماتے تھے:
لعن اللہ الیہود والنصارى
اتخذوا قبور انبیاءہم
مساجد۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱)
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ
پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو
مسجد گاہ بنالیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ سنو! تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں و اولیاء
کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا کرتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ کی جگہ نہ بنانا میں

ہے۔ طحاوی قاری رحمہ اللہ حدیث "لعن اللہ الیہود والنصارى" کی شرح میں فرماتے ہیں
 "یہود و نصاریٰ کے ملعون ہونے کا سبب یا تو یہ تھا کہ وہ انبیاء کی تعظیم
 کی خاطر ان کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، اور یہ شرک جلی ہے۔"

یا اس لئے کہ وہ انبیاء کے مدفن میں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھتے تھے۔ اور
 نماز کی حالت میں قبروں کی طرف منہ کرتے اور ان پر سجدہ کرتے تھے،
 ان کا خیال تھا کہ وہ بیک وقت دو نیک کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
 کی عبادت بھی، اور انبیاء کرام کی تعظیم میں مبالغہ بھی۔ اور یہ شرک
 خفی تھا۔ کیونکہ یہ فعل مخلوق کی ایسی تعظیم کو متضمن تھا جس کی اجازت
 نہیں دی گئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت
 کو اس سے منع فرمایا یا تو اس لئے کہ یہ فعل یہودیوں کی سنت کے
 مشابہ ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں شرک خفی پایا جاتا ہے۔ (مشابہ شکوۃ)
 حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ الفوز البکیر میں فرماتے ہیں:

"اگر تم مشرکین کے عقائد و اعمال کی پوری تصویر دیکھنا چاہو تو اس
 زمانے کے عوام اور جہلاء کو دیکھو کہ وہ مزارات و آثار پر جا کر طرح
 طرح کے شرک کا ارتکاب کس طرح کرتے ہیں۔ اس زمانے کی آفتوں
 میں سے کوئی آفت نہیں جس میں اس زمانے میں کوئی نہ کوئی قوم مبتلا
 نہیں۔ اور ان کے مثل اعتقاد نہیں رکھتی۔ خدا تعالیٰ ہمیں ایسے عقیدوں
 اور عملوں سے بچائے۔"

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سجدہ کردن لبوئے قبور اولیاء و طواف گرد قبور کردن و دعا از
 آنها خواستن و نذر برائے آنها قبول کردن حرام است، بلکہ چیز ہا
 ازان بکفر میرساند۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنها لعنت گفتہ، و

از ان منع فرمودند، و گفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند۔ (املا بۃ منہ ص ۵۸)
 ترجمہ: اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا، ان
 سے دعا مانگنا، ان کے لئے نذر قبول کرنا حرام ہے، بلکہ ان میں سے
 بہت سی چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ان چیزوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور ان سے منع کیا ہے، اور فرمایا ہے
 کہ میری قبر کو بت نہ بنالینا۔"

اور ارشاد الطالبین (ص ۱۸) میں فرماتے ہیں:

"گرد قبور گردیدن جائز نیست، کہ طواف بیت اللہ حکم نماز دارد،
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف البیت صلوة۔ طواف۔ بیت اللہ
 حکم نماز دارد۔"

ترجمہ: "اور قبروں کے گرد چکر لگانا جائز نہیں۔ کیونکہ بیت اللہ کا طواف
 نماز کا حکم رکھتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیت اللہ
 کا طواف نماز ہے۔"

فتاویٰ عالمگیری ص ۳۵۱ میں ہے:

قال برهان الترجمانی لا تعرف وضع الید علی المقابر سنۃ
 ولا مستحسناً، ولا نذری بہ بأشاً، وقال عین الاثمہ الکراہی
 هكذا وجدناہ من غیر نیکر من السلف، وقال شمس
 الوثمة المکی بدعة۔ کذا فی القیۃ۔ ولا یمسح القبر و

لا یقبلہ، فان ذلک من عادة النصارى۔"

ترجمہ: "برہان ترجمانی کہتے ہیں کہ ہم قبر پر ہاتھ رکھنے کو نہ سنت
 سمجھتے ہیں اور نہ اچھی بات۔ لیکن اگر کوئی ہاتھ لگائے تو گناہ نہیں سمجھتے۔
 مین الاثمہ کراہی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو سلف سے نیکر کے بغیر

ایسا ہی پایا ہے۔ اور شمس الائمہ کئی فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ (دقنیہ)
اور قبر پر ہاتھ نہ پھیرے، اور نہ اس کو بوسہ دے، کیونکہ یہ عیسائیوں
کی عادت ہے۔“

اس فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ کبھی قبر پر ہاتھ رکھا جائے تو مضائقہ نہیں۔ جب
کے سنت یا اچھی بات نہ سمجھا جائے، لیکن اسپر ہاتھ پھیرنے کو باعث برکت
سمجھنا، اس کو چومنا اور بوسہ دینا بدعت ہے۔ یہ سلف صالحین کا طریقہ نہیں
تھا۔ بلکہ نصاریٰ کا معمول ہے۔

قبروں پر نیتیں اور چڑھائے:

بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں، بلکہ انکی نیتیں بھی
مانتے ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو جائے تو انکی قبر پر غلات یا شربتی چڑھائیگی یا اتنی رقم
ان کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کر لینا ضروری ہے۔
(۱) منت ماننا اور نذر و نیاز دینا عبادت ہے۔ اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔
ہمارے حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار میں ہے:

”واعلم النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام
وما یؤخذ من الدراهم والشع والزیث ونحوها
الی ضرائح الاولیاء الکرام تقریباً الیہم فهو بالاجماع
باطل وحرام۔ مالم یقصدوا صرفها لفقر الانام، وقد
ابتلى الناس بذلك، لاسیما فی هذه الاعصار وقد

لبسط العلامة فاسم فی شرح درر البحار“ (مختار قبل بالاعتقان)
ترجمہ: ”جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے نام کی جو
نذر مانی جاتی ہے۔ اور اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے، شع
تیل وغیرہ، ان کے تقرب کی خاطر جو لائے جاتے ہیں وہ بالاجماع

باطل اور حرام ہے۔ اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں خصوصاً اس
زمانے میں۔ اور اس مسئلہ کو علامہ قاسم نے درر البحار کی شرح میں
بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔“

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ایسی نذر کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ ہیں ایک یہ
کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے۔ اور مخلوق کے نام کی منت ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر
عبادت ہے۔ اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ جس کے نام کی منت
مانی گئی ہے وہ میت ہے۔ اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ سوم یہ
کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مراہو شخص بھی تکوینی امور
میں تصرف رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر ہے۔ (رد المحتار ص ۱۳۹)
اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

”عبادت مرغیر خدا را جائز نیست، و نہ مدد خواستن از غیر خدا۔۔۔۔۔

پس نذر کردن برائے اولیاء جائز نیست کہ نذر عبادت است“ (ارشاد الطالبین ص ۱۸)

ترجمہ: ”عبادت غیر خدا کی جائز نہیں اور نہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہی جائز

ہے۔۔۔ پس اولیاء اللہ کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر

عبادت ہے۔“

(الغرض) یہ مسئلہ ہماری بڑی بڑی سب کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر عبادت
ہے اور عبادت غیر اللہ کی جائز نہیں۔ اس لئے اولیاء اللہ کے مزارات پر نیتیں ماننا
اور چڑھاوے چڑھانا بالاجماع حرام اور باطل ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی ہو تو اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ اگر پورا
کرے گا تو گناہ گار ہو گا۔ فتاویٰ عالمگیری، بحر الرائق اور دیگر فتاویٰ میں اس کی تصریح
موجود ہے کہ اگر کسی معصیت کی نذر مانی ہو تو وہ صحیح نہیں اور نہ اس کا پورا کرنا ضروری
ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص ۲ ج ۱) بلکہ اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ حضرت قاضی

ثناء اللہ پانی پتی رحم فرماتے ہیں :

”واگر کے نذر کرد و فائے نذر نکند، اور اگر کسی نے ایسی نذر مان لی ہو تو کہ احتراز از معصیت بقدر امکان جواب دے پورا نہ کرے، کیونکہ جہاں تک ہو اسے (ارشاد الطالبین ص ۱۸) کے گناہ سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

مطلب یہ کہ ایسی نذر ماننا ہی گناہ تھا، اب اس کو پورا کرنا ایک مستقل گناہ ہو گا۔ اس لئے پہلے گناہ سے توبہ کرے، اور دوسرے گناہ کی حماقت نہ کرے۔ (۳) اگر کسی شخص نے ایسی نذر مان لی اور اسے پورا بھی کر دیا تو وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد ہونے کی وجہ سے حرام ہو گی، اور اس کا استعمال کسی شخص کے لئے بھی جائز نہیں ہو گا۔ البتہ جس شخص نے یہ چڑھا دیا چڑھایا ہے جب تک وہ چیز اپنی اصل حالت میں موجود ہو وہ اپنی منت سے توبہ کر کے اسے واپس لے سکتا ہے۔ یہی حکم اس جانور کا ہے جو غیر اللہ کے لئے چڑھاوے کے طور پر نامزد کیا گیا ہو۔ کہ جب تک وہ جانور زندہ ہے منت ماننے والا اپنی منت سے توبہ کر کے اس کو واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ غیر اللہ کے نام ذبح کر دیا گیا، خواہ بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو، اس کا کھانا حلال نہیں ہو گا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، مکتوبات شریفہ دفتر سوم، مکتوب ۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں :

”حیوانات را از مشایخ می کنند و بر سر قربانے ایشان رفته آن حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ این امر را نیز داخل شرک ساخته اند و درین مبالغہ نموده و این ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشته اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرہ شرک“

”جو جانور کہ بزرگوں کے نام پر دیتے ہیں، اور ان کی قبروں پر جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔ فقہی روایات میں اس امر کو بھی شرک میں داخل کیا ہے اور اس سے بچنے کی بہت ہی تاکید کی ہے، اور اس ذبح کو ان ذبیحوں کی جنس میں سے شمار کیا ہے جو جنات کے نام

پر ذبح کئے جاتے ہیں اور جو شرعاً منع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہیں“

(۴) اور اگر کسی شخص نے منت اللہ تعالیٰ کے لئے مان لی ہو، اور محض اس بزرگ کی روح کو ایصال ثواب مقصود ہو، یا وہاں کے فقراء کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو اس کو حرام اور شرک نہیں کہا جائے گا۔ مگر عوام اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے مسئلہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے، اس لئے اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ کی اوپر جو عبارت لکھی گئی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں :

”ازین عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک وارد۔ وجوہ نذر بسیار است۔ چہ در کارست کہ نذر ذبح جوئے کنند و از کتاب ذبح اُن نمایند و بذبح جن ملحق سازند و تشبہ بعبداء جن پیدا کنند و مکتوب دفتر سوم“

”اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کہ شرک کا شائبہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نام کی منت ماننے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، کیا ضروری ہے کہ حیوان کے ذبح ہی کی منت مان لی جائے۔ اور اس کے ذبح کا کتاب کیا جائے۔ اور جنات کے نام ذبح کئے جاتے ہوئے کے ساتھ اس کو ملحق کیا جائے اور جنات کی پرستش کرنے والوں سے مشابہت کی جائے“

(۵) اگر کسی شخص نے یہ نذر مان لی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اتنے روپے کی شیرینی یا اتنا کپڑا، یا اتنا غلہ خواجہ بہاء الحق زکریا ملتانی کی خانقاہ کے فقیروں میں تقسیم کروں گا۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ قلس سرہ کو پہنچاؤں گا تو اس کی نذر صحیح ہے۔ لیکن اگر اس کا وہ کام پورا ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ انہی فقیروں پر یہ چیز تقسیم کرے جن کا اس نے نام لیا تھا۔ بلکہ اتنی شیرینی، اتنا روپیہ وغیرہ خواہ کسی بھی فقیر کو دے دے اس کی نذر پوری ہو

جائے گی۔ اور اس کا ثواب حضرت خواجہ کو پورا ملے گا۔ اور اگر اس کا دل کسی اور فقیر کو دینے پر راضی نہیں ہوتا بلکہ حضرت خواجہ کی خانقاہ کے فقیروں کو دینا ہی ضروری سمجھتا ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ اس کے بغیر اسکی نذر پوری نہیں ہوگی تو اس سے ثابت ہوگا کہ یہ شخص دراصل اللہ تعالیٰ کی نذر نہیں مان رہا۔ بلکہ خود حضرت خواجہ کو چڑھاوا دینا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر یہ نذر محض اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوتی اور حضرت خواجہ کو محض ایصالِ ثواب مقصود ہوتا، اس نذر سے خود ان کا تقرب مقصود نہ ہوتا تو اس نذر کے پورا ہونے کا جو طریقہ ائمہ دین نے بتایا تھا اس پر اس کا دل ضرور راضی ہو جاتا۔ لہذا اس کا یہ کہنا کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی نذر مان رہا ہوں۔ غلط ثابت ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جو فقیہ مانی جاتی ہیں اور جو چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں اگر ان سے محض ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو۔ اور یہ خیال ہو کہ ان نذروں کو قبول کر کے وہ ہمارا کام کر دیں گے، اور اگر ہم نے ان کے نام کی منت نہ دی تو وہ ہم سے ناراض ہو جائیں گے اور اس سے ہمارے کاروبار، جان و مال اور بیوی بچوں کو نقصان پہنچے گا تو جیسا کہ اوپر ذکر مختار کی عبارت گزری ہے یہ بالاجماع حرام اور باطل ہے۔ اور اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر ان بزرگوں کی منت نہیں مانی جاتی۔ بلکہ منت صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی مانی جاتی ہے اور ان بزرگوں کی ناراضی و رضامندی کا اس منت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کو صرف ثواب پہنچانا مقصود ہے تو یہ منت بلاشبہ صحیح ہے، مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں تانتے ہیں، ان کی یہ نیت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ وہ یہ کہہ کر کہ ”ہم خدا کی منت مان رہے ہیں۔ اور بزرگوں کو صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے“ اپنے آپ کو دھوکے دے رہے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اسی مکتوب کے دفتر سوم میں آگے لکھتے ہیں:

”لا تذروا، فان النذر لا یغنی من القدر شیئاً وانما یستخرج به من مال البخیل“

”منتیں نہ مانا کرو، کیونکہ منت، تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتی اس کے ذریعہ سے تو بس بخیل کا مال نکالا

⑥ اسی نذر کے سلسلہ میں ایک اہم ترین مسئلہ جو اس باب میں فیصلہ کن ہے اور جس سے عوام ہی نہیں بلکہ بہت پڑھے لکھے بھی غافل ہیں۔ یہ ہے کہ دراصل کسی کام کے ہونے نہ ہونے میں نذر اور منت کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔ نہ اس سے قضا و قدر کے فیصلے تبدیل ہوتے ہیں۔ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے:

”منتیں نہ مانا کرو، کیونکہ منت، تقدیر کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتی اس کے ذریعہ سے تو بس بخیل کا مال نکالا

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں :

”منت ماننے کی ممانعت اس اعتقاد کی بناء پر ہے کہ وہ تقدیر کی کسی بات کو مانا دیتی ہے۔ کیونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی حاجتوں کے پورا ہونے اور مصیبتوں کے دور ہونے کے لئے منتیں مانا کرتے تھے۔ اور یہ بخل لوگوں کا وطیرہ ہے۔ اس لئے ان کو روکا گیا۔ لیکن سخی لوگ بغیر واسطہ نذر کے باختیار خود صدقہ دیتے ہیں، پس اس غرض سے منت ماننے کی جو ممانعت فرمائی گئی۔ اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ منت تو مانی جائے مگر مخلصانہ طریقے پر“

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صدقہ سے روکا جاتا ہے لیکن نذر ماننے میں ایک قسم کی سوداگری ہے کہ اگر یہ کام ہو تو صدقہ دیں گے ورنہ نہیں۔ بہر حال جو منت اللہ تعالیٰ کے نام پر مانی جائے اس سے بھی قضاء و قدر کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بزرگوں کے نام پر جو منتیں مانی جاتی ہیں ان سے خدا تعالیٰ کی تقدیر کیسے بدل سکتی ہے؟ لیکن ہوتا یہ ہے کہ منت ماننے کے بعد اگر کام نہ ہو تب تو لوگ تقدیر کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بس قسمت میں یو نہی لکھا تھا“ اور اگر کام ہو گیا تو اس کو تقدیر کا کرشمہ نہیں سمجھتے بلکہ اس بزرگ کا تصرف سمجھتے ہیں کہ دیکھو ہم نے فلاں پیر کی منت مانی تھی، اس نے (نعوذ باللہ) یہ چیز ہم کو دیدی — یہ ہے وہ جڑ جس سے فسادِ عقیدہ کی کوئیلیں پھوٹتی ہیں، اور جس کے ذریعہ شیطان لوگوں کو خدا تعالیٰ سے ہٹا کر اس کے بندوں کا پجاری بناتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا ارشاد میں اس جڑ پر قیصر چلایا ہے کہ منت خدا کے نام کی مانی جائے وہ بھی اس کے قضاء و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدلتی، چہ جائیکہ وہ منت

جو اس کے عاجز بندوں کے نام پر مانی جائے

قبروں پر پھول ڈالنا

سوال :

روزنامہ جنگ ۱۲ دسمبر کی اشاعت میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ قبروں پر پھول چڑھانا خلافِ سنت ہے۔ ۱۹ دسمبر کی اشاعت میں ایک صاحب شاہ تراب الحق قادری نے آپ کو جاہل اور علم کتاب و سنت سے بے بہرہ قرار دیتے ہوئے اس کو سنت لکھا ہے جس سے کافی لوگ تذبذب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ براہ کرم یہ خلجان دور کیا جائے۔

جواب :

شریعت کی اصطلاح میں ”سنت“ اس طریقہ کو کہتے ہیں جو دین میں ابتداء سے چلا آتا ہو۔ پس جو عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا ہو وہ سنت ہے۔ اسی طرح حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم) نے جو عمل کیا ہو وہ بھی ”سنت“ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

کسی عمل کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ آیا یہ عمل خیر القرون میں رائج تھا یا نہیں؟ جو عمل صدرِ اول (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم کے بابرکت زمانوں) میں رائج رہا ہو وہ بلاشبہ سنت ہے۔ اور اس پر عمل کرنے والے ”اہل سنت“ یا ”مسئتی“ کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس کے برعکس جو عمل کہ ان بابرکت زمانوں کے بعد ایجاد ہوا ہو اس کو بذات خود مقصد اور کارِ ثواب سمجھ کر نابعدت ہے۔

اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں وہ اہل بدعت یا بدعتی کہلاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سیکڑوں لاٹے صحابہ کرامؓ کو دفن کیا
ماشاء اللہ مدنیہ طیبہ و مطہرہ میں پھولوں کی کچی نہیں تھی۔ کیا آپؐ نے کسی قبر پر پھول چڑھا؟
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کیا خلفائے راشدین نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے مزار مقدس پر پھول چڑھائے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے حضرات خلفاء راشدین
کی قبور طیبہ پر اور تابعینؓ نے کسی صحابی کی قبر پر پھول چڑھائے؟ ان تمام سوالوں کا
جواب نفی میں ہے۔ اور پورے ذخیرہ حدیث میں ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم، کسی خلیفہ راشدؓ، کسی صحابیؓ یا کسی تابعیؓ نے قبروں پر پھول چڑھا
ہوں۔ پس جو عمل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر کسی ادنیٰ تابعی تک سے ثابت نہ
ہو اس کو ”سنت“ کون کہہ سکتا ہے؟ ہاں اگر کوئی صاحب کسی ایسے کام کو بھی۔
”سنت“ سمجھا کرتے ہیں جو معمول نبویؐ اور صحابہؓ و تابعینؓ کے معمول کے خلاف ہو تو
اس ناکارہ کو اعتراف ہے کہ وہ ”سنت“ کی اس نئی اصطلاح سے ناواقف ہے۔
ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک چیز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؓ
کے زمانوں میں وجود نہیں تھا، بلکہ بعد میں وجود میں آئی اور کسی امام مجتہد نے کسی اصل
شرعی سے استنباط کر کے اسے جائز یا مستحسن قرار دیا، ایسی چیز کو سنت نبویؐ تو
کہا جائے گا، مگر ائمہ اجتہاد کا قیاس و استنباط بھی چونکہ ایک شرعی دلیل ہے اس لئے اسی
چیز کو خلاف شریعت بھی نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اسے بھی ثابت بالسنۃ سمجھا جائے گا۔
زیر بحث مسئلہ میں یہ صورت بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اول تو پھول اور قبر ایسی
چیزیں نہیں جو زمانہ خیر القرون کے بعد وجود میں آئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانے میں قبریں بھی تھیں، اور پھول بھی تھے۔ اور ان پھولوں کو قبروں پر آسانی
سے ڈالا بھی جاسکتا تھا۔ اگر یہ کوئی مستحسن چیز ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قولاً یا
فعلاً اس کو رواج دے سکتے تھے۔

پھر فقہ حنفی کی تدوین ہمارے امام اعظمؒ کے زمانے سے شروع ہوئی اور دوسری
صدی سے لیکر دسویں صدی تک بلا مبالغہ ہزاروں فقہی کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے فقہاء
نے کفن و دفن اور قبر سے متعلق ادنیٰ ادنیٰ مستحبات اور سنن و آداب کی بڑی بڑی تفصیل سے قلمبند
کیا ہے۔ لیکن دس صدیوں کا پورا فقہی لٹریچر اس سے خالی ہے کہ قبروں پر پھول چڑھانا بھی
”سنت“ ہے، اب اگر یہ عمل بھی سنت ہوتا تو دس صدیوں کے ائمہ احفاد اس ”سنت“
سے کیوں غافل رہے؟ آخر یہ کیسی سنت ہے جس کا سراغ نہ زمانہ خیر القرون میں ملتا ہے،
نہ ذخیرہ حدیث میں، نہ دس صدیوں کے فقہی ذخیرہ میں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر
عمل کرتے ہیں۔ نہ خلفاء راشدین۔ نہ صحابہ و تابعین، نہ ائمہ مجتہدین، اور نہ دس صدیوں
کے علماء۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ زمانہ مابعد کے متاخرین کے استحسان ”سنت“
تو کجا؟ جواز بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فتاویٰ غیاثیہ سے نقل
کرتے ہیں:

قال الشيخ الامام الشهيد
رحمہ اللہ سبحانہ : لا نأخذ
باستحسان مشائخ بلخ . وانما
نأخذ بقول اصحابنا المتقدمين
رحمہم اللہ سبحانہ . لان
التعامل في بلدة لا يدل على
المجاز وانما يدل على الجواز
ما يكون من الصدر الاول
ليكون ذلك دليلاً على تقرير
النبي عليه وعلى آله الصلوٰۃ و

”شيخ امام شهيد رحمہ اللہ فرماتے
ہیں کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو
نہیں لیتے ہم صرف اپنے متقدمین
اصحابؓ کے قول کو لیتے ہیں، کیونکہ
کسی علاقے میں کسی چیز کا رواج
چل نکلنا اس کے جواز کی دلیل نہیں۔
جواز کی دلیل وہ تعامل ہے جو صدر
اول سے چلا آتا ہے جس سے یہ
ثابت ہو سکے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس پر برقرار

السلام اياهم على ذلك فيكون
شرعاً عنه عليه وعلى اله
الصلوة والسلام. واما
اذا لم يكن كذلك لا يكون
نعلهم حجة. الا اذا كانت
ذلك من الناس كافة في
البلدان كلها. ليكون اجماعاً
والاجماع حجة. الا ترى
انهم لو تعاملوا على بيع
الخمر وعلى الربوا لا يفتي
بالحل. (مكتوبات امام رباني
دفتر دوم مکتوب ۵۴)

رہی وہ حدیث، جو شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
شاخ خرما کو درختوں میں چیر کر انہیں دو معذب اور مقہور قبروں پر گاڑ دیا تھا۔ اور
فرمایا تھا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبروں کے عذاب میں تخفیف ہے
گی۔ اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اول یہ کہ یہ واقعہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی روایت سے مروی ہے۔ امام
نوی اور قرطبی کی رائے یہ ہے کہ یہ تمام روایات ایک ہی قصہ کی حکایت ہیں لیکن حافظ
ابن حجر اور علامہ عینی کی رائے ہے کہ یہ تین الگ الگ واقعات ہیں۔ اس امر کی تصحیح اگرچہ
بہت دشوار ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے یا متعدد واقعات۔ لیکن قدر مشترک سب روایات کا
یہ ہے کہ قبروں پر شاخیں گاڑنا عام معمول نبوی نہیں تھا۔ بلکہ مقہور و معذب قبروں پر
شاخیں گاڑنے کے ایک دو واقعے ضرور پیش آئے۔

دوم: اس میں بھی کلام ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کافروں کی؟ ابو موسیٰ
مدنی کہتے ہیں کہ یہ کافروں کی قبریں تھیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کی قبریں
تھیں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ میں بظاہر کافروں کی قبروں کا واقعہ ہے اور حدیث
ابن عباسؓ میں مسلمانوں کی قبروں کا۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۲۵۶)۔

یہ قبریں کافروں کی ہوں یا مسلمانوں کی؟ اتنی بات واضح ہے اور حدیث میں اس کی
تصریح ہے کہ شاخیں گاڑنے کا عمل ان قبروں پر کیا گیا جن کا مقہور و معذب ہونا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی قطعی یا کشف صحیح سے معلوم ہو گیا۔ عام مسلمانوں کی قبروں پر نہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے شاخیں گاڑیں۔ اور نہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین
کے زمانے میں رواج عام ہوا۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قبر پر شاخ گاڑنا بھی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عامہ اور سنت مقصودہ نہیں تھی۔

سوم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کہ امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں
خشک نہ ہوں ان قبروں کے عذاب میں تخفیف رہے گی؟ شارحین نے اس کی توجیہ و تعلیل
میں کلام کیا ہے۔ مناسب ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح مشکوٰۃ سے اس
مقام کی تشریح بلفظ نقل کر دی جائے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”اس حدیث کی توجیہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ان شاخوں کے تر رہنے
تک تخفیف عذاب کی امید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمائی اس کی
بنیاد کس چیز پر ہے؟

بعض لوگ اس پر ہیں کہ اس کی بنا اس پر ہے کہ نباتات جب تک
تر و تازہ رہیں حق تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہیں، اور آیت کریمہ: ”اور نہیں کوئی چیز مگر
تسبیح کہتی ہے اپنے رب کی حمد کے ساتھ“ میں شیئ سے زندہ شیئ مراد ہے۔
اور لکڑی کی زندگی اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ خشک نہ ہو۔ اور پھر کی
حیات اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ ٹوٹ نہ جائے۔ یا خاص تسبیح زندہ کے

شیخ کی اس تقریر سے واضح ہو جاتا ہے کہ محققین اس کے قائل ہیں کہ تحفیف عذاب کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یا آپ کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔ ورنہ شاخ میں دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے شاخ تر کے تسبیح پڑھنے کو دفع عذاب کی علت قرار دیا اور پھر اس کو عام سبزہ و گل کی طرف متعدی کیا، ان کو اجتہاد و استنباط کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ نہ ان کا یہ قول اہل علم کی نظر میں کوئی قیمت رکھتا ہے۔ بلکہ ائمہ اہل علم اور قدوۃ شراح حدیث نے ان کے اس تعلق کو یہ کہہ کر رد کر دیا ہے :

”اين سخن اصلے ندارد۔ و در صدر اول بود“

کہ یہ بالکل بے اصل بات ہے اور صدر اول — خیر القرون — کے معمول کے خلاف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ کی عربی شرح ”لمعات التنقیح“ میں مشہور حنفی فقیہ و محدث اور عارف امام فضل اللہ تورپشتی سے نقل کرتے ہیں :

”تورپشتی کہتے ہیں کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شاخوں کے تر رہنے کی مدت تک ان قبروں سے تحفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔

رہا ان لوگوں کا قول جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تر شاخ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتی ہے جب تک کہ اس میں تری باقی ہے، پس وہ عذاب قبر سے بچانے والی ہوگی۔ تو یہ قول بالکل بے مقصد اور لاطائل ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں“

(لمعات ج ۲ ص ۴۴)

حضرت شیخ کی تشریح سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن مجہول الاسم والرمہ لوگوں نے اس حدیث سے قبروں پر سبزہ و گل ڈالنے کا استنباط کیا ہے ائمہ اسلام نے ان کے قول کو بے اصل بے مغز، غیر معتبر اور صدر اول کے خلاف بدعت قرار دیا ہے۔ اگر ان کے قول میں پریشہ

ساتھ مخصوص ہے۔ اور جو تسبیح کہ ہر چیز کو عام ہے وہ اس کا وجود صانع پر اور اس کی وحدت اور صفات کمال پر دلالت کرنا ہے۔ اور یہ جماعت اس حدیث سے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے میں استدلال کرتی ہے۔

اور امام خطابی نے، جو ائمہ اہل علم اور قدوۃ شراح حدیث میں سے ہیں، اس قول کو رد کیا ہے۔ اور اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے سے انکار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی۔ اور صدر اول میں نہیں تھی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفیف عذاب کی شفاعت فرمائی تھی۔ پس آپ کی شفاعت شاخ کے خشک ہونے تک کی مدت کے لئے قبول کر لی گئی۔ اور ارشاد نبوی ”لَعَلَّ“ کا لفظ اسی طرف ناظر ہے۔ واللہ اعلم (اور صحیح مسلم ج ۴ ص ۴۱۸ میں بروایت جابر اس پر تصریح نبوی موجود ہے۔ ناقل)

اور علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ شاخ کے اندر دفع عذاب کی کوئی خاصیت نہیں، بلکہ یہ عذاب میں تحفیف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت و کرامت تھی۔

اگر تو دست بسائی بگور مردہ دلاں

روان مردہ در ایدعبیس در بندش

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا علم نبوت کے سپرد ہے کہ اس میں کیا راز ہوگا۔ اور جامع الاصول میں بریدہ صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ دو شاخیں ان کی قبر میں گاڑ دی جائیں، تاکہ ممکن ہے کہ اس میں کوئی راز ہو اور وہ سبب نجات ہو جائے۔

عمر دل عشاق حیلہ گر باشد

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۰۰)

کے برابر بھی وزن ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ صحابہؓ و تابعینؓ اور ائمہ مجتہدینؒ اس سے محروم رہتے۔
چہارم : اور اگر ان حضرات کی تعلیل کو۔ جو اہل علم کے نزدیک بے اصل، لاطائل اور غیر معتبر ہے۔ علی سبیل الترتیل تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اس سے قبر پر شاخوں کا کاڑنا سنت قرار پاتا ہے۔ نہ کہ قبروں پر پھول بکھیرنا، یا پھولوں کی چادریں چڑھانا۔ چنانچہ علامہ عینیؒ، جو اس تعلیل کو قبول کرتے ہیں، فرماتے ہیں :-

وذلك ما يفعله أكثر الناس
 من وضع ما فيه رطوبة من
 الرياحين والبقول ونحوهما
 على القبور ليس بشيء وإنما
 السنة الغرض .
 ” اور اسی طرح جو فعل کہ اکثر لوگ
 کرتے ہیں۔ یعنی سبزہ و گل وغیرہ
 رطوبت والی چیزوں کا قبروں پر ڈالنا۔
 یہ کوئی چیز نہیں۔ سنت ہے تو مرثیہ
 شاخ کا کاڑنا“

(عمدة القاری ج ۱ ص ۸۷۹)

پنجم : نیز اگر ان حضرات کے اس تعلق کو قبول بھی کر لیا جائے تو اس سے کافروں اور فتنی و فجار کی قبروں پر شاخ کاڑنے کا جواز ثابت ہوگا۔ نہ کہ اولیاء اللہ کی قبور طیبہ پر۔ جیسا کہ پہلے تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذب و مقہور قبروں کے سوا کسی قبر پر شاخ نہیں گاڑی۔ نہ اس کی ترغیب دی۔ اور نہ صحابہؓ و تابعینؓ نے اس پر عمل کیا۔ پس اس تعلق سے صالحین اور مقبولان الہی کی قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ اسے سنت یا مستحب کہا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاملہ کافروں اور گنہگاروں کی قبروں کے ساتھ فرمایا وہ اولیاء اللہ کی قبروں سے روار کھا جاتا ہے۔

شارع علیہ السلام نے عام مسلمانوں کی قبروں پر شاخ کاڑنے کی جو سنت جاری نہیں فرمائی شاید واللہ اعلم اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہو کہ ایسی شاخوں کا کاڑنا قبر کے معذب و مقہور ہونے کی بدشگونی ہے۔ اور شریعت ایسے کسی امر کو پسند نہیں کرتی جس میں کسی مسلمان

کے بارے میں سوہ ظن یا بدشگونی کا پہلو پایا جائے، اس لئے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اولیاء اللہ کی قبور پر پھول ڈالنا بے ادبی ہے۔

دراصل آج جو مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں وہ اس حدیث کی تعمیل کے لئے نہیں۔ بلکہ قبور کی تعظیم اور اہل قبور کے تقرب کے لئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی تعظیم اور اہل قبور سے تقرب کے لئے پھول چڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور نہ اس حدیث میں دور دور تک ایسی اجازت کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ تعظیم کی خاطر اولیاء اللہ کے مزارات یا قومی لیڈروں کی قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانے کی جو رسم ہمارے زمانہ میں رائج ہے متقدمین و متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اس لئے اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یہ یہود و نصاریٰ اور ہنود کی رسم ہے جو مسلمانوں میں درآئی ہے۔ بدعت کی خاصیت یہ ہے کہ جب وہ عام اور شائع ہو جاتی ہے تو رفتہ رفتہ علماء کے ذہن و دماغ بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بدعت کی شناخت و قباحت ان کے ذہن سے محو ہو جاتی ہے۔ اس لئے بعض علمائے زمانہ کھینچ تان کر کسی نہ کسی طرح اس کے جواز بلکہ استحسان کی کوئی نہ کوئی سبیل نکالنا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ بجائے احیائے سنت کے بدعت کی ترویج و اشاعت میں مدد و معاون بن جاتے ہیں۔

حدیث جریدہ کی اس مختصر تشریح کے بعد اب جناب شاہ تراب الحق صاحب کے نقل کردہ حوالوں کو لیتا ہوں۔
 ان میں سے پہلا حوالہ تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اشعة اللمعات کا ہے۔ اس کا پورا متن اوپر نقل کر چکا ہوں۔ اسے پڑھ کر معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ قبروں پر پھول ڈالنے کا جواز نقل کر رہے ہیں۔ یا اس کو ”بے اصل بدعت“ فرما رہے ہیں، اور جن لوگوں نے یہ جواز ناروا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حضرت شیخؒ ان کے قول کی تصدیق فرما رہے ہیں یا ان کے قول کو لایعبا بہ اور بے قیمت و غیر معتبر قرار دے رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے دوسرا حوالہ یہ نقل کیا ہے کہ :

” ملا علی قاری نے مرقات میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ مزاروں

پر ترپھول ڈالنا سنت ہے “

شیخ علی قاریؒ نے اس حدیث کے ذیل میں پہلے تو امام نوویؒ کا طویل اقتباس نقل کیا ہے،

جس کا ایک فقرہ یہ ہے :

” یہ جو لوگ اس حدیث سے تمسک کرتے ہوئے قبروں پر کھجور وغیرہ کے پتے

ڈالتے ہیں امام خطابیؒ نے اس پر نکیر کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اس کی کوئی

اصل نہیں “

شیخ علی قاریؒ اس فقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

” لیکن خطابیؒ کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں تو اس میں واضح

بحث ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس کے لئے اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھر میں

نے دیکھا کہ ابن حجرؒ نے اس بحث کی تصریح کی ہے۔ اور کہا ہے ”خطابی کا یہ کہنا کہ

اس کی کوئی اصل نہیں۔ ممنوع ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس کی اصل اصل ہے۔ اسی

بنیاد پر ہمارے متاخرین اصحاب میں سے بعض ائمہ نے فتویٰ دیا ہے کہ پھول اور شاخیں

رکھنے کی جو عادت ہو گئی ہے یہ اس حدیث کی بنا پر سنت ہے “

ابن حجرؒ کا یہ قول نقل کر کے شیخ علی قاریؒ لکھتے ہیں :

” شاید خطابی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک واقعہ حال خاص

ہے۔ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لئے اس کی گزشتہ توجیہات کی گئی ہیں۔

سوچ لو، کہ یہ بات محل نظر ہے۔ (مرقاۃ ص ۳۵۱ مطبوعہ ملتان)

شیخ علی قاریؒ کے اس کلام سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوئے :

۱۔ پھول ڈالنے کو انہوں نے سنت نہیں کہا۔ بلکہ ابن حجر شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ

بعض متاخرین شافعیہ نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔

۲۔ شیخ علی قاریؒ کو ائمہ احناف میں سے کسی کا قول نہیں مل سکا کہ یہ فعل سنت ہو،

یہ متقدمین کا اور نہ متاخرین حنفیہ کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔

۳۔ ابن حجر نے جن متاخرین شافعیہ کا فتویٰ نقل کیا ہے نہ وہ مجتہد ہیں۔ اور نہ امام

خطابیؒ اور امام نوویؒ کے مقابلہ میں ان کا قول کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ ائمہ شافعیہ میں

خطابیؒ اور نوویؒ کا علم و فضل، ورع و تقویٰ اور حدیث و فقہ میں جو مقام ہے ان متاخرین

شافعیہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں۔

۴۔ شیخ علی قاریؒ خطابیؒ کے قول کی توجیہ صحیح کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو محل نظر بتاتے

ہیں۔ انہوں نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ بطور فتویٰ نہیں۔ بلکہ بطور بحث ہے۔ ان تمام

امور کو نظر انداز کر کے کہہ دینا کہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں مزارات پر پھول چڑھانے کو سنت

کہا ہے، علمی ثقاہت کے خلاف ہے۔

تیسرا حوالہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح کا دیا ہے کہ :

” ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی روح سے فتویٰ دیا کہ خوشبو

اور پھول قبر پر چڑھانے کی جو عادت ہے۔ وہ سنت ہے “

غالباً شاہ صاحب نے طحطاوی کا حاشیہ بخشم خود ملاحظہ نہیں فرمایا۔ ورنہ انہیں

نظر آتا کہ یہ طحطاوی کی اپنی عبارت نہیں۔ بلکہ یہ بات انہوں نے ملا علی قاریؒ کی شرح مشکوٰۃ

کے حوالے سے نقل کی ہے۔ اور شرح مشکوٰۃ میں (جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے) ہمارے فقہائے

حنفیہ کا فتویٰ نقل نہیں کیا۔ بلکہ ابن حجر شافعیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے۔ جس پر اوپر بحث ہو چکی ہے۔

شاہ صاحب کے حوالے میں یہ افسوسناک غلطی ہوئی ہے کہ متاخرین شافعیہ کے قول کو ”ہمارے

متاخرین اصحاب کا حدیث کی روح سے فتویٰ“ بنا دیا گیا ہے۔ اِنَّا لَنَرٰہُ فَاِنَّا لَبِیْہُ رَاجِعُوْنَ۔

شاہ صاحب نے ایک حوالہ علامہ شامیؒ کا نقل کیا ہے کہ : ”انہوں نے اسے مستحب

کہا ہے “

یہاں بھی نقل میں افسوسناک تساہل پسندی سے کام لیا گیا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ

علامہ شامیؒ نے بحر، درر اور شرح منیہ کے حوالے سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ قبرستان سے

ترگھاس اور سبزہ کا اکھاڑنا مکروہ ہے۔ اور ”امداد“ سے اس کی تحلیل نقل کی ہے کہ وہ جب تک تر رہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے پس میت اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کی دلیل میں حدیث جریدہ نقل کر کے علامہ شامی لکھتے ہیں :

”اس مسئلہ سے اور اس حدیث سے قبر پر شاخ رکھنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے بطور اتباع کے۔ اور اس پر قیاس کیا جاتا ہے اس کی شاخیں وغیرہ رکھنے کو، جس کی ہمارے زمانہ میں عادت ہو گئی ہے۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ اور یہ اولیٰ ہے بہ نسبت بعض مالکیہ کے قول کے کہ قبروں کے عذاب کی تخفیف بہ برکت دست نبوی یا آپ کی دعا سے ہوئی تھی۔ اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا“

علامہ شامی کی اس عبارت میں پھول ڈالنے کا استحباب ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے بطور اتباع نبوی شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ کیا جاتا ہے۔ اور اس کی علت وہی ذکر کی ہے جو امام تورشتی کے ارشاد کے مطابق قطعاً لا طائل اور اہل علم کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ اور اس بے مقصد اور غیر معتبر تعلل پر قیاس کرنا کس قدر بے مقصد اور غیر معتبر ہوگا اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور علامہ شامی کا یہ کہنا کہ یہ تعلل بعض مالکیہ کے قول سے اولیٰ ہے کہ یہ تخفیف عذاب شاخ کھجور کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور آپ کی دعا و شفاعت کی کرامت تھی۔ اول تو اس قول کو بعض مالکیہ کی طرف منسوب کرنا بہت عجیب ہے۔ آپ سن چکے ہیں کہ ائمہ شافعیہ میں خطابی، مازری، نووی اور بعض دوسرے حضرات اسی کے قائل ہیں۔ اور ہمارے ائمہ احناف میں امام تورشتی نے اس کو صاف صاف اہل علم کا قول کہا ہے۔ اور اس کے مقابل قول کو ”لا طائل تحتہ وغیر معتبر عند اہل العلم“ فرمایا ہے۔ امام تورشتی کے ارشاد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مذاہب اربعہ کے اہل علم اس تعلل کو (جسے علامہ شامی اولیٰ کہہ رہے

ہیں) غیر معتبر اور بے مغز سمجھتے پر متفق ہیں۔ علاوہ ازیں جس قول کو علامہ شامی بعض مالکیہ کی طرف منسوب کر کے غیر اولیٰ کہہ رہے ہیں اور جس کے مقابلہ میں ایک ”غیر معتبر عند اہل العلم“ توجیہ کو اولیٰ کہہ رہے ہیں اس کی تصریح حدیث جابر میں صراحۃً لسان نبوت سے منقول ہے۔

فاحیبت بشفاعتی ان یرفعہ ”پس میں نے چاہا کہ میری شفاعت
ذلک عنہما مدام الغصنان کی بدولت ان کے عذاب میں تخفیف
رطبین۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۱۸) ہو جب تک کہ شاخیں تر رہیں“

اس لئے تسبیح جریدہ کی تحلیل بمقابلہ نص کے سرے سے مردود ہے۔ نہ کہ اولیٰ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ فرمودہ نبوی کو غیر اولیٰ کہا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں کے بے مغز تعلل کو اولیٰ کہہ کر اس پر قیاسی تفریعات بٹھائی جائیں۔

اور اگر بالفرض یہ بات حدیث میں منقول نہ ہوتی۔ بلکہ بعض مالکیہ ہی نے کہی ہوتی تب بھی عشاق رسول کے لئے یہ بات کس قدر اذیت ناک ہے کہ تسبیح جریدہ کی تحلیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور آپ کی شفاعت کی کرامت سے اولیٰ کہا جائے۔ الغرض علامہ شامی نے اول تو قبروں پر پھول ڈالنے کو مستحب نہیں کہا۔ بلکہ شاخ گاڑنے کا استحباب اخذ فرمایا ہے۔ اور پھر یہ استحباب بھی اس لا طائل اور بے مغز تعلل پر مبنی ہے جسے اہل علم غیر معتبر کہہ کر رد کر چکے ہیں۔

شاہ صاحب نے ایک حوالہ شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ کی کشف النور سے نقل کیا ہے۔ یہ رسالہ اس ناکارہ کی نظر سے نہیں گذرتا کہ اس کے سیاق و سباق پر غور کیا جاتا۔ مگر اتنی بات واضح ہے کہ علامہ شامی ہوں یا شیخ عبدالغنی نابلسی یہ سب کے سب ہماری طرح امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ اور مقلد کا کام صاحب مذہب اور ائمہ مجتہدین کی نقل کی اتباع کرنا ہے۔ تقلید خود رانی کا نام نہیں ہے۔ علامہ شامی نے شیخ عبدالغنی نابلسی نے یا کسی اور بزرگ نے اگر ہمارے ائمہ متبوعین سے کوئی نقل پیش کی ہے تو سر آنکھوں پر،

در نہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں یہی عرض کر سکتا ہوں :

انجبا قول امام ابی حنیفہ و امام
ابن یوسف و امام محمد معتبر است۔
نہ عمل ابی بکر شبلی، و ابی حسن
نوری۔
”یہاں امام ابو حنیفہ اور امام
ابو یوسف اور امام محمد کا قول
معتبر ہے۔ نہ کہ ابو بکر شبلی اور
ابو الحسن نوری کا عمل۔“

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۵)

جناب شاہ صاحب قبلہ نے اس پیچیدگان کے بارے میں جو الفاظ استعمال فرماتے ہیں ان کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ

بدم گفتی و خرسندم، نگو گفتی عفاک اللہ

جواب تلخ می زبید لب لعل شکر خارا

لیکن ان سے بہ ادب عرض کروں گا کہ جہاں اور عوام کی اختراع کردہ رسوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ بنائیں۔ (فداہ ابی دمی و روحی صلی اللہ علیہ وسلم)

آج اولیاء اللہ کے مزارات پر جو کچھ ہو رہا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔ نہ خیر القرون میں اس کا وجود تھا۔ بلکہ یہ شر القرون کی پیداوار ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بقول :

بأعمال و أفعال و أوضاع کہ

در زمان سلف از مکروہات بودہ و

آخر زمان از مستحبات گشتہ و

اگر جہاں و عوام چیزے کنند یقین کہ

از و اح بزرگان ازاں راضی نخواہد

بود۔ و صاحب کمال و دیانت و

نورانیت ایشان منزہ است ازاں۔

”بہت اعمال و افعال اور طریقے
جو سلف صاحبین کے زمانہ میں مکروہ
و ناپسندیدہ تھے وہ آخری زمانہ
میں مستحسن ہو گئے ہیں۔ اور اگر جہاں
عوام کوئی کام کرتے ہیں تو یقین
رکھنا چاہئے کہ بزرگوں کی ارواح
طیبہ اس سے خوش نہیں ہوں گی۔“

(شرح سفر السجادہ ص ۲۷۲) اور ان کے کمال و دیانت اور نورانیت

کی بارگاہ ان سے پاک اور منزہ ہے۔

افسوس ہے کہ شاہ صاحب انہی جہاں و عوام کی اختراع کردہ رسوم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ جن کا کوئی وجود نہ زمانہ سلف میں تھا۔ اور نہ ہمارے دس صدیوں کے فقہی لٹریچر میں۔ کیونکہ شاہ صاحب کو اطمینان ہے کہ جہاں و عوام کے غوغا کے سامنے کس کو مجال ہو سکتی ہے کہ ان مخترعہ رسوم کے بارے میں لکبشائی کرے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے صحیح لکھا ہے :

تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت

ستیہ اخترا از نماید بویئے این

دولت بمشام جان او نرسد۔

و این معنی امروز مستعسر است کہ عالم

در دریائے بدعت غرق گشتہ است۔

و ظلمات بدعت آرام گفتمہ کرامچال

است کہ دم از رفیع بدعت نرسد۔ رہ

احیائے سنت لب کشاید۔ اکثر علماء

این وقت رواج دہند ہائے بدعت

اند۔ و محو کنند ہائے سنت۔ بدعتہا

پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ۔

بجواز بلکہ باستحسان آن فتویٰ

میدہند و مردم را بدعت دلت

میخایند۔ (دفتر دوم مکتوب ۵۴)

تعال جان کران کے جواز بلکہ استحسان کا

فتویٰ دے ڈالتے ہیں اور بدعت کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔“

✽

اولیاء کے نام کی نذر ماننا

نذر کا بیان

نذر لغوی :- اپنے نفس پر غیر لازم چیز کو لازم کرنا۔ انذار کے معنی آگاہ کرنا علم دنیا (قائبوس) عموماً خطرہ کے موقع میں استعمال ہوتا ہے۔

نذر شرعی :- کسی نیک کام کو خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، یا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ پر لازم کر لینا۔

پہلا نذر مطلق ہے، دوسرا معلق بشرطیکہ جو منت مانی ہے وہ کام شریعت میں فرض واجب بھی ہو مثلاً نماز، روزہ، حج، خیرات، قربانی وغیرہ۔ کیونکہ نماز کی قسم میں پانچ نمازیں شریعت میں فرض موجود ہیں۔ اسی طرح روزہ بھی رمضان کا فرض ہے تو روزہ کی منت بھی صحیح ہوتی۔ خیرات حج قربانی وغیرہ سب کی منت صحیح ہے کیونکہ یہ سب چیزیں منت کے علاوہ بھی شریعت میں فرض یا واجب کا درجہ رکھتی ہیں۔ لیکن بیمار پرسی کی منت صحیح نہیں کیونکہ بیمار پرسی شریعت میں فرض واجب نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی منت مانی ہے وہ عبادت چونکہ آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو عدت کی نط سے دیکھا ہے اور میں بھی مقصودہ ہو وسیلہ نہ ہو، مثلاً وضو نماز کا وسیلہ ہے اس لئے اس کی منت لازم نہیں ہوتی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ منت اس چیز کی ہو جو فی الحال یا آئندہ اس پر فرض نہ ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ جس بات کی منت کی ہے وہ گناہ کی بات نہ

ہو ورنہ نذر لازم نہ ہوگی (فتاویٰ عالمگیری وغیرہ)
نذر مطلق :- یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شوق سے اپنے آپ پر بشرائط مذکورہ کوئی عبادت لازم کرے مثلاً اتنے روزے رضاء الہی کے لئے ضرور رکھوں گا، یا اتنی رکعت نماز، یا اتنی خیرات وغیرہ۔

نذر معلق :- یہ ہے، یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنی رکعت نماز یا روزہ، یا اتنے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا، یا فلاں گلی محلہ، یا فلاں مزار پر رہنے والے مسکینوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اگر وہاں مسکین لوگ رہتے ہوں تو کھانا کھلانا جائز ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس بزرگ کو خوش کرنا، یا اس سے فائدہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ بزرگ کا ذکر مسکینوں کی پہچان کے لئے ہو جیسے فلاں محلہ کے مسکین، فلاں مسجد کے درویش وغیرہ۔ اسی طرح فلاں مزار کے درویش کہو یا اگر بزرگ کو خوش کرنا اور اس سے تقرب مقصود ہو تو باطل، حرام اور شرک ہے۔

نذر عرفی :- یہ مولوی محمد عبداللہ صاحب کے لفظوں میں اس طرح ہے کہ :-
”اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث کے نام کی دیگ دوں گا۔“ یہ حرام ہے اور ناجائز تفصیل آگے دیکھئے حنفی فقہ کی معتبر کتابوں کے حوالے غور سے پڑھئے۔

نذر کا فائدہ کیلئے

عن ابی ہریرۃ وابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تنذر وفان النذر لا یغنی عن القدر شیئاً و انما یستخرج بہ من مال البعیل (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ روایت ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: منت نہ مانا کر دیکونکہ منت تقدیر سے نہیں بچا سکتی یعنی تقدیر کو بدل نہیں سکتی اور اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ منت کے ذریعہ سے کنجوس کے ہاتھ سے کچھ مال نکل جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ منت تقدیر کو بدل سکتی ہے، اس خیال کی تردید میں فرمایا: اس خیال سے منت نہ مانو کہ منت سے تقدیر ٹل جاتی ہے۔ خدا کی تقدیر کو خدا کے نام کی منت بھی نہیں بدل سکتی۔ سخی تو ہر حال میں مال خرچ کرتا ہے اور کنجوس کی یہ حالت ہے کہ جب مصیبت نے اس کی گردن کو آدھجا تو لگا منت ماننے پھر اگر خدا کی تقدیر سے اس مصیبت کا ٹلنا مقدر ہے تو ٹل جائے گی اور کنجوس کو مال بھی دنیا پڑا۔ یہ فائدہ ہے اس منت کا جو اللہ رب العالمین کے نام کی مانی جائے۔ البتہ اللہ کی منت سے تقدیر ٹل جانے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ چودھویں صدی میں جابلوں کے عقیدہ میں خداوند تعالیٰ اپنی خودائی بزرگوں کو دے چکا ہے، خدائی کا نظام بدل چکا ہے، انقلاب! انقلاب! یہی وجہ ہے کہ بزرگوں کی منتیں ماننے والے ہر مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی بے اولاد نہیں ہوتا، کوئی غریب نادار نہیں ہوتا ہر مصیبت کا علاج، ہر مرض کی دوا ڈھونڈ لگائی ہے۔ اور ہر بچارے خداوند تعالیٰ سے مانگنے والے خستہ حال ہیں بے اولاد ہیں، فاقوں مرتے ہیں، کیونکہ خداوند تعالیٰ کو گرفت میں لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نذر معلق اگرچہ خداوند تعالیٰ کے نام کی ہو ایک سودا بازی ہے۔ واصل مشکلات اور مصائب کے وقت اسلام کی اصلی تعلیم رجوع الی اللہ، استغفار صبر، نماز اور دعا کے متعلق بھی بے نیازی سے فرمادیا نیکشف مات دعون الیہ ان شاء۔ یعنی اگر خداوند تعالیٰ چاہیں تو تمہاری

دعا سے مصیبت کھولیں، نہ چاہیں تو نہ کھولیں۔ نیز ایسے موقع پر صدقہ بہت مفید چیز ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے جو مصیبت کے وقت رضا، الہی کے لئے نقد صدقہ دیتا ہے، دوسرا وہ جو خداوند تعالیٰ سے سو ۱۰ بارزی کرا ہے، یا اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو کام ہو جانے کے بعد تیرے نام پر اتنا صدقہ دوں گا۔ بندگی اور خدائی کے تعلق میں ناظرین غور کریں کہ کونسی صورت زیادہ بہتر ہے؟ پھر اگر منت بھی بزرگوں کے نام کی ہوئی تو مصیبت کے وقت رزق میں پھنسا۔

اب سنئے مسئلہ نذر فقہاء حنفیہ کی کتابوں سے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-
والنذر الذی یقع للعوام الخ

ترجمہ: اور وہ منت جو اکثر عوام الناس مانتے ہیں، اس طرح کہ کسی نیک بندے کے مزار پر جا کر یہ کہتے ہوئے مزار کا غلاف پھڑپھڑاتے ہیں اے میرے آقا! فلاں بزرگ! اگر میرا یہ کام ہو جائے تو تیرے نام پر مثلاً اتنا سونا دوں گا، یا کچھ اور یہ نذر باطل ہے جامعاً یعنی سب علماء کا اس بات پر اتفاق ہے، اس مسئلہ میں کچھ اختلاف نہیں۔ ہاں اگر یہ لفظ کہے، یا اللہ! میں نے تیری منت مانی ہے اگر تو میرے مریض کو شفا دیوے، یا میرا فلاں کام کر دیوے تو میں کھانا کھلاؤں گا ان مسکینوں کو جو تیرے نفیسے یا فلاں بزرگ کے دروازے میں رہتے ہیں، یا فلاں بزرگ کی مسجد میں چٹائیاں خرید کرے جاؤں گا مثلاً حضرت بلخا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد یا اس مسجد میں جلانے کے لئے تیل بھجوں گا۔ یا شعا ردا کرنے والوں کے لئے روپیہ بھجوں گا۔ ایسی چیز جس میں مسکینوں کا فائدہ ہو، اور منت

اللہ کے بے ہوا اور مسکینوں کا ذکر جگہ بیان کرنے کے لئے ہو تو یہاں
ہے۔ کیونکہ یہ ایسا ہے جیسے فلاں محلہ کے مسکین۔ اس نذر میں بزرگ
کا نام صرف پہچان کے لئے ہے، لیکن اس منت کا خرچ کرنا مسکینوں
کے سوا جائز نہیں۔ نہ تو کسی عالم پر بوجہ علم کے خرچ ہو سکتی ہے
نہ اس بزرگ کے مجاوروں پر لیکن اگر تنگ دست اور مسکین ہوں
تو جائز ہے۔ اور جب تو نے اس بات کو پہچان لیا تو جو چیزیں
روپے پیسے وغیرہ لے کر ادیاء اللہ کی قبروں پر پہنچائی جاتی ہیں
ان کو خوش کرنے اور تعلق بڑھانے کی غرض سے، پس یہ حرام ہے
بالاتفاق یعنی سب علماء امت اس کو حرم فرماتے ہیں۔ کچھ اختلاف
نہیں۔ ہاں اگر بزرگوں کی قبروں پر کچھ چیزیں جلانے کا مقصد بزرگوں
سے تعلق بڑھانے ہو، بلکہ وہاں کے مسکین پر رحم کی وجہ سے کچھ لے
جا کر تقسیم کرے تو جائز ہے بالاتفاق۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت ختم ہوئی۔ اب دیکھئے بحر الرائق شرح کنز الدقائق
جلد دوم صفحہ ۲۹۸۔

وقد قلنا ان النذر لا يصح بالمعصية فقال الشيخ
قاسم في شرح الدرر اما النذر الذي يقع للعوام على ما
هو مشاهد كان يكون لانسان غائب او مريض اوله حاجة
ضرورية فيأتي بعض الصالحاء فيجعل ستره على راسه فيقول
يا سيدي فلان ان ردة غائب او عوفي مريض او قضيت حاجتي
فلك من الذهب كذا او من الفضة كذا او من الطعام كذا
او من الماء كذا او من الشمع كذا او من الزيت كذا فهذا

النذر باطل بالاجماع لوجوه منها انه نذر مخلوق والنذر
للمخلوق لا يجوز لانه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق ومنها
ان المنذر ورسالة ميتة والميت لا يملك ومنها ان ظن الميت
يتصرف في الامور دون الله تعالى فاعتقاده ذلك كفر اللهم
الا ان قال يا الله اني نذرت لك ان شفيت مريض او
رأدت غائب او قضيت حاجتي ان اطعم الفقراء الذين
باب السيدة نفيسة او الفقراء الذين باب الامام الشافعي
او الامام الليث او اشترى حصرا لمساجدهم او نريتا لو قودها
او دراهم لمن يقوم بشعائرها الى غير ذلك مما يكون فيه نفع
للفقراء والنذر لله عز وجل وذكر الشيخ انما هو محل
لصرف النذر مستحقه القاطنين برباطه او مسجده
او جامعته فيجوز بهذا الاعتبار اذ مصرف النذر الفقراء
وقد وجد المصروف ولا يجوز ان بصرف ذلك لغنى
غير محتاج ولا لشراف منصب لانه لا اجل له الاخذ
ماله يمكن محتاجا فقيرا ولا لذي نسب لاجل نسبه ما
لم يكن فقيرا ولا لذي علم لاجل علمه ما لم يكن فقيرا ولم
يثبت في الشرع جواز مصرف للاغنياء۔

ترجمہ :- اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ گناہ کی منت صحیح نہیں ہوتی، شیخ قاسم
نے شرح درر میں فرمایا ہے لیکن وہ نذر جو عوام الناس ملتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ
ہے یعنی روزمرہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی شخص کا کوئی آدمی گم ہو یا بیمار ہو، یا اس کو
کوئی ضروری حاجت درپیش ہو۔ پس وہ کسی نیک آدمی کے مزار، پاس جلتے اور
غلاف کو سر پر اٹھائے رہا ہے ہاں ہاتھ میں پکڑنے کا رواج ہے یا ویسے

ہی کہہ دیتے ہیں «اے میرے آقا! فلاں بزرگ! اگر میرا گم شدہ واپس آجائے،
یا میرا مریض تندرست ہو جائے، یا میری حاجت پوری ہو جائے تو آپ کو اتنا
سونا، یا اتنی چاندی، یا اتنا کھانا، یا اتنا پانی، سبیل یعنی پھیل لگاؤں گا، یا اتنی موم
تیاں قبر پر روشن کروں گا، یا اتنا تیل چراغی ڈالتوں گا پس یہ منت باطل ہے یعنی
نا جائز ہے۔ سب علماء کے اتفاق سے۔ یعنی اس مسئلہ میں کسی عالم کا اختلاف
نہیں اور ناجائز ہونے کی کئی وجوہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے
اور مخلوق کی نذر ناجائز ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کی
نہیں ہوتی خالق کی ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ
میت ہے اور میت کسی چیز کی یعنی دنیا کی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اور ایک
وجہ یہ ہے کہ اگر یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ میت کام بناتی ہے نہ اللہ تعالیٰ تو یہ
عقیدہ کفر ہے (جیسا کہ اکثر بیویوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بزرگوں
کو اختیار دے دیا ہے جو چاہیں کریں یہ عقیدہ کفر ہے) ہاں اگر یہ کہے کہ
یا اللہ! میں تیری منت مانتا ہوں، اگر تو میرے مریض کو شفا دے، یا میرے
گم شدہ کو واپس لائے، یا میری حاجت پوری کرے تو میں کھانا کھلاؤں گا
ان غریبوں کو جو سیدہ نفیسہ کے یا جو امام شافعیؒ کے دروازہ میں رہتے ہیں
یا امام لیث کے دروازہ میں، یا ان بزرگوں کی مسجد کے لئے چٹائیاں اور روشنی
کے لئے تیل خرید کر بھیجوں گا، یا ان مسجدوں کے خدمت گزاروں کو اتنے
روپے دوں گا جس میں نفع ہو مسکینوں کا اور نذر ہو اللہ تعالیٰ کی، اور بزرگ
کا ذکر صرف اس لئے کیا ہو، کہ مزار کے پاس جو مسجد یا مدرسہ، یا مسافر خانہ ہو
اس میں رہنے والے مسکینوں پر منت خرچ کرنے کا نشان پہچان بیان کیا
ہے پس اس اعتبار سے بزرگ کا نام لینا جائز ہے یعنی منت میں بزرگ

کا لفظ صرف پہچان کے لئے آیا ہے۔ بزرگ کا منت سے کچھ تعلق نہیں، اگر
بزرگ کے لحاظ سے اور بزرگ کو خوش کرنے کے لئے وہاں کے مسکینوں کو
دے تو حرام ہے۔ کیونکہ نذر عبادت الہی ہے اس میں کسی کو شامل نہیں کیا
جاسکتا کیونکہ نذر کا مصرف مساکین ہیں اور مسکین یہاں موجود ہیں۔ اور جائز
نہیں کہ منت خرچ کی جائے دولت مند پر جو محتاج نہ ہو اور نہ کسی شریف منصب
یعنی معزز عہدہ دار پر افسر وغیرہ پر کیونکہ منت کا مال لینا حلال نہیں ہے جب
تک محتاج اور فقیر نہ ہو، اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی قوم کے آدمی
پر قومی ہونے کی وجہ سے مثلاً اپنی برادری یا کوئی خاص برادری جب تک غریب
نہ ہو، اور جائز نہیں کہ منت خرچ کی جائے کسی علم والے پر علم کے لحاظ سے
جب تک غریب نہ ہو رہا رہے ہاں لوگ منت کی چیز برادری میں بھی تقسیم کرتے
ہیں، امام مسجدوں اور علماء کو بھی دیتے ہیں، منت ادا نہیں ہوتی، اور نذر لیت
میں منت کا دولت مندوں پر خرچ کرنا ثابت نہیں۔

ناظرین!۔ مقام غور ہے۔ منت میں بزرگ کا ذکر اس طرح تو آ سکتا ہے
جس طرح مسجد مدرسہ، مسافر خانہ اور گلی محلہ کا پتہ دینا ہوتا ہے لیکن منت کی
چیز سے بزرگ کو خوش کرنا حرام ہے۔ پہلے زمانہ میں رواج تھا کہ بادشاہان
اسلام کسی بزرگ کی قبر کے پاس ایصالِ ثواب کے لئے مسجد، مدرسہ، مسافر
خانہ بنادیتے تھے۔ وہاں مسافر طالب علم رہتے تھے لوگ منت ماننے کے وقت
پہچان کے طور پر بزرگ کی مسجد وغیرہ کہہ دیتے تھے۔ نام رکھنے میں اگر پہچان
کی غرض ہو تو ہرج نہیں ہے جیسے فلاں شخص کا مکان وغیرہ۔ آج کل بھی اولیاء
اللہ کی قبروں پر لوگ رہتے ہیں مگر بریلویوں کی شامت اعمال سے نذر عرفی
کھاتے ہیں جس کی برکت سے بھنگڑ بن جاتے ہیں۔ کون سا شرعی گناہ ہے جو آج

یہ چراغ کے نیچے اندھیرا کیوں ہے؟ بریلویوں کے بابائے اعظم کے سامنے یہ سوال پیش ہوا ہے۔ احکام شریعت میں ذکر آیا ہے۔ مگر جواب کیا دیتے ہیں؟ یہ باتیں درمیان میں آئیں اب ذرا پیچھے چلے بھرا لائق کا حوالہ بھی جاری ہے فقیر ان علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ مذکور مخلوق کے متعلق فرماتے ہیں:-

للاجتماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا یعتقد ولا تستغل الذمة به ولا انه حرام بل سحت ولا یجوز لخدام الشیخ اخذہ ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه الا ان یكون فقیراً اوله عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرون فلخذله ایضاً مکر وکماله یقصد به النادر النقیض الی اللہ تعالیٰ۔

ترجمہ:- کیونکہ مخلوق کی منت حرام ہونے پر سب علماء شفیق ہیں کسی کو احتیاج نہیں۔ اور یہ منت بھی لازم نہیں ہوتی ماننے والے کے ذمہ پر کچھ نہیں آتا، اور اس لئے کہ یہ حرام ہے بلکہ تحت ہے۔

سحت کے معنی شرمناک کام، اور جڑے اکھاڑی ہوئی چیز اور رشوت رازہ منتخب و مفردات راغب (یعنی شرمناک فعل ہے، موجب ننگ و عار ہے۔ شرم! شرم!! اور اس بزرگ کے مزار مسجد وغیرہ کے متولی کو اس منت کا لینا بھی جائز نہیں کھانا بھی جائز نہیں، اور اس میں کسی طرح کا تصرف یعنی لے کر کسی کو دنیا بھی جائز نہیں لیکن اگر محتاج ہو، اور اس کے ذمہ جو جن مساکین کا بوجھ ہے وہ کام کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، اور جھوک سے مضطرب یعنی بے بس اور لاچار ہوں پھر بھی اس منت کی چیز کا لینا ناپسند ہے جب تک منت ماننے والے نے قرب الہی کی نیت نہ کی ہو۔

کل مزارات پر نہیں ہوتا۔ بد معاشی، شراب نوشی اور جہانم کے اڈے بن چکے ہیں رات دن گانا بجانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکام شریعت میں اس کو حرام لکھا ہے، یہ ساری برکتیں مولوی محمد عبداللہ صاحب کی نذر عمرنی (بزرگوں کی منت) کی ہیں۔ درخت کو پھل سے پہچاننا اور خدا کا خوف کرو۔ تمہارے اس فتویٰ نے قوم کا ایک حصہ منطوج کر دیا ہے مشرکانہ عقیدہ کی ناپاک چیز کو بزرگوں کا تبرک کہتے ہو۔ کیا اولیاء اللہ کو شرک سے نفرت نہیں ہے؟ کیا وہ تمہاری پیش کش کے بھوکے ہیں؟ جو لوگ مزارات پر ہمیشہ رہتے ہیں اور دن رات ایسی نذریں کھاتے ہیں وہ گندگی کے ذخیرے بن چکے ہیں، بد اخلاقی کے سنٹر ہیں، شر اور چیزوں کے ٹھیکیدار ہیں، محکمہ آبکاری کو اتنی فیصد جرائم ان کے ہاں دستیاب ہوتے ہیں۔ ہر سال قوم کے ہزاروں لاکھوں پاکیزہ فطرت بچوں کو انیم چرس، چنڈو کی لاگ لگا رہے ہیں۔ جب کسی شریف خاندان کا نو بہال ان ظالم ڈاکوؤں کے ہاتھ چرٹھ جاتا ہے تو والدین اپنی امیدوں کا خون ہوتا دیکھ کر بے ساختہ پیٹتے ہیں، مگر یہ نہیں سمجھتے کہ شاید وہ پودا بے سمجھی میں ہم نے ہی لگایا ہو جس کا پھل ہمارے گھر میں آج پہنچا ہے

یہاں پہنچ کر ہم بریلوی دوستوں سے ایک بات پوری سنجیدگی سے پوچھتے ہیں کہ اولیاء اللہ جو آپ کے خیال میں کارخانہ قدرت کے مالک ہیں، جن کے اشارے سے ہوتی ہیں بدلتی ہیں، اولاد، رزق، مرثا جینا ان کے بس میں ہے تو کیا اپنے مزارات کو ان گندگیوں سے پاک نہیں کر سکتے؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ یا تو یہ کہو کہ خدا کے مقبول بندے خداوند تعالیٰ کی عنایات اور انوار و برکات میں مستغرق ہیں، ہماری گندی دنیا سے ان کو کیا غرض۔ اور اگر نذر دنیا و وصول کرتے ہیں۔ پھر رشوت پر بھی کام کرتے ہیں تو ذرا اپنا گھر بھی صاف رکھا کریں

مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کی منت میں جو شرک کی وجہ سے پیدای اور ضرمت پیدا ہوتی ہے وہ مردار وغیرہ زیادہ ہے۔ اضطراری حالت میں جب کسان بھوک سے جاں بہ لب ہو تو مردار وغیرہ کو بقدر ضرورت کھانے کی اجازت ہے، لیکن یہ غیر اللہ کی منت پھر بھی ناپسند اور قابل کراہت و نفرت ہے علماء اسلام اور فقہاء کرام کا دینی جذبہ اور اسلامی غیرت قابل غور ہے کہ بزرگوں یا نبیوں ولیوں کی منت کو مردار سے بھی بڑھلا یا خود انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی تعلیم بھی یہی ہے۔ اسلام کا خدا بھی عزت والا ہے اور رسول کریم بھی غیور ہیں۔ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُگے چلتے:-

وصرفه للفقراء ویقطع
النظر عن نذر الشیخ کا حصول اور مکیوں پر خرچ کا جذبہ اور بزرگ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے۔

یعنی منت کو حلال کرنے کی تین شرطیں ہیں: خداوند تعالیٰ سے نزدیک اور اور قریب ہونے کا جذبہ، مکیوں اور غریبوں پر رحم و کرم کا جذبہ تیسری شرط یہی ہے یعنی نذر ماننے والے کے دل میں بزرگ کی نذر کا خیال بالکل نہ ہو، ورنہ حرام ہو جائے گی۔ اُگے دیکھئے:-

فاذا علمت هذا فما یؤخذ
من الدر اہم والشمع والزیت
وخیروھا وینقل الی ضرائح
الاولیاء تقرباً الیہم فحرام
باجتماع المسلمین ما لم یقصد
بصرفھا للفقراء والاحیاء

یعنی جب تو نے اس بات کو سمجھ لیا تو جو چیزیں روپیہ پیسہ، موم، تیل وغیرہ بے کراویاً اللہ کے مزارات پر لیجاتے ہیں بزرگوں کو خوش کرنے اور ان سے تعلق برٹھانے کے لئے یہ تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حرام ہے جب تک کہ خرچ کرنے کا مقصد زندہ مکیوں پر رحم

قولاً واحداً۔
(بحر الرائق کی عبارت ختم ہوئی) ایک زبان ہیں۔

یعنی اگر یہ نیت ہو کہ وہاں کے مسکین تکلیف زدہ ہیں تو جائز ہے۔ اگر بزرگ کی منت مانی تو ماننا بھی حرام، مانے جانا بھی حرام، وہاں کے لوگوں کے واسطے اسے ہاتھ لگانا یعنی تصرف بھی حرام، لے کر کسی کو دینا بھی حرام، اور بھوک سے مرتے ہوں پھر بھی ان کے واسطے مردار سمجھ کر کھانا بھی ناپسندیدہ فعل ہے۔ ہمارے حنفی بلکہ چکڑ حنفی بھائیوں کے لئے یہ مقام قابل غور ہے۔ بحر الرائق فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اور مختار، فتاویٰ شامی اور بہت سی متبرکت ہیں اس کے پیچھے چلتی ہیں۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے احکام شریعت اور دوسرے رسائل میں اس کتاب کا قدم قدم پر حوالہ دیا ہے۔ اس حوالہ میں نذر کے متعلق کتنی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ اے بزرگ! اگر میرا کام ہو جائے تو تیرے نام کی یہ چیز دوں گا۔ علماء کے کے اتفاق سے باطل ہے۔ حرام ہے، نثرناک ہے۔ مگر مولوی عبداللہ صاحب رسالہ نذریا و لیا کے ص ۳ پر لکھتے ہیں:-

”مثلاً یہ کہا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا میرا بالکل جائز ہے“

دیکھتے دین کے مالک نے بیٹھے ہیں حنفی بلکہ شافعی، مالکی، حنبلی تمام علماء اسلام تو حرام کہتے ہیں مگر مولوی عبداللہ صاحب بالکل جائز کہتے ہیں۔ حضرت کیا یہ نذر عرفی نہیں؟ یہ باطل اور حرام وغیرہ وغیرہ کس چیز کو کہا جا رہا ہے؟ ایصال ثواب کا نذر سے کیا تعلق ہے؟ اگر میرا کام ہو جائے تو ایسا کروں گا۔ یہ الفاظ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا شریعت میں ایصال ثواب کے لئے یہ الفاظ کہیں آئے ہیں؟

جائے تو میں غوث کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔
یہ ایصالِ ثواب نہیں ہے۔ یہ نذرِ حرام ہے قطعاً۔ ایصالِ ثواب کا طریقہ
کہاں سے سیکھا؟ ذرا بتائیے تو؟

آپ نے بلکہ آپ کی جماعت نے ان باریکیوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے تینوں
چیزوں کو گڈ ٹڈ کر دیا۔ توحید کا مسئلہ سخت نازک ہے، سخت احتیاط چاہیے۔
اب ہم آپ کو فتاویٰ عزیزی کی سیر کرائیں گے۔ فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۷ زندہ جانہ
کی منت الخ

”مٹھائی وغیرہ جو بطور منت ہوں ان کا کھانا قریبِ حرام ہے۔
بشرطیکہ غیر اللہ کی نذر کی نیت ہو۔ چپا شیخ سدو کے گلگلے اور
شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمئی وغیرہ“

مصنف نذر اولیاء کی خدمت میں گزارش ہے کہ رسالہ نذر اولیاء کے صفحہ
پر چھپنی چیزیں آپ نے بیان کی ہیں، ان کو اس محکم میں کیوں نہ شامل کیا جائے۔
شیخ سدو کے گلگلے، بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی سرمئی، غوث الاعظم کی گیارھویں،
حضرت امام جعفر صادق کا کوٹنڈا، حضرت سیدہ فاطمہؑ کی کھیر، میلاد شریف کی شیرینی،
اصحاب کبف کا توشہ وغیرہ وغیرہ۔

شاءِ عبدالعزیزؒ نے جس اصول کے مطابق حضرت بوعلی قلندرؒ کی سرمئی کو حرام
کے قریب فرمایا ہے یعنی غیر اللہ کی نذر، اس اصول میں یہ سب چیزیں داخل ہیں نہیں ہیں
تو کس طرح؟ وہی ماحول ہے وہی شرک کے جذبات ہیں، بلکہ جہالت اور دین
سے بے خبری کچھ زیادہ ہو رہی ہے، بھلا جس خدا کے ہاتھ میں کچھ اختیار نہ ہو،

نہ اس لئے کہ گیارھویں جب منت کے طور پر ہو تو یقیناً حرام ہے۔ ایصالِ ثواب جائز ہے

معتبر کتاب کا حوالہ دیجئے۔ ایصالِ ثواب کے الفاظ کیا ہیں؟ اور یہ بھی واضح فرمائیے
کہ بزرگوں کی منت سے تقریب الہی کس طرح حاصل ہوتا ہے؟ اس کے متعلق
قرآن حدیث اور فقہ کی دلیل کیا ہے؟

۲۔ یا اللہ اگر تو میرا کام کر دے تو میں عام مسکینوں کو، یا کسی خاص گلی
محلہ مسجد مزار کے مسکینوں کو اتنا کھانا کھلاؤں گا۔ یہاں اس بزرگ کا نام
اس لئے نہیں ہے کہ اسے خوش کرنا ہے، یا نذر کے ذریعے ان سے لعلق
بڑھانا کے طریقے اور ہیں یکیاں کرو اور نیکیوں کے واسطے دعا کرو وغیرہ۔
لیکن خدائی میں شریک ہونے کے وہ خواہش مند نہیں ہیں۔ بلکہ بزرگ اور ولی
کا ذکر مساکین کا ٹھکانا مقرر کرنے کے لئے ہے جو کہ اس میں شرک کی ملاوٹ
نہیں اس لئے جائز ہے۔

اس سے پہلے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا حوالہ گزر چکا ہے تقریباً یہی
مضمون فقہ حنفیہ کی معتبر ترین کتاب درمختار میں موجود ہے۔ فتاویٰ شامی جلد ۲
ص ۵۰ پر بھرا لائق کی یہی عبارت تمام کی تمام موجود ہے۔ اختصار کے لئے اندراج
نہیں کیا گیا۔ نیز یہی عبارت انھما الفائق میں موجود ہے (بحوالہ بحر) اب یہاں
تین چیزیں ہیں۔

۱۔ کسی مقبول بارگاہ کے توسل سے دعا مانگنا۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔
۲۔ ایصالِ ثواب :- ثواب پہنچانا۔ اس کا طریقہ نذر سے الگ ہے۔ اس کا بیان آئیگا
۳۔ تیری چیز نذر ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ سے خاص ہے۔ اس میں ایصالِ ثواب
کی گنجائش نہیں۔ ثواب بھیجنے کو نذر کرنا تو معرف میں کہہ سکتے ہیں نذر ماننا نہیں
کہہ سکتے۔ آپ نے نذر ماننا کہا ہے۔ دیکھئے ص ۷

”لوگ حضرت پیران پیر کی منت ماننے لگے، اور اگر میرا کام ہو

⑨ قبر پر اذان دینا

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں ایک بدعت بریلویوں کی قبر پر اذان بھی ہے۔ بانی مذہب مولانا احمد رضا نے اس پر ایذا ان الاجر فی اذان القبر کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی نے جہاں الحق میں اسے ثابت کرنے کے لیے منت سے مدت تک اس پر بڑی بحث کی ہے۔ تاہم اس بدعت میں بریلوی علماء عوامی تائید حاصل نہیں کر سکے۔ اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند امور ہمہ وقت پیش نظر رہیں:-

① — مسلمانوں کا فتنہ ہونا ان کا جنازہ پڑھنا اور دفن ہونا یہ مسئلہ کوئی ایک آدمی دفعہ کا نہیں۔ مسلم معاشرے میں ایسے واقعات اور حادثات اس کثرت سے پیش آتے ہیں کہ ان کی قدر مشترک کسی مسلمان سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہاں کی زندگی میں سینکڑوں جنازے پڑھائے۔ خلافت راشدہ میں بھی لا تعداد جنازے اٹھے۔ صحابہ کرامؓ نے ہزاروں جنازوں میں شرکت کی۔ قبروں ملتے مشہور لہذا بالآخر میں کبھی کسی جنازے کے موقع پر قبر پر اذان دینے کا واقعہ پیش نہیں آیا اور روایات حدیث میں کوئی ضعیف سے ضعیف اثر تک ایسا نہیں ملتا کہ اس دورِ اول میں وقت دفن کسی قبر میں یا قبر پر اذان دی گئی ہو۔ اگر ایسا کبھی ہوا ہوتا تو ضرور وہ اس امت تک نقل ہوتا۔ یہ کیسے ہو سکتا کہ اتنا کثیر الوقوع عمل پوری امت سے اس دور میں مخفی رہے اور کسی نے اسے نقل و روایت نہ کیا ہو۔

② — بریلوی علماء اسے کس راہ سے دین بناتے ہیں؟ یہ وہی ان کا مفروضہ ہے کہ اس سے کہیں منع تو نہیں کیا گیا۔ قرآن و حدیث میں اس پر کہیں منع وارد نہیں۔ لہذا ہم سے اس کا ثبوت نہ ہو تو چھوڑ تم منع کی دلیل لاؤ۔

اس پر علماء اہل سنت ان بریلوی علماء سے کہتے ہیں تم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی منادوں سے پہلے اذان نہ کہنے پر منع کی دلیل لاؤ۔ اگر قرآن و حدیث سے تم اس پر منع ثابت نہ کر سکو تو نماز عیدین کے

جو برطانیہ کے تاج کی طرح فرضی خدا ہو، اس کی عزت کون کرے؟ اس کی نذر کون مانے؟ ایسے ماحول میں غیر اللہ کی نذر ماننے والے جب لفظوں میں خداوند تعالیٰ کا نام لینا بزرگوں کی بے ادبی سمجھتے ہیں کیا نیت اور ارادہ میں یہ شرک گوارا کریں گے۔

کرے غیر گروہت کی پوجا تو کافر جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
مبھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر کو اکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں!

پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں!

نبی کو جو چاہیں خدا اگر دکھائیں بزرگوں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں یوں رات ندریں چڑھائیں شہیدوں سے جاہل کے نگہیں مائل
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے

نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے، (حالی)

نیز فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۱۵۰ عالمگیری، درمختار، بحر الرائق شرح کنز الدقائق اور نہر الفائق کا حوالہ دیکھئے۔

مرقع پر بھی اذان کہا کرو وہاں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس پر جب کہیں منع وارد نہ تھی تو علماء نے اس کے نہ ہونے پر اجماع کیے کر لیا۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۲ھ) نے اس کے نہ ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

نقل ابن عبد البر اتفاق العلماء علی ان لا اذان ولا اقامة بل

ترجمہ۔ حافظ ابن عبد البر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ نماز عید کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔

④ قبروں پر کئے جانے والے اعمال میں فقہاء احناف کے ہاں اصل نقل ہے اہت نہیں کہ اسے الاصل فی الاشیاء ہی الاباحۃ کے قاعدہ سے جائز کر لو۔ امام ابن الہمام لاکھنویؒ (۸۶۱ھ) علم اصول کے بڑے جلیل القدر امام ہیں جو درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:-

ویکرہ عند القبر کل مال یمهد من السنۃ

ترجمہ۔ اور قبر کے پاس ہر وہ عمل جو سنت سے ثابت نہ ہو مکروہ ہے۔

اس موضوع پر یہ بات نہ چلے گی کہ اس پر منع کی دلیل لاؤ اصل ہر چیز میں اباحت ہے یہاں ہر ایسے عمل پر دلیل لانا پڑے گی۔ آگے حضرت علامہ ابن الہمامؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ سنت سے قبر پر کیا کیا احکام ثابت ہیں۔ ۱۔ قبروں کی زیارت۔ ۲۔ اور ان کے پاس دعا کرنا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ حضرت ام المؤمنین فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بقیع کے قبرستان میں دعا کرتے دیکھا۔

فاطال الیتام ثم رفع یدیه ثلاث مرات ثم انحرف

ترجمہ۔ آپ کافی عرصہ وہاں کھڑے رہے (کچھ پڑھتے رہے) پھر آپ نے ہاتھ اٹھائے تین دفعہ اور پھر آپ چلے گئے۔

غور فرمائیے یہ دعا آپ نے کن کے لیے کی؟ ان اہل قبر کے لیے — سودا کا مفہوم متعین ہو گیا کہ قبرستان میں دعا اہل قبر کے لیے ہے۔ وہاں ان سے اپنے لیے کچھ مانگنا احادیث کی

روشنی میں قبروں پر مسنون عمل بس یہی ہیں کہ ان کی زیارت ہو اور مرحومین کے لیے دعا ہو۔

قبروں کی زیارت سے قبروں کا وجود پہلے سے ہے۔ ابن ہمامؒ کے اس اصول میں امرات کو دفن کرنے ان پر مٹی ڈالنے اور اس پر پانی چھڑکنے اور قبر بنانے کی ہرگز رکاوٹ نہیں۔ ان امور کے بغیر قبر کیے بنے گی اور اس کی نیابت کیے ہوگی۔ قبر ہوگی تو اس کی زیارت بھی ہوگی اور مدفون کے لیے دعا بھی ہوگی۔ یہ اصول قبر بننے پر کارفرما ہوگا کہ وہاں صرف دو عمل ہوں۔ ایک زیارت اور دوسرا مرحوم کے لیے دعا۔

افسوس کہ مفتی احمد یار خاں صاحب نے ابن ہمامؒ کے اس اصول کو یہ کہہ کر روک دیا ہے۔ اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا تختہ دینا مٹی ڈالنا..... یہ سب ممنوع ہوئے۔

مفتی صاحب چاہتے ہیں کہ دفن کے بعد جب قبر بن جائے تو پھر وہاں اذان بھی کہی جائے۔ یہ قبر پر اذان نہیں دفن کے وقت کی اذان ہے۔ یہ عجیب فرق ہے جو مفتی صاحب کر رہے ہیں۔ ٹھیک کہتے غرض مند دیوانہ ہوتے ہیں۔ صاحب غرض محزون۔

یہ دفن کے وقت کی اذان کیسے ہوگی؟ دفن کرنے کے بعد اب تو قبر بھی بنا چکے ہیں۔ اب اس قبر پر صرف وہی عمل درست ہوگا جو سنت سے ثابت ہو۔

یہ کہنا کہ امام ابن ہمامؒ کا بیان کردہ اصول ویکرہ عند القبر کل مال یمهد من السنۃ تازہ قبروں کے بارے میں نہیں پرانی قبروں کے بارے میں ہے ایک بڑا ڈھکوسلا ہے جس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔ قبر قبر ہے خواہ انبی بنی ہو اور یہاں امر معمور وہی ہے جو امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ بس دو ہی عمل ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کی ابن ہمامؒ کے اصول کے تحت رہنے کی کوشش

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ جب قبر کے پاس دعا جائے ہے تو اذان بھی تو ایک دعا ہی ہے

② قضاء حاجت کے وقت بھی شیطان آپکے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان هذه الحشوش محتضرة.

ترجمہ۔ ان مقامات پر شیطان حاضر باش رہتے ہیں۔

یہاں بھی بریلوی حضرات کو کچھ اذانوں کا انتظام کرنا چاہیے۔ یہ انتظام بیت الخلا میں کریں تاکہ شیطان بھاگ جائیں۔ ہر بیت الخلا میں کسی نہ کسی مؤذن کا انتظام ہو۔
③ گھروں میں ساری ساری رات اذانوں کا انتظام کریں تاکہ وہ شیطان کسی کو خواب میں لودہ نہ کر سکے۔ والحلم من الشیطان سے بچنے کی یہی راہ ہے۔

④ کاروبار کی منڈیوں میں شیاطین اس تیزی اور بازی کی میں گھومتے ہیں کہ وہ خطوط زمین پر سر بفتاح المارض بنے ہوتے ہیں۔ سو بازاروں اور منڈیوں میں مؤذن مقرر کرنے چاہئیں۔

آپ غور فرمائیے کہ اس قسم کے داخل پر شریعت کی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے؟ ہمارا دین اور ہماری فتنہ کیا پیچھے سے کتابوں میں۔ دون نہیں؟ بریلوی حضرات وہاں سے دین کو کیوں نہیں لاتے مولانا محمد رضا خاں کے دین و مذہب پر چلنا یہ کیسے سب سے بڑا فرض ہو گیا؟ خان صاحب جیسے دو چار اور مجتہد اس دور میں پیدا ہو جاتے تو دین کا جو تصور اب تھا اب سامنے ہے یہ بھی کہیں باقی نہ رہتا۔

⑩ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟

اس تو یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان کا یہ سلسلہ غیر القرون میں کہیں نہ تھا۔ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں یہ اذان کہیں نہ سنی گئی تھی۔ البتہ آٹھویں صدی کے علامہ ابن حجر مکیؒ (ھ) نے اپنے فتاویٰ میں اسے بدعت لکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۱ صدی میں یہ بدعت رائج ہو چکی تھی۔

علامہ شامیؒ (۱۲۵۳ھ) اپنے ہاں اسے میت کو قبر میں داخل کرنے کے وقت کا ایک عمل

باتے ہیں جو ان کے ہاں اس وقت رائج تھا۔ آپ امام ابن ہمامؒ کے بیان کردہ اصول (کہ قبروں پر زیارت کے لیے جاؤ یا دعا کے لیے اور کسی کام کے لیے نہیں) کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفي الاقتصار على ما ذكر من الوارد اشارة الى انه لا يسن الاذان عند

ادخال الميت في قبره كما هو معتاد الآن وقد صرح ابن حجرؒ في فتاواه بانہ بدعة۔

ترجمہ۔ قبروں پر جو کام شریعت میں وارد ہوئے انہی پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت جو اذان دی جاتی ہے یہ اوپر سے کہیں منقول نہیں اور علامہ ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے (شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے)۔

فتح القدیر کی یہ عبارت کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ مکروہ ہے بتاتی ہے کہ یہاں سنت کے بعد مستحب یا مباح درجے کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ورنہ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ) اسے مکروہ علی الاطلاق نہ کہتے۔ علامہ شامیؒ کا فتح القدیر کی اس عبارت پر یہ ارشاد کہ اس میں اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں آمارتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رائج ہو چکا ہے ہرگز مسنون نہیں۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قبر پر اذان دینا مطلقاً مکروہ ہے۔ مسنون نہ ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاید مستحب یا مباح کی راہ کھلی ہو۔ قبرستان میں اگر اذان جائز ہوتی تو خود نماز جنازہ کے لیے اذان کیوں نہ ہوتی۔

لا یسن الاذان عند ادخال الميت فی قبره — میں استحباب اور اباحت ہر ایک کی نفی ہے۔ سنت کے سوا یہاں پر عمل جو بھی اس کے نیچے تصور کیا جاسکتا ہے مکروہ ہے۔

سو متن درختار کی یہ عبارت لا یسن لعیرھا (کہ فرض نمازوں کے سوا اذان کہیں مسنون نہیں) فتح القدیر کی اس عبارت کی روشنی میں پڑھی جائے گی کہ اذان جہاں سنت میں منقول نہیں۔ وہاں اذان دینا مکروہ ہے۔ سو اذان علی القبر کا کوئی جواز نہیں۔

علامہ طحاوی نے شرح درمختار میں علامہ ابن نجیمؒ (۷۹۶ھ) سے ان مقامات کی ایک فہرست نقل کی ہے جہاں اذان دینا مسنون نہیں (مکروہ ہے) اور وہ یہ ہے :-

الوتر والمنازة والكوف والاستسقاء والتراویح والسنن والرواتب^۱
ترجمہ۔ وتر کے لیے (جب وہ رات کے پچھلے پہر پڑھے جائیں) جنازہ کے لیے چاند گرہن کے موقع پر۔ بارش طبعی کی دعائیں تراویح میں اور سنن رواتب میں اذان ہرگز مسنون نہیں (مکروہ ہے)۔

نماز جنازہ کے وقت اذان ہو یا قبر میں اتار تے وقت یا دفن کرنے کے بعد جنازہ کے لیے کسی موقع پر اذان دینا جائز نہیں علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ قبر پر جو عمل سنت سے ثابت نہیں وہ وہاں مکروہ ہے ہاں مولویوں کو اپنی اہمیت بتلانی پیش نظر ہو تو یہ امر دریغ ہے۔

علامہ طحاویؒ لکھتے ہیں :-

وفي فتح القدير يكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها
ليس الا زيارتها والدعاء عند هاقا مأكبا كان يفعل صلى الله عليه وسلم
في الخروج الى البقيع^۲

ترجمہ۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں قبر کے پاس ہر وہ عمل مکروہ (قریب بہ حرام) ہے جو سنت سے منقول نہ ہو اور منقول صرف زیارت ہے اور وہیں کھڑے کھڑے دعا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں کیا کرتے تھے۔

مولویوں کے لیے ایک اور کام پیدا کرنے کی نیکی

بریلوی علماء اپنے حلقوں میں ایک یہ تاثر بھی دیتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب لوگ علماء سے تقریباً فارغ ہوتے جا رہے ہیں اور سوائے نکاح اور جنازہ کے یا مسجد کی اذان اور امامت کے ان کی

۱۔ طحاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۸۳ ۲۔ ایضاً ص ۱۸۳ نقل عن البحر

مذرت اور کہیں نہیں سمجھی جاتی تو اگر قبر پر اذان دینے اور ختموں وغیرہ کو بھی اسلام میں مجبوری سے یہ کوشش کی جائے تو اس اذان عند القبر سے عام لوگوں کی نگاہوں میں مولویوں کے لیے ایک اور ضرورت پیدا ہو جائے گی جسے اس وقت کے صدر میں کوئی نظر انداز نہ کر سکے گا۔ سو یہ حلقہ علماء سے ایک نیکی ہے اور ان کی اس موقع پر ضرورت ثابت کرتے ہوئے ان مؤذنین کے لیے ایک مالی امداد بھی ہے اور مسلمان ایک دوسرے کی جس طرح بھی بن پڑے مدد کریں گے اور میت سامنے ہوگی تو کوئی مسلمان اس اذان عند القبر کا انکار نہ کر سکے گا۔

اس وقت اس مسئلہ کی اور تفصیل کی گنجائش نہیں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے امعان النظر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے رسالہ اذان الاجر فی صلوة القبر کا نہایت مفصل اور مدلل جواب لکھا ہے اسے دیکھ لیا جائے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے دونوں کی علمی حیثیت آپ کے سامنے آجائے گی اور آپ معلوم کر لیں گے کہ علیحدت بس اپنے حلقے کے ہی اعلیٰ حضرت ہیں۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں :

سب جانتے ہیں کہ شریعت نے نماز پنجگانہ و جمعہ کے سوا عیدین، کسوف و خسوف، استسقاء اور جنازہ کی نمازوں کے لئے بھی اذان و اقامت تجویز نہیں کی۔ اب اگر کوئی شخص اجتہاد کرے کہ جیسے پانچ نمازوں کے اعلان و اطلاع کے لئے اذان کی ضرورت ہے وہی ضرورت یہاں بھی موجود ہے لہذا ان نمازوں میں اذان کہنی چاہیے۔ تو اس کا یہ اجتہاد صریح غلط ہوگا۔ اس لئے کہ جو مصلحت اس کی عقل شریف میں آئی ہے اگر وہ لائق اعتبار ہوتی تو شریعت ان موقعوں پر بھی ضرور اذان کا حکم دیتی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اذان سنتے ہی شیطان جگ جاتا ہے۔ چونکہ مردے کے پاس سے شیطان کو جگانا ضروری ہے اس لئے دفن کے بعد قبر پر بھی اذان کہی جائے۔ تو یہ اجتہاد بھی بالکل مکمل بچو سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اول تو شیطان کا اغواء مرنے سے پہلے تک تھا۔ جو

مرگیا شیطان کو اس سے کیا کام؟ دوسرے، اگر مصلحت صحیح ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کی سمجھ میں بھی آسکتی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے قبر پر اذان کہنا ثابت نہیں، اسی بناء پر فقہاء اہلسنت نے اس کو "بدعت" کہا ہے۔ علامہ شامی "باب الاذان" میں لکھتے ہیں کہ خبر علی نے بھرا لائق کے حاشیے میں لکھا کہ بعض شافعیہ نے اذان مولود پر قیاس کر کے دفن میت کے وقت اذان کہنے کو مندوب کہا ہے، مگر ابن حجر نے شرح عبا میں اس قیاس کو رد کیا ہے۔ (رد المحتار ص ۳۸ طبع جدید) اور دفن میت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ مصنف نے دفن میت کا صرف مسنون طریقہ ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے موقع پر اذان کہنا مسنون نہیں۔ جسکی آج کل عادت ہو گئی ہے۔ اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے کہ یہ "بدعت" ہے۔ (ص ۳۲)

عرس بزرگان

قبروں پر کی جانے والی بدعات میں سب سے بڑی بدعت قبر کی سالانہ عید ہے۔ اسلام میں در ہی عیدیں ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ، مگر بریلویوں نے چار عیدیں بنا رکھی ہیں، عید میلاد النبی اور اپنے علاقے کے مرکزی بزرگ کی قبر کی سالانہ عید۔ اسے عرس بھی کہتے ہیں اور قبر ملی پر زائرین کا ہجوم اور پھران کی کھانے پینے کی ضیافتیں بالکل عید کی طرح ہوتی ہیں۔ دن بھی عام طور پر چٹھی کا ہوتا ہے اور ارد گرد سے لوگ عید سے زیادہ اہتمام کے ساتھ اس بزرگ کی قبر پر حاضری دیتے ہیں۔

زیارت قبور اور عید قبور میں فرق

اسلام میں زیارت قبور کا حکم موجود ہے۔ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور وہاں دعا کرنے والوں سے اہل قبور کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن وہاں اجتماعی شکل میں جانا اور اس کے لیے ایک یا تین دن مقرر رکھنا اور ہر سال ان تاریخوں کی پابندی یہ وہ عید قبور ہے جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ بریلوی حضرات یہ عید قبور (عرس) اس اہتمام سے مناتے ہیں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ بھی ان عرسوں کے لگے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ ان بدعات کے آگے سب منتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

عرسوں کی محفلوں میں عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط قوالی کی مجلسیں، اترتی دیگوں کی

مشرقیوں کے جلوے ہاروں سے لدے گلے اور چوغوں اور جتوں میں ملبوس پیر پاؤں میں
لٹنگو پہنے رقص کرتے آنے والے زائرین اور ان کی پھیلی چادروں میں نندروں اور منتوں کے نور
ورینہ نذرانے وہ اعمال ہیں جو عرسوں کے جان اور بریلوں کی پہچان ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قبروں کی اس سالانہ ماضی اور پھر اجتماعی ماضی کا کوئی تصور اسلام
میں موجود ہے؟ کیا اسلام میں کسی قبر پر عید کا سا ہجوم کرنا اور اسے پر رونق بنانا جائز ہے؟ اسلام میں
اس عید قبور کا کیا درجہ ہے۔ آئیے اس کے لیے ہم سب سے بڑے روحانی مرکز گنبد خضراء کی طرف متوجہ
ہوں کیا وہاں عید قبور کا کوئی دن مقرر ہوتا ہے؟ اور کیا وہاں بھی کبھی کوئی عرس ہوا ہے؟

اب تو بریلوی کہہ سکتے ہیں کہ وہاں آل سعود کی حکومت ہے۔ وہ توحید کے پورے پابند ہیں
شرک و بدعت کو اپنے ہاں راہ نہیں دیتے۔ چلو یہی سہی۔ لیکن خدا را اس بات پر بھی تو نظر رکھیے کہ کیا
خلفائے راشدینؓ کے دور میں وہاں کبھی کوئی عرس منایا گیا کیا خلفائے راشدینؓ بھی معاذ اللہ سب
کے سب بد مذہب تھے؟

خاتی الدقیقین احق بالامن ان کنتہم قتلون۔ (پٹ الانعام آیت ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

لا تجعلوا قبورکم قبوراً ولا تجعلوا قبری عیداً وصلوا علی فان صلوتکم
تبلغنی حیث کنتہم۔

ترجمہ۔ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنا رکھنا (کہ مہتاب رے گھر نمازوں سے خالی رہیں،

اور نہ میری قبر کو عید بنانا کہ وہاں ایک دن اکٹھے ہو کر آؤ بیساکہ عید کے دن ہوتا

ہے) اور مجھ پر درود پڑھتے رہو (دور رہنے کی وجہ سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھے درود نہ

پہنچے گا، مہتاب را درود تم جہاں بھی ہو وہاں سے مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں یہ بات کہ میری قبر کو عید نہ بنانا، اس کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ

رحمۃ اللہ علیہ و بواہ البدو و جلد ۱ ص ۸۹ و النہائی جلد ۱ ص ۸۹ مشکوٰۃ ص ۸۹

لا تجعلوا قبری عیداً اقول هذا اشارة الى سد مدخل التحریف كما فعل

اليهود والنصارى بقبور انبيائهم وجعلوها عیداً او موسماً بمنزلة الحج۔

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میری قبر کو عید نہ بنانا

یہ اشارہ ہے کہ دین بگاڑنے کا دروازہ بند کر دیا جائے یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء

کی قبروں کو عید بنا رکھا تھا اور جس طرح حج کا ایک موسم مقرر ہے وہ ان قبروں پر

خاص دنوں میں رونقیں کرتے تھے۔

مولوی محمد عمر صاحب کہتے ہیں یہاں شاہ صاحب نے اسے تشبہ بالیہود و النصارى کی وجہ سے

منع کیا ہے۔ نہیہ، آپ نے اس پر صرف ارشاد رسالت کی وجہ سے نکیر کی ہے یہود و نصاریٰ کے عمل

کو آپ بعض مثال کے طور پر لائے ہیں۔ مگر نہ آپ اسے دین میں تحریف کرنے والوں کی سب سے بڑی

بدعت سمجھتے ہیں۔ اولیاء کرام کی قبروں پر انہوں نے سالانہ میسے ٹھہرا رکھے ہیں جہاں یہ لوگ عید کی طرح

ہجوم کرتے ہیں اور چادریں پھیلائے اور دُور سے ننگے پاؤں آئے وہاں ماضی دیتے ہیں

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فی امر القبور واتخذوا عیداً۔

ترجمہ۔ ان کی بڑی بدعات میں سے ان کا وہ عمل بھی ہے جو انہوں نے قبروں کے

پاس گھر رکھا ہے اور وہ ان کی عید قبور کی تقریبات ہیں۔

ابھی ان تقریبات پر لفظ عرس اتنا معروف نہ تھا۔ یہ لفظ ذرا آگے چل کر اس دائرہ قباحت

میں داخل ہوا ہے۔ پہلے عرس مشائخ کے ساتھ جاکہ قبروں کی زیارت کرنے کا نام تھا۔ جماعت کی عبارت

سے یہی متبادر ہوتا ہے۔

وازیں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشان۔

ترجمہ مشائخ کے عرس اور ان کا زیارت قبور کے لیے برابر جاتے رہنا اسی لیے ہے۔

۱۔ حجة اللہ بالہ جلد ۲ ص ۸۹ ۲۔ تعنیات جلد ۲ ص ۸۹ ۳۔ جماعت ص ۸۹ اسلامی پریس تحفہ محمدیہ

۳۰۰
لیکن بعد میں یہ عرس دندہ بزرگوں کی معیت میں قبروں پر جانے کے نہ رہے۔ مروجین کی قبروں پر سالانہ اجتماع بن گئے۔

تقشندی سلسلہ کے عظیم روحانی بزرگ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی لکھتے ہیں:-
لا یجوز ما یفعله الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف
حولہا واقتیاد السرج والمساجد الیہما ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد
وسیمونہ عرساً۔

ترجمہ: یہ جاہل لوگ اولیاء و شہداء کی قبروں پر جو سجدے کرتے ہیں اور ان کے گرد طواف کرتے ہیں اور وہاں چراغ جلاتے ہیں اور وہاں نمازوں کی جگہ بناتے ہیں یہ جائز نہیں اور اسی طرح یہ جو وہاں سالانہ عید کرتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ بھی جائز نہیں۔

بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے یہ بھی لکھا ہے:-

جو شخص جمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعود غازی کی قبر پر یا ان کی مانند اور کسی قبر پر اس لیے گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا کہ جو (شرک ہونے کے باعث) قتل اور زنا سے بھی بدتر ہے۔
سرتاج علمائے ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

برائے زیارت قبر روز معین نمودن بدعت است و اصل زیارت جائز و تعیین وقت در سلف نبود و اس بدعت ازال قبیل است کہ اصل جائز است و خصوصیت وقت بدعت ہے۔

ترجمہ: قبروں پر جانے کے لیے دن مقرر کرنا بدعت ہے اور مطلق زیارت جائز ہے۔ قبروں پر جانے کے لیے دن کی تعیین سلف میں نہ تھی۔ یہ بدعت اس نوع

۱۔ تنزیہ ظہری جلد ۲ ص ۶۵ ۲۔ دیکھئے تنبیہات جلد ۲ ص ۴۹ ۳۔ فتاویٰ غریزی جلد ۱ ص ۵۹

www.ahsanulloom.com
کی ہے کہ اس کی بنیاد کو صحیح مکتی لیکن تعیین وقت اس کو بدعت بنا گیا۔

وقت مقرر نہ کرنے سے زیارت قبر کی اصل شرعی ممنوع ہونے سے بچ جائے گی اور زیارت قبر تو رہے گی پر عرس نہ ہو سکیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

رفقن بقبور بعد سالے یک روز معین کردہ نہ صورت است۔ اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبر محض بنا بر زیارت و استغفار بہ و نہ۔ اس قدر ازوے روایات ثابت است و در تفسیر در منشور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابرے رفقندہ و دعا برائے منفرت اہل قبورے نمودند۔

ترجمہ: قبروں پر سال بعد ایک دن معین کر کے جانا اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ایک دن مقرر کر کے ایک دو آدمی بغیر کسی ہیئت اجتماعیہ اور لوگوں کی بھیڑ کے قبروں پر زیارت کے لیے جائیں اور (مروجین کے لیے) استغفار کریں۔ اتنی بات روایات سے ثابت ہے اور تفسیر و منشور میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قبروں پر جاتے اور اہل قبور کے لیے بخشش کی دعا کرتے

سو اگر یہ روایات کسی درجے میں قبول ہوں تو ان کا حاصل اس سے آگے نہیں جو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ ہر سال نیادن مقرر ہو اور یہ تعیین محض انتظامی ہو۔

اس سالانہ عارضی کی دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن کریم کا ختم ہو اور حاضرین کو کھانا کھلایا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ غنی لگے کھائیں یا اس میں نمود و ریا پانی جائے وہ خرافات بھی نہ ہوں جو آج کل عرسوں میں ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

اس قسم معمول در زمانہ بغیر خدا و غفلتے راشدین نبود۔ اگر کسی اس طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست۔

۱۔ فتاویٰ غریزی جلد اول ص ۴۹ ۲۔ دن مقرر نہ کرنا ہر موقع پر نیا ہو گا۔

ترجمہ۔ یہ طریق عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں نہ تھا۔ اگر کوئی اس طرح کرے تو ذر نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ کیا اس میں کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر اس پر دعا مانگنے کا ذکر نہیں ہے؟ اس سامنے رکھنا تو مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی بے کار بات ہے۔

وقتِ قاضی کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں ہے۔

یہی ایک چیز تھی جسے اس صورتِ عمل میں قباحت والی کہا جاسکتا تھا۔ سو اس کے بارے میں اگر یہ عقیدہ ہو کہ یہ بے کار بات ہے تو پھر واقعی اس میں حرج نہیں۔ تاہم حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے معمولِ سلف قرار نہیں دیا۔

لیکن آج کل جو عرس ہیں وہ اس دوسری قسم کے نہیں۔ یہ ایک تیسری قسم ہے جو انتہائی درجہ رقیح اور ممنوع ہے۔ آپ کہتے ہیں:-

سوم طور جمع شدن بر قبور این است کہ مردمان یک روز معین نموده و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل رد و عید شاد ماں شدہ بر قبر ہا جمع مے شوند و قفس و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجدہ برائے قبور و طواف گرد قبور مے نمایند این قسم حرام و ممنوع است بکہ بعضی کفر مے رسند ہمیں است محمل این دو حدیث دلائل تجملوا قبری عیدہ اچنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است واللہم لا تجعل قبری وثناً یعبد این ہم در مشکوٰۃ است۔

ترجمہ تیسرے طریقہ قبروں پر جمع ہونے کا یہ ہے کہ لوگ ایک دن طے کر کے عمدہ اور نفیس کپڑے پہن کر جیسا کہ عید کے دن ہوتا ہے مزار پر جمع ہوں وہاں (مٹنگ) رقص بھی کر رہے ہوں اور ساز سے قوالیاں بھی ہوں قبروں پر سجدے بھی ہو رہے ہوں

رواہ ابوداؤد و ترمذی و النسائی

اور لوگ ان کا طواف بھی کر رہے ہوں یہ قسم اجتماع (عرس رائجہ) حرام اور ممنوع ہے بلکہ ان میں سے بعض باتیں کفر کی حد کو چھوتی ہیں۔ یہی محمل ہے ان دو احادیث کا۔ تم میری قبر کو عید نہ بنانا۔ اور۔ اے اللہ! میری قبر کو تہان کے درجے میں نہ لانا کہ اس کی عبادت ہونے لگے (اس پر سجدے کئے جانے لگیں) یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

قبور شہداء پر ہر سالانہ حاضری کی روایات

مولانا احمد رضا خاں نے ہادی الناس فی رسوم الاعراس میں کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں کہ حضور ہر سال شہداء کی قبروں پر دعا کے لیے جاتے تھے۔ یہ روایات زیادہ تر بے سند ہیں اور ان کتابوں میں ہیں جو آخری درجے کی کمزور کتابیں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ان روایات کو تفسیر و منتثر سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح میں کہا ہے کہ اس سے مراد ایک دو اشخاص کا بغیر کسی اجتماعی صورت کے قبروں پر جانا ہے۔ یہ اجتماعی شکل میں وہاں جانا جیسا کہ آج کل عرسوں میں ہوتا ہے یہاں ہرگز مراد نہیں۔ اور ہر سال جانے سے مراد بھی ہر سال کسی ایک معین تاریخ پر جانا نہیں نہ اس میں اس تاریخ کا التزام تھا جب جنگ اُمد لڑی گئی تھی۔ آج کل اگر کوئی شخص دن مقرر کرے تو چاہیے کہ وہ تعین انتظامی ہر سال کے لیے التزامی نہ ہو۔ سوال اشادی کے لیے دن مقرر کرنا، عیسے کے لیے دن مقرر کرنا، سفر حج کے لیے ایئر لائن سے تاریخ مقرر کرنا یا کسی دکان کے اقتراح کے لیے کوئی دن طے کرنا یہ جائز ہیں یا نہیں؟

جواب :- دنوں کی یہ تعین محض انتظامی ہے اعتقادی نہیں۔ ہن لوگوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس دن کی کوئی شرعی اصل ہے۔ محض انتظام کے درجے میں تاریخ درج کی جاتی ہے اور ان تاریخوں کو کسی کی موت و حیات سے تعلق نہیں ہوتا۔

پھر اس انتظامی تعین کے بھی دو درجے ہیں۔ اتفاقی اور التزامی۔ اتفاقی یہ ہے کہ بس اپنی

بدعت میں اور ان کی ظلمانی مجلسوں میں من وجہ شرکت ہے اور جو شخص کسی قوم کی گنتی کو بڑھائے وہ انہی میں اٹھایا جانے کے خطرہ میں ہے۔

تعیین اعتقادی اور تعین التزامی

جمعہ کی فضیلت باقی دنوں پر اور رمضان کی فضیلت باقی مہینوں پر اور مسجد کی فضیلت باقی جگہوں پر یہ شرع میں ثابت ہے یہ تعین اعتقادی ہے اور اس پر مبنی فضیلت شریعت میں ایک درجہ رکھتی ہے۔ لیکن ایصال ثواب کے لیے تیجے، دسویں، اکیسویں اور چالیسویں دونوں کی تعیین کرنا اور انہیں اہم جاننا یا گیارہ تاریخ کو افضل ٹھہرانا اور اس تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کو ایصال ثواب کرنا یہ ان اوقات کو اعتقادی فضیلت میں لانا ہے جن کے لیے شریعت میں افضلیت وارد نہیں ہوئی۔ اب جو شخص ان اوقات اور دنوں کی تعیین التزامی کرتا ہے وہ دراصل ان اوقات اور دنوں کی فضیلت اعتقادی کا قائل ہے اور یہی بدعت کی تعریف ہے کہ جو چیز دین نہیں اسے دین سمجھا جائے اور جاہلوں میں اسے بطور دین قائم کر دیا جائے۔

تخصیص اوقات اور تخصیص مقامات

جس طرح کسی وقت کی فضیلت بدو شرع ثابت نہیں ہو سکتی کسی جگہ اور مقام کی فضیلت بھی دلیل شرعی کی محتاج ہے۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن کریم پڑھنا قبر کے پاس ہو یا مسجد میں یا گھر میں ثواب میں سب برابر ہے کسی ایک جگہ پڑھنے کو اعتقاد افضل جاننا درست نہیں۔ ہاں قبر کے پاس اس لیے پڑھے کہ اس سے میت مانوس ہوتی ہے تو یہ بنا بر اعتقاد سماع موتی جائز ہو سکتا ہے لیکن فضیلت اعتقادی اسے بھی حاصل نہیں۔

مصلحت سے کوئی تاریخ طے کر دی۔ یہ تعین بس ایک ہی دفعہ کے لیے ہے یہ تاریخ کوئی ضابطہ نہیں بن گئی۔ اور تعین التزامی یہ ہے کہ وہ آئندہ بھی اسی تاریخ کا التزام کرے مثلاً ایک بیٹے کی شادی ۹ ذوالحجہ کو کی ہے تو دوسرے کی شادی میں بھی اسی تاریخ کا التزام کرے اور پھر پوتے کے خاندان میں آئندہ یہی تاریخ طے پا جائے۔ یہ اتلا می تعین بھی اگر التزامی درجے میں آجائے تو ممنوع ہو جائے گی۔

سفر اور تعین میں فرق

کسی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا یہ نہیں کہ اتفاق سے راستے میں کسی بزرگ کی قبر آگئی تو اس کے پاس سے گزرنے والے نے اس کی زیارت کر لی اور قبروں پر جو سلام کہا جاتا ہے کہہ دیا، جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن کسی نیک کام کے لیے دنوں کی تعیین اور وہ بھی التزامی درجے میں — یہ اسلام میں کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ اسے سب ناجائز سمجھتے ہیں مسئلہ سفر میں تو آپس میں الجھنا چاہیے۔ جب سلف میں کسی مسئلے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں ایک دوسرے کو بدعت نہ کرنا چاہیے۔ لیکن دونوں کی غیر شرعی تعیین کو ہرگز برداشت نہ کرنا چاہیے۔ سنی مسلمان اس سے پوری کوشش سے بچے رہے۔ بدعتی لوگ تو وہ خود اس کے جوابدہ ہوں گے اگر ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ یہ اگر کی بات ہم نے اس لیے کی ہے کہ بدعتی کا خاتمہ بالآخر بہت خطرے میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سفر اور تعیین میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-
قبر بزرگان کی زیارت کو سفر کر کے جانا مختلف فیہ ہے بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض منع کرتے ہیں یہ مسئلہ مختلف ہے اس میں نزاع و تکرار نہ چاہیے۔ مگر ہاں عرس کے دن زیارت کو جانا حرام ہے فقط۔

زیارت کے لیے جانا ممنوع نہیں اس کے لیے وقتی طور پر کسی دن کا ارادہ کر لیا جائے تو یہ جائز ہے یہ تخصیص ایام ہے اس کا التزام — ہاں خاص عرس کے دن زیارت کے لیے جانا اہل بدعت کی

دروزر عرس بر اسے یاد دہا نیدن قوت
دعا بر اسے میت اگر باشد مضائقہ
ندارد لیکن التزام آن نیز بدعت است
از ہاں قبیل کہ گذشت (فتاویٰ عزیزی ج ۱)

دیگرہ میں رواج ہے — اور اگر میت
کے لئے دعا کی یاد دہانی کی خاطر عرس کا
دن ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو لازم کر
لینا بھی بدعت ہے، اسی قبیل سے جو کہ
ابھی گذرا۔

اور آج کل بزرگوں کے عرس پر جو خرافات ہوتی ہیں، اور جس طرح میلے لگتے
ہیں اس کو تو کوئی عقلمند بھی صحیح اور جائز نہیں کہہ سکتا۔
اسی طرح شریعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بزرگان دین اور عام مسلمانوں کے
ایصالِ ثواب کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا، آدمی جب چاہے ایصالِ ثواب کر سکتا
ہے۔ لہذا اس کیلئے خاص اوقات اور خاص خاص صورتیں تجویز کر لینا اور انہی کی پابندی
کو ضروری سمجھنا بدعت ہو گا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ ربیع الاول میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کے ایصالِ ثواب کے لئے اور محرم میں
حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا
صحیح ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

برائے اس کار وقت دروہ تعین نمودن
دعا ہے مقرر کر دن بدعت است،
آئے اگر وقتے بعمل آرند کہ در آئے
ثواب زیادہ شود مثل ماہ رمضان
کہ عمل بندہ مومن بہ ہفتاد درجہ ثواب
زیادہ دارد مضائقہ نیست۔ زیرا کہ پیغمبر
خدا صلی اللہ علیہ وسلم بر آن ترغیب فرمود

اس کام کے لئے دن، وقت اور مہینہ
مقرر کر لینا بدعت ہے۔ ہاں اگر ایسے
وقت عمل کیا جائے جس میں ثواب
زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً ماہ رمضان کہ اس
میں بندہ مومن کا عمل ستر گنے بڑھ جاتا
ہے۔ تو مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر صلی اللہ
علیہ وسلم نے اسکی ترغیب فرمائی ہے

عرس بزرگان

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

دوم: شریعت نے جو چیز مطلق رکھی ہے اس میں اپنی طرف سے قبور
لگانا بدعت ہے۔

مثلاً شریعت نے زیارتِ قبور کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کیا۔ اب
کسی بزرگ کی قبر پر جانے کے لئے ایک وقت مقرر کر لینا اور اسی کو ضروری سمجھنا
بدعت ہو گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا کہ زیارتِ
قبور کے لئے دن معین کرنا۔ یا ان کے عرس پر جانا، جو کہ ایک معین دن
ہوتا، درست ہے یا نہیں؟ جواب میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

برائے زیارتِ قبور روز معین نمودن
بدعت است، ذاصل زیارت جائز
— ولعین وقت در سلف نمود، و
ایں بدعت ازاں قبیل است کہ ہلش
جائز است و خصوصیت وقت بدعت
— مانند مصافحہ بعد عصر کہ در ملک
توران وغیرہ رائج است —

قبور پر جانے کے لئے دن معین کر
لینا بدعت ہے، اور اصل زیارت جائز
ہے۔ وقت کا تعین سلف صاحبین میں
نہیں تھا اور یہ بدعت اس طرح کی ہے
کہ اسکی اصل تو جائز ہے مگر خصوصیت
وقت بدعت ہے۔ اسکی مثال عصر کی
نماز کے بعد مصافحہ ہے جس کا ملک توران

زیارتِ قبور کے لیے سفر

قبروں کی زیارت اور ان پر بجا لائے جانے والے اعمال کا مسئلہ بھی محل نزاع ہے، اس سلسلہ میں میں اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کے لئے چند امور عرض کر دینا

چاہتا ہوں

① جاہلیت کی قبر پرستی نفرت دلانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں امت کو قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا۔ اور جب اس رسم کی بخوبی اصلاح ہو گئی تو آپ نے زیارتِ قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

کنث نہیںکم عن زیارة القبور میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع فرودھا فانہا تنہد فی الدنیا کیا کرتا تھا داب وہ مانعت منوع کی وئذکر الآخرة۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵) جاتی ہے، پس انکی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں، اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس لئے قبرستان میں جانے کی اجازت ہے، البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے ایک یہ کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کو ہے، یا صرف مردوں کو؟ بعض اکابر کے رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا ہے:

انہ بقول حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰؑ
وہر چیز کہ بر آں ترغیب صاحب شرع
ولعین وقت نباشد آں فعل عبث
است و مخالف سنت خیر الانام —
و مخالف سنت حرام است، ہرگز روا
نباشد، و اگر دلش خواہد مخفی خیرات کند
در ہر روز یکہ باشد، نمود و نشود۔
(فتاویٰ عزیزی ص ۹۳)

خیرات کرے، جس دن بھی چاہے، تاکہ نمود و نمائش نہ ہو۔

لعن اللہ زواران القبور۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۵)
اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اجازت سے پہلے کا ہے۔ اور اب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اجازت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ کم صبری اور کم علمی کی بنا پر وہاں جا کر جزع فزع نیز بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتیں چونکہ ان کے جانے میں فتنے کا احتمال غالب تھا اس لئے ان کو خصوصیت سے منع کر دیا گیا۔ تاہم اگر کوئی عورت وہاں جا کر کسی بدعت اور کسی غیر شرعی حرکت کی مرتکب نہ ہو تو اس کو اجازت ہے۔ مگر بوڑھی عورتیں جاسکتی ہیں، جو ان عورتوں کو نہیں جانا چاہیے۔ (فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۲۲۷)

دوم یہ کہ صرف اپنے شہر کے قبرستان کی زیارت کے لئے جانا ہی صحیح ہے۔ یا

دوسرے شہروں میں اولیاء اللہ اور صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے جانے کی بھی اجازت ہے؛ بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ آدمی دوسرے شہر میں گیا ہو اور وہاں کی قبر کی زیارت بھی کر سکتا ہے۔ مگر صرف زیارت قبور کے ارادے سے جانا صحیح نہیں، لیکن امام غزالی رحمہ اللہ اور دوسرے بہت سے اکابر فرماتے ہیں کہ اس کی بھی اجازت ہے۔ اور یہی صحیح ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں جا کر کوئی خلاف شرع کام نہ کرے۔ (حوالہ بالا)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ جب آدمی قبرستان جائے تو اہل قبور کو ان الفاظ میں سلام کہے:

”السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔ انتم لنا سلف

ونحن لکم تبع، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔

نسأل اللہ لنا ولكم العافیۃ“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵)

اس کے بعد ان کے لئے دعائے مغفرت کرے، اور کچھ پڑھ کر ان کے

ایساں ثواب کرے۔ احادیث شریفہ میں بعض خاص خاص سورتوں کے خاص فضائل بھی آئے ہیں۔ اسی طرح درود شریف کے فضائل بھی آئے ہیں۔ بہر حال درود شریف سورۃ فاتحہ۔ آیت الکرسی۔ سورۃ اخلاص اور دیگر جتنی سورتیں چاہے پڑھ کر ان کا ثواب بخشے۔ قبر پر دعا یا تو بغیر ہاتھ اٹھائے کرنی چاہیے، یا قبر کی طرف پشت اور قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کی جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب الکبراہیۃ)

(۳) زیارت قبور کا اہم ترین مقصد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہے کہ قبروں کا منظر دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا یقین تازہ ہو، آدمی ان سے عبرت پکڑے، اپنی موت اور قبر کو یاد کرے اور آخرت کی تیاری کے لئے اپنے نفس کو آمادہ کرے۔ دوسرا مقصد اہل قرابت کا حق ادا کرنا اور ان کو دعائے مغفرت اور ایساں ثواب سے نفع پہنچانا ہے۔ اور اہل اللہ کی قبروں کی زیارت سے ان کے فیوض و برکات سے خود مستفید ہونا اور جس راستے پر چل کر وہ مقبول ہوگا خداوندی ہوئے میں اس راستے پر چلنے کا عزم کرنا ہے۔

(۴) شریعت نے قبروں کے معاملے میں افراط و تفریط کو روا نہیں رکھا، چنانچہ ان کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ اور ان کی تعظیم میں مبالغہ و غلو کرنے سے بھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر قبے تعمیر کرنے اور ان پر بیٹھنے کی ممانعت فرمائی ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵)

ایک حدیث میں ہے کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے پر بیٹھ جائے جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور آگ اس کے بدن تک پہنچ جائے یہ اس کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی قبر پر بیٹھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے،

ان پر کچھ لکھنے، اور ان کو روندنے سے ممانعت فرمائی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حرم صحابی کو قبر سے ٹیک لگاتے ہوئے دیکھ کر فرمایا "قبر والے کو ایذا نہ دے"۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۱)

ان احادیث طیبہ سے واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبروں کی اہانت اور بے حرمتی بھی منظور نہیں۔ اور ان کی بے جا تعظیم بھی۔ البتہ اگر قبر پر کوئی خلاف شریعت حرکت کی گئی ہو تو اس کا ازالہ ضروری ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس مہم پر رواد فرمایا تھا کہ جس تصویر یا مورتی کو دیکھوں اس کو مٹا ڈالوں، اور جس قبر کو اونچا دیکھوں اسے برابر کر دوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۵)

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پختہ قبریں بنانا یا ان پر قبے تعمیر کرنا جائز نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں رفقاء (حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبور شریفہ بھی پختہ نہیں۔ بلکہ کچی ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۶)

۵) اب ان اعمال کا جائزہ لیجئے جو ہمارے نادان قاف عوام ادیباء اللہ کی قبروں پر بجالاتے ہیں، مثلاً قبروں پر غلاف ڈالنا، ان پر چراغ جلانا، ان کو سجدہ کرنا، ان کا طوط کرنا، ان کو چومنا، ان پر پشانی اور آنکھیں ملنا، ان کے سامنے دست بستہ اس طرح کھڑے ہونا جس طرح نمازی خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، ان کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا، ان پر سنتیں ماننا اور چڑھاوے چڑھانا، وغیرہ وغیرہ اگر آپ کو کبھی بزرگوں کے مزارات پر جانے کا اتفاق ہوا ہوگا تو آپ نے یہ سارے منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوں گے، حالانکہ ہمارے اہل سنت اور ائمہ احناف کی کتابوں میں ان تمام امور کو ناجائز لکھا ہے۔

کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

مولانا عبدالرحیم راجپوری لکھتے ہیں

سوال :- احمد آباد سے ماہنامہ "آب حیات" (گجراتی) دعا لکھ کر میت کے سینہ پر رکھنا

شانع ہوتا ہے اس کے بوجہ مہینے کے شمارہ میں ایصال ثواب کے متعلق ایک مضمون ادارے کی طرف سے لکھا گیا ہے اور اس میں میت کے لئے ایک خاص دعا کے متعلق جب ذیل عبارت لکھی ہے :-

"کبیری میں لکھا ہے کہ مرنے والے مرد یا عورت کو کفن پہنانے کے وقت ایک پرچہ پر ذیل کی دعا لکھ کر اس کے سینہ پر رکھ کر دفن کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر اپنی بے حساب رحم و کرم کی بارش کرتے ہیں۔ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ربنا اتھمزلنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیء قدير
اشھد ان لا اله الا الله وحد لا شریک له واشھد ان محمداً عبداً ورسوله
الصلوة طری فی النہار وذلغاً من اللیل ان الحسنات یذہبن السیئات ذلک ذکری
للذاکرین افسن شرح اللہ صدرہ للأسلا م فہو علی نور من ربہ فاصبر ان اللہ لا یضیع
اجرا لمحسنین اقم الصلوة لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقران الفجر ان قران الفجر کان
مشہوداً فقل حبس اللہ لا اله الا الله علیہ توکلت و برب العرش العظیم
اتنا لکھ کر اخیر میں مع بسم اللہ کے پوری سورہ الفاتحہ لکھ کر وہ پرچہ میت کے سینے پر

رکھ دیا جائے۔ (کبیری شرح منہ متہ) (مفتاح الجہان باب ۶)

یت کے لئے یہ طریقہ انجام دینا جائز ہے یا ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیں؟ جواب
پیغام میں شائع کریں۔

جواب :- کبیری شرح منہ میں نہ یہ آیتیں اور دعائیں ہیں نہ اس کی تشریح ہے کہ
پرچہ پر لکھ کر میت کے سینہ پر رکھی جائیں صرف یہ ہے کہ "اگر میت کی پیشانی یا گڑھی یا کفن پر
عہد نامہ لکھا جائے تو اس کی مغفرت کی امید ہے اس کے ثبوت کے لئے کوئی حدیث پیش نہیں کی
بلکہ کسی بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ "میری پیشانی اور سینہ پر
بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا" مرنے کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ حال پوچھا
تو ان بزرگ نے فرمایا کہ "عذاب کے فرشتوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا
کہ تو عذاب سے مامون ہے" (کبیری شرح منہ)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر روشنائی کے یونہی انگلی کے اشارے سے کفن وغیرہ پر عہد نامہ
وغیرہ دعائیں لکھی جائیں تو یہ جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں، "فتاویٰ شامی" میں ہے کہ بعض
فقہاء نے ہدایت کی کہ جب میت کو غسل دیا جا چکے تو کفن میں پیٹنے سے پہلے روشنائی کے بغیر
محض شہادت کی انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ اور سینہ پر کلمہ طیبہ لکھ دیا جائے ان کا ایک کتاب
علی جہۃ المیت بغیر ممداد بالأصبع المیحة بسم اللہ الرحمن الرحیم علی الصدر لا الہ
الا اللہ محمد رسول اللہ وذاک بعد الغسل قبل التکفین (شامی ۳۱۲)

اور "دراہم الکبیر" میں ہے کہ "بنو سیند پر پیشانی میت بغیر ممداد با انگشت" (میت کی
پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگلی سے لکھ دیں)

اور اگر کبیری کی عبارت کا یہ مطلب لیا جائے کہ روشنائی وغیرہ سے لکھا جائے تو یہ نور
معتبر اور صحیح نہیں ہے، علامہ شامی وغیرہ محققین فقہاء اس کے سخت مخالف ہیں۔

شامی میں ہے وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا يجوز ان یکتب علی الکفن بسم

واللہت ونحوہما خوفا من صدید المیت وقد منافیل باب المیاء عن
الفتح انہ تکمل کتابہ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدہم والمحابر یب الجدان
وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطنہ ونحوہا فانیہ امانۃ فالمنع منہ بالذکر
ما لم یثبت عن المجتہد او یقل فیہ حدیث ثابت (۳۱۲)

(ترجمہ) امام ابن صلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ سورہ یس اور سورہ کہف وغیرہ متبرک کلمات کفن
پر لکھنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ جان بوجہ کہ واجب الاحترام کلمات کفن پر لکھنا مردہ کے خون
وغیرہ میں آلودہ کرنا ہے اور پہلے ہم فتح القدیر کے عامل نے لکھ آئے ہیں کہ قرآنی آیات
اور اسمائے الہی دراہم، محراب دیواروں اور فرش وغیرہ پر لکھنا منوع ہے اس مانعت کی وجہ
مرن یہ ہے کہ ان کلمات و آیات کا احترام ضروری ہے اور یہاں بے ادبی کا خطرہ ہے جو حرام
ہے جب دیوار اور محراب پر لکھنا بھی منوع ہے تو (کفن یا جسم میت پر لکھنا) تو ضرور منوع ہوگا
یہاں خطرہ اور زیادہ ہے اور جب تک کسی مجتہد کا فتویٰ نہ ہو یا اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث
نہ ہو اس کو منوع کہا جائے گا۔ (شامی ۳۱۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی "قبر میں شجرہ رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ
"شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است لیکن ایسا را دو طریق است اول اینکه بر سینہ مردہ
دوون کفن یا بالائے کفن گزارند ایسا طریق را فقہاء منع می گویند کہ از بدن مردہ خون در کفن اسلا
می کنند و موجب سوراخ با سائے بزرگان می شود" (ترجمہ) قبر میں شجرہ رکھنا (بعض) بزرگان کو
معمول ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ مردہ کے سینے پر کفن کے اندر یا باہر رکھے اس طریقہ
سے فقہاء نے روکا ہے اور کہا ہے کہ مردہ کے جسم میں سے خون اور پیپ جاری ہوگا اور بزرگوں کا
ناموں کی بے حرمتی ہوگی (فیض عام)

اور "نوامذ العواد" میں ہے "قرآن دعا برتر بہ نامی باید نوشت و بر جارد کفن نیز"
(ترجمہ) قرآن اور دعا قبروں پر نہ لکھنی چاہیے اور کفن پر بھی

ذکر بالجہر

شریعت نے جو عبادت جس خاص کیفیت میں مشروع کی ہے اس کو اسی طرح ادا کرنا لازم ہے۔ اور اسکی کیفیت میں تبدیلی کرنا حرام اور بدعت ہے۔

مثلاً دن کی نمازوں میں شریعت نے قرات آہستہ بخویز کی ہے۔ اور رات کی نمازوں میں نیز جمعہ اور عیدین میں جہری قرات مقرر فرمائی ہے۔ اگر کوئی شخص خوش الحانی کے شوق میں ظہر عصر کی نمازوں میں بھی اونچی قرات کرنے لگے تو اس کا یہ فعل ناجائز اور بدعت ہو گا۔

یامثلہ جہری نمازوں میں بھی سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ۔ آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی بھی جہراً قرات کرنے لگے تو یہ جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے نے ان سے دریافت کیا کہ نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے بلند آواز سے بسم اللہ شریف پڑھنا کیسا ہے فرمایا: بیٹا! یہ بدعت ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھا کرتے تھے۔

یامثلہ نماز ختم ہونے کے بعد احادیث طیبہ میں مختلف اوراد و اذکار اور دعاؤں کا حکم فرمایا گیا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہ ذکر اور دعاء بآواز بلند نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ ہر شخص اپنے منہ میں پڑھا کرتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کو ان اوراد و اذکار اور دعاؤں میں یہی کیفیت مطلوب ہے۔ اور امت کو اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بعض

اور لطف کی بات تو یہ ہے کہ "نزدہ رضا خانی" کی مشہور و معروف کتاب "بہار شریعت" میں مذکور بیان کے اخیر میں فیصلہ کے طور پر ممانعت کے حکم کی تائید کی ہے کہ "مگر منہلانے کے بعد کفن پہننے سے پہلے کلمہ کی انگلی سے لکھے۔ روشنائی سے نہ لکھے" بہار شریعت ص ۳۳۳) الحاصل عہد نامہ وغیرہ دعا ریت کے جسم یا کفن پر روشنائی وغیرہ سے لکھنا تحریر کی بے ادبی اور بے حرمتی کی وجہ سے ممنوع ہے ہاں! حصول برکت کے لئے عہد نامہ وغیرہ کوئی دعا کفن پر بسم اللہ پیشانی پر اذ رکلمہ طیبہ سینہ پر بغیر روشنائی کے محض کلمہ کی انگلی کے اشارے سے اس طرح لکھے کہ حروف کے نشان نہ پڑیں تو جائز ہے ممنوع نہیں ہے مگر اس کو ضروری اور مسنون نہ سمجھ لیا جائے نیز یہ عقیدہ بھی نہ ہو کہ اس سے یقینی مغفرت ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مغفرت کے طریقے سماعی ہیں قیاسی نہیں۔ لہذا حدیث صحیح وغیرہ مضبوط دلیل بغیر محض قیاس و خواب کے اعتماد پر عقیدہ یا شرعی حکم نہیں بن سکتا ہاں! نزول رحمت اور حصول مغفرت کی امید رکھنا اچھا ہے فقط والٹر اعلم بالصواب

تہ المجزأ الاول من فتاویٰ رحیمہ و یلیہ

المجزأ الثاني انشاء اللہ

مجید

مساجد میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ لوگ سر میں شریک کر کے کلمہ شریف کا ورد کرتے ہیں، یہ طریقہ نبوی اور مطلوب شرعی کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

چہارم: جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔ مثلاً فرض نماز تو اجتماعی طور پر پڑھی جاتی ہے۔ اور شریعت کو ان کا اجتماعی طور پر ادا کرنا ہی مطلوب ہے۔ مگر نفلی نماز الگ الگ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے نفلی نماز اجتماعی طور پر پڑھنے کو ہمارے فقہاء نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ولذا منعوا عن الاجتماع
بصلوة الرغائب التي احدثها
بعض المتعبدین، لانها لم تؤثر
على هذه الكيفية في ثلاث
الليالي المخصوصة وان كانت
الصلوة خير موضوع -

(رد المحتار ص ۲۳ ج ۲)

اسی سے شب برات، شب معراج اور شب قدر میں نمازوں کے لئے جمع ہونے اور ان کو اجتماعی شکل میں ادا کرنے کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

یا مثلاً شریعت کا حکم یہ ہے کہ جو عبادت اجتماعی طور پر ادا کی گئی ہے اس کے بعد تو دعاء اجتماعی طور پر کی جائے۔ مگر جو عبادت الگ الگ ادا کی گئی ہو اس کے بعد دعاء بھی انفرادی طور پر ہونی چاہیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے یہ منقول نہیں ہے کہ وہ سنن و نوافل کے بعد اجتماعی دعاء کرتے ہوں۔ اس لئے ہمارے یہاں جو رواج ہے کہ لوگ

خفیں نفل پڑھنے کے بعد امام کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، سنن و نوافل سے فارغ ہونے کے بعد امام دعاء کرتا ہے اور لوگ — اسپر این امین کہتے ہیں یہ صحیح نہیں — اگر اتفاقاً کسی بزرگ کی دعاء میں شریک ہونے کے لئے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر اسکی عادت بنالینا بدعت ہے۔ یا مثلاً نماز کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے، اب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ”محیط“ سے نقل کیا ہے:

قراءة الكافرون الى الاخر مع
الجمع مکروهة لانها بدعة
لم تنقل عن الصحابة ولا عن
التابعين - (ص ۲۱)

فتاویٰ بزاز یہ میں فتاویٰ قاضی خاں کے حوالے سے نقل کیا ہے:

رفع الصوت بالذکر حرام و
قد صح عن ابن مسعود انه
سمع قوماً اجتمعوا في مسجد
يصلون و يصلون عليه - عليه
الصلوة والسلام جهراً - فراح
اليهم فقال ما عهدنا ذلك
على عهدك عليه السلام، ولا
اراكم الا مبتدعين، فما زال
يذكر ذلك حتى اخر جهنم

بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے،
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند
صحیح منقول ہے کہ آپ نے سنا کہ کچھ
لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز
سے کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد
کرتے ہیں۔ آپ ان کے پاس تشریف
لے گئے اور فرمایا، ہم نے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیز
نہیں دیکھی، میرا خیال ہے کہ تم بدعت

اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ العالی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی بریلوی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ششم۔ ص ۱۵۵ اچوتھے وہ جانور جس نے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو وہ حرام نہیں جیسے عبد اللہ کی گلے عقیقے کا بچرا ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء کو ثواب پہنچا یا منظور ہو، اُن کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح اُن کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں، اس آیت میں صرف اسی کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو، و ہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں، اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے، اور خود آیت ان کے معنی کو نہیں بننے دیتی کیونکہ مَا أَهْلًا بِہ کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو إِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو وہ إِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا، غرض و ہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں انتہی بلفظہ۔

مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا۔ ہے محسن اپنے ایک باطل نظریہ تنقید کے تحت لکھا ہے، اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا ہے جو چند وجوہ سے مردود ہے، اولاً اس لیے کہ اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں نامزد کرنے اور شہرت دینے کے ہیں مشہور لغوی علامہ الباقی ناصر بن عبد السید المطرزی

عن المسجد۔

کر ہے ہو۔ آپ بار بار یہی بات
مکتبے ہے یہاں تک کہ انھیں مسجد
سے نکال دیا۔

(بزانہ بر حاشیہ فتاویٰ مالکری ص ۳۷۳)

اس سے معلوم ہوا ہوگا آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گاگا کر درود و سلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا یہ بدعت ہے۔ اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔

الْحَفْنَى (الْمُتَوَفَّى ۶۱۶ھ) اہلال کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

اهلوا الهلال وامتهلوه دفعوا
اصواتهم عند رؤيتهم - و
استهلال الصبي ان يرفع صوته
بالبحاء عند ولادته الاهلال
رفع الصوت بقول لا اله الا
الله ومنه قوله تعالى وما
اهل به لغير الله واهل الحرم
بالحج رفع صوته بالتلبية :-
(مغرب جلد ۲ ص ۲۴۴)

یعنی چاند دیکھنے کے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے اس کو اہلال اور استهلال کہتے ہیں اور اسی طرح جب بچہ پیدائش کے وقت آواز بلند کرے تو کہا جاتا ہے استهل الصبی اور اہلال کا معنی ہے بلند آواز سے لا اله الا اللہ پڑھنا اور اسی کہے ما اهل به لغير الله اور حاجی جب احرام باندھ کر بلند آواز سے بتیک پڑھتا ہے تو اس کو بھی اہلال کہتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اہلال کے مفہوم اور معنی میں فزع کی قید ملحوظ نہیں ہے، اور اس کا اصل معنی ہی آواز بلند کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانی (المتوفی ۵۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والهلال رفع الصوت برؤية
الهلال ثم استعمال لعل متو
وبه شبه اهلال الصبي وقوله
تعالى وما اهل به لغير الله اى
ما ذكر عليه غير اسم الله وهو
ما كان يذبح لاجل الاصنام -
(مفردات ص ۵۶ طبع مصر)

چاند دیکھتے وقت جو آواز بلند کی جاتی ہے، اس کو اہلال کہتے ہیں پھر یہ مطلقاً ہر آواز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اسی پیدائش کے وقت بچے کے رونے کی آواز کو اہلال کہتے ہیں، اور ما اهل به لغير الله کا معنی یہ ہے کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اور وہ اصنام کی خاطر فزع کیا جائے۔

اس عبارت میں بھی اس امر کو آشکار کیا گیا ہے کہ جس جانور کو غیر اللہ کے لیے شہرت دی گئی ہو اور اصنام کی خاطر جس کو ذبح کیا جائے وہ ما اهل به لغير الله

کہلاتا ہے یعنی اہلال کا معنی نہ تو ذبح کے لیے ہے، اور نہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام اس پر لینا شرط ہے، ہاں غیر اللہ کے لیے نامزد کرنا، اور شہرت دینا اس میں ملحوظ ہے، یہ یاد رہے کہ اصنام محض اینٹ اور پتھر کے بن گھڑے ٹکڑوں کا نام نہیں، بلکہ جو انسانی شکل و صورت پر ہوں انکو اصنام و اوثان کہتے ہیں، چنانچہ امام ابن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) اور علامہ علی بن محمد الخازن (المتوفی ۴۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والاصنام جمع صنم وهو التمثال
الذى يتخذ من خشب او حجارة
او حديد او ذهب او فضة على
صورة الانسان وهو الوثن ايضا
(تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۱۵ و
تفسیر خازن جلد ۲ ص ۱۳۲)

اصنام صنم کی جمع ہے اور وہ ایسا مجسمہ ہوتا ہے جو لکڑی یا پتھر، یا لوہے، یا سونے یا چاندی (وغیرہ) سے انسانی صورت پر بنایا جائے اور وثن بھی اسی کو کہتے ہیں۔ (جس کی جمع اوثان آتی ہے)۔

یعنی جن لوگوں نے بتوں کے نام پر بھی نذرانے چڑھائے ہیں تو ان کو اینٹ اور پتھر وغیرہ سمجھ کر نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ان انسانوں اور بزرگوں کے نمونے اور ان کے مجسمے ہیں جن کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت اور فریفتگی وابستہ ہے، تو عقیدت پتھر وغیرہ سے نہیں بلکہ انسانی ہستیوں سے ہے۔

اور علامہ ابوالفضل محمد بن عمر قرشی لکھتے ہیں کہ:-
وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهْ اى
نودی علیہ بغیر اسم الله
واصله رفع الصوت اه
(صراح ص ۴۴)

کہ غیر اللہ کا نام اس پر لیا جائے (یعنی نامزد کیا گیا ہو) اور اہلال کا اصل معنی آواز بلند کرنے کے آتا ہے۔

اور امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:-

وَأَمَّا قِيلَ وَمَا أَهْلَ بِهِ لَانْهَمْ
وَمَا أَهْلَ بِهِ اى اس کو اس لیے کہا گیا

كانوا اذا ارادوا ذبح ما قتلوه
لا لله ستموا اسم الهتهم التي
قتلوا ذلك لها وجها بذلك
اصواتهم اه

ہے کہ اہل جاہلیت جب اپنے حاجت والوں
کے تقرب کے لیے جانوروں کو ذبح کرنے کا
ارادہ کرتے تو ان جانوروں پر اپنے مشکل کشاؤں
کے نام لیتے اور بلند آواز سے اسکی تشہیر کرتے تھے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ وہ لوگ اپنے فرضی اللوں کے
نام پر جانوروں کو ذبح تو بعد کو کرتے مگر ان کی تشہیر اور اپنی خوش عقیدتی کی وجہ سے ان
جانوروں کو تقرب اور تعظیم کے طور پر ان کی طرف منسوب پہلے کرتے تھے کہ مثلاً یہ
فلاں بزرگ کا بکرا اور یہ فلاں ولی کی بھیڑ ہے، اور اسی نامزد کرنے کو اہلال کہتے ہیں۔
تفسیر مدارک اور بیضاوی وغیرہ میں اہلال کے معنی رفع الصوت کے کئے ہیں غرضیکہ
وَمَا أَهْلًا کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت خواہ
مخوہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ ہاں بعض مفسرین کرام نے عام رواج کے پیش نظر
ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب الحنفی محدث دہلوی اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے
ہیں کہ :-

اور اُہلًا کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت اور عرف کے ہے اہل لغت
عرب اور عرف اس ملک میں معنی ذبح کے نہیں آیا ہے کسی شعر اور کسی عبارت
میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں معنی آواز اور شہرت دینے کے ہے جیسے
آواز طفل نو اور شہرت چاند اور معنی آواز ج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے،
اگر کوئی کہے اهلث لله ہرگز معنی ذبحت لله نہ سمجھا جاوے گا اور نیز اگر اُہلًا
کو ذبح پر حمل کریں پس ذبح بغیر اللہ مراد ہوگی، ذبح باسم غیر اللہ کہاں مراد ہوگی۔
تاکہ مدعی ان آدمیوں کا حاصل ہو پس اس عبارت میں اہلال کو بمعنی ذبح لینا
اور پھر بغیر اللہ کو بجائے اسم غیر اللہ کرنا قریب تحریف کلام الہی کے پہنچتا ہے۔

(تفسیر عزیزی پارہ سیمت جلد ۲ ص ۲۸ اردو) اور یہی شاہ صاحب اس کی مزید
تشریح اور تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وَمَا أَهْلًا بِدِ الْغَيْرِ اللہ اور مگر وہ چیز
کہ آواز دی گئی ہو حق، اس جانور میں بغیر اللہ واسطے غیر خدا کے خواہ وہ غیر بت ہو یا
روح خبیث جیسے بھوگ کے نام دیتے ہیں، اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط
ہو اور بدون لینے جانور کے دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور
مقرر کر دیں کہ سب حرام ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو
واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ (تفسیر عزیزی جلد ۲ ص ۲۸
اردو) اور حضرت شاہ صاحب موصوف ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس واسطے کہ جب
شہرت کر دی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ
ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا، اور اس میں پیدی ہوگئی اور خبیث
اس کا مردار کے خبیث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا
ہے، اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے، اور جب کہ یہ خبیث
مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کر سکتا جیسے کہ کتا اور سور کہ اگر نام خدا لے کر
ذبح کیے جائیں حلال نہ ہوں گے، حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان
پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور
مال بھی تقرب بغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے (تفسیر عزیزی جلد ۲
ص ۲۸ اردو)

اور یہی حضرت شاہ صاحب دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ :-
در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون میم حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ
من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ ذبح جانور کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرے وہ ملعون
تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ ہے، بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نہ
در وقت ذبح نام خدا بگیرد یا نہ زیرا کہ لے کیونکہ جب اس نے اس بات کی تشہیر کر

چوں شہرت داد کہ اس جانور برائے
فلان است ذکر نام خدا بوقت ذبح
فائدہ نہ کر دچہ آں جانور منسوب باک
غیر گشت و خبثت در اں پیدا شد کہ
زیادہ از خبثت مردار است و ہر گاہ
ایں خبثت دروے سرایت کرد دیگر
بذکر نام خداوند حلال نمی شود مانند سگ
و خوک کہ اگر بنام خداوند مذبح شوند
حلال نمی گردند۔

(فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۵)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اسی قسم کے ایک
سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں :-

الجواب :- جو جانور غیر کے نام کا ہو اس کو اس ہی نیت سے ذبح کرنا ،
بسم اللہ کہہ کر بھی حرام ہے ، اور جانور حرام ہی رہتا ہے ایسے جانور کو ذبح نہ کرے ،
اور کسی کا بچا کہنا بوجہ مالک ہونے کے درست ہے مگر کسی کی تعظیم و قربت کا
کہنا حرام ہے ۔ اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب بوجہ اللہ کسی کو پہنچے تو اس میں کچھ
حرج نہیں تعظیم غیر پر ذبح سے حرام ہوتا ہے نہ مالک ہونے سے کسی بشر کے
دونوں میں فرق ہے ۔ فقط بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۵)
طبع جدید برقی پریس دہلی

اس ساری بحث سے یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ اہلال کے معنی
ذبح کے ہرگز نہیں ہیں بلکہ شہرت دینے اور تقرب و تعظیم کے طور پر نامزد کرنے کے
ہیں ، یعنی جس جانور کو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیے شہرت دی گئی ہو ، اور

نامزد کیا گیا ہو اس کو اگرچہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ
حرام ہی ہے گا ، جس طرح کتا اور خنزیر بسم اللہ ، اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرنے سے
حلال نہیں ہو سکتے بعینہ اسی طرح غیر اللہ کے نام پر تقرب و تعظیم کے لیے نامزد
کیا ہوا جانور بھی اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو سکتا ۔ ہے وہ جانور
جن میں غیر اللہ کی طرف نسبت شرعی اور عرفی ہو تو وہ محل نزاع سے خارج ہیں ۔
ان کو درمیان میں لانا مذہبی جہالت ہے ۔ مثلاً عبد اللہ کی گائے عقیقہ کا بچہ اولیمہ
کا جانور وغیرہ کیونکہ عبد اللہ کی گائے سے مراد ہے جس کا وہ شرعی طور پر مالک
ہے نہ تو اس میں عبد اللہ کا تقرب ملحوظ ہے ، اور نہ اس کی وہ تعظیم جو مَا أَهْلٌ
بِغَيْرِ اللَّهِ میں مقصود ہوتی ہے ۔ اسی طرح عقیقہ اور ولیمہ کے جانور سے
وہ جانور مراد ہے جو شریعت کے حکم کی پیروی میں ذبح کیا جاتا ہے نہ اپنی طرف
سے اس کا التزام ہے ، اور نہ اس میں تو مولود اور دولہا وغیرہ کا تقرب مطلوب ہوتا
ہے اور نہ بجز ثواب کے اپنے نفع و نقصان کا کوئی پہلو ہی ان سے وابستہ ہے ۔
وثانیاً :- جن مفسرین کرام نے ذبح کے وقت غیر اللہ مثلاً اصنام وغیرہ کا ذکر کیا ہے
تو یہ اس لیے نہیں کہ مَا أَهْلٌ بِغَيْرِ اللَّهِ صرف اسی میں منحصر ہے ، بلکہ
اسنوں نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق صرف ایک شوق کا ذکر کر دیا ہے جو بالکل
بجائے ، اور صنم وغیرہ کی قید محض اتفاقی ہے ، احترازی نہیں ، علاوہ ازیں اگر
وَمَا أَهْلٌ بِغَيْرِ اللَّهِ بہ سے مراد صرف بت ہوں جیسا کہ دیگر اہل بدعت
عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر میں تو سورۃ المائدہ میں اسی آیت
میں وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے الفاظ بھی موجود ہیں جس کا معنی یہ ہے ۔ اور وہ
جانور بھی حرام ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جائیں اگر وہ مَا أَهْلٌ بِغَيْرِ
اللہ بہ کا بھی یہی مطلب ہو ۔ تو واؤ عطف کے ساتھ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ
کا ذکر بیکار ہو گا اور تکرار بھی لازم آئے گا جو فصاحت کے خلاف ہے ۔ چنانچہ

امام قولوی فرماتے ہیں کہ :-

قيد الصنم لرد المشركين والآ
فالمرد غير الله مطلقاً سوا كان
صنماً او غيره - (بحوالہ تفسیر اکیل ص ۱۱۱)
صنم اور بت کی قید مشرکین کے رد کے
لیے ہے اور نہ مراد مطلقاً غیر اللہ ہے
صنم ہو یا کوئی اور شے ہو۔

علامہ البوہیان اشیر الدین محمد بن یوسف الاندلسی (المتوفی ۷۴۵ھ) اس آیت
کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کر کے آگے لکھتے ہیں کہ :-

والذي يظهر من الآية تحريم
ما ذبح لغير الله فيندرج في
لفظ غير الله الصنم والمسيح و
الفخر واللعب وسمى ذلك اهلاً
لانهم يرفعون اصواتهم باسم
المذبح له عند الذبيحة ثم
توسع فيه وكثر حتى صار اسماً
لكل ذبيحة جهر اوله يجهر
كالاهلال بالتبليّة صار علماً
لكل محرم رفع صوته اوله رفعه
(تفسیر بنجر محیط ج ۱ ص ۲۸۹ طبع مصر)
جو چیز اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ
یہ ہے جو جانور بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے
وہ حرام ہے پس لفظ غیر اللہ میں بت حضرت
مسیح علیہ السلام، فخر اور کھیل سبھی شامل ہیں اور اس
کو اس لیے اہلال کہتے ہیں کہ وہ لوگ ذبح کے وقت
اس شخص کا نام بلند کرتے تھے جس کے لیے جانور
ذبح کرتے تھے، پھر اس میں یہ وسعت اور کثرت
آگئی کہ ہر ذبیحہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا خواہ اسمیں
آواز بلند ہو یا نہ ہو جیسے بتیہ کہنے کو اہلال کہتے ہیں
اور یہ ہر محرم کی علامت ہے۔ وہ آواز بلند کہے یا نہ کہے
(اصل میں آواز کی بلندی اس میں ملحوظ ہے)

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا لفظ صرف صنم وغیرہ کے ساتھ
مختص نہیں ہے بلکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کی بزرگ شخصیت
بھی شامل ہے، اور جس جانور کو بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے گا، اس طور پر کہ
اس میں غیر کا تقرب و تعظیم ملحوظ ہو تو ایسا جانور یقیناً حرام ہے، اور اس آیت کریمہ
کے حکم میں وہ شامل ہے، اور علامہ آلوسی الحنفی لکھتے ہیں کہ :-

واما ادب غير الله الصنم وغيره

كما هو الظاهر وذهب عطاء
ومكحول والشعبي والحسن و
سعيد بن المسيب الى تخصيص
الغير بالادول وابلحة ذبيحة
النصراني اذا سمي عليها باسم
المسيح وهذا خلاف ما اتفق عليه
الائمة من الصريه انه
(تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۲۲ طبع مصر)

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ صرف
صنم کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوتا ہے بلکہ اس میں حضرت
مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں، اگر جانور پر بجائے صنم کے حضرت مسیح کا نام بھی لیا گیا ہو
تب بھی وہ امّہ کرام کی تصریح سے حرام ہی ہے گا۔

مفسرین کرام اور فقہاء عظام نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ غیر اللہ کے
تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور وہ جانور حرام
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ زادہ فرماتے ہیں کہ :-

قال العلماء ولو ذبح مسلم ذبيحة
وقصد بها التقرب الى غير الله
تعالى صار مستداً وذبيحة ميتة
(اکلیل ج ۱ ص ۸۱)

جانبہ عرام ہو جائے گا۔

غير الله من مراد صنم وغيره جیسا کہ
ظاہر ہے، اور حضرت عطاء، مکحول،
شعبي، حسن اور سعید بن المسيب اس
طرف گئے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد صنم
ہے، اور انہوں نے نصرانی کے اس
ذبیحہ کو مباح قرار دیا ہے جس پر حضرت
مسیح علیہ السلام کا نام لیا گیا ہو اور یہ امّہ کرام
کے اس اتفاق کے خلاف ہے جس میں انہوں
نے اس کی تحریم کا فیصلہ کیا ہے۔

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے بھی صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ غیر اللہ صرف
صنم کے ساتھ خاص نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ وہم ہوتا ہے بلکہ اس میں حضرت
مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں، اگر جانور پر بجائے صنم کے حضرت مسیح کا نام بھی لیا گیا ہو
تب بھی وہ امّہ کرام کی تصریح سے حرام ہی ہے گا۔

مفسرین کرام اور فقہاء عظام نے اس امر کی تصریح بھی کی ہے کہ غیر اللہ کے
تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرنے سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے، اور وہ جانور حرام
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ زادہ فرماتے ہیں کہ :-

قال العلماء ولو ذبح مسلم ذبيحة
وقصد بها التقرب الى غير الله
تعالى صار مستداً وذبيحة ميتة
(اکلیل ج ۱ ص ۸۱)

جانبہ عرام ہو جائے گا۔

تفسیر نیشاپوری، روح البیان، کبیر اور تفسیر عزیزی میں غیر اللہ کے تقرب
اور جانور کے حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اور غزالی کا حوالہ مفصل پہلے بیان

ہو چکا ہے مشہور حنفی فقیہ علامہ خضکی (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ :-

لو ذبح لقدم الامیر ونحوہ کو احد
من العظماء یحرم لانه اھل
بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم
اللہ علیہ ۔

(در مختار ص ۳۹۹)

پہ بسم اللہ بھی پڑھی گئی ہو ۔

جس طرح در حاضر میں کسی ملک کے سربراہ اور حاکم کی آمد پر اس کے اعزاز
واکرام کے لیے توپیں داغی جاتی ہیں، عمدہ سابق میں ایسے موقع پر بعض خوشامدیوں اور
جمعی حضور یوں کی طرف سے جانور ذبح کئے جاتے تھے، اور آنے والے مہمان اور بادشاہ
کی تعظیم و رضا جوئی میں جانور بھینٹ چڑھائے جاتے تھے، اور بوقت ذبح ان پر
باقاعدہ بسم اللہ اکبر کہہ کر ان کو ذبح کیا جاتا تھا، مگر علماء اسلام اور خصوصاً فقہاء
احناف نے ایسے جانوروں کو مآ اھل بہ لغیر اللہ کی مد میں شمار کیا اور ان
کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ بوقت ذبح ان پر بسم اللہ پڑھی جاتی تھی، اور جس کے
لیے جانور ذبح کیا جاتا تھا صنم اور بت بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ امیر و رئیس اور بڑا آدمی
ہوتا تھا جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے اور مولانا عبدالحی صاحب فتاویٰ بزاز یہ کے
حوالہ سے یہ لکھتے ہیں ۔

ولو ذبحہ لقدم الامیر او لقدم
واحد من العظماء لا یحل اكله
وان ذکر اسم اللہ علیہ لانه
ذبح لتعظیم خلق اللہ ولہذا لا
یضعہ بین یدیه اھ
فتاویٰ جلد ۲ ص ۹۵)

اور اگر اس نے اس جانور کو کسی امیر یا کسی
بڑے آدمی کی آمد پر ذبح کیا تو اس کا کھانا حلال
نہیں، اگرچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام بھی لیا گیا ہو
کیونکہ وہ تعظیم خلق اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔
اور اسی واسطے وہ اس کے سامنے
نہیں رکھا جاتا ۔

www.ahsanulloom.com اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

مَا اُھل بہ لِغیرِ اللہ سے مراد وہ جانور ہے جو بقصد تقرب
الی غیر اللہ ذبح کیا جائے، اور مقصود اراۃ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو اور جان دینا
خالص غیر کے لحاظ سے ہووے، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ
اس پر کسی جائے ۔ اھ (فتاویٰ جلد ۲ ص ۹۵) اور جلد سوم میں ایک استفادہ اور اس کا
جواب یوں ہے :-

استفتاء :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک
بکرا بنام شیخ سدو پر ورش کیا، بعد چندے بسم اللہ اکبر کہہ کے ذبح کیا وہ
حرام ہے یا حلال، صورت دیگر یوں ہے کہ اس بکرے کو بنام اللہ پر ورش کیا، مگر
بوقت ذبح شیخ سدو کہہ کے چھری پھیری، پس یہ ذبیحہ کیا ہے۔ بیٹنوا تو جروا ۔
الجواب هو المصوب :- یہ دونوں صورتیں مآ اھل لغیر اللہ میں
داخل ہیں جس صورت میں تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو وہ ذبیحہ حرام ہوگا، اگرچہ
بوقت ذبح بسم اللہ کی جاوے ۔ اھ (جلد ۲ ص ۳۱۷)

اور جلد ۲ ص ۹۵ پر ہے کہ غیر اللہ کی نذر و منت حرام ہے، اور منذر غیر خدا
کا شرینی ہو یا فیرینی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے اھ وثالثاً قرآن کریم میں جو
الفاظ آئے ہیں وہ بغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں، اور عربی کا مبتدی طالب علم
بھی یہ جانتا ہے کہ بنیز اللہ کا معنی یہ ہے کہ وہ غیر خدا کے لیے ہو، اور غیر کے نام
پر اس کو شہرت دی گئی ہو، اور اسی کے لیے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو، اگر
قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جاسکتی تھی
کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے۔ اور حدیث شریف
میں بھی بغیر اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :-

لعن اللہ من ذبح لفسد اللہ الحاش
رمسلم جلد ۲ منادادب المفرد
ص ۵ و موارد الظلمان ص ۳ نسائی جلد ۲
ص ۱۵۴ و مت۔ رک جلد ۲ ص ۱۵۳

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی سخت تردید فرمائی
ہے جو جانوروں کو اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کی قبروں پر لے جا کر ذبح کیا کرتے تھے۔
چنانچہ حضرت انس سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
ارشاد فرمایا کہ :-

لا عقر فی الاسلام قال عبد الرزاق
كانوا يعقرون عند القبر
بقرة او شيا - (ابوداؤد جلد ۲
ص ۱۰۳ سنن الکبری ج ۴ ص ۵)

غرضیکہ لفظ غیر اللہ کو صرف بتوں پر بند کر دینا، اور اولیاء اللہ کے لیے
جانوروں کے نامزد کرنے کو آیت کے عموم سے نکال دینا نہ صرف علمی جہالت
اور خیانت ہے، بلکہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کے ارشاد کے مطابق کیا
اللہ کی تحریف بھی ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، ورنہ جانور ہو یا کوئی اور شے ہو
جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب
منفعت یا دفع مضرت ہوگی، تو وہ حرام ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور متداول
اور مستند کتابوں میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

اعلم ان النذر الذی يقع
للاموات من اکثر العوام و
ما یؤخذ من الدراهم والشمع
تجزئی جان لے کہ وہ نذر و منت جو اکثر
عوام مردوں کے لیے مانتے ہیں، اور جو چیز
از قسم روپیہ، موم، بتی، تیل، اور اس قسم کی

والزیت ونحوها الى ضرائح الاولیاء
الکرام تقربا الیہم کان یقول
یا سیدی فلاں ان رد غابی او
قضیت حاجتی فذلک من الذہب
کذا ومن الفضة کذا او من
الطعام او الشمع او الزیت کذا
باطل وحرام بوجہ منها انه
نذرو النذر للمخلوق لا یجوز
لانه عبادة ومنها ان المنذور
له میت والمیت لا یملک ومنها
ظن ان المیت یتصرف فی الامور
دون الله تعالى فاعتقاده بملک
کفر اھ

دبح الرائق ج ۲ ص ۲۹۸ و شامی ج ۳
ص ۱۵۵ واللفظ

دیگر چیزیں بزرگوں کی قبروں تک ان سے
تقرب حاصل کرنے کے لیے پہنچائی جاتی ہیں
مثلاً کوئی کتاب ہے کہ لے میرے آقا فلاں اگر
میرا گم شدہ آدمی واپس آگیا یا میری حاجت
پوری کر دی گئی تو تجھے اتنا سونا، اور اتنی چاندی
یا اتنا انج، یا اتنی موم بتیاں، یا اتنا تیل دوں
گا، تو یہ نذر باطل اور حرام ہے۔ اور اس
کے بطلان کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے
کہ یہ کارروائی نذر ہے، اور نذر عبادت ہے
جو مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے۔ دوسری
وجہ یہ ہے کہ جس کے لیے نذر مانی گئی ہے
وہ میت ہے اور نذر کی چیز کو وہ اپنی ملک
میں نہیں لے سکتی، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر
ماننے والے کا یہ گمان ہوگا کہ میت اللہ تعالیٰ
کے ورے معاملات میں تصرف کرتی ہے
سو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

غور کیجئے کہ ذمہ ارفقہاء کرام نے کس طرح اولیاء کرام کی قبروں تک تقرب
کی نیت سے اشیاء لے جانے کو حرام اور باطل کہا ہے۔ اور خود مولوی نعیم الدین
صاحب بھی لکھتے ہیں کہ شرع میں نذر عبادت اور قربت مقصود ہے۔ ص ۶۷
(۵۴) اور فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر یہ ظن بھی ساتھ شامل ہو جائے کہ صاحب
قبر ولی نفع اور ضرر کے امور میں متصرف بھی ہیں تو یہ کفر بھی ہے، حیرت ہے
کہ مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے حواری کس دیدہ دلیری سے نصوص صریح

کی باطل تاویل کرتے ہیں اور فقہاء کرام کی واضح عبارت کو درخور اعتناء نہیں سمجھتے، اور پھر غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہابی آیت کے معنی غلط کرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں۔ غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے کہ ۷۔

چہ دلاور است دُزے کہ بجھ چراغ دارد

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے :-

والنذر الذی یقع من اکثر العوام بان یأتی الی قبر بعض الصلحاء ویرفع سترہ قائلاً یا سیدی فلان ان قضیت حاجتی فلك من المذهب مثلاً کذا باطل اجماعاً نعم لو قال یا اللہ انی نذرت لك ان شفیت مریضی او نحوہ ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفسیة او نحوها او اشتی حصیراً لمسجدھا او زیتاً لوقودھا او دراهم لمن یقوم بشعائرها مما یکون فیہ نفع الفقراء والنذر للہ وذكر الشیخ انما هو محل لصرف النذر لمستحقہ یجوز لکن لا یحل صرفہ الا الی الفقراء لا الی ذی علم

اور وہ نذر جو اکثر عوام سے واقع ہوتی ہے مثلاً یہ کہ کسی نیک کی قبر پر جا کر اس کی چادر اور پردہ اٹھا کر یہ کہے اے میرے سردار اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو تجھے مثلاً اتنا سونا دیا جائے گا، یہ نذر بالاجماع باطل ہے ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ بے شک میں نے تیرے لیے نذر مانی ہے مثلاً اگر تو نے میرے بیمار کو شفا دی تو میں سیدہ نفسیہ کے دربار پر پہننے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مسجد کے لیے چٹائی خریدوں گا، یا وہاں (فقراء کے) جلانے کے لیے تیل دوں گا یا جو شخص ان کی خدمت کا حق ادا کرے گا اُسے دراهم دوں گا، اور ایسی ہی چیزیں جن میں فقراء کا نفع ہو، اور نذر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور بزرگ کا ذکر محض اس لیے کہ وہ نذر صرف کرنے

بعلوہ ولا لحاضر الشیخ الا ان یکون الحاضر واحد من الفقراء واذا عرفت هذا فما یؤخذ من الدہم ونحوها ینقل الی ضرائح الاولیاء تقدماً الیہم فمالم بالاجماع مالم یقصد بصرفها الفقراء الاحیاء قولاً واحداً وقد ابتلی الناس بذلك هکذا فی النہر الفائق والبصر اللئق انتہی

فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۲۹

طبع مصر

کی جگہ ہو تو یہ نذر جائز ہے لیکن اس نذر کو فقط فقراء پر ہی صرف کیا جاسکتا ہے، نہ تو کسی عالم پر اس کے علم کی وجہ سے صرف کی جائے، اور نہ وہاں شیخ کے دربار میں پہننے والوں پر، ہاں مگر یہ کہ وہاں پہننے والا کوئی شخص فقیر ہو تو بات جدا ہے، اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو دراهم وغیرہ اولیاء کرام کی قبر پر ان کے تقرب کے لیے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ ان دراهم کو زندہ فقراء پر صرف کرنے کا قصد نہ کیا جائے وہ حلال نہیں اس میں صرف ایک ہی قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور (افسوس ہے) کہ لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ ایسا ہی نہر الفائق اور بحر الرائق میں ہے۔

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات اولیاء کرام کے تقرب کے ارادہ سے جو نذر مانی جاتی ہے، وہ بالاجماع حرام ہے اور اکثر عوام اس میں مبتلا ہیں۔ ہاں اگر نذر تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور اولیاء کرام کا نام اس لیے لیا گیا ہو کہ ان کے مزارات پر فقراء رہتے ہیں، اور محل صرف ان کو سمجھ کر وہاں صرف کرتا ہے تو اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے، جن حضرات نے نذر اولیاء کو جائز قرار دیا ہے وہ اسی دوسری صورت کے مطابق ہے جیسا کہ شیخ احمد المدعو بمبلا جیون الجونپوری الحنفی (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ومن ههنا علم ان البقرة المنذرة
لا وليد كما هو الرسم في زماننا
حلال طيب لانه لم يذكر اسم
غير الله عليها وقت الذبح وان
كانوا يذبحونها له -

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جو گائے اولیاء کے
در بار پر پہننے والے فقراء کیلئے نذرمانی
جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ کا رواج ہے
تو یہ حلال و طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت
اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگرچہ اس

(التفسیرات الحمیدیہ ص ۲۸ طبع علی ہلی) کو وہ اس کے لیے نذرمانت ہیں۔

اس عبارت سے جن لوگوں نے غلط مطلب لینے کی کوشش کی ہے۔ ان
کی تردید کرتے ہوئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ)
لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے، اس کا جواب
اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بنا پر حلت کا حکم فرمایا
ہے اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے جیسا اسی قسم کی تاویل سے نوویؒ نے ابراہیم مروزیؒ
کے قول کے بعد رافعیؒ کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے
حلال کہا جاوے گا اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابل تاویل نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ
اگر اس جانور کے بدلے اس کی دونی قیمت کی چیز ان کو دے کر کہا جاوے کہ بجائے
اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کر دو ہرگز وہ گوارا نہ کریں، اور استبدال
میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیت یقینی ہے اور یہی مدار
تھا حرمت کا خوب سمجھ لو۔ انتہی بلفظہ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۸۷) ہمارے
پاس تفسیر احمدی کا جو نسخہ ہے وہ منیہ سے خالی ہے لیکن حضرت تھانویؒ کے
پیش نظر صرف کوئی منیہ والا نسخہ ہے جس کا وہ حوالہ دے رہے ہیں۔ امام نوویؒ کی
جس عبارت کا انہوں نے ذکر فرمایا ہے، وہ یوں ہے۔

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد به
ان یذبح باسم غیر اللہ کہ غیر اللہ کے نام پر اس کو ذبح کیا جائے

تعالیٰ کمین ذبح للصنم او الصلیب
اولموسیٰ او لعیسیٰ صلی اللہ علیہما
اوللکعبۃ ونحو ذلک فکل هذا
حرام ولا تخل هذه الذبیحة سوءاً
کان الذابح مسلماً او نصرانیا او
یہودیاً نص علیہ الشافعی
واتفق علیہ اصحابنا فان قصد
مع ذلک تعظیم المذبح لہ غیر
اللہ تعالیٰ والعبادۃ لہ کان
ذلک کفراً فان کان الذابح مسلماً
قبل ذلک صار بالذبح مرتدلاً
ذکر الشیخ ابراہیم المروزی من
اصحابنا ان ما یذبح عند استقبال
السلطان تقرباً الیہ افتی اہل
بخارا بتحريمہ لانه مما اہل
بہ لغیر اللہ تعالیٰ قال الرافعی
انما یذبحونہ استبشاراً
بقدمہ فہو کذب العقیقۃ
لولادۃ المولود مثل هذا
لا یوجب التحريم واللہ اعلم
(شرح مسلم جلد ۲ ص ۱۶)

جس طرح کوئی شخص بُت یا صلیب یا حضرت
موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام یا کعبہ وغیرہ
کے لیے ذبح کرے تو سب حرام ہے اور
یہ ذبیحہ حلال نہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے
والا مسلمان ہو یا نصرانی یا یہودی، حضرت
امام شافعیؒ نے صراحت سے یہ بیان کیا ہے
اور ہمارے (شوافع) حضرات اس پر متفق
ہیں، پس اگر اس کے ساتھ غیر اللہ میں سے
جس کے لیے جانور ذبح کیا ہے، اس کی تعظیم
اور پرستش بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔ سو اگر
ذبح کرنے والا اس سے پہلے مسلمان تھا
تو اس ذبح کے ساتھ وہ مرتد ہو گیا اور جہاں
حضرات میں سے شیخ ابراہیم المروزیؒ یہ کہتے
ہیں کہ جو جانور بادشاہ کی آمد کی خوشی میں قرب
(تعظیم) کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے تو علماء بخاری
نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ وہ جانور حرام ہے،
کیونکہ وہ مما اہل بہ لغیر اللہ
میں داخل ہے۔ امام رافعیؒ (شافعی) فرماتے
ہیں کہ یہ جانور تقرب و تعظیم کے طور پر نہیں بلکہ
محض اس کی آمد کی خوشی پر ذبح کیا جاتا ہے جیسا
کہ بچے کی ولادت کے سلسلے میں عقیقہ کیا جاتا
ہے، اور اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرت امام رافعی الشافعیؒ نے جو تاویل کی ہے وہ تفصیل طلب ہے
بایں طور کہ اگر بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر محض اس کی مہمانی اور ضیافت کے
لیے بقدر ضرورت جانور ذبح کئے جائیں اور تقرب و تعظیم کی نیت بالکل نہ ہو تو
بجائے (اور سلف صالحین جو روح شریعت سے واقف اور اچھے اعتقاد والے
ہوتے تھے) اسی نظریہ سے جانور ذبح کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ اس کو حرام کہنے اور
بنانے کی ضرورت بھی نہیں ہے) لیکن اگر یہ جانور اس کی تعظیم و تقرب کی نیت سے
ذبح کئے جائیں جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ نہ تو آنے والا مہمان ان کو کھائے اور نہ
ضرورت کے مطابق جانور ذبح کئے گئے ہوں بلکہ تعظیم کے طور پر زیادہ ضرورت
ہوں جیسے آج کل کسی بادشاہ وغیرہ کی آمد پر توپیں داغی جاتی ہیں اور بعینہ اس انداز
اور نظریہ سے جانور ذبح کئے جائیں تو اس صورت میں امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت
کو ہرگز رفع نہیں کرتی، اور پھر امام مروزیؒ کی عبادت میں تقرب کا لفظ صراحت
سے موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بات تقرب کی صورت کی ہو رہی ہے
محض ضیافت مہمانی کی نہیں ہو رہی تو اس صورت میں اس بیکار تاویل کی کیا وقعت
ہو سکتی ہے؟ فقہاء بخارا اور امام مروزیؒ نے تقرب کی صورت میں حرمت کا جو فتویٰ
دیا ہے وہ بالکل بجا اور صحیح ہے، بھلا غور فرمائیے کہ آنے والا تو مرغ و بٹیر کھائے،
اور اس کی آمد پر بھینسا اور بیل وغیرہ ذبح کئے جائیں تو کون اس سے سمجھے گا کہ یہ اس
کی ضیافت کے لیے ذبح ہوتے ہیں یا مثلاً آنے والے کے ساتھ تو دس آدمی ہوں
جو مشکل سے ایک دُنبہ کھا سکتے ہوں اور اس کی آمد پر بیسیوں فُبنے ذبح کر دیے
جائیں تو بظاہر یہ صورت تقرب و تعظیم اور بھینٹ ہی کی ہے، اور فقہاء بخارا کا فتویٰ
روح شریعت کے عین مطابق اور بالکل درست ہے اور امام رافعیؒ کی تاویل اس حرمت
کو رفع نہیں کر سکتی یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ اس کا عقیدہ پر قیاس بھی درست نہیں
ہے کیونکہ وہاں تقرب اور تعظیم تو سرے سے مقصود نہیں کمالا یحقی اور نہ محض خوشی

ہوتی ہے بلکہ شریعت حقہ کے ایک مستحب حکم کی تعمیل ہے یہی وجہ ہے کہ اگر
کوئی شخص بچے کی ولادت کے وقت یا ساتویں دن سے پہلے کسی بھی وقت خوشی
کرتے ہوئے جانور ذبح کرے تو یہ عقیدہ نہ ہوگا اگر نہری خوشی ہوتی تو ولادت کے
وقت یہ کام زیادہ مناسب ہوتا و خاشا۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو یہ لکھا
ہے کہ کیونکہ مَا أَهْلًا بِہِ کہ اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں تو لَا مَا ذَکَّیْتُمْ
کا استثناء اس کو لاحق ہوگا، اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے
موسوم رہا وہ لَا مَا ذَکَّیْتُمْ سے حلال ہوگا، یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے، اس لیے
کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق نہیں، بلکہ صرف قریب کی چیزوں
سے ملحق ہے مثلاً وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہو تو ان میں میتہ اور
خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود بدول ذبح
کے مرچکا ہو وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو وہ حلال ہے اور خنزیر کا
گوشت بھی حرام ہے ہاں مگر جس کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا۔ (معاذ اللہ)
جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر وہ ذبح کرنے سے کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟ اور
خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے حلال ہو سکتا ہے؟ کیونکہ بقول مولوی نعیم الدین صاحب
کے استثناء ان کو بھی لاحق ہوگی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ یہ ہے فریق مخالف
کے مفسر کی قرآن دانی، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان خوفِ خدا سے بے نیاز
ہو جائے، اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کا روایتوں پر اُترے تو
دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ و
عند الناس رسوا ہوگا (عیاذ باللہ) و سادساً ایصالِ ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے،
لیکن آخر چُن چُن کہ بزرگوار کو ہی کیوں اس کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اپنے
مال باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں
ان کو یہ کیوں اس نہیں آتا، اس کی وجہ کیا ہے؟ اور یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ ایصال

ثواب میں تو اپنے کسی کام اور ضرورت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور نہ
تقرب لغير اللہ کا نظریہ ملحوظ ہوتا ہے اور نہ جس کو ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے،
اس سے کسی نفع کی امید رکھی جاتی ہے، بلکہ اُلٹا اس کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہوتا
ہے، اگر درمیان میں اپنی کسی حاجت کا ذکر ہو تو یہ ایصال ثواب نہ ہے گا، بلکہ
نذر اور تقرب کی مد میں چلا جائے گا اور غیر اللہ کے لیے ایسی نذر اور تقرب حرام
ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

ذبح کردن جانور بنام غیر خدا خواہ پیغمبر
باشد، خواہ ولی، خواہ شہید، خواہ غیر
ایشان حرام است، اگر بقصد تقرب
بنام انبیا ذبح کردہ باشد ذبیحہ آل
جانور ہم حرام و مردار میشود و ذبح کنند
مرتہ میشود تو بہ ازیں فعل ممتنع لازم
است و در تفسیر کبیر و نیشا پوری و
دیگر تفاسیر مرقوم است قال العلماء
لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃً وقصد
بتذبحها انتقرب الی غیر اللہ
صار مرتداً و بیعت ذبیحۃ
مرتد انتہی و اگر ملیدہ و شیرنج
بنابر فاتحہ بزرگی بقصد ایصال ثواب
بدیج ایشاں پندہ بخوراند مضائقہ
نیست البتہ جائز است الخ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور کو
ذبح کرنا خواہ وہ غیر پیغمبر ہو یا ولی اور عام
اس سے کہ وہ شہید ہو یا کوئی اور ہو حرام اور
مردار ہے اور اگر ان کے نام پر تقرب کے
ارادہ سے جانور ذبح کیا جائے تو ذبح کرنے
والا (معاذ اللہ) مرتد ہو جائے گا اور اس
ممنوع فعل سے اس پر تو بہ لازم ہے،
تفسیر کبیر، تفسیر نیشا پوری اور دیگر تفسیروں
میں یہ لکھا ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی
مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اس جانور
کے ذبح کرنے سے اس کی مراد اور قصد غیر اللہ
کا تقرب ہو تو ذبح کرنے والا مرتد ہو جائے گا۔
اور اس کا ذبح کیا ہو جانور مرتد کا ذبیحہ قرار
دیا جائے گا جس کی حرمت پر تمام فقہاء کرام
کا اتفاق ہے)

(بحوالہ زبدۃ النصائح ص ۱۲۱)

از مولانا السیۃ جمال الدین حسن علی الناشمی

اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے

ہیں کہ:-

اگر اس طرح کے کہ اگر میری حاجت
پوری ہوگئی تو فلاں یا فلاں ولی کے نام پر
اس قدر کھانا یا اس مقدار کی نقد رقم ہوگی تو
یہ صورت بالاجماع نذر باطل کی ہے۔ اور
اگر اس طور بگوید کہ حاجت من بر ایہ
برائے فلاں ولی یا بنام فلاں ولی ایں
قدر طعام یا ایں قدر نقد است پس
ایں قسم نذر کردن یا طعن است باجماع
و خود دن طعام حرام است بماتہ مسائل
الغرض ما اھل لغیر اللہ بہ اور نذر الگ چیز ہے، اور اس کا
حکم جدا ہے، اور ایصال ثواب ایک متقل شے ہے اور اس کا حکم علیحدہ ہے
ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔ اللہ
تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس قسم کی غلط فہمی اور مغالطہ آفرینی سے بچائے آمین۔

اس میں مکی کی پھر ابو موسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما سے فرمایا اس میں سے تم دونوں پوچھو اور اپنے منہ اور سینوں پر چھڑک لو اور خوش رہو دونوں نے پیالہ لے کر تعمیل کی ام سلمہ رضی اللہ عنہا پردہ کے پیچھے سے بولیں میرے لئے بھی چھوڑ دو انہوں نے باقی ام سلمہ کو دے دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو صحابہ غسالہ وضو رکوع کر اپنے بدن پر پھیر لیتے تیز پارہ اول مسئلہ میں روایت ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے منہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی فرمائی تھی۔ اور صحابہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے غسالہ وضو لینے پر آپس میں رڑتے تھے۔ اور سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے سر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور وہ سات برس کے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ پانی پیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۵ ص ۱۱۱ اور پارہ ۲۵ ص ۱۱۱ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر حاشیہ دار بن کر لائی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میں نے آپ کے لئے بنی ہے کہ میں آپ کو پہناؤں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما لیا اور آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس کا تہ بند بنا لیا۔ پھر ایک شخص نے آپ کو پہنے ہوئے دیکھ کر عرض کیا کہ کیا اچھی ہے یہ مجھے دے دیجئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا پس آپ مکان میں تشریف لے گئے۔ اور چادر اتار کر بھیج دی تو صحابہ نے اس کو ملا مت کی کہ تو نے اچھا کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو قبول فرمایا اور آپ ضرورت مند تھے اور تو نے آپ سے سوال کیا اور تو جانتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی سائل کو رد نہیں فرماتے ہیں تو اس نے جواب دیا قسم اللہ کی میں نے پہننے کے لئے نہیں سوال کیا۔ بلکہ میں اس میں برکت کی امید رکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا ہے اس چادر میں میرا کفن کیا جاوے۔ پس اس کو اسی چادر میں کفنایا گیا۔ ایضاً صحیح بخاری پارہ ۲۳ ص ۱۱۱ مع فتح الباری روایت ہے کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک تھا جس میں تبرک پیا جاتا۔ اور عاصم الاحول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا اس پیالہ مبارک کو بصرہ میں اور پیا اس سے اور وہ خرید گیا تھا میراث نصر بن انس رضی اللہ عنہ سے آٹھ ہزار کو نیز صحیح بخاری پارہ ۲۴ ص ۱۱۱ میں روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں جو منا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

کسی کی تقبیل یعنی بوسہ دینا مختلف اسباب سے ہوتا ہے۔ ایک نفسانی شہوت کے ساتھ بوسہ دینا ہے۔ وہ باتفاق نقباء بجز اپنی زوجہ یا زرخرید کنیز کے کسی دوسری دوسری عورت یا مرد کے لئے جائز نہیں خواہ ہاتھوں پر ہو یا سر اور چہرہ وغیرہ پر دوسرا سبب اس کا بزرگ از شفقت ہوتی ہے جیسے والدین کا اپنی اولاد کے سر یا چہرہ وغیرہ پر بوسہ دینا۔ تیسرا سبب اس کا تعظیم و تکریم ہوتا ہے جیسا کہ علماء مشائخ یا سلطان عادل کے ہاتھوں وغیرہ پر بوسہ دینا۔ آخری دونوں صورتیں جائز ہیں اور احادیث و آثار سے ثابت ہیں۔ (ماخوذ جواب الفقہ ج ۱ ص ۱۸۴)

تبرکات کی تعظیم کرنا یہ مسئلہ اور اوپر والا مسئلہ یہ دیوبندیوں اور بریلویوں میں اختلافی نہیں ہیں مفتی احمد یار نے جہاں الحق میں ان کو ذکر کیا ہے اس لیے ہم نے بحث کو مکمل کرنے کے لیے ان کو یہاں پر درج کیا ہے۔ ہم تبرکات کی تعظیم کے قائل ہیں مگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے۔

چنانچہ چند مواقع

حسب احادیث صحیحہ بدیہ ناظرین میں صحیح بخاری پارہ اول ص ۱۳ میں حضرت محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ دونوں تابعین ہیں (میرے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک ہیں جو پہنچے ہیں مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تو فرمایا عبیدہ نے میرے پاس ایک بال بھی ہو جائے تو دنیا دمانہا سے زیادہ محبوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے سر مبارک کے بال مبارک تقسیم فرمائے۔ امام احمد کی روایت میں اتنا نامد ہے کہ آپ نے فرمایا ان کو خوشبو میں رکھو۔ اور اس میں تبرک ہونا بالوں مبارک کا ثابت ہوا۔ (فتح الباری) ایضاً پارہ اول ص ۱۱۱ اور پارہ ۱ ص ۱۱۱ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں پانی منگوا کر اس میں دونوں ہاتھ اور منہ مبارک دھویا۔ اور

کا پانی لئے ہوئے تھے اور لوگ ایک لپک کر آپ کے غسالہ وضو کو لے کر منہ پر ملتے تھے۔ اور جسے نہ ملتا وہ دوسرے کے ترہا تھ سے اپنا ہاتھ ترک کر کے منہ پر ملتا۔ ایضا پارہ ۲۴ ص ۱۹۵ میں روایت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جب ان کے پاس کوئی بیماری یا کسی حاجت والا آتا تو ان کو پانی میں ہلا کر پانی دے دیتیں نیز صحیح بخاری پارہ ۲۶ ص ۲۶۱ میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو کر اٹھے تو انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کا پسینہ اور بال مبارک جو گرے ہوئے ایک ٹیشی میں خوشبو کے ساتھ جمع کر لئے تھے اور قریب وفات کے وصیت فرمائی تھی کہ ان کو میرے کفن میں لگانا چنانچہ ایسا کیا گیا۔ علی ہذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک تھے وفات کے قریب وصیت کی کہ ان کو میری خاک میں رکھ دینا۔ اھ۔ از الہ الخفاء، مقصد اول فصل پنج ص ۱۴۱

علاوہ بریں ہزاروں واقعات متبرکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث صحیحہ میں وارد ہیں جن کا شمار دشوار در دشوار ہے جو محبوب سنت ہی کے لئے باعث محبت ہیں چنانچہ مولانا شہید مرحوم صاحب تقویۃ الایمان منصب امامت مس میں فرماتے ہیں۔

پس میگوئیم کہ مقامات انبیاء و کمالات ایشان در پس میں کہتا ہوں کہ مقامات در کمالات

ہر چند بسیار از بسیار است و خارج از حد شمار کہ وہ احصا آں اندھن و محکم از

اعلا اھم معسر است بل محض روح و محبت

ایشان محبت حضرت رب اللہ باب

است و بعض ایشان مبعوض یا بجناب

محبت ایشان با عشق و محبت و رجاءات

سنت پنج

پس جبکہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ وضو دہی مبارک فرمانا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بار مستعمل غسالہ مبارک کو تبرک چھینا اور جسم پر ملنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا۔ جو مولوی نیر الدین کے مذہب میں ناپاک نجاست غلیظہ ملک ہے چنانچہ کبریٰ شرح منہج الصلحہ ص ۱۴۱ میں مرقوم ہے اما الماء المستعمل فتنجس نجاست غلیظہ عند ابی حنیفہ دیکھو

فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۲۶۴ میں مرقوم ہے۔

در بار مستعمل طاهر ہے مطہر نہیں اس سے وضو نہ ہوگا۔ اور پینا مکروہ۔ صحیح یہی ہے کہ اس

سے پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اور اس سے وضو صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ صرف کراست ہوئے

اگر تبرک کی حد اعتدال سے بڑھ جادے گا تو البتہ ممنوع اور شرک تنگ کی بھی نوبت پہنچ جادے گی چنانچہ امام بیہقی رحم کی ضدب الایمان میں عبد الرحمن بن قراذ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فوضا کوما فجعل اصحابہ

یتسحون بوضوئہ فقال لھم

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما

یمدکم علی ہذا قالوا حب

اللہ ورسولہ فقال النبی صلی

اللہ علیہ وسلم من سرہ ان

یحیب اللہ ورسولہ او یحبہ اللہ

ورسولہ فلیصدق حدیثہ

اذا حدث و لیودا ما انترا اذا

اشقن و لیحسن جوار من

جادرہ

(مشکوۃ ص ۲۲)

یعنی دعوائے محبت خدا و رسول خدا یا

امثال این امور کہ تمسح باب وضو است

مثلاً چنداں مؤنث نہ دارد و بر نفس

شاق نیست و ثابت نمیکرد و عمدہ دلا

و دینی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز

وضو فرمایا تو صحابہ نے آب وضو لے کر اپنے

بدن پر ملا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

سے فرمایا تم اس کو کس لئے کرتے ہو تو عرض

کیا گیا اشد اس کے رسول کی محبت کے

باعث تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے تم میں سے جس کو خوش آدے کہ دوست

رکھا اشد اس کے رسول کو یاد دامت

رکھے اس کو اشد اس کا رسول پس یوح

یوحے جس وقت بولے اور چاہیے کہ امانت کو ادا

کرے جو امانت رکھی جادے اور چاہیے کہ

نیک کرے اپنے پڑوس سے جو اس کے

پڑوس میں ہو۔

یعنی دعویٰ محبت خدا و رسول خدا کا بعض

ایسی ہی باتوں پر موقوف نہیں ہے کہ مثلاً پانی

وضو کا مل بیا جادے کہ چنداں نفس پر شاق

نہیں ہے بہتر اس کے بجا لانا اور امر کا ادر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحم اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ جلد رابع ص ۱۴۱ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

بحث عبد النبی، عبد الرسول، حسین بخش، پیر بخش علی بخش یا عبد الحسین وغیرہ نام رکھنا

علامہ عبدالحی لکھنوی سے اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال ہوا تھا انھوں نے جو جواب دیا وہ

سوال و جواب ہم یہاں نقل کر رہے ہیں :
سوال : عبد الرسول یا عبد الحسین وغیرہ نام رکھنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب : ایسا نام رکھنا جس میں عبد کی اضافت غیر خدا کی طرف ہو درست نہیں ہے گویا ایسے نام رکھنے سے حکم شرک کا نہ ہو اس احتمال کی وجہ سے کہ عبد سے خادم اور مطیع مراد ہے مگر پھر بھی ایسا نام رکھنا بڑے شرک سے خالی نہیں ہے قرآن اور حدیث اس نام کے نام رکھنے کی ممانعت پر دال ہیں اور علمائے امت محمدیہ نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے تفسیر جلالین میں ہے **هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ اَدم وجعل خلق منها ذرعا حوا** لیکن **اَلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلٌ خَفِيًّا هُوَ النُّطْفَةُ فَمَرْبُ بِهِ ذَهَبَتْ وَجَاءَتْ لِحَقَّتْهُ فَلَمَّا اَنْقَلَتْ بِكَبْرٍ اُولَدَ فِي بَطْنِهَا وَاشْفَقَا اِنْ يَكُونُ بَهِيْمَةً دَعَا اللّٰهُ رَبِّهَا لَمَنْ اَتَيْنَا صَالِحًا سَوِيًّا لَمَنْ كُنْ مِنْ الشَّاكِرِيْنَ فَلَمَّا اَتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شَرَكَو فَيَا اَتَاهُمَا بِتَسْمِيَةِ عَبْدٍ الْحَارِثُ وَلَا يَنْبَغِيْ اِنْ يَكُوْنُ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَيْسَ بِاَشْرَاطٍ فِي الْعِبَادَةِ لَعْنَةُ اَدم وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لما ولدت حواء طاف بها ابليس وكان لا يعیش لها ولد فقال لها سمیه عبد الحارث فانه بعیش فسمته فعاش فكان هذا من روح الشیطان وامره ردا للعاصم وقال صحیحہ والترمذی وقال حسن غریب خدا وہ جو جس نے تم سب کو ایک ہی ذات یعنی آدم سے پیدا کیا اور اس کے جوڑے یعنی حوا کو کھانا کہ وہ اس کے ساتھ رہو جب وہ حاملہ ہوئیں اور لڑکے کے بڑے ہونے سے ان کو گرانی محسوس ہوتی تو دونوں ڈرے کہ ہمیں جانور نہ ہو تو خدا سے انھوں نے دعا کی کہ اگر تو ہم کو اچھا نیک لڑکا دے تو ہم تجھے شکر گزار ہوں گے لیکن جب خدا نے ان کو نیک لڑکا دیا تو انھوں نے شرک کیا اس طرح کہ اسکا نام عبد الحارث رکھا حالانکہ کوئی خدا کے سوا اور کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے سوا بندہ دیتے میں کسی کو خدا کا شریک نہیں بنایا کیونکہ وہ معصوم تھے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب حضرت حوا علیہا السلام کے بچہ ہوا تو ان کے**

انتقال اور اولاد نہ ہو سکتا ہیست خصوصاً
ایں امور کہ صدق حدیث و اذا سئ
امانت حسن جوار است

اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ابلاغ المبین ص ۱۰

میں فرماتے ہیں : نوٹ : ابلاغ المبین شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے۔

یعنی وہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ تعظیم کرنا اشیاء
نسبت کردہ بزرگان کا دفعہ موجب کفر و شرک
نہیں ہے لیکن دفعہ دفعہ یہ واء عصال اپنی حد
سے گزر کر مرض نفاق لے آتا ہے اور سبب اس
نفاق کا یہ ہے کہ جو علماء و ربانین ایسی تعظیم کرنے
والوں کو مانع ہوتے ہیں یہ لوگ سید اور غدار
غلبہ محبت نسبت بزرگان دین کے کرتے ہیں
اور کہتے ہیں حرکات ہمارے بسبب غلبہ حال کے
صادر ہوتے ہیں پس کبھی یہ بیماری اپنی حد سے
گزر جاتی ہے تو شرک جلی میں صاف صاف
گرفتار ہو جاتے ہیں ۱۰ در نیز مشابہت بعض
عبادات میں کہ خانہ کعبہ میں حق تعالیٰ کے لئے کی جاتی
ہے نسبت اپنے پیروں کی قبروں کے ساتھ اہتمام
سے بجا آتے ہیں جس طرح تبرک جاننا عنالہ قبر کا
بجائے آب زمزم کے ۔

حس کے علاقہ میں حیلہ اسقاط اور دورانِ قبران

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ جب کسی گھر میں میت ہو جائے تو دور و دراز
علاقوں سے رشتہ داروں کو بلاتے ہیں اور میت کو گھر میں ان کے انتظار میں رکھتے ہیں
جب تمام اقارب آجائیں۔ پھر جنازہ اٹھا کر مقبرہ کو لیجاتے ہیں لیکن جنازہ
سے آگے گاؤں کا میراثی جاتا ہے کیونکہ اس کے سر پر تین چار پیچوں میں چیلول
گندم، مونگ، نمک اور اور پر کلام پاک ہوتا ہے اور جب وہاں جنازہ پہنچ
جائے تو پھر صفیں برابر کرتے ہیں اور ایک شخص اگر میت کے سر کی طرف گزرتا ہے
چار پانچ ٹکڑے کفن سے بچے ہوئے نکال کر ایک اپنے گاؤں کے پیش امام کو دیتا
ہے باقی نزدیک گاؤں کے جو ملا صاحبان تشریف لائے ہیں ان کو دیتے ہیں اور جب
جنازہ پڑھیں تو عوام بڑے دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں اور پیش امام صاحب اور زیر
گاہوں کے ملا صاحبان چھوٹا سا دائرہ بناتے ہیں درمیان میں وہی چیلول وغیرہ کلام پاک
... اور تقدیر رکھ کر پیش امام صاحب ہاتھ رکھ دیتے ہیں اور کہتا ہے۔
کل حق من حقوق اللہ تعالیٰ الخ یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے اس میت
پر روزے ہوں یا نماز وغیرہ ابھی یہ ادا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ تمام چیزیں بطور حیلہ
اے ملا صاحب یہاں عاجز کا لفظ بولتے ہیں لیکن پردہ جینن چائے تو پھر یہ طوفان میل بٹاتا ہے یہاں تک
چڑیا مادہ در بھی جاتا ہے اور کھاس وغیرہ کی حفاظت بھی کرتا ہے لیکن انیسویں کہ چارپائی سے
دیکھتا ہے کہ ملا صاحبان اس کے مال میں شیشیں دے کر قبیلہ و صحبت کہتے ہیں لیکن کچھ بوتا
نہیں یہ کیوں حال کہ جب زندہ تھا تو اس پر یہ خدا کے نام پر نہیں دیتا تھا ابھی وہ دیکھتا ہے کہ اس کا مال
تقسیم ہو رہا ہے کچھ ناراض نہیں ہوتا یہ کیوں۔ (بیسوا تو جروا)

پس شیطان آیا حضرت حرا کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا تھا شیطان نے اُسے کہا اگر تم اس لڑکے نام عبد حرا
رکھو تو یہ لڑکا زندہ رہے گا حضرت حرا علیہا السلام نے ایسا ہی کیا تو شیطان کا حکم اور اُسکی وحی تھی اُسے
حاکم نے روایت کی کہ کہا ہے کہ صحیح ہے اور ترمذی نے روایت کر کے حسن غریب کر کے کہا ہے اور جل کے حراشی
جہالین میں ہے دلیس للجعل المذكور باشرک الله بل نحو شرک فی التسمیۃ وهذا لا یقتضی
الکفریۃ نام رکھنا خدا کے ساتھ شرک کرنا نہیں ہے بلکہ اس نام میں شرک ہو جو مقتضی کفر نہیں ہے۔ اور ترمذی نے
میں جو دلائل حیلہ حکیمہ دلا حکما وکلا ابا عیسیٰ دلا عبد فلان لڑکوں کا نام حکیم حکم اور ابو عیسیٰ اور خدا
کے سوا کسی اور کی طرف عبد کی طرف اضافت کر کے نہ رکھے۔ اور ملا علی شریح فقہ اکبر میں ہوا صلاشتہ
من التسمیۃ بعد النبی فظاہرہ کفوالان اراد بالعبد المملوک عبد النبی نام رکھنا بظاہر کفر ہے
مگر جب عبد سے ملوک مراد ہو۔ اور ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ میں ہو دلائل جواز نحو عبد العارث کا
عبد النبی دلا غیہ ہما شاع بین الناس عبد اکارث عبد النبی وغیرہ کا جو نام لوگوں میں شایع ہیں نہ
رکھنا چاہیے۔ اور ابن حجر مکی کی شرح منہج میں میں ہو دیکھو مملک الاملاک لان ذلک لیس لغیر
الله وکذا عبد النبی وعبد الکعبۃ او الدار او علی او الحسن کا یہ عام التشریح اور مملک لڑاک
نام رکھنا درست نہیں ہو کیونکہ یہ خدا کا خاص وصف ہو اسی طرح عبد البنی عبد الکعبہ عبد الدار عبد العلی
یا عبد الحسن نام رکھنا کیونکہ اس میں ایہام شرک ہو واللہ اعلم۔

کر لیتے ہیں۔

یہ تو ہمارے علاقہ کا رسم و رواج تھا جو میں نے بین کیا لیکن اس تفصیل سے بعض حضرات مجھ پر ناراض اور خفا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ بعض لوگوں کو یہ طریقہ معلوم نہیں ہوتا کہ استغاثہ کس طریقہ سے لوگ کرتے ہیں کیونکہ بہت سے ایسے علاقے ہوں گے جس میں یہ چیز نہیں جانتے اس لئے میں نے اسے مفصل طور پر بیان کیا۔ لہذا معذرت خواہ ہوں۔

اور اس طے تقریر اور رسم و رواج کو جو شخص نہ کرے اسے ہمارے علاقہ میں دھننا اور پنج پیری کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بعض لوگ ان کو قادیانی کا ہم نام جانتے ہیں لیکن تمام القاب کا معنی ایک ہی لیتے ہیں کہ یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے منکر ہے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ اس باب میں اس کی حقیقت واضح طور پر بیان کر دوں گا۔ کہ اس طریقہ کا ثبوت ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو کرنے والوں کا کیا حکم ہے اور فتویٰ لگانے والے کیسے ہیں۔ (وباللہ استعین)

آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔ (دوسرے امام صاحب کے رائلوں پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں) پھر وہ دوسرا امام صاحب تیسرے کو ہبہ کرتا ہے۔ پھر امام صاحب وہی وظیفہ پڑھتا ہے۔ اور ہذا البیت۔ جب وظیفہ میں آجائے تو سر کے ساتھ میت کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ اسی میت سے جو ابھی تک میرے پیچھے چار پائی پر آرام فرما ہیں یہ میرا دوسرا امام صاحب کو ہبہ کرتا ہوں بہر حال تین مرتبہ ایسا کرتے ہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور اسی دوران میں گاؤں کا جو میاں تھی ہے وہ عوام کے دائرے پر اپنے دامن میں مٹی لے جا کر ان سے فاتحہ پڑھوا کر پھر مٹی کو جمع کرتا ہے اور یہ قبر میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے بعد نقد مال دارث اٹھا لیتا ہے اور چاول وغیرہ بمذہب کلام پاک بڑے دائرے پر شروع کرتے ہیں ایک دوسرے کو ہبہ کرتا رہتا ہے۔ اور دارث جب نقد مال لے جاتا ہے تو اس کے لئے خاص خاص آدمی بلا کر وہاں مجلس شوریٰ میں تقسیم کرنا پاس کرتے ہیں کہ کس طریقہ سے تقسیم کرنا چاہیے۔

مجلس شوریٰ میں فیصلہ کرتے ہیں کہ پیش امام کو دس روپیہ (کیونکہ پھر صد الفطر وغیرہ بھی ختم ہوا) اور باقی ملا صاحب کو پانچ پانچ روپیہ اور عوام کو دو دو اور بچوں کو روپیہ یا آٹھ آنہ بہر حال اس کا دار مدار مالدار اور غریب پر ہے جتنی طاقت ہو اور جیسا مجلس شوریٰ نے فیصلہ کیا (البتہ یہاں قطع میں ایک شخص علاقہ غیر سے سنا کہ ہمارے گاؤں میں پہلے سے یہ فیصلہ ہوا ہے کہ دس روپیہ سے کم نہیں دیں گے خواہ غریب یا مالدار۔ کسی سے فرقہ کریتا ہے یا زمین میں مزنگ لگا کر نیچے سے نکال دیتا ہے۔ بہر حال جب استغاثہ تقسیم ہو جائے تو اس کے بعد میت کے جنازہ کو اٹھا لیتے ہیں اور دفن کر لیتے ہیں۔ دفن کرنے کے بعد پیش امام صاحب آگے دھن کر کھتا ہو کرے گا در نہ دوسرا کوئی کرے پھر دعا کر لیتے ہیں خصوصی پھر دوبارہ دعا عمومی

صحابہ کرام ضرور ہی کیا کر لیتے اور جب انہوں نے نہیں کیا تو عبادت نہیں بلکہ گمراہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ارشاد سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا سو تم پر لازم ہے میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی اور نئی چیزوں سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ مقدمہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

اور دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں کہ

میری امت میں تہتر فرقے ہونگے۔ بہتر فرقے جہنمی ہونگے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ صحیح کراٹم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہے جو جنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ۔ لہذا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے راستہ پر چلنے میں نجات ہے اور ان کے خلاف چلنے میں جہنم ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دین میں کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہ کیا ہو۔ تو اب ہم یہ بات دریافت کرنے کے حق دار ہیں کہ یہ طریقہ حیلہ استقاط دین سے سمجھتے ہو یا نہ اگر نہیں۔ تو خیر ماخیر شما۔ اگر دین سے سمجھتے ہو تو یہ ایک دین کا کام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے نہیں کیا ہے تو ابھی یا دین کو ناقص سمجھیں گے یا ان پر الزام لگائیں گے کہ انہوں نے ہمیں دین نہیں پہنچایا ہے یا مستقل طور پر کرنے والے حضرات نبوت کا دعویٰ کریں گے کہ ہمارا بھی یہ اختیار ہے کہ کسی چیز کو دینی کام بنائیں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثبوت نہیں۔ یہ تین احتمالات تمام کفر اور تہاد ہیں۔ لہذا حیلہ کرنے والوں کو ماننا پڑے گا کہ یہ حیلہ استقاط دین کے سرسری خلاف

حیلہ استقاط شران کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ
دِينًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کیا اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

اس آیت سے کریک مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حلال اور حرام اور احکام و عبادات بیان کر کے دین کو مکمل کیا ہے۔ اور جب دین کامل ہے تو اس میں زیادتی اور کمی کی گنجائش نہیں ہوگی ورنہ پھر تو کامل نہیں رہتا۔ اور اس کا امل دین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مالی اور جانی قربانیاں کر کے ہر گوشہ گوشہ تک پہنچایا اور کوئی ایسی عبادت اور دین کا کام نہیں ہوگا کہ انہوں نے خود نہ کیا ہو۔ یا اس کو ہم سے چھپایا ہو اور جو چیز اور جو عبادات اور امور دینیہ جس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے نہ ہو تو سمجھ لیں کہ یہ دین کا کام نہیں اور نہ یہ عبادات ہیں بلکہ یہ معصیت اور بے دینی ہے۔

کیونکہ اگر یہ دین کا کام ہوتا یا یہ عبادت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا

ہے اور ایک نئی چیز کی ایجاد ہے اور حدیث میں گزر چکا ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور سر بدعت گمراہی ہے۔ اور گمراہی کرنے والے مجرم ہوتے ہیں نہ کہ دین کے ٹھیکیدار۔ لہذا اس آیت کے ماتحت یہ حیلہ استعاطا ایک عمل مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کیا اور اس مکمل دین میں یہ چیز نہیں تھی ورنہ ضرور ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحت اکرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اس کا ثبوت ہوتا۔ (دلیل دوم)

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے -

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ
أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا
يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا

جو یتیم بچوں کے مال ناجائز طریقہ سے
کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع
کرتے ہیں وہ جلدی جہنم میں داخل
ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو یتیم بچوں کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہلک چیزیں بیان فرما کر ان سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے۔

۱۔ وہ یہ ہیں۔ بستر۔ نفس قتل کرنا (بلا جرم) بتود کا مال کھانا۔ یتیم کا مال کھانا۔ جہاد سے بھاگنا۔ اور مومنہ پاک دامن عورت پر الزام لگانا۔ اور یہ حیلہ سبب اور ذریعہ ہے یتیم بچوں کے مال کھانے کا اور یتیم بچوں کا مال کھانا نص سے حرام اور جو حرام کا سبب ہو وہ بھی حرام ہے لہذا یہ حیلہ حرام اور ایک روایت میں آئے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو سعید خدریؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! معراج کی رات آپ نے کیا کیا

۱۔ سورۃ الشارحہ ۲۵۶ ، ۲۵۷ ابن کثیر ص ۳۲۸

دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسی مخلوق کی طرف لے گئے کہ ان میں ہر ایک آدمی کا ہونٹ (اتنا بڑا تھا) جیسا کہ اونٹ کا ہونٹ اور اس پر کچھ آدمی مقرر تھے اور ان کے منہ کو کھول کر آگ کے پتھران میں ڈال دیتے اور وہ نیچے سے نکلتے۔ اور وہ زور زور سے چلاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اے جبریل! یہ کون ہیں۔ اس نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے تھے اور یہ اپنے پیٹوں میں آگ جمع کرتے ہیں اور جہنم کو داخل ہونگے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اس حیلہ میں بسا اوقات یتیموں کے مال کو تقسیم کرتے ہیں کیونکہ اس حیلہ کے ذمت کوئی پوچھتا نہیں کہ یہ نقد مال وغیرہ جو ہمارے سامنے رکھا ہے اس کا وارث تو یتیم نہ ہوگا بلکہ میں نے خود اپنے دھن میں دیکھا، جسے چشم دید واقعہ سے تعبیر کر رہا ہوں کہ

ایک شخص فوت ہو گیا تھا اور اس کے یتیم بچے تھے تو جب یہ پردہ گرام بنایا کہ ہم پانچ پانچ سے کم تقسیم نہیں کریں گے پھر میں نے ایک طریقہ اختیار کیا کہ انہوں نے جو تدبیر کی تھی وہ کامیاب نہ ہوئی۔ تو چونکہ یہ حیلہ استعاطا مرد و جو یتیم بچوں کے مال کھانے کے لئے ذریعہ ہے اور حرام چیز کیلئے جو ذریعہ ہو وہ حرام لہذا یہ حیلہ شرعاً بھی حرام

۱۔ ابن کثیر ص ۲۵۶

یہاں تک کہ کہتے سے اس شخص کو مشابہ نہ بایا اور اس کے رجوع کرنے کو تے چلتے سے
تثبیہ دیدی۔ گویا کہ جو شخص مہبہ دے کر پھر اس سے واپس رجوع کرنا چاہتا ہو وہ ایسے
قیح ہے کہ گویا کہتے سے مشابہ نہ ہوا۔ چونکہ اس جملہ استقاط میں مہبہ دے کر پھر واپس
رجوع کرنا ہے لہذا یہ جملہ قبیح چیزیں مشتمل ہے اور جو قبیح چیزیں مشتمل ہو وہ قبیح لہذا یہ بھی قبیح
اور مسلمانوں کے لئے مناسب نہیں کہ ایک رذیل اور خبیث حیوان کہتے جیسے کے ساتھ ایک
رذیل صفت میں مشابہ ہو جائے اب بھی جو حضرات اس فعل کو دین سمجھتے ہیں اور اس کے
خلاف کرنے والے بے دین سمجھتے ہیں وہ یہاں اپنا نقشہ اور چہرہ مبارک اس حدیث کے
آئینہ میں اچھی طرح بغور دیکھ لیں کہ وہ انسانوں کی سی صفات کے مالک ہیں یا
حیوانوں میں سے ایک نہایت خبیث اور پلید حیوان کی سی صفات رکھتے ہیں۔ اور
کیا کہتے کا فعل جیسے قبیح اور بدترین چیز بھی دین بن سکتی ہے۔ (قاتلہم اللہ انی

یؤفکون)۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے بھی منکر میرے دوسروں پر فتوؤں کی
بوچھاڑ کیا ہی عجیب تقاضائے انصاف ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے فرماتے ہیں
قال اسعوا بالجنائز فان تک
صالحہ فخير تفقدونها اليہ والہ
تک غیر ذلک فشر تضعوا عنہا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازہ کے ساتھ جلدی
کر دو کہ اگر میت نیک ہو تو اس کے حق میں تمہاری یہی
بھلائی ہے کہ اس کو بھلائی کیلئے جلدی پہنچاؤ اگر

وہ میت اس غیر ہے (یعنی بد ہے) تو اس کو اپنی گردنوں سے جلدی رکھو

۱۔ بخاری ص ۱۲۱، مسلم مع نویدی بر شریعہ الساری ص ۲۴، ابوداؤد مع عون المعبود ص ۱۹۹
کتا طبع التشریف فی شرح التقریب ص ۳۳، مایف الامام ولی الدین ابی زرعہ متوفی ۷۴۹ھ
لمتذکرہ ص ۱۲۱، و بذال المجہود ص ۱۴۸، ملکہ مولانا خلیل احمد

جملہ استقاط

احادیث کی روشنی میں

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
العائد فی حبسہ کالکلب
یعود فی قبئہ لیس لنا
مثل السوء
نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھبہ
واپس لینے والا اس کہتے کی طرح ہے جو
تے کر کے چاٹ لے اور ہمارے لئے یہ
بری مثال مناسب نہیں۔

عناثر شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ لیس لنا مثل السوء
کی تشریح فرماتے ہیں۔

ای لا ینبغی لنا معشر المؤمنین
ان نتصف بصفة ذميمة بشائنا
باخس الحیوانات فی اخس
احوالہ
ہماری مؤمن جماعت کے لئے مناسب
نہیں کہ ہم ایسی صفت سے موصوف ہو جائیں
کہ ہم کو حیوانات میں ایک اخس حیوان
اس کی اخس صفات میں سے مشابہ کرے۔

تو اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مہبہ میں رجوع کرنا ایک قبیح اور بدترین چیز ہے

۱۔ بخاری ص ۱۲۱، جلد اول ص ۳۵۲، ۳۵۳ میں بھی ہے، ارشاد الساری ص ۱۱۱
دیکھ لیں شرح الباری ص ۲۳۵، بذال المجہود ص ۲۱۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک
میں ملا صاحبان عتیق نصر سے سوچ اور فکر کر کے پھر اپنے گریبانوں میں جھانکے دیکھیں کہ موجود
وہ ہیں انبیاء علیہم السلام کے ذرا کیسے اس فعل کو پسند کرتے ہیں۔ ارشاد الساری شرح البخاری
ص ۱۱۱، دیکھ لیں فتح الباری ص ۲۳۵، ۲۳۶۔

تو اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ بخارہ سے جلدی کرنا چاہئے۔ دونوں صورتوں میں خواہ نیک ہو یا بد اور یہ جیلہ اس کی تاخیر کے لئے سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ یہ تین مرتبہ پکڑ تو ملا صاحبان دیں گے پھر ساڑھے ستر آدمیوں پر چکر دیں گے۔ اور پھر مجاہد شوریٰ میں تقسیم کے متعلق فیصلہ ہوگا اور پھر اسقاط کی تقسیم ہوگی پھر دعا ہوگی وغیرہ۔ چونکہ حدیث میں مطلوب، جلدی کرنا بخارہ سے اور جیلہ میں مطلوب، تاخیر اور دیر کرنا لہذا یہ جیلہ حدیث صحیح کے مقابل اور مخالف ہے اور جو عمل اور فعل صحیح حدیث کے خلاف ہو۔ باطل اور مردود تو یہ جیلہ مردود باطل اور مردود۔

جیلہ اسقاط

فقہاء کی نظر میں

امام شمس الدین السرخسی متوفی ۵۴۰ھ فرماتے ہیں۔

والمراد بالحديث التنبیه فی معنی الاستتباح والاستقذار الا تری انه شبه بعود الکلب فی قبیئہ وفعل الکلب بوصف باجم لا بالحرمة وبه نقول وانہ یتقیح له

حدیث سے مراد تنبیہ ہے اس بات پر کہ مہبہ میں رجوع کرنا قبیح اور گندگی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مہبہ میں رجوع کرنے والے کی تشبیہ اس کتے سے دیدی ہے جو اپنی تھے چاٹ رہا ہو۔ اور کتے کا فعل قبیح سے موصوف ہوتا ہے نہ حرمت سے اور ہم بھی مہبہ میں رجوع کرنے کو قبیح کہتے ہیں۔

المبسوط ص ۵۴۰۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ علامہ ابن حجر ناقد الرجال متوفی ۸۵۲ھ بحوالہ البداء ودفناتے ہیں کہ ہم حضرت تادہ تابعی کا قول نقل کرتے ہیں کہ دفناتے ہیں کہ قبیح ہے مگر حرام۔ فتح الباری ص ۲۳۵ اور علامہ ابن کثیر متوفی ۷۴۰ھ ایک آیت کریمہ (ان انکرا صوات لصوت الجاہل لقمان) (بیشک آواز دل میں سب سے بڑی آواز گدھوں کی آواز ہے) کا تشریح

لہذا امام شریح جو مجتہد فی المسائل ہیں انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ ہم اس بات کا قول کرتے ہیں کہ مہبہ کے رجوع کرنا قبیح ہے اور جیلہ اسقاط مردود میں بار بار مہبہ کے رجوع کرتے رہتے ہیں لہذا یہ جیلہ اسقاط مشتمل برقباحت ہے اور مشتمل برقباحت قبیح لہذا یہ جیلہ اسقاط بھی قبیح۔

ابن عابدین متوفی ۲۵۳ھ فرماتے ہیں۔

والا فضل ان یعجل بتجیزہ بہتر یہی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی کام کلمہ من حین یسوت له چیزوں میں جلدی کریں۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی تدفین اور تکفین اور غسل وغیر سب چیزوں میں جلدی چاہئے۔ اور جیلہ اسقاط ذریعہ اور سبب ہے مردہ کی تدفین میں تاخیر کرنے کے لئے اور اس غیر افضل کو یہ اخوان دکان اور ملا صاحبان لازم سمجھتے ہیں اور فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی فعل مستحب بھی ہو لیکن جب اس کو عوام لازم سمجھیں تو اس کا چھوڑنا لازمی ہے لہذا جیلہ اسقاط کا چھوڑنا بنا بر قول فقہاء لازمی اور ضروری ہے اور جس کا چھوڑنا لازمی ہو اس کا کرنا ناجائز لہذا جیلہ اسقاط کا کرنا ناجائز۔

بقیہ حاشیہ گنا۔ کے بعد فرماتے ہیں و هذا التشبيه في هذا بالجملة يقتضي تحريمه وذمه غاية الذم لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ليس لنا مثل السوء... العائد في هذیم كالکلب یفئ ثم یجؤ فی قبیئہ (ابن کثیر ص ۲۴۶) آواز تیز کی تشبیہ گدھے کی آواز کے ساتھ یہ مقتنی ہے اس بات کی کہ آواز کو بلند کرنا حرام ہے اور نہایت قبیح اور مذموم، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے بڑی مثال مناسبت نہیں۔ مہبہ میں رجوع کرنا والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اس کو چائے۔ تو اس تشبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کے قائلین بھی موجود ہیں لیکن اگر حرمت نہ بھی ہو پھر بھی قبیح تو ہے اور جو قبیح ہو بھلا وہ دین کیسے بن سکتا ہے۔ بلکہ رد المحتار ص ۵۹، ص ۵۲۴، ص ۵۲۵، ص ۵۲۶ عالمگیری ص ۱۲۱ اور سرسبز ص ۱۲۱ ارشاد الساری ص ۱۲۵ ج

علامہ سرخسی عید کی نمائندگی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس شخص سے نماز عید
تقصا ہو جائے تو اس کو اکیلا انفرادی طریقہ سے ادا کرنا جائز ہے کیونکہ عید کی نماز اگر
ثواب ہے تو اس صفت سے جس صفت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا ہو اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر جماعت ادا نہیں کیا۔ لہذا عید کی نماز انفرادی طور پر ادا کرنا ناجائز ہوگا
علامہ قاضی خان شیبہ کی بحث میں فرماتے ہیں کہ عید دن منبر برائے عید گاہ نہ لیا جائے،
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے دور میں نہیں لیا گیا تھا

اور شرح العقیدہ الطحاوی میں ایصال ثواب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصال ثواب جائز سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اسے بدعت
کہتے ہیں۔ اور جو بدعت کہتے ہیں۔ وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صحابہ کرام سے اس کی
نقل موجود نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ویسے بھی ہر ایک امتی کے نیات اعمال سے
اجر ملتا ہے لہذا ایصال ثواب بدعت ہے۔

علامہ ابن نجیم عید کی نماز سے قبل نوافل مکروہ بتاتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل قبل از نماز عید نہیں پڑھے۔

اور بہت سے فقہاء کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عدم نقل دلیل پیش کرتے ہیں کہ
فلان چیز ناجائز اور بدعت کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل موجود نہیں۔ لہذا ہم کہتے
ہیں کہ فقہائے کرام کے ان اقوال سے حیلہ استقاط کا مروجہ طریقہ کا بدعت ہونا اظہار منہ ہے،

۱۔ المبسوط ص ۳۹، ۲۔ فتاویٰ قاضی خان ص ۱۸۱، ۳۔ شرح العقیدہ

الطحاوی ص ۵۱۸، ۴۔ بحر الرائق ص ۱۷۱، ۵۔ دیکھیں الحاشیہ ص ۲۹۲، المقنع ص ۲۵۰

المجموع شرح المہذب، الزرقانی علی المواہب اللہیہ ص ۲۹۲، ۱۰۔ اعلام الموقعین ص ۳۷

ہدایہ اولین ص ۱۷۳، ۱۷۶، رد المحتار ص ۶۰۷۔

تبیین دیگر حوالہ باب پنجم میں آئے ہیں انتظار کیجئے

کیونکہ یہ طریقہ حیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ مجتہدین اور
اصحاب التخریج اور اصحاب التزیج کسی سے بھی ثابت نہیں لہذا یہ حیلہ استقاط تصریحات
ان اقوال فقہاء کے بدعت اور ضلالہ ہے اور پھر جو اس طریقہ مختزنہ کو لازم بھی سمجھ لیں تو وہ
جیسے کہ صحیح احادیث کے منکر ہیں ایسا ہی فقہائے کرام کی تصریحات کے مخالف ہیں۔

حیلہ استقاط

نقلی عقلی حیثیت سے

حیلہ استقاط کا مروجہ کافی مناسد پر مشتمل ہے۔ اور جو چیز مناسد پر مشتمل ہو وہ باطل

لہذا یہ حیلہ مروجہ بھی باطل۔

فساد اول: ہمارے علاقہ میں وصیت کی عادت نہیں اور جب وصیت نہ ہو تو
تمام وراثہ کی رضامندی اور موجودگی ضروری ہے اور اس میں بسا اوقات بعض وراثہ
غائب اور بعض نابالغ۔ لہذا یہ مال تقسیم کرنا ناجائز ہے۔

فساد دوم: اس حیلہ کو لوگ فرضہ کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات استقاط کے لئے
سو د پر پیسے لیتے ہیں اور یہ حرام اور ناجائز ہے۔

فساد سوم: یہ حیلہ بغیر کسی ضرورت اور بغیر مفلس کے ہر ایک کیسے کرتے ہیں حالانکہ اس
کا کوئی فائدہ نہیں۔

فساد چہارم: یہ حیلہ استقاط کو فدیہ شرعی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ فدیہ شرعی نہیں کیونکہ اس میں
مقدار شرعی ہوتی ہے اور نماز روزہ وغیرہ کا پورا پورا حساب کر کے دینا ہوتا ہے اور اس

میں یہ چیزیں نہیں ہوتی۔

فساد پنجم: فدیہ شرعی کا مستحق صرف فقیر اور مسکین ہیں اور اس میں مالداروں کو بھی دیتے ہیں
لہذا یہ فدیہ شرعی نہیں۔

اذان میں انگوٹھے پڑھنا

بعض لوگ غلط سلسلہ روایات سے بعض بدعات کا جواز ثابت کیا کرتے ہیں، اس لئے وہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے جو صاحب درمختار نے خبر رطی سے اور ابن عابدین شامی رحمہ نے تقریب سیوطی رحمہ سے نقل کیا ہے کہ کمزور روایت پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ روایت بہت زیادہ کمزور نہ ہو مثلاً اس کا کوئی راوی جھوٹا یا جھوٹ سے متہم ہو، دوسرے یہ کہ وہ چیز شریعت کے کسی عام اصول کے تحت داخل ہو تیسرے یہ کہ اس کو سنت نہ سمجھا جائے۔ (ردالمحتار ص ۱۲۸ ج ۱)

بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اذان و اقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنکر انگوٹھے چومتے ہیں اور اس کے ثبوت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔ برہقمتی سے اس میں مذکورہ بالا تین شرطوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ اول تو وہ روایت ایسی مبہل ہے کہ ماہرین علم حدیث نے اس کو موضوع اور منکھڑت کہا ہے۔

دوسرے، یہ روایت اصل دین میں سے کسی اصل کے تحت داخل نہیں۔ تیسرے، اس کو کرنے والے نہ صرف سنت سمجھتے ہیں بلکہ دین کا اعلیٰ ترین شعار تصور کرتے ہیں، اور علامہ شامی اور دیگر اکابر نے ایسا کرنے کو افراد علی الرسول قرار دیا ہے۔

جس شخص نے یہ روایت گھڑی ہے اس نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ نہیں سوچا کہ اذان و اقامت دن میں ایک مرتبہ نہیں بلکہ روزانہ دس مرتبہ

فشا نشتم؛ نذیر سرعی میں دن کی تعیین نہیں ہوتی جب حساب کریں فقر اکوڑے دیں۔ اور اس حدیث میں تعیین ہے بلکہ اس وقت بیت کو دفن نہیں کرنے دیں گے جب حبسوں میں نقد مال سنبھال نہ لیا ہو۔ لہذا یہ طریقہ بنا بر تخصیص بدعت ہے۔

فشا ہفتم؛ یہ ظاہر طور پر مکر و فریب دعا بازی ہے کیونکہ ایک آدمی دوہین ہزار روپیہ ہبہ کرتا ہے اور پھر اس کو واپس آتا ہے پھر ہبہ کرتا ہے اور دس ہندہ منڈ کے بعد یہ تین ہزار روپیہ ہبہ کرنے والا پانچ روپیہ کو ہاتھ پھیلاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دعا بازی کرتا تھا جو فعل عام ہے۔



دہرائی جاتی ہے۔ اب اگر اذان و اقامت کے وقت انگوٹھے جو مناسبت ہوتا تو جس طرح اذان و اقامت مسلمانوں میں متواتر چلی آتی ہے اور مناڑوں پر گونجتی ہے اسی طرح یہ عمل بھی مسلمانوں میں متواتر ہوتا۔ حدیث کی ساری کتابوں میں اس کو درج کیا جاتا۔ اور مشرق سے مغرب تک پوری امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔

علمائے امت نے تصریح کی ہے امت کے عملی تواتر کے مقابلے میں صحیح ترین حدیث بھی موجود ہو تو اس کو یا تو منسوخ سمجھا جائے گا، یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ بہر حال ایک متواتر عمل کے مقابلے میں کسی روایت پر عمل کرنا صحیح نہیں، امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے "احکام القرآن" میں اس قاعدے کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر ہمارے ائمہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر مطلع بالکل صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند کیلئے ایک دو آدمیوں کی شہادت کافی نہیں بلکہ شہادت دینے والی اتنی بڑی جماعت ہونی چاہیے کہ غلطی کا احتمال نہ ہے۔ اس لئے کہ اکا دکا آدمی کی شہادت پر اعتماد کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس علاقے کے لاکھوں انسانوں کو گویا اندھا فرض کر رہے ہیں۔ (احکام القرآن ص ۱۰۰)

امام خراسانیؒ کسی روایت کے انقطاع معنوی کی چار صورتیں قرار دیتے ہیں:

اول: وہ کتاب اللہ کے خلاف ہو۔

دوم: سنت متواترہ یا مشہورہ کے خلاف ہو۔

سوم: ایسے مسئلہ میں جس کی ضرورت ہر خاص و عام کو ہے، وہ امت کے تعامل کے خلاف ہو۔

چہارم: سلف میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا۔ مگر کسی نے اس کا حوالہ نہ دیا۔ (اصول السرخسی ص ۳۶۴ ج ۱)

اور، صورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

و كذلك الغریب من اخبار
الاحاد اذا خالف السنة المشهورة
فهو منقطع فی حکم العمل به۔
لان ما يكون متواترا من
السنة او مستفیضا او مجمعا
عليه فهو بمنزلة الكتاب فی
ثبوت علم اليقين، وما فيه شبهة
فهو مردود فی مقابلة علم
اليقين (ص ۳۶۲)

اسی طرح ایسی خبر واحد، جس کا راوی صرف ایک ہو۔ جب سنت مشہورہ کے خلاف ہو تو رد صحیح الاسناد ہونے کے باوجود، عمل کے حق میں منقطع تصور ہوگی کیونکہ جو سنت کہ متواتر، مستفیض اور مجمع علیہ ہو وہ علم اليقين کے ثبوت میں بمنزلہ کتاب اللہ کے ہے۔ اور جس چیز میں شبہ ہو وہ علم اليقين کے مقابلہ میں مردود ہے۔

اس ذیل میں امام سرخسیؒ نے پتے کی بات لکھی ہے۔ اور دراصل اسی کو یہاں نقل کرنا چاہتا ہوں فرماتے ہیں:

ففي هذا النوعين من الانتقاد
للحديث علم كثير وصيانته
للدین بليغة، فان اصل البدع
والاهواء انما ظهر من قبل ترك
عرض اخبار الاحاد على الكتاب
والسنة المشهورة۔

روایات کو ان دونوں طریقوں سے پرکھنا بہت بڑا علم ہے۔ اور دین کی بہترین حفاظت۔ کیونکہ بدعات و خواہشات کی اصل یہیں سے ظاہر ہوتی کہ ان افواہی روایات کو کتاب اللہ اور سنت مشہورہ سے نہیں جانچا گیا۔

آپ غور کریں گے تو تمام بدعات کا سرمنشا یہی ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور امت کے عملی تواتر سے آنکھیں بند کر کے ادھر ادھر سے گری پڑی باتوں کو اٹھا کر انھیں دین بنا لیا گیا۔ اور پھر کتاب و سنت کو اس پر چسپاں کیا جانے لگا، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

فان قوما جعلوها اصلا مع
چنانچہ کچھ لوگوں نے ان شاذ روایات کو

جنازہ کے آگے بلند آواز سے کلمہ پڑھنا

سوال (۸، ۱۷) جب جنازے کو جنازے کیساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا

بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور دوسرے دعائیہ الفاظ مثلاً اغفر لی یا غفور پڑھتے ہیں اور یہ سلسلہ قبرستان تک رہتا ہے، اس طرح بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح جنازہ کی نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا اور دفن کے بعد اور پھر خیر قدم چل کر اور میت کے گھر واپس آکر فاتحہ پڑھنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- جنازے کے ساتھ ذکر خفی کی اجازت ہے، از روئے پڑھنے کی اجازت نہیں، مکروہ ہے لہذا جنازے کے آگے چند آدمیوں کا آواز ملا کر بلند آواز سے پڑھنے کا طریقہ خلاف سنت اور مکروہ تحریمی ہے عن قیس بن عبادۃ قال کان ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکرہون الصوت عند ثلاث الجنائز والقنابل والذکر (البحر الرائق، کتاب السیر)

فتاویٰ سراجیہ میں ہے وفي منزل لمیت رفع الصوت بالذکر وقراءة الذکر وقوله کل حیة لا تموت ونحو ذلك خلف الجنائز بدعة (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۵۳) (ہکذا فی مراقی الفلاح ص ۱۱۸) (طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۵۳)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے وعلى متبعی الجنائز الصمت ویکوہ لہم رفع الہات بالذکر وقراءة القرآن کذا فی شرح الطحاوی وان اراد ان یدکر اللہ یدکر کذا فی کذا فی فتاویٰ قاضی خان (مہذب عالمگیری) البحر الرائق میں ہے ویکوہ رفع الصوت بالذکر وقراءة القرآن وغیرہما فی الجنائز والکل ھما فیہما کراہۃ یم - الی قوله - وفي الظہیریۃ فان اراد ان یدکر اللہ یدکر فی نفسه لقوله الی انه لا یجوز لمعتدین ای الجاہرین بالدعاء وعن ابراہیم انه کان یکوہ ان یقول الرجل وهو یشتی معها استغفر مالہ غفر لکم اللہ (البحر الرائق ص ۱۱۲)

الشہۃ فی اتصالہا برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مع انہا لا توجب علم الیقین ثم تأولوا علیہا الکتاب والسنة المشہورۃ، فجعلوا التبع متبوعاً، وجعلوا الاساس ما هو غیر متیقن به، فوقعوا فی الالہواء والبدع (ص ۳۶۷)

اصل بنایا، حالانکہ ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت مشتبہ تھی۔ اور باوجودیکہ ان سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تھا اور پھر کتاب اللہ اور سنت مشہورہ میں تاویلیں کر کے اسپر چسپاں کرنا شروع کر دیا پس انہوں نے تابع کو متبوع اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنالیا۔ اس طرح اہوار و بدعات کے گڑھے میں جا گرے۔

ٹھیک اسی معیار پر انگوٹھے چومنے کی اس بے اصل روایت کا قفسہ بالکل جعلی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کو صحیح سمجھنے اور اسپر عمل کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم صحابہ و تابعین اور بعد کی ساری امت کے تعامل کو جھٹلا رہے ہیں کیونکہ اگر اسکی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہوتی تو ناممکن تھا کہ صحابہ و تابعین کی پوری جماعت دن میں دس مرتبہ اس پر عمل نہ کرتی۔ اور ناممکن تھا کہ تمام کتب حدیث میں اس کو جگہ نہ ملتی

ختم کلام پر اجرت لینا

ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو ان کے گھر والے یا سنی یا دین دن بعد ملا صاحبان اور صوفیائے کرام اور گھاؤں کے بعض حضرات بلاتے ہیں۔ اور ان حضرات سے ختم کلام برائے ایصال ثواب کراتے ہیں۔ اور پائے تقسیم کر کے پڑھنا شروع کرتے ہیں اور درمیان میں چائے بھی پلاتے رہتے ہیں اور بعض جھوٹی حضرات کو انڈے بھی نصیب ہوتے ہیں۔ تو جب کلام پاک کی تلاوت ختم ہو جاتی ہے تو پھر گھر والے چینی یا پانی لاکر ہر ایک شخص سے چف چف کر کر گھر والوں کو دے دیتے ہیں۔

اور ان حضرات کو نفقہ پانچ پانچ یا کم پیش دیتے ہیں اور دعا کے چلے جاتے ہیں اور گھر والے بکری یا گائے بحسب التوفیق ذبح کر کے پلاؤ وغیرہ تیار کر لیتے ہیں پھر جنہوں نے ختم کلام پاک کیا ہو ان کو بلا لیتے ہیں اور وہ پلاؤ اور گوشت سے اپنی قسمت حاصل کر لیتے ہیں اور یہ طریقہ ایسا نہیں کہ شاید کوئی نہ کریں یا اس کی تردید کریں تو وہ صحیح رہ جائے گا۔ بلکہ اس پر وہابی کا دھبہ لگ جاتا ہے۔ اور اس پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص ختم کلام پاک نہیں مانتا۔ اور حقیقت کو تو

اے اور کبھی علوہ شریف اور فردوس دنیوہ بھی ملتے ہیں اور بعض حضرات اپنے بچوں کو لے بھی جیسوں میں لیجاتے ہیں۔ ناراض نہ ہو جانا یہ حقیقت آشکارا کر کے لکھ دیتا ہوں۔

مندرجہ بالا احوال جات سے صراحتاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ کے ساتھ دل دل میں اللہ کا ذکر کیا جائے، جہرا ذکر کرنا مکروہ ہے اور بحر الرائق کی عبارت میں تصریح ہے کہ کرامت سے مراد کرامت تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز بنائے اعلیٰ درجہ کی دعا ہے اس کے بعد دوسری اجتماعی دعائیں نہیں ہے چلتے چلتے فرادی فرادی دعا کرنے میں مضائقہ نہیں، جنازہ روک کر اجتماعی دعا کا رواج خلاف سنت اور مکروہ ہے لا یقوم بالدعاء فی قراۃ القرآن لاجل المیت بعد صلوة الجنازۃ و قبلہا یعنی نماز جنازہ کے بعد اور اس سے پہلے قرآن شریف پڑھ کر میت کے لئے کھڑے ہو کر دعا کرنا چاہئے (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵) مزید تفصیل کے لئے فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد اول کتاب الجنازہ ملاحظہ ہو۔

دفن سے فارغ ہو کر میت کے لئے کچھ دیر تک مغفرت کی دعا کرنا اور قرآن وغیرہ پڑھ کر بخشنا مسنون اور مستحب ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور عمل سے ثابت ہے سنن ابوداؤد میں ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقل استغفر الاخیک واسئلو اللہ لہ التثبت فانہ الآن یسئل وکان ابن عمر یسئحب ان یقرأ علی القبر بعد الدفن اول سورۃ البقرۃ وخاتمہا وروی ان عمرو بن العاص قال دھو فی سیاق الموت اذا انامت فلا تصحبنی نائمۃ ولا نار فاذا دفنتونی فشنو علی التراب شنائا ثم اقیمو حول ثبری قد رما ینحرجو رو یقسم لکم ما حتی استأنس بکم وانظرو ماذا اراجع رسل ربی۔ جوہرۃ (شامی ص ۸۳۸)

مدفن کے بعد چند قدم چل کر دعا کرنے کا رواج اور میت کے گھر دعا کرنے کے لئے جمع ہونے کا دستور خلاف سنت ہے ہشامی میں ہے بل اذا فرغ ورجع الناس من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورہم وحبیب البیت بامرہ ام (شامی ص ۸۳۷) فقط واللہ اعلم بالصواب

کلام پاک پر اجرت لینا

قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے -

ولا تشترُوا بآیاتی
ثمنًا قلیلًا -
میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی
قیمت (یعنی منفعت و نیادی) حاصل
نہ کرو۔

حضرت الامام المفسر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۲۰ھ ایک تشریح یہ نقل
کرتے ہیں -

عن ابی العالیۃ لا تأخذوا
علیہ اجرًا -
ابو عالیہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں
آیت کا معنی یہ ہے کہ میری آیتوں پر
اجرت نہ لینا۔

اور علامہ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۴۰ھ
متوفی ۷۴۰ھ بھی یہی قول نقل کرتے ہیں

اور علامہ ابن عابدین متوفی ۷۵۳ھ بھی اجرت کی حرمت کیلئے اسی آیت کریمہ
سے شیخ رجب کا استدلال نقل کرتے ہیں
اور علامہ محمد بن اسماعیل نے بھی لکھا ہے کہ حنفیہ اس آیت کریمہ سے اجرت
کی حرمت ثابت کرتے ہیں اور محمد بن احمد قرطبی متوفی ۶۷۱ھ بھی احناف
کے استدلال میں یہ آیت کریمہ پیش کیا ہے

۱۔ تفسیر ابن جریر ۲۔ تفسیر ابن کثیر ۳۔ تفسیر الدر المنثور ۴۔ مجموعہ
رسائل ۵۔ کتاب التہلیل لعدم القرآن ۶۔ تفسیر القرطبی ۷۔ ۳۳۵

ظاہر نہیں کرتے۔ کیونکہ اس میں شرم ہوتی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ
ہم قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اتنی تکلیف کرتے ہیں ہم کو کھانے اور پیسوں
سے منع کرتے ہیں۔ کہ ختم کلام پاک برائے ایصال ثواب جب کرتے ہو تو
اس پر کھانا اور اجرت نہ لیا کرو۔ کیونکہ یہ بات اگر واضح کریں گے تو پھر
عوام سمجھیں گے۔ کہ یہ تو اپنے پیٹ کی خاطر وہابی وہابی کہہ رہے ہیں،
یہی ہے حقیقت جو چھپا نہیں سکتے۔ ہم اس باب میں یہ ثابت کرتے
ہیں کہ آیا یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم السلام مجتہدین
سے اس کا ثبوت ہے یا نہ۔ اس میں تو شک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم اور صحابہ کرام سے تو اس کا کوئی بھی ثبوت نہیں اور نہ ائمہ مجتہدین سے
اس کو ثابت کر سکتے ہیں بلکہ قرآن اور احادیث سے یہ طریقہ خلاف ہی
ہے۔ لہذا میں دلائل تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ
پھر جن حضرات کو جہاں سے غلطی لگ گئی ہے اس پر تبصرہ کروں گا۔
(وباللہ التوفیق)

اور یہ آیت کریمہ دوسری جگہ میں آتی ہے تو حضرت علامہ لوسی متوفی ۱۲۷۵ھ فرماتے ہیں۔

ذهب الحسن البصری الى ان الخطاب للمسلمين وهو الذي ينبغي عنه كلام الشعبي حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ خطاب مسلمانوں کو ہے (کہ ہجرت نہ لیکر رہو) اور امام شعبی کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بہر حال ہر ذی علم جانتا ہے کہ اگرچہ خطاب خاص بھی ہو لیکن پھر بھی حکم عام ہوتا ہے لہذا اس آیت کریمہ سے بنا بر تفصیل مذکور ہجرت کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے اس لئے تو علامہ ابن عابدین شیخ رجب کا قول نقل کر کے نہایت درد دل سے بڑی حسرت کی بات فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ثم قال واعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سعى الدنيا بجيفة ملعونة وهمل يلقى الامم ان يستبدوا كلام الله تعالى بجيفة ملعونة واي استخفاف بزيد على هذا وبأى وجه ينظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم القيامة

۱۔ تفسیر روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۶
۲۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین ص ۱۸۱

ختم کلام پاک پر ہجرت لینا

احادیث کی روشنی میں

حضرت اکحافظ ناقد الرجال شیخ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ سجاوالہ مسند احمد بن حنبل و ابی یعلیٰ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن حنبل نے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اقرأوا القرآن ولا تأكلوا قرآن يفتن ربه وراسه من دنيانه (دسندہ قوی) ۱۔ کماؤ (یا اس سے کھانا نہ کھایا کرو) ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث کی سند قوی ہے

اور حضرت علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسحق بن راہویہ اور ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق اور طبرانی تمام نے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن عابدین دوسری حدیث اجرت کلام پاک کی تردید کیلئے پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

فتح الباری ص ۱۱۱ اسی طرح المبسوط ص ۳۲۱، المغنی مع شرح الکبیر ص ۱۱۱ میں بھی مذکور ہے اور محمد ناصر البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے تمام راوی مسلم شریف کے راوی ہیں سوا البورہ کے لیکن یہ بھی ثقہ راوی ہے کیونکہ اس سے بڑے بڑے ثقہ راویوں کی روایت کی ہے اور البورہ زعمہ دشمنی نے اس کو صحابہ کرام کے قریب طبقات علیہ سے شمار کیا ہے ص ۱۱۱ و احادیث الصیحة حصہ دوم اور اس حدیث کو سجاوالہ مسند احمد ص ۱۲۲ اور شرح معانی الآثار ص ۱۲۲ طبرانی اور ص ۱۲۲ ابن عساکر ص ۱۲۶ ذکر کیا ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ البانی صاحب نے جو البورہ کا قول نقل کیا ہے وہ تہذیب التہذیب میں دیکھ لیں ص ۹۲ اور وہاں لکھا ہے کہ البورہ ثقہ تابعی ہے، دشمن میں اس کے افضل کوئی نہیں تھا۔

ختم کلام پاک پر اجرت لینا فقہاء کی نظر میں

شرح العقیدہ الطحاویہ میں فرماتے ہیں۔

واما استیجار قوم یقرءون القرآن
وبعدونہ للبت فہذا لم یفعلہ من
السلف ولا امریاحد من ائمتہ الدین
ولا یرخص فیہ والاستیجار علی نفس
التلاوة غیر جائز بلا خلاف وانما
اختلفوا فی جواز الاستیجار علی التعلیم
ونحوہ لما فیہ منفعة تصل الی غیر
الثواب لا یصل الی المیت الا اذا کان
اعمل لله وهذا لوقوع عبادة خالصه
فلا یكون له من ثوابه ما یھد الی الموتی
ولهذا لو قیل احد انه یمتري من
یصوم ویصلی ویھدی ثواب ذلك
الی المیت لکن اذا اعطی لم یقرأ
دیلمہ یتعلم معونۃ لاهل القرآن
علی ذلك کان هذا من جنس الصدقۃ
فیجوز فی الاختیار لو اوصی لمن

ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھنے پر اجرت لینا
سلف صالحین میں سے نہ کسی نے کیا ہے اور اجازت
دی ہے اور نہ دین کے ائمہ میں سے کسی اس پر
امریا ہے ، اور نفس تلامذہ پر اجرت لینا باتفاق
نہا جائز ہے البتہ پڑھانے وغیرہ میں اختلاف ہے
جس میں کسی شخص کا طہر کا فائدہ ہو اور میت کو
ثواب پہنچتا ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو
اور یہ جو اجرت پر تلاوت کی ہے اس کو خود ثواب
نہیں ملتا تو مردوں کو کیا بخشے گا اسلئے تو روزہ
رکھنا یا نماز پڑھنا اجرت دے کر تاکہ میت کو
ثواب بخشے اس پر کسی قول نہیں کیا البتہ اگر
قرآن پڑھاتا ہو تو اس کو امداد کے طور پر کچھ دیں
تقریب صد ہوا اور یہ جائز ہے اور الاختیار میں
لکھا ہے کہ اگر کسی وصیت کی اس
شخص کو
جو

یقرأ القرآن علی قبرہ فالثوبۃ
باطلة لانه فی معنی الاجرة
وذکر الناہک فی القنیۃ
انه لو وقف علی من یقرأ
القرآن عند قبرہ فالقین
باطل واما قراءة القرآن
واهدائهم الی تطوعا
بغیر اجرة فہذا یصل
الیہ کیا یصل ثواب الصوم
والحج

اس کی قبر پر قرآن پڑھے تو اس کی وصیت
باطل ہے کیونکہ یہ اجرت کا معنی رکھتی ہے
اور زاحف نے قنیہ میں ذکر کیا ہے
کہ اگر کسی نے اس کی قبر پر پڑھنے والے
کو کچھ وقف کیا تو یہ تعین باطل ہے اور
قرآن پڑھنا بغیر اجرت کا ثواب پہنچتا ہے
جبکہ روزہ اور حج کا ثواب پہنچتا ہے
(میت کو)

علامہ ابن عابدین بحوالہ طریقہ محمدیہ تالیف امام فقیہ الشیخ محمد برکوی فرماتے ہیں کہ اس
فصل سوم میں ان تمام بدعات کا ذکر کیا ہے جو لوگ ان کو عبادات اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ
وہ بدعات ہیں۔ ان میں سے بڑی بڑی بعض بدعات ہیں ذکر کرتا ہوں۔
نقد قسم وقف کرنا برائے ختم کلام پاک تسبیح اور تہلیل اور ورد پڑھ کر ثواب
مردے کو بخشنا۔

وصیت کرنا ردنی کھلانے کی اول دوسرے یا چالیس یا کم بیش قبر کے پاس رہنا یا قبر
پر عمارت تعمیر کرنا وغیرہ کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔
کل منہ بدع منکرات واثوب
والوصیۃ باطلون والمأخوذ
منہما حرام لا یؤخذ وهو عاص
لہ شرح العقیدہ الطحاویہ ص ۵۱

یہ تمام چیزیں بدعات منکرہ ہیں اور وقف
اور وصیت ان چیزوں سے باطل ہے لینے
والے کو ان سے لینا حرام اور دنیا کے دھٹے

بالتلاوة للقرآن والذكر لاجل
خطا الدنيا
قرآن پڑھنے والا اور ذکر اذکار کرنے والے
گنہگار ہیں۔

پھر علامہ شافعی اس کی دوسری تفسیر ایفاظ النامین پر حوالہ دیتے ہیں کہ دیاں
تحریر فرمایا ہے کہ نماز اور قرآن، شیخ تہلیل درود شریف وغیرہ پڑھنا یا روزہ رکھنا پھر ان کو اجر
دے کر ان کا ثواب مردہ کو بخشا۔

لا يجوز في مذهب من المذا
الاسلام مبنية ولا في دين من الاذيان
السياد ولا يحصل منها ثواب اصلا
یہ چیزیں کسی اسلامی مذہب اور کسی
اسلامی دین میں جائز نہیں اور نہ ان سے
ثواب ہوتا ہے۔

ثم قال وادلة هذا المطلب
عقلا ونقله اكثر من ان تحصى
پھر کہا کہ اس مقصد کے لئے عقلی اور نقلی
اتنے دلائل ہیں کہ شمار نہیں کئے جاتے ہیں

اور پھر عینی شرح ہدایہ سے نقل کر کے نسبت واقعات کی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں
يمنع القاري للدين
الآخذ والمعطى آثمان
جائے لینے والا دینے والا دونوں گنہگار ہیں

اور پھر فرماتے ہیں کہ میں نے حاشیہ المنتہی تالیف شیخ محمد الخلوئی میں دیکھا جس نے خاتمۃ
المجتہدین شیخ الاسلام تقی الدین سے نقل کیا جو درج ذیل ہے۔

ولا يصح الاستئجار على القراءة
واهد ثلحا الى البيت لا نزل
ينقل عن احد من الائمة
ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم پڑھ کر اس پر
اجرت جائز نہیں کیونکہ ائمہ میں سے کسی امام
سے اس کی اجازت منقول نہیں

۱۔ مجموعہ رسائل شافعی ص ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱

مستحقا للعقاب و تا، کھا محض
 عن العتاب فتامل حتى يظهر
 لك الخطاء من الثواب
 نہ کرنے والا ملامت سے محفوظ ہوگا
 فکر کرو حتی کہ تمہیں غلط صیح سے واضح
 ہو جائے۔

اور علامہ ابن عابدینؒ نے مجموعہ رسائل میں مستقل اجرت کی تردید میں ایک بار
 لکھا ہے جس کا نام شفاء الخلیل ہے اور اس کے صفحہ اول میں لکھا ہے کہ میں
 پچاس کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن جو چاہتا ہے وہاں دیکھ لے۔

اور علامہ ابن عابدینؒ رد المحتار میں کافی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں۔
 فاذا علمت ذلك ظهر لك
 حقيقة ما قلنا وان خلافة
 خارج عن المذاهب وعما
 افتي به البلخيون وما اطبق
 عليه ائمتنا متونا وفتوحا
 وفتاوى ولا ينكر ذلك الا غمر
 مكابر ارجاهل لا يفهم كلام
 الاكابر۔
 جب تو نے (دلائل) پہچان لئے تو تجھے
 ہماری بات کی حقیقت معلوم ہو گئی کہ
 کہ جو ان سے مخالف ہو وہ تمام مذاہب
 سے خالص ہے اور جس پر باخ کے علماء
 اور جس پر ہمارے ائمہ کے عاتق اور مشرین
 اور فتاویٰ متفق ہیں تمام کے مخالف
 ہے اور ان کا منکر یا تو حاسد تکبر کرنے
 والا یا جاہل ہوگا کہ اکابر علماء کی بات
 کو نہیں سمجھتے۔

پھر ختم کلام پاک پر اجرت لینا بدعات منکرہ بن شمار کرتے ہوئے فرماتے
 ہیں۔ لا ينكرها الا من طمست
 بصيرته
 ان سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جس کی
 بصیرت کھودی گئی ہو۔

۱۔ مجموعہ رسائل ابن عابدینؒ ص ۱۸۲، ۲۔ رد المحتار ص ۳۶ باب الاجارة الفاسدة
 اور فتاویٰ رشیدیہ میں ص ۹۹ و ص ۱۰۰ میں مولانا العلامة المحمد رشید احمد گنگوہیؒ نے
 بھی تردید فرمائی ہے۔

اگر بالفرض وہ ہم نے موجود تسلیم کیا کہ موجود ہے پھر وہ مال نہیں تاکہ پیسوں سے
 خرید کر سکے اگر مال تسلیم کیا۔ تو پھر اس کا دنیا میت والوں کو اس کی طاقت میں نہیں۔
 یعنی جس نے تلامذت کیا ہے اس کی یہ طاقت نہیں کہ ثواب میت کو سپرد کریں کیونکہ
 انہوں نے نقد رقم دی ہے۔

اگر بالفرض یہ بھی مان لیا کہ یہ سپرد کر سکتا ہے پھر یہ بیع نہیں ہے کیونکہ بیع
 (فروخت کرنے) کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے کیونکہ اس نے نقد
 رقم دی۔ تو رقم کے عوض اگر فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو پھر بیع نہ ہوئی۔ اور یہاں
 فائدہ ثواب گویا کہ گھر والوں نے رقم دی اور انہوں نے ثواب اس کے بدلے دیا۔ تو
 تو منفعت جس سے فائدہ اٹھانا ہے لینے والے کو وہ ثواب ہے اور صرف پڑھنا تو نہیں کیونکہ
 اگر لینے والے کو تپہ لگ جائے کہ ثواب نہیں ملتا تو اس کو قرآن پڑھنے پر ایک پیسہ بھی نہیں دے گا۔
 اور ثواب تو یہ سپرد نہیں کر سکتا لہذا اجرت کا سختی نہیں۔ اور بغیر شرط اجرت دینا بھی صحیح
 نہیں ہے، کیونکہ پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھتا بلکہ اجرت کے لئے پڑھتا ہے، اگر
 انہوں نے اجرت نہ دی یہ کبھی بھی نہیں پڑھے گا اور اگر یہ قرآن کریم کی تلامذت نہ کریں تو گھر والے
 ان کو پیسے نہیں دیں گے۔ پھر فرمایا۔

ربما ذكرنا من الادلة المنقولة
 عن الاجلة فظهر ان ذلك من امور
 المحدثات المردودة فكيف تكون
 عتبة وطاعة مقبولة عند تعالی
 وعند رسولہ وقد قال علیہ السلام
 ومن احبنا في امرنا هذا ليس منه
 فهو رد ای مورد و فیكون غا علیہا
 ان بڑے بڑے علماء کے دلائل سے یہ بات واضح
 ہو گئی کہ یہ تمام امور بدعات مردودہ ہیں تو کس طرح
 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک عبادت
 مقبولہ سے ہوگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے دین میں نئی چیز
 ایجاد کی وہ مردود ہوگی۔ اور کرنے والا
 اس کا عذاب کا مستحق ہوگا اور

ازالہ وسم

ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن اور احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینا ناجائز ہے اور ساتھ ہی فقہائے کرام کی تصریحات بھی بتائیں کہ اس کے جواز اور عدم جواز میں ائمہ مجتہدین سے کوئی اختلاف منقول نہیں بلکہ تمام حضرات کے نزدیک اس پر اجرت لینا حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن یہاں اس بات کی وضاحت کریں گے کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اجرت لینے کا مسئلہ اختلافی ہے بعض جواز کے قائل ہیں جیسا صاحب البحر اور عالمگیری۔ اور بعض ناجائز سمجھتے ہیں جیسا کہ شامی وغیرہ۔ کہ کیا یہ کسی حقیقت پر مبنی ہے یا فضول اور لغو کلام ہے۔ لیکن قبل اس سے کہ ہم اصل حقیقت واضح کریں چند ضروری امور تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ جو میں دقت بھی نہ ہو اور غلط الزامات لگانے والوں کے لئے اس بات کے چھڑنے کی گنجائش تک بھی باقی نہ ہو۔ وہ امور مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ امام ناقد الرجال شمس الدین الذہبی متوفی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔
کل احد یؤخذ من قولہ انصرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
ہو اور چھوڑ دیا جاتا ہے (اگر غلط ہو)

۲۔ علامہ ابن القیم متوفی ۷۵۰ھ فرماتے ہیں۔

ان العالم قد یزل ولا بد یہ لازمی ہے کہ عالم سے غلطی ہوتی
اذلیس بمعصوم فلا یجوز ہے کیونکہ معصوم تو نہیں لہذا یہ جائز

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۱۵۲ د ۱۲۹۶ ج ۲

قبول کل ما یقولہ وینزل
قوله منزلة المعصوم

۳۔ علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۳ھ فرماتے ہیں

قال الامام ابو عمرو فی ادا
المفتی اعوانہ من یفتی بان
یکون فتواہ او عملہ موافقا
لقول او وجہ فی مسئلہ و
ويعمل بما شاء من الاقوال
والوجوه من غیر نظر
فی الترجیح فقد جمل و
خرق الاجماع

۴۔ علامہ ابن عثیم متوفی ۷۵۰ھ فرماتے ہیں
وقد يتفق نقل قول فی

نحو عشرین کتابا من کتب
المتاخرین ویكون القول خطا
اخطا به اول واضع له فیا فی
من بعدہ وینقل عنہ وھکذا
ینقل بعضهم عن بعض

۱۔ اعلام الموقعین ۱۴۳ ج ۲

۲۔ مجموعہ رسائل ص ۱۱ ۳۔ مجموعہ رسائل ص ۱۳

کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ متاخرین
کی بیس کتابوں میں ایک غلط قول کو نقل
کرتے ہیں اور غلطی صرف اول شخص سے ہوئی
ہو پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس غلط
قول کو نقل کرتے رہتے ہیں۔

نہیں کہ وہ جو بھی کہیں اس کو قبول
کریں اور اس کے قول کو معصوم کا قول بنایا

ابو عمرو نے ادا المفتی میں فرمایا ہے جان
لو کہ کوئی مفتی بغیر ترجیح کے فتویٰ دیتا ہے
اس بنا پر کہ اس کا قول یا عمل کسی قول یا
کسی توجیہ کے موافق ہے۔ تو اس نے
خرق الاجماع (اجماع کی مخالفت) اور
جہالت کا ارتکاب کیا۔

۵۔ علامہ عجمی متوفی ۱۳۰۲ھ فرماتے ہیں۔

قال علي القاري قال أما
وعظم لا يدخل لاحد ان
بقولنا ما لم يعرف مأخذ
من الكتاب والسنة واجماع
الامة والقياس الجلي في
المسئلة

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ہمارے امام عظم
نے فرمایا ہے کہ کسی کو جائز نہیں کہ ہمارے قول
پر کسی مسئلہ میں عمل کریں جب تک
اس کو قرآن و سنت و اجماع و
اور قیاس جلی سے مأخذ معلوم
نہ ہو۔

اور پھر مسائل کی تشریح کر کے فرماتے ہیں۔

والخاصة التي لم يدل عليها
دليل شرعي لا كتاب ولا حديث
ولا اجماع ولا قياس مجتهد
جلي او خفي لا بالصراحة ولا
بالدلالة بل هي من
مخترعات المتأخرين الذين
يقعدون طرق اباائهم مشايخهم
المتقدمين وحكم الطرح و
المجرح

پانچواں مسئلہ وہ ہے جس پر دلیل شرعی
قرآن اور حدیث سے موجود نہ ہو۔ اور
نہ اس پر دلیل موجود ہو اجماع اور مجتہد کے قیاس
سے ظاہر ہو یا پوشیدہ نہ صراحتہ اور نہ
دلالة بلکہ اسے متاخرین نے ایجاد کیا ہو
وہ متاخرین جو اپنے آباء اور شیخ متقدمین
کے متقدمین ہوں۔ تو اس حکم کو چھیننا
(رد) اور اس پر جرح کرنا ہے

اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ختم کلام پاک پر اجرت لینا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱۔ النافع الكبير ص ۱ مطالعہ کریں، مجموعہ رسائل ص ۲، ص ۳، ص ۳۲، ص ۳۵

۲۔ النافع الكبير ص ۱۹۔

ثابت نہیں اس بات میں تو کوئی مسلمان (جس میں ذرہ ایمان ہو) شک نہیں کرے گا
اور نہ صحیح کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور نہ ائمہ مجتہدین سے اور نہ
سلف صالحین اور نہ خلف سے اور نہ متقدمین اور نہ متاخرین سے لیکن اس
باوجود بعض علماء نے جو لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اس کی حقیقت یہ ہے
کہ متقدمین حضرات تمام عبادات پر اجرت لینا حرام سمجھتے ہیں اگرچہ قرآن پڑھنا ہو
یا فقہ یا دیگر دینی کتابیں پڑھنا یا امامت ہو یا اذان وغیرہ عبادات ہوں تو
متاخرین جو مجتہدین فی المسائل ہیں اور اصحاب التخریج اور اصحاب التزجج ہیں انہوں
نے جب اپنے زمانہ کی حالت کو دیکھا کہ لوگ دین کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور بیت المال
سے معائنہ وغیرہ کو عطیہ نہیں ملتے تو دین ضائع ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے فرمایا
کہ قرآن پڑھنے پر اجرت صحیح ہے تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے۔ مندرجہ ذیل عبارات ...
مرطالہ کیجئے۔

امام شمس الامام السرخسی متوفی ۵۹۰ھ فرماتے ہیں۔

ولا يجوز ان يستاجر جلا
ليعلم ولله القرآن والفقہ
يختص بهما المسلم فلا يستجرا
عليهما باطل

نا جائز ہے اجرت دے کر کسی شخص کو تاکہ اس
بچے کو قرآن اور فقہ یا اس کی مانند دیگر چیزیں سکھائے
تعلق مسلم ہو پڑھائیں سو ان چیزوں پر اجرت
لینا باطل ہے۔

۱۔ فقہا کی اصطلاح میں سلف از امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ تا امام محمد متوفی ۱۸۹ھ
۲۔ فقہا کی اصطلاح میں خلف از امام محمد تا شمس الامام اکلوائی متوفی ۵۶۱ھ
۳۔ اور متاخرین از شمس الامام اکلوائی تا حافظ الدین محمد بن محمد ابنجاری متوفی ۵۶۱ھ (انساف ص ۱۵)
اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ۳۵۰ھ سے قبل متقدمین اور ۳۵۰ھ کے بعد متاخرین (السا میزان ص ۱)
اور ابن عابدین نے بوالہ ذہبی بھی فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۶۱ مجموعہ رسائل

پھر دلائل احادیث سے بیان کر کے بعد میں فرماتے ہیں ۔

و بضع أئمة بلغه اختاروا
قول أهل المدينة وقالوا
إن المتقدمين من أصحابنا
بنوا هذا الجواب على ما شاهدوا
في عصرهم من رغبة الناس في التعليم
ومروءة المعلمين في مجازات
الاحسان بالاحسان فاما في
زماننا فقد انعدم لمغنين جميعا
فنقول بجواز الاستتجار
لشأنه يتعطل هذا السبيل
اور امام فخر الدین قاضیخان متوفی ۷۹۲ھ فرماتے ہیں ۔

وان استاجر رجلا لتعليم
القرآن لا تصح الاجارة عند المتقنين
ومشائخ بلغه جوزوا هذا ... وقال
الشيخ ابو بكر محمد بن الفضل
انما كره المتقدمون الاستتجار
بتعليم القرآن وكرهوا اخذ الاجرة
على ذلك لانما كان للمعلمين
عطيات في بيت المال في ذلك

اگر قرآن پڑھانے کیلئے شخصی کو اجرت
میں دی تو متقدمین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے
اور بلخ کے علماء نے اس کو جائز کہا ہے اور
شیخ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پڑھانا اجرت
پر متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے اور اجرت
کو مکروہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ
میں معلمین کے لئے بیت المال سے عطیات
مقرر تھے ۔

وكان له من زيادة رغبة في امر
الدين وفي زماننا انقصت
رغائب الناس في امر الآخرة
فلوا شغلوا بالتعليم
مع الحاجة الى مصالح المعاش
لاختل معاشهم فقلنا
بصححة الاجارة ووجوب الاجارة
للمعلم ... قال شمس الأئمة
الشرعي مشائخ بلغه جوزوا
الاجارة على تعليم القرآن
واخذوا في ذلك بقول أهل
المدينة وانا افتي بجواز
الاستتجار ووجوب المسمى
واجتمعوا على ان الاستتجار
على تعليم الفقه باطل
اور حافظ الدین ابن البراءہ متوفی ۸۲۷ھ
فرماتے ہیں ۔

اور دینی امور میں وہ زیادہ رغبت رکھتے
تھے اور ہمارے زمانہ میں آخرت کے بارے
لوگوں کی رغبتیں منقطع ہو گئی ہیں۔ دنیاوی
کے باوجود اگر وہ (معلمین) تعلیم میں مشغول
ہو جائیں تو دنیاوی ضروریات خراب ہو جائیں
گی۔ پس ہم اجرت دینے کو صحیح سمجھتے ہوئے
پڑھانے والے کو اجرت دینا واجب کہتے
ہیں۔ اور امام شریعی فرماتے ہیں کہ بلخ کے
مشائخ نے قرآن پڑھانے پر اجرت لینے کو
جائز کہا ہے اور اس بات میں اہل مدینہ کے
قول پر عمل کیا ہے اور میں بھی اجرت کے
جواز اور مسمی کے دینے کے وجوب پر فتویٰ
دیتا ہوں اور ان تمام مشائخ کا اس بات
پر اجماع ہے کہ فقہ پڑھانے پر اجرت لینا
باطل ہے ۔

۱۔ شامی قاضیخان برصیہ فتاویٰ عالمگیری ص ۳۳۵ یہ بار بار دیکھو کہ یہ حضرات پھر بھی فقہ
پڑھانے پر اجرت ناجائز کہتے ہیں صرف قرآن پڑھانے پر جائز کہتے ہیں تو ختم شریف پر کہاں سے

کی اجرت سے قرآن پڑھنے کی اجرت کو بھی صحیح قرار دیا اور جب اس کو غلطی
لگ گئی تو ابن نجیم متوفی ۸۷۱ھ اس کے قول پر دھوکہ ہو کر اس نے بھی فتویٰ
لکھا کہ یہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے اور علامہ
عبد الرؤف بن محمد متوفی ۸۸۳ھ صاحب الاختیار نے صحیح بات فرمائی
ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت جائز نہیں لیکن علامہ ابن نجیم حدادی صاحب
کے قول پر دھوکہ ہو گیا اور صاحب الاختیار کی قوی بات کو غیر ملاحظہ بنا دیا تو علامہ
خیر الدین الرملی متوفی ۱۰۸۱ھ صاحب بحر الرائق کی خوب تردید فرمائی کہ
فتویٰ قرآن پڑھانے کی اجرت پر ہے نہ کہ پڑھنے کی اجرت پر۔

اور علامہ ابن عابدین نے خوب فرمایا تھا کہ ایک مصنف سے غلطی ہو جاتی ہے تو
اسی غلط مسئلہ کوئی کتابوں میں نقل و نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ان میں سے
ایک مسئلہ قرآن کریم پر اجرت لینے کا بھی ہے کہ صاحب السراج الوہاج اور الجوہر شمس القدوس
والے سے غلطی ہو گئی کہ اس نے پڑھانے پر اجرت سے پڑھنے پر اجرت بنا دیا تو ان کے
بعد جو حضرات آئے ہیں انہوں نے اسی غلط مسئلہ کو نقل و نقل شروع کیا حالانکہ بالکل
واضح غلطی ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ تمام عبادات پر اجرت لینے
کو حرام سمجھتے ہیں لیکن متاخرین جو اصحاب التخریج والتزیج ہیں انہوں نے شدید ضرورت
کی بنا پر پڑھانے اور اذان اور امامت وغیرہ پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا کہ وہ ضائع
نہ ہو جائے تو جس جگہ یہ ضرورت ہی نہ ہو تو پھر وہاں کس طرح فتویٰ صادر کر سکتے ہیں کہ یہ
بھی جائز ہے اور قرآن پڑھنے پر اجرت نہ دینے میں دین کا کیا ضائع ہوتا ہے بلکہ اس اجرت
دینے میں نقصان ہوتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے کبھی ختم کلام پاک نہیں کریں گے جب
یہ ان کو اجرت نہ دے دیں بلکہ لوگ قرآن کریم کو ذریعہ معاش بنائیں گے لہذا اجرت
لینا قرآن کریم کے پڑھنے پر یہ قبیح ترین چیزوں میں سے ہے اور اس پر منکر و رد و کفر

قال محمد بن الفضل كثر
التقدمون الاستیجار
لتعليم القرآن وكونوا
أخذ الأجرة علی وجو
العطية من بیت المال

محمد بن فضل کہتے ہیں کہ قرآن پر اجرت
لینا متقدمین کے نزدیک مکروہ ہے
اور اجرت کے لینے کو اس لئے مکروہ
کہتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں بیت المال
سے عطیات (معلمین کو) ملتے تھے۔

بہر حال ان اکابر کی عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ متقدمین کے نزدیک
تمام عبادات پر اجرت لینا دنیا حرام ہے اور متاخرین جو اصحاب التخریج اور اصحاب
التزیج ہیں انہوں نے ایک عذر کو سمجھتے ہوئے قرآن کریم پڑھانے پر اجرت کو جائز قرار
دیا تاکہ دین ضائع نہ ہو جائے اور اس کے باوجود امامت اور اذان اور فقہ پر یہ حضرات
اجرت جائز نہیں سمجھتے جیسا کہ انہوں نے مفصل بیان کیا ہے لیکن ان کے بعض دیگر
اکابر نے اذان امامت وغیرہ پر بھی اسی مجبوری کے جواز کا قول کیا ہے۔ تو یہ ہے
حقیقت حال کہ متاخرین حضرات نے پڑھانے پر اجرت کو نہایت مجبوری کی بنا پر جواز کا
قول کیا تو محترم ابو بکر علی بن محمد الحدادی متوفی ۱۰۸۱ھ نے اس اختلاف کو
غلط تصور کر فرمایا کہ۔

مسئلہ اجرت میں اختلاف ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن کی تلاوت پر اجرت
لینا جائز ہے حالانکہ اکابر نے فرمایا تھا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ قرآن پڑھانے پر اجرت جائز
ہے جیسا کہ میں نے مفصل عبارات ذکر کی ہیں تو حدادی صاحب الجوہر والہ فی الوہاج
نے پڑھانے سے پڑھنا بنایا۔ اصحاب التخریج نے نہایت مجبوری کی وجہ سے قرآن کریم
پڑھانے پر اجرت کو صحیح قرار دیا اور حدادی صاحب کی مہربانی دیکھئے کہ قرآن پڑھانے

اور اس میں اجرت باطل ہے اور بدعت ہے اور یہ فعل خلفاء میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔

والاجارة في ذلك باطله
وهي بدعة ولم يفعلها احد
من الخلفاء

اور دوسری جگہ میں فرماتے ہیں
والذي يغلب على ظني ان
الحدادي صاحب الجوهره
اشتباه عليه الاستيجار على
القراءة بالاستيجار على
التعليق فسبق قلعه و
تبعه من تبعه كصاحب البحر
والقهستاني و ملا مسكين و
يدل على ذلك قوله وهو المختار

میرزا مالک گمان یہ ہے کہ حدادی صاحب جوہرہ
پر پڑھنے اور پڑھانے کی اجرت میں اشتباہ
ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی قلم سے سنت
ہو گیا اور صاحب البحر اور قهستاني اور
مالک گمان (ان سب) اس کی اتباع کی
اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ اس
نے کہا ہے کہ یہ مختار قول ہے حالانکہ
مختار تو چھوڑ کر بلکہ ہم نے کسی کو نہیں بچھا

۱۔ رد المحتار ص ۳۶ ج ۵ ۲۔ مولی شمس الدین محمد انحرانی القهستانی متوفی ۹۶۱ھ
یا ۹۵۵ھ ہے۔ جامع الرموز کا مصنف جو غیر معتبر کتابوں میں شمار ہے اور مصنف شیخ ابی
الہرادی کے علاوہ میں نہیں تھا اور فقہی معلوما بھی اس کو زیادہ نہیں تھے اور کتابوں کا لال تھا اس لیے
صاحب السبیل تھے اور اپنی کتاب میں بغیر تصحیح کے رطب یا لبس اور غث و رقیق صحیح و ضعیف (سب کو)
جمع کیا (ملاحظہ ہو انافع البکیر ص ۱)۔ ۳۔ ابن عابدین شافعی فرماتے ہیں کہ محمد بن عبد اللہ فرماتے
ہیں کہ کتب غریبہ سے شرح الکفر ملا مسکین اور قهستاني کی ہیں کیونکہ ان دو مصنفوں کے
احوال معلوم نہیں اور اس طرح قنیہ ہے کہ اس میں اقوال ضعیفہ کو جمع کیا ہے۔ ملاحظہ
ہو جائے کہ یہ مجملہ سائل ص ۱

چیزیں مرتب ہوتی ہیں پھر ابن ماجہ بن فرماتے ہیں

فان كان ما في الجوهره سبق
قلوه فلا كلام وان كان عن عمد
فهو مخالف عن كمال مهم قاطبة
فلا يسئل وقد اظن في رد لا ضا
تبين المحارم مستنداً الى
النقول الصريحة
وتأخر بها في الجوهرة
صاحب البحر في كتاب الوقف
وقد رد الشيخ خير الدين
الرملي في حاشية البحر حيث
قال اقول المفتوح به جواز
اخذ الاجرة استحساناً
على تعليم القرآن لا على
تلاوة البجدة كما صرح
به في التتارخانية حيث
قال لا معنى لهذا الوصية
لان هذا بمنزلة الاجرة

اگر جوہرہ میں (سوالت کے) قلم نے
سبق کر لیا ہو (یعنی خطا ہو یہ کام کرنا
ہوا ہو) تو اس میں کوئی بات نہیں کیونکہ
انسان سے غلطی ہوتی ہے، اگر اس نے
قصداً اور ارادہ سے یہ کہا ہو تو یہ تمام
(اکابر) کے اقوال سے مخالف ہے
لہذا یہ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس
کی تردید صاحب تبیین المحارم نے علماء
کی صریح اقوال سے فرمائی ہے۔ اور کتاب
الوقف میں جوہرہ کی عبارت پر صاحب البحر
کو دھوکہ ہوا اور بحر کے حاشیہ میں شیخ
خیر الدین نے تردید فرمائی ہے کہ تعلیم القرآن
پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ از روئے
استحسان دیا ہے اور فتویٰ نہیں کیا ہے
مجرد تلاوت پر جیساکہ تارخانیہ میں اس پر
تصریح فرمائی ہے کہ وصیت (برقبر تلاوت)
کا کوئی مدنی نہیں کیونکہ یہ جرت جیسا،

۱۔ مجموعہ سائل ص ۱۲ دیکھیں تفصیل کے لئے ص ۱۶۹، ص ۱۷۳، ص ۱۸۲،
ص ۱۸۹، ص ۲۲۶، ص ۲۵۰، ص ۲۶۲

الذی اختاروه الا سنیجا علی
التعلیم وهذا ما یقال
فی نزائت العالم نزلت العالم
و بعد سماعك لصوص
المذهب لا یجوز لك
تقلید ولو فرضنا انه منقول
عن احد من اهل المذهب
المعتدین مع مخالفتهم
للمتوین و غیر هذا لا یعول
علیه

کہ اس کو صحیح کہا ہوا البتہ پڑھانے
پر اجرت کو مختار کہا ہے۔ اسی وجہ
سے (مثال میں) کہتے ہیں کہ ایک عالم
کی لغزش دنیا کی لغزش (کیلئے سبب)
ہے (کیونکہ اس کی خطا کی وجہ سے کتنے لوگ
خطا قول پر عمل کرتے رہیں) جیسا کہ مذہب
صحیح اقوال سن لئے تو آپ کو اس (حدیث وغیرہ)
کی تقلید جائز نہیں۔ اگر بالفرض یہ با ایک مذہب
مقدم آدمی سے بھی نقل ہو پھر بھی جب متوین
وغیرہ کے مخالف ہو تو اس کا اعتبار نہیں
کیا جا سکتا

اور علامہ ابن عابدین صاحب بحر الرائق کی تردید اکابر کے اقوال سے کر کے
پھر فرماتے ہیں۔

والحاصل ان المخالف
فی ذلك بعد وضوح هذه
المسالك اما مكا بر منكر
للعیان ولو اقام علیہ
الف برهان لكونه اتخذ
القران مكتسبا و اما جاهل
قليل الفهم عذیم لعدم

اصل یہ ہوا کہ اگر ان مسکون کی وضاحت کے
باوجود کوئی مخالفت کرے یا ہو یا تو وہ بغیر درستی
پہر سے انکار نہ دے والا ہے اگرچہ اس پر ایک
ہزاروں مل قائم ہیں (یعنی اسکی عدا انکار
کرنا ہے) کیونکہ اس قرآن کریم کو ذریعہ کمال
بنایا ہے یا تو وہ کم عقل اور معدوم العلم
جاہل ہوگا کہ

یتثبت بحیال اوہام بالیة
و خیالات عن رائحة الصی
خالیة و مستند الی
عبارات خاویة کبیت
عناکب و اھیة و کل
منہما اثم موزور
لکون المکابر فی الدین
ادالجا هل باین اظهر
المسلمین غیر معذور
(پھر رد دلیل سے فرماتے ہیں)
ولا ینکر الا غیبی
احتمق هو بالیہما ثم ملحق

بوسیدہ اور ہام اور صحت سے خالی
خیالات کی رسی کو پکڑتا ہے۔ اور
دلیل میں گری ہوئی مکروہی کے جال
کی مانند کمزور عبارات پیش کرتا ہے۔
ہر ایک ان دونوں میں گناہ کو اٹھانے والا
ہے۔ کیونکہ دین میں متکبر اور مسلمانوں کے
درمیان جاہل کا عذر مقبول نہیں۔

قرآن کریم پڑھنے پر اجرت کی حرمت
سے انکار نہیں کرتا مگر وہ جو بیوقوف
اور چوپائے کی طرح ہو۔

حضرات! یہ ہے حقیقت حال۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد نہیں ہوگا
اختلاف کا مجال۔ کیونکہ اکابر مابین اہل سرخس متوفی ۳۸۰ھ و اہل طبرستان متوفی
۳۹۲ھ اور ابن البراء متوفی ۳۸۲ھ نے متقدمین کا نظریہ نقل کیا ہے کہ وہ
بالکل عبادات پر اجرت کو جائز نہیں کہتے۔ لیکن علامہ سرخسی وغیرہ اکابر نے نہایت

۱۰ مجموعہ رسائل ص ۱۸۔ عجیب لطیف عبارت کو دیکھ لیں کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے
کی تشبیہ حیوانات سے دیدی۔ جیسا کہ حیوان کو حلال و حرام کی تمیز نہیں لیتا قرآن کریم
پڑھنے پر اجرت لینے والوں کو حلال و حرام میں تمیز نہیں کیا ہی سچ فرمایا ہے۔

مست آخرین اکابر کے نزدیک جائز اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور صرف حدادی صاحب غلطی ہو گئی تھی اور ہم نے پہلے بتایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک شخص کا قول کبھی قابل قبول اگر صحیح ہو اور کبھی قابل رد اگر غلط ہو لہذا حدادی صاحب کا قول غلط اور باطل ہے اور یہ بھی بتایا تھا کہ امام سے غلطی ہوتی ہے اس کے قول کو معصوم کا قول نہیں بنانا چاہیے۔ لہذا حدادی صاحب کے قول کو معصوم کا قول نہیں بنانا چاہیے۔ لہذا اس کا قول غلط ہی غلط اور یہ بھی بتایا تھا کہ امام اعظم کا فیصلہ ہے کہ جب قرآن و سنت اور اجماع و قیاس سے کسی مسئلہ کا مأخذ معلوم نہ ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ لہذا حدادی صاحب کے قول کا مأخذ قرآن و سنت اور اجماع اور قیاس ائمہ مجتہدین سے تو خود نہیں کہ مجتہدین فی المسائل اصحاب التخریج اور اصحاب التزیج سے بھی نہیں لہذا اس کا قول قابل قبول نہیں ہوگا اور صاحب البحر اور دیگر حضرات کا قول اس پر مبنی ہے وہ بھی غلط عالمگیری کا قول صاحب البحر کے قول پر مبنی ہے تو جو غلط بر مبنی ہو وہ بھی غلط۔ تو دہنی بابین کی بات ثابت ہو گئی کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہوتی ہے اور اس کا قول کو متاخرین کا مبنی کتابوں میں نقل در نقل کرتے رہتے ہیں تو یہاں مسئلہ اجرت میں بھی ایک حدادی صاحب کی غلطی کی وجہ سے کتنے حضرات دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ تو اس قول فیصل سے یہ معلوم ہوا کہ جو حضرات لکیر کی فقیر کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کی اجرت میں اختلاف ہے یہ فضول اور لغو بات ہے اس کی کوئی اصل حقیقت نہیں یہ صرف خیالی پلاؤ پکانا اور سوائی قلعہ کی تعمیر ہے بلکہ قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت بالاتفاق حرام ہے متقدمین اور متاخرین اصحاب التخریج والتزیج تمام کے نزدیک اس پر اجرت حرام اور ناجائز ہے۔ کیونکہ متاخرین نے پڑھانے پر نہایت ضرورت کی وجہ سے جواز کا ثبوت دیا تھا۔ اور ختم کلام پر اجرت لینے دینے کے جواز پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ اس میں دین کا کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس اجرت لینے میں نقصان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے

مجبوری کی وجہ سے پڑھانے وغیرہ پر اجرت کو جائز قرار دیا اور شرح المتقید الطحاوی اور صاحب الاختیار متوفی ۸۳۷ھ نے بھی یہ فیصلہ کیا۔ دیکھئے پڑھنے پر اجرت ناجائز اور باطل ہے تو علامہ حدادی متوفی ۱۲۸۷ھ نے پڑھانے سے پڑھنا بنا کر غلطی کی اور اکابر کے اقوال کو غلط تصویر دیدی تو ابن نجیم متوفی ۷۶۹ھ بھی اسی پر دھوکہ کھائے اور بعض کچھ دیگر حضرات بھی تو علامہ خیر الدین الرضی متوفی ۸۴۸ھ نے صاحب البحر کی غلطی واضح کی اور ہم نے اکابر علماء کرام کی عبارات تمہلے سامنے پیش کیں کہ اکابر نے پڑھانے کی اجرت پرستی دیکھ کر پڑھنے کی اجرت پر لہذا حدادی صاحب کا قول غلط اور صاحب البحر کا قول اسی غلط قول پر مبنی تھا وہ بھی غلط اور عالمگیری نے تو المراجع الوہاج کا حوالہ دیا ہے جو صاحب البحر کی تالیف ہے اور علامہ عبدالحی محو الکشف الظنون کتب غیر معتبرہ کو شمار کر کے فرماتے ہیں۔

ومن هذا القسم السراج
الوہاج شرح الفہرست
كما قال في كشف الظنون
عده المولى البرکلی من
الكتب المتأولة الضعيفة
الغیر المعتمدة

لہذا عالمگیری کا مأخذ بھی صاحب البحر کی کتاب ضعیف غیر معتبر ہے اور اس کا مأخذ تو حدادی کا قول تھا وہ غلط لہذا المراجع الوہاج اور عالمگیری کا قول بھی غلط ترویج ثابت ہوا کہ اصل حقیقت یہی ہے کہ اجرت پر پڑھنا حرام اور پڑھانے پر اجرت

کوئی شخص قرآن کریم نہیں پڑھے گا جب تک نقد رتم اور پلاؤ زردہ گوشت، چائے قہو، اور دودھ والا نہ ہو لہذا ختم کلام پر اجرت لینے اور دینے کے جواز عدم جواز میں اختلاف بالکل تمام اکابر دین کے خلاف ہے۔ اور بالکل یہ بدعت فساد ہے کیونکہ پہلے مفصل گند رچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحت کلام سے تو خود ثابت نہیں کہ ائمہ میں سے کسی ایک نام سے اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔

اور پھر اس کے باوجود اس بدعت کو لازم بھی سمجھیں جیسا کہ ائمہ ہدایت لکھتے ہیں کہ خان بادشاہ ختم کلام پر روٹی کھانے کو ناجائز کہتے ہیں تو اس سے پھر یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ خان بادشاہ دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اس بے ایمان اور بے دین کے پاس اس کھانے کے جواز پر نہ کوئی دلیل شرعی ہے کتاب اللہ سے اور نہ سنت سید المرسلین سے اور نہ قول امام ائمہ مجتہدین سے پھر اس کو نہ ماننے والا بے دین ہو لے یاں ممکن ہے کہ

ان کا کوئی دوسرا نبی غلام احمد قادیانی سا ہو تو وہ الگ بات ہے کیونکہ ایسے نبیوں کو ہم نہیں مانتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے دعویدار ہیں اور جو تحلیل و تحریم اپنی جانب سے کرتے ہیں ہم ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ کیونکہ تحلیل و تحریم کا تسلسلہ منقطع ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جواب دعویٰ کریں اس کو ہم کتاب اور حلال کہیں گے۔

اور اشتہار پر دستخط کرنے والے انھوں نے دکان کو چاہئے کہ کم از کم اپنے گھر میں جو ردالمحتار (شامی) اور مجموعہ رسائل ہیں تو اس کا مطالعہ کریں

اے حضرات! یہ حقیقت ہے کہ ہر لوگ کھانے کے عشق کی وجہ سے فتوے لگاتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ فلاں حدیث میں اس کو جائز کہا ہے اور خان بادشاہ اسے نہیں مانتا بلکہ مجنون اور لیلیٰ کے عشق جیسے کال لفظ نکال دیتے ہیں کہ ہمارے پیٹوں پر بند کرنا ہے۔ ۲۰ منہ

کہ اس کتاب کیا لکھا ہے۔ کیا انہوں نے پڑھنے پر اجرت لینے کو حرام نہیں کہا ہے اور کیا مجموعہ رسائل میں اجرت لینے والے کو حیوانات کے مشابہ نہیں کہا۔ اور باقی تحقیقات تو ہماری قسمت میں ویسے نہیں لیکن کم از کم جو فقہ کی کتابیں ہیں ان کا تو مطالعہ کیا کریں۔ کیا اجرت کو حرام کہنے والے اور میت کے گھر سے روٹی کھانے والے اور گنبد کو حرام کہنے والے اور قضاۃ العری کو ناجائز سمجھنے والے اور تخصیصات کو بدعت کہنے والے یہ تمام حضرات بیچ پیری ہیں یا دھننی اور قادیانی ہیں۔

حضرات اہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن کریم کے پڑھنے پر اجرت لینے کو قرآن کریم اور سنت سید المرسلین کی روشنی میں واضح کیا اور فقہار احناف کے اقوال سے تشریح کر دی اور ان لوگوں کی (جو اس مسئلہ کو اختلافی بتاتے ہیں) غلطی کا منشا بتا دیا کہ یہ غلطی کہاں سے ہوئی اور کس طرح ہوئی ہے۔ اور وہ کون تھے۔ یعنی متقدم تھے اور مجتہد بھی نہیں تھے بلکہ متقلدین میں اصحاب التخریج والشریح بھی نہیں تھے۔ تو ان ٹھوس دلائل کے باوجود اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کی بد قسمتی ہوگی۔

اور بعض لوگ تو اس لئے انکار کرتے ہیں کہ منافع دنیوی میں نقص نظر آتا ہے جیسا کہ پہلے زمانہ میں یہودیوں کے بڑے بڑے رئیس تھے وہ جاہل لوگوں سے سالانہ مقرر حق لیا کرتے تھے نقد مالوں میں بھی ان کے مقرر حصے تھے اور فصلوں میں بھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سے اس لئے اعراض کیا

۱۔ مجموعہ رسائل میں ایک رسالہ مستقل اس کی تردید میں تحریر فرمایا ہے اور چھاپس کتابوں کے نام لے کر کہ ان سے میں نے اس رسالہ کے لئے استفادہ کیا ہے۔

کرتے تھے کہ یہ سارا کچھ ختم ہو جائے گا دیکھ لیں حاشیہ - تو موجودہ دور میں ان کے نقش قدم پر بعض حضرات پلتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے خلاف کرتے ہیں۔ اور کامل دین میں اپنی طرف سے جعلی اور بناوٹی عبادتیں داخل کی ہیں اور ضعیف اور صحیح، رطب یا بس اور موضوع وغیرہ میں فرق نہیں سمجھتے بلکہ حاطب الیل جیسے لکیر کے فقیر ہیں اور اپنے باپ دادا کے طریقے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طرز عمل کی مانند سمجھتے ہیں اور عوام پر لازم قرار دیتے ہیں۔
(فصیر جمیل وأفوض امری الی اللہ)

۱۔ تفسیر کبیر ۲/۲۰۰، مدارک ۱/۴۵، ابوسود ۱/۴۰ - مراح اللبیب ۱/۲۰۰ الفتوح اللفیۃ ۱/۴۰، کتاب التہلیل للعلوم النعراوی ۲/۲۰۰ - النخازن ۱/۴۰، النبوی ۱/۴۰، الکشاف ۲/۲۰۰، فتح القدیر شوکانی ۱/۴۰

مسئوۃ و سلام

شریعت نے ایک چیز ایک موقع پر تجویز کی ہے۔ جب ہم محض اپنی رائے اور خواہش سے اس کو دوسرے موقع پر تجویز کریں گے تو وہ بدعت بن جائے گی مثلاً درود شریف نماز کی آخری التحیات میں پڑھا جاتا ہے، اگر ہم اجتہاد لڑائیں کہ درود شریف کوئی بُری چیز تو نہیں اگر اس کو پہلی التحیات میں پڑھ لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ تو ہمارا یہ اجتہاد غلط ہو گا۔ اور پہلی التحیات میں درود شریف پڑھنا بدعت کہلانے گا، فقہاء امت نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص بھولے سے پہلی التحیات میں درود شریف شروع کرے تو اگر صرف "اللہم صل علی" تک پڑھا تھا تو سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا، کیونکہ یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا۔ لیکن اگر "علی محمد" تک پڑھ لیا تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز دوبارہ ٹوٹانی ہو گی۔

یا مثلاً کوئی شخص یہ اجتہاد کرے کہ "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" روضہ اقدس پر پڑھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنے وطن میں بیٹھا یہی پڑھتا رہے تو کیا حرج ہے؟ اس کا یہ اجتہاد بھی "بدعت" کہلانے گا۔ اس لئے کہ فقہائے امت نے ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجنے کا ایک خاص موقع مقرر کر دیا ہے، اگر اس موقع کے علاوہ بھی یہ صحیح ہو تا تو شریعت اسکی اجازت دیتی اور سلف صالحین اس پر عمل کرتے۔

اسی کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت سالم بن عبید صحابی رض کی مجلس میں ایک صاحب کو چھینک آئی تو اس نے کہا "اسلام علیکم" آپ نے فرمایا "تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی" وہ صاحب اس سے ذرا جڑے، تو آپ

نماز کے بعد مصافحہ

بعض مساجد میں نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج ہے۔ شریعت نے باہر سے آنے والے کے لئے سلام اور مصافحہ کو مسنون ٹھہرایا ہے، مگر مجلس میں بیٹھے بیٹھے لوگ اچانک ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے لگیں سلف صامین میں اس لغو حرکت کا رواج نہیں تھا۔ بعد میں جانے کس مصلحت کی بناء پر بعض لوگوں میں فجر، عصر، عیدین اور دوسری نمازوں کے بعد مصافحہ کا رواج چل نکلا، جس پر علمائے اہل سنت کو اس کے "بدعت" ہونے کا فتویٰ دینا پڑا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

انکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند بعد از نماز یا بعد از جمعہ چیزے نیست، جمعہ کے بعد مصافحہ کرتے ہیں۔ یہ کوئی سنت بدعت است از جهت تخصیص وقت، نہیں، بدعت ہے (اشعۃ اللمعات ص ۲۲)

علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مکروهۃ، وجنڈ انہا من البدع المذمومۃ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۲)

اسی بناء پر ہمارے بعض علمائے صریح کی کہ یہ مکروہ ہے، اس صورت میں یہ مذموم بدعتوں میں سے ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

وقد صرح بعض علمائنا و غیرہم بکراهۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوٰۃ، مع ان المصافحۃ سنۃ

اور ہمارے بعض علماء (اخاف) اور دیگر حضرات نے صراحت کی ہے کہ نمازوں کے بعد جو مصافحہ کرنے کی عادت ہو گئی

نے فرمایا کہ میں نے تو وہی بات کہی ہے جو ایسے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں کسی کو چھینک آتی اور وہ — "السلام علیکم" کہتا تو آپ فرماتے "تجھ پر بھی اور تیری ماں پر بھی — اور پھر ارشاد فرماتے کہ جب کسی کو چھینک آئے اسے "الحمد للہ" کہنا چاہیے۔

سننے والوں کو "یرحمک اللہ" کہنا چاہیے۔ اور اسے جواب میں پھر "یعفر اللہ لی ولکم" کہنا چاہیے۔ — مشکوٰۃ خریف ص ۱۲۱

مطلب یہ کہ "السلام علیکم" کا جو موقعہ شریعت نے تجویز کیا ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے موقعہ پر سلام کہنا "بدعت" ہے۔

وما ذاك الا لكونها لم تؤثر في
خصوص هذا الموضع .

(رد المحتار ج ۲۳۵)

ہے یہ مکروہ ہے باوجودیکہ اصل
مصافحہ سنت ہے اس کے مکروہ بدعت
ہونے کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ اس
خاص موقع پر مصافحہ سلف صاحبین سے منقول
نہیں۔

کوٹے کرنا

اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں سے جس قدر غیر شرعی مومات ہمارے ملک کے مسلمانوں میں رواج پذیر ہوتی ہیں
ان میں سے ایک لایعنی رسم ”کوٹوں“ کی بھی ہے جس کے لیے ۲۲ رجب کی تاریخ کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ اسلامی فرض
کی بجا آوری کے لیے اس کے دسویں حصے پر بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اس لغو رسم کے لیے عجیب قسم کے افسانے گھڑ کر حضرت جعفر صادق
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اور ”کوٹوں“ کی ادائیگی کو حاجت روائی اور مشکل کشائی سمجھا جاتا ہے۔
افسانہ تراش کھتے ہیں:

امام جعفر صادقؑ نے خود فرمایا ہے جو شخص ۲۲ رجب کو میرے نام کی نیاز کے طور پر کوٹے کرے اور میرے ذریعے
اپنی حاجت مانگے تو ضرور پوری ہوگی، اگر پوری نہ ہو تو قیامت کے دن میرا دامن اور اس کا ہاتھ ہوگا: خدا کی پناہ۔
حضرت جعفر صادقؑ کی شان تو بہت بلند ہے۔ ادنیٰ مسلمان بھی ایسی لایعنی بات نہیں کہہ سکتا جو شرک و
بدعت کو مستلزم ہو، کیوں کہ

نذر و نیاز عبادت ہے جو صرف خدا کا حق ہے غیر اللہ کی نیاز شرک و کفر ہے

اور اس کا کھانا حرام ہے

فقہ اسلامی کی تقریباً سب کتابوں میں یہ سلسلہ اسی طرح لکھا ہوا ہے، دیکھتے

بحر الرائق ص ۳۲، فتاویٰ عالمگیری ص ۱۱۱، در مختار ص ۱۵۵، فتاویٰ شامی ص ۱۳۹، مکتوبات امام ربانی

مجتہد الف ثانی ج ۳ مکتوب ۴۱۔ خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۶ وغیرہ۔

حضرت جعفر صادقؑ سے کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ کفر شرک کی تلقین کریں گے یہ سب بہتان

ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے افسانہ گھڑا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے خواہ کوئی ہو اہم وقت یا مجتہد اور ولی کامل کسی کو شکل کشا اور حاجت روا

سمجھنا اور اس نیت سے ان کی فاتحہ دینا، کوٹے دینا، ان سے مرادیں مانگنا یہ کھلا ہوا شرک ہے، کیونکہ نفع ہو یا

نقصان۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہر حالت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔

وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَعْضُ فَلَائِكَ شَيْءٍ لَّ

أَلَّا هُوَ وَإِنْ يَسْأَلْكَ بَعْضُ فَلَائِكَ شَيْءٍ لَّ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - انعام - ۱۷

اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا

کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ دینا

چاہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

جب تو سوال کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ سے کرا اور جب مدد چاہے تو خدا سے مدد مانگ۔ یاد رکھو کہ ساری

مخلوق اگر جمع ہو کر تجھ کو کچھ نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھ کو نفع نہ پہنچا سکے گی مگر جس قدر کہ اللہ نے تیرے مقد میں لکھ

دیا۔ اس طرح اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھے نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں اللہ ہی نے

تیرے مقد میں جتنا لکھ دیا۔ وہ پہنچ کرے گا۔ (مشکوٰۃ - باب التوکل والصبر ص ۴۵۳)

اوپر آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ کا حاصل یہ نکلا کہ نفع ہو یا نقصان، وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے مخلوق

کے اختیار میں کچھ نہیں۔ جب مخلوق کا اختیار ہی نہیں تو اس کے نام کی نذر و نیاز بھی ناجائز ہے اور اس سے مراد

مانگنا بھی حرام ہے جیسا کہ قرآن حکیم، احادیث طیبہ اور فقہاء کرام کے فضیلوں سے یہ بات ثابت ہے۔ غرض

حضرت جعفر صادقؑ کے نام پر کونڈوں کی نذر دینے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اُن پر بہتان ہے۔ البتہ اگر اس ۲۲ رجب

کی تاریخ کو ان کی ولادت یا وفات ہوتی تو اُن کے ایصالِ ثواب کا بہانہ بن سکتا تھا۔ ویسے بھی ایصالِ ثواب

کی غرض سے اللہ کے نام کی نذر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۲۲ رجب نہ تو حضرت

جعفر صادقؑ کی ولادت کی تاریخ ہے نہ وفات کی۔ بلکہ صحیح روایات کے مطابق ان کی ولادت ۸ رمضان المبارک

۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں ہوئی اور وفات ۱۵ اشوال ۱۸۱ھ میں واقع ہوئی۔ ۲۲ رجب کی تاریخ کو حضرت جعفر صادقؑ

سے کوئی مناسبت نہیں۔

کاتب وحی حضرت امیر معاویہؓ کی وفات پر جشنِ مسرت

اصل بات یہ ہے کہ ۲۲ رجب کے کونڈوں کی رسم مخالفین و دشمنان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی

ایجاد ہے جو درحقیقت کاتب وحی امیر المؤمنین سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خوشی میں منائی

جاتی ہے۔ کیونکہ ۲۲ رجب حضرت امیر معاویہؓ کی تاریخِ وفات ہے

(دیکھو تاریخ طبری - البدایہ والنہایہ ص ۱۳۳ وغیرہ)

دشمنانِ صحابہؓ (شیعوں) نے اس رسم کو محض پردہ پوشی کے لیے حضرت جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔

کونڈوں کا تاریخی پس منظر ۹۰ء میں ریاست رام پور (یوپی) میں امیر مینائی لکھنوی شیعہ کے فرزند خورشید احمد مینائی

نے رام پور سے ”داستان عجیب“ (جو حضرت جعفر صادقؑ کے نام پر گھڑ کر لکھی تھی) چھپوا کر تقسیم کی۔ نواب رام پور (شیعہ)

نے اس من گھڑت افسانے کی اشاعت اور کونڈوں کی ترویج میں گہری کچپی ظاہر کی۔ چنانچہ نواب رام پور کی خوشنودی

کی خاطر وہاں کے سنی مسلمانوں نے بھی اس رسم کو اپنانا شروع کیا۔ پھر یہ رسم رام پور سے لکھنؤ پہنچی اور ۱۹۱۱ء تک بڑی

تیزی کے ساتھ دوسرے علاقوں میں اس کا پھیلاؤ شروع ہو گیا۔ شروع شروع میں اہل سنت کا غلبہ تھا اس لیے

شیعہ چھپ چھپ کر شیرینی تقسیم کرتے اور ایک دوسرے کے گھر جا کر کھاتے اور جشنِ مسرت مناتے لیکن جب

اس کا پھر چاہا تو اس لغو رسم کو حضرت جعفر صادقؑ کی طرف منسوب کر کے افسانہ گھڑ لیا اور ان کے ذمے یتیمت لگائی

کہ ۲۲ رجب انہوں نے اپنی فاتحہ و نیاز دینے کا حکم دیا ہے، العیاذ باللہ۔ یہ سب من گھڑت افسانہ، بے ثبوت یا دو

خلاف شرع رسم اور بدعتِ ممنوعہ ہے اور سنی مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان میں صحابہؓ دشمنی کے جوہر ڈالنے کی

شاطرانہ چال ہے۔ جو سنی مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

خلاصہ کلام: کونڈوں کی رسم ایک نو ایجاد رسم ہے جس کا قطعاً حضرت جعفر صادقؑ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی

۲۲ رجب کا آپ سے کوئی تعلق ہے۔ البتہ ۲۲ رجب کو تو کاتب وحی جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات ہوئی۔ جن کے ساتھ شیعہ حضرات کو ہمیشہ سے گہرا بغض و عناد رہا ہے تو حقیقت

میں شیعہ صاحبان کونڈوں کا نام دے کر ۲۲ رجب کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں جشن منایا

کرتے ہیں۔ انہوں نے اس تاریخ کو حضرت جعفر صادقؑ کی منسوب کر کے اپنے اس جشنِ مسرت پر حضرت جعفر صادقؑ

کے کونڈے بھرنے کا پڑھن اس لیے ڈال رکھا ہے تاکہ سنی مسلمان بھی دھوکے میں آکر غیر شعوری طور پر انہیں شیعہ

شریک ہو کر اُن کا ساتھ دیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ وہ شیعوں کے جھانے میں آکر

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کی تاریخ کی شیعہوں کی تقلید میں اپنے یہاں عید جیسی خوشی منائیں۔ بلکہ اس بدعت

اور گمراہی کا مٹانا اور دوسرے مسلمانوں کو اس سے باز رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

آخری چار شنبہ



رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کے آغاز کا دن

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

شیطان مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم کھا کر آیا ہے کہ میں ضرور مسلمانوں کو گمراہ کر کے رہوں گا۔ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ مسلمانوں کو لیے افعال و اعمال میں مبتلا کر دے جن کا دین و شریعت سے دور کا بھی واسطہ اور تعلق نہ ہو اور مسلمان اُسے دین و عبادت سمجھ کر کرتے رہیں اور اُنہیں توبہ کی بھی توفیق نہ ہو، اپنا ایمان بھی ضائع کر بیٹھیں اور ہاتھ بھی کچھ نہ آئے خسر الدنیا والآخرۃ، ع خدا ہی ملا نہ وصال صنم

چنانچہ شیطان اور اس کے انسانی چیلوں چانٹوں نے مسلمانوں میں بہت سی ایسی بے سرو پاتیاں مشہور کر رکھی ہیں جن کا اسلام میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انہیں میں سے ایک آخری چار شنبہ ماہ صفر کا آخری بدھ جو عوام میں سیر پڑھ کے نام سے مشہور ہے، بھی ہے اس کے متعلق عوام میں یہ مشہور ہے کہ اس دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسلِ صحت فرمایا تھا اور سیر و تفریح فرمائی تھی اس لیے اس دن کو ناواقف اور سادہ لوح مسلمان مرد اور عورتیں خوشی کا دن سمجھ کر باغات میں سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں۔ کاروبار بند رکھتے ہیں۔ خوشی کا اظہار کرتے ہیں، شیرینی تقسیم کرتے اور عمدہ قسم کے کھانے پکوانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

مسلمان بھائیو! مسلمانوں کے تینوں بڑے فرقے دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اس پر متفق ہیں کہ آخری چار شنبہ (آخری بدھ) کے روز رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز ہوا تھا

اور اسی مرض میں آپؐ نے وفات پائی تھی۔

مشہور مؤرخ ابن سعد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

”چار شنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز ہوا“

(طبقات ابن سعد ص ۲۰۶ ج ۲ طبع بیروت)

(نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابن خلدون صفحہ ۸۳۸ ج ۲ طبع بیروت)

(دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی صفحہ ۱۸ ج ۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

”ماہ صفر کے اخیر عشرہ میں آپؐ ایک بار شب کو اُٹھے اور اپنے غلام ابو موسیٰ کو جگایا اور فرمایا کہ مجھ کو حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع (قبرستان مدینہ منورہ) کے لیے استغفار کروں۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو دفعۃً مزاج ناساز ہو گیا۔ سر میں درد اور بخار کی شکایت پیدا ہو گئی، یہ اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن اور بدھ (چار شنبہ) کا روز تھا“

(سیرت المصطفیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۵۷)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

”۲۸ صفر ۱۱ھ چار شنبہ (بدھ) کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان بقیع غرقہ میں تشریف لے جا کر اہل قبور کے لیے دعا و مغفرت کی... وہاں سے تشریف لائے تو سر میں درد تھا اور پھر بخار ہو گیا اور یہ بخار صحیح روایات کے مطابق تیرہ روز تک متواتر رہا اور اسی حالت میں وفات ہو گئی۔“

(سیرت خاتم الانبیاء صفحہ ۱۳۱)

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فتویٰ

”آخری چار شنبہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ اس دن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدتِ مرض واقع ہوئی تھی تو یہودیوں نے خوشی کی تھی۔ وہ اب جاہل ہندیوں میں رائج ہو گئی“

نعود باللہ من شرور أنفسنا ومن سیدئات اعمالنا۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ کراچی)

بریلوی مکتبہ فکر کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ

”آخری چار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات ہوئی اُس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔“

(احکام شریعت ص ۱۸۳ ج ۳)

قبرن مج اور بننا

اس بارے میں قرآن، سنت، صحابہ کرامؓ تابعین تبع تابعین۔ سلفِ صالحین ائمہ مجتہدین اور خصوصاً فقہائے احناف سے اس کے متعلق کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ ہی صوفیائے کرام سے اس کے متعلق کچھ ملتا ہے۔

بریلوی مکتبہ فکر کے ایک دوسرے عالم دین امجد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔
”ماہِ صفر کا آخری چار شنبہ ہندستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح اور شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرونِ مدینہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں، بلکہ ان دنوں میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا، لوگوں کو جو باتیں بتائی ہوئی ہیں سب خلاف واقع ہیں۔“

(بہارِ شریعت ص ۲۴۲ ج ۱۶ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور)

قطع نظر ان تمام باتوں کے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کل تیرہ دن بیمار رہے ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ آپؐ نے سوموار کو وصال فرمایا ہے اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو آپؐ کے مرضِ وفات کے آغاز کا دن بدھ ہی بنتا ہے۔ اس طرح کہ بدھ سے دوسری بدھ تک ۸ یوم اور جمعرات سے سوموار تک ۵ یوم ۸ + ۵ = ۱۳ لہذا مرضِ وفات کا آغاز بدھ ہی سے ہوا۔

مذکورہ بالا حوالجات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ماہِ صفر کا آخری بدھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کے آغاز کا دن تھا نہ کہ صحت یابی کا اور حقیقت بات یہ ہے کہ آخری چار شنبہ یہودیوں اور ایرانی مجوسیوں کی رسم ہے جو ایران سے منتقل ہو کر ہندستان میں آئی ہے اور یہاں کے بے دین بادشاہوں نے اسے پروان چڑھایا، حوالہ کے لئے دیکھیے (دائرہ معارف

اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ص ۱۸، ۱۹ ج ۱)

لہذا یہ یہود و ہنود کی خوشی کا دن تو ہو سکتا ہے مسلمانوں کا نہیں۔

مسلمانوں کا اسے بطور تہوار و خوشی منانا ناجائز و حرام ہے۔

مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ اس یہودیانہ رسم کو اپنا کر کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کا جشن تو نہیں منا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔

مانو نہ مانو جانِ جاں اختیار ہے ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

مرنے کے بعد گلی میں تین دن تک دری بچانا

مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں :

رسم نمبر ۶ میت کے مکان پر اس کے مرنے کے بعد کچھ دنوں بھاری جلسہ رہتا ہے۔ لوگ آتے بیٹھتے کھاتے پیتے ہیں چرٹ چائے پان کا شغل رہتا ہے۔ سات آٹھ روز تو اس طرح گزرتے ہیں اس کے بعد ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے جس کو ختم کا جلسہ کہتے ہیں اس میں کچھ لوگ تو ختم پڑھتے ہیں مگر امیر عرب سب قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں میٹھا آبی تقسیم ہوتی ہو گویا ایک شادی کا مجمع ہے۔ بسا اوقات یہ تمام مصارف ترکہ میں سے ادا کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ بعض وارث چھوٹے بچے یا غیر حاضر بھی ہوتے ہیں نیز کھانیوالے اور میٹھائی لینے والے امراء بھی ہوتے ہیں۔

حکم شرعی اس رسم میں کئی باتیں ہیں۔ اول اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں دوسرے لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا نیز اہل میت کا آئینوالوں کو پان چلنے چرٹ کھانا وغیرہ کھلانا یا میٹھا آبی تقسیم کرنا۔ چوتھے سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا۔ اور اس میں امیروں اور غریبوں سب کو کھانا کھلانا یا میٹھا آبی تقسیم کرنا۔ پانچویں ترکہ میں سے یہ سب مصارف کرنا۔ ان سب کا حکم جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ اہل میت کی تعزیت کرنا ستم ہے جس کا بہتر وقت دفن کے بعد ہی روز دفن یا اگر رات کو دفن کیا جائے تو اس کے بعد کا دن ہے اور اس کے بعد تین دن تک کی اجازت ہے اور اہل میت کا اپنے مکان پر اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں۔ یہ بھی صرف تین دن تک جائز ہے مگر بہتر یہی ہے کہ نہ بیٹھے۔ اور اکثر متاخرین اس سے بھی منع کرتے ہیں اور تین دن سے زیادہ بیٹھنا باتفاق فقہاء مکروہ ہے مگر جو شخص سفر سے آیا ہو وہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہے کہ اسے تین دن کے بعد ہی تعزیت کرنا جائز ہے اور گھر کے باہر دروازے پر نکل کر بیٹھنا باتفاق مکروہ ہے اور جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر آئے اس کو دوبارہ جانا مکروہ ہے۔

یعنی اہل میت کی تعزیت کرنے میں مضافات نہیں اور ان کو صبر کی ترغیب دینے میں اور ان کے لئے کھانا بیچنے میں دروغ تعزیت مسجد کے علاوہ کسی مکان میں بیٹھنا تین دن تک مضافات نہیں۔ تعزیت کیلئے پہلا دن افضل ہے اور تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے مگر اس کے لئے جو سفر سے آیا ہو اور دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے باہر دروازہ پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

تعزیت میں یہ الفاظ کہے نہ سکتے ہیں اجر عظیم سے اور صبر حسن کی توفیق عطا فرمائے اور تمہاری میت کو بخشہ دے۔

وفی خزانة الفتاویٰ والجلوس

للمصيبة ثلاثة ايام مخصصة | تین دن تک میٹھنے کی رخصت تو ہے مگر
وترک حسن کفافی معراج الدہلی (پاکیز) اس کا ترک بہت بہتر ہے۔

(۳ و ۲) یعنی لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا۔ اور اہل میت کا
انہیں پان چائے چڑھٹ میٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا۔ یہ باتیں بھی مکروہ ہیں۔
اگرچہ تعزیت کے لئے تین دن تک لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقاً طور پر وہاں
دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل
قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا یا کچھ تقسیم کرنا یہ سب مکروہ ہے
فی الامداد وقال کثیر من متاخری ائمتنا بکراۃ الاجتماع عند
صاحب المیت۔

امداد میں ہے کہ ہمارے آئمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ
اہل میت کے مکان پر لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے۔

وبکہ لا یجوز فی بیتہ حتی یأتی
الیہ من یغزی بلذا فرم ورجع
الناس من الدفن فلیتفرقوا و
یشتغل الناس بامورهم وصاحب
البیت بامرہ انتھے رد المحتار شامی

بکراۃ الاجتماع من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی
الشرور وہی بدعتہ مستقیمۃ روى الامام احمد وابن ماجہ باسناد صحیح عن
جابر بن عبد اللہ قال کنا عند الاجتماع الى اهل المیت وصنعهم الطعام
من النبیاحۃ یعنی اہل میت کا لوگوں کے لئے کھانے کی دعوت تیار کرنا
(جس میں پان چائے میٹھائی بھی داخل ہے) مکروہ ہے کیونکہ دعوت خوشی

میں مشروع ہے نہ غمی میں۔ اور یہ تبیح بدعت ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے
بسنہ صحیح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم
(یعنی صحابہ کرام) اہل میت کے یہاں جمع ہونے اور اہل میت کے کھانا کرنے کو نیاحتہ
میں داخل سمجھتے تھے۔

نیاحتہ کے معنی یہ ہیں کہ جاہلیت میں میت کا ماتم کرنے کے لئے عورتیں جمع
ہو کر روتی تھیں اور میت کے اوصاف بیان کرتی تھیں۔ شریعت نے نیاحتہ سے
منع فرمایا۔ اور اسے حرام قرار دیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ صحابی
فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اس اجتماع اور میت کی طرف سے کھانا کرنے کو بھی
نیاحتہ ممنوعہ میں داخل سمجھتے تھے یعنی جیسے نیاحتہ ممنوع ہے یہ بھی ممنوع ہے۔
(۵ و ۴) یعنی سات آٹھ روز کے بعد ختم کا جلسہ کرنا اور ترکہ میں سے یہ مصارف
کرنا۔ رسم نمبر ۳ کے بیان میں ہم فتاویٰ بزازیہ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں تصریح
ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والوں کے لئے دعوت تیار کرنا اور قرآن و صلوات کو جمع کرنا اور ان
سے ختم پڑھوا کر انہیں کھانا کھلانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ قرأت قرآن ختم
پر کھانا کھلانا گویا قرأت کی اجرت ہے۔

دون ما ابتدع فی منامنا من مهللین وقراء وصغنین وطعام ثلثۃ ايام و
نحو ذلک ومن فعل ذلک بدونہ صابقیۃ الورثۃ البالغین یضمنہ فی
مالہ (رد المحتار) یعنی تجہیز و تکفین کے مصارف میں یہ داخل نہیں ہے جو
ہمارے زمانے میں بطور بدعت اختیار کیا گیا ہے کہ کلہ طیبہ یا قرآن پڑھنے والے
یا نعت گانے والے جمع کئے جاتے ہیں یا تین دن تک کھانا کیا جاتا ہے اور سی جیسے
اور افعال بھی جو ان کاموں میں بغیر رضا مندی باقی درشتہ بالغین کے خرچ کرے گا
وہ خود رضا من ہوگا۔

وہبہ فخر حال وصایا اہل زمانہ فان الواحد منہم یكون فی ذلک صلوٰۃ
کثیرة وغیرہا من زکوٰۃ وایمان ویوصی لذلت بدرامہ یسیرۃ
ویجعل معظم وصیتہ لقرآن الختمات والتمہایل الی نفس علماء ناعلی عدم
صحۃ الوصیت بہا وان لقرآن عیشی من الدنیا لا تجوز وان الاخذ والمعطى اثنان
لان ذلک یثبتہ الا شیخ جبار علی القراءة ونفس الاستیجار علیہا لا یجوز
فکذا ما اشبهہ کما ہو بحذات فی عدۃ کتب من مشاہیر کتب المذہب
رحمہ المحتار اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہمارے زمانہ کے لوگوں کی وصیتوں
کا حال کہ بعض لوگ باوجودیکہ ان کے نسب بہت سی نمازیں اور زکوٰۃ اور
قربانیاں اور قسیم ہوتی ہیں مگر وہ تھوڑے سے دراہم کی (فدیہ کے لئے) وصیت
کر لیتے ہیں اور اپنی وصیت کا بڑا حصہ کل طیبہ اور قرآن مجید کے خیموں کے لئے خاص
کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ ان خیموں کی وصیت صحیح
نہیں۔ اور یہ کہ کسی دنیاوی غرض سے قرأت جائز نہیں اور دینے والے اور لینے
والے دونوں گناہگار ہیں۔ کیونکہ دنیا اور کھانا کھلانا ہجرت کے مشابہ ہے اور
قرأت کی ہجرت دنیا جانا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ چیز جو ہجرت سے مشابہت رکھتی
ہو۔ اور ہمارے مذہب کی مشہور کتابوں میں سے بہت سی کتابوں میں اس کی
تصریح کی گئی ہے۔ (رد المحتار)

ان عبارتوں سے صحت معلوم ہو گیا کہ کل طیبہ یا قرآن مجید کا ختم کرانے کے
لئے اجتماع کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا مکروہ اور بدعت ہے۔
یہ چیز جو اس قسم کے کھانے میں غریب امیر سب شامل ہوتے ہیں اس لئے
صحت ظاہر ہے کہ اس کھانے سے مقصود صدقہ اور خیرات نہیں ہے۔ ورنہ ہمارے
کو صدقہ کھلانا جس کے کیا معنی اور جب صدقہ مقصود نہ ہو تو ظاہر ہے کہ یہ کھانا

کھلانا اور جلسے کرنا محض ناموری اور شہرت و ریاضت کی وجہ سے ہوتا ہے
اور اس کا مکروہ اور بدعت ہونا پہلے ثابت ہو چکا ہے اور یہ کہنا کہ امرار کی دعوت
بطور ہدیہ کی ہوتی ہے اور فقر کی بطور صدقہ کے صحیح نہیں کیونکہ کھانا کرنے والوں
کو اس تفریق کا خیال نہیں ہوتا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جاتے تھے تاہم بتدلیل علامہ
ابن ہمام کے چونکہ یہ دعوت غنی کی ہے اس لئے غیر مشروع اور بدعت ہے۔
اور رد المحتار شامی کی عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ترکہ شکر کرین سے
بغیر رضا جمیع ورثہ یہ مصارف ادا کرنا بالخصوص جو کہ کوئی وارث نامائش یا غائب
ہونا جائز ہے۔ اور جو کر دینا وہ جو رضا میں ہوگا۔

خاتمہ الكتاب

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کتاب کے تینوں حصے مکمل ہوئے۔ اور اکثر مسائل جن میں بریلوی اختلاف کرتے ہیں اس میں یکجا کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب جاء الحق کا جواب نہیں بلکہ جس قدر جاء الحق میں مسائل بیان کئے گئے تھے وہ سب اور کچھ ان کے علاوہ بھی ہم نے اپنے مسلک کے مطابق اس میں جمع کئے ہیں۔ جاء الحق کے پہلے حصہ کا جواب محدث اعظم پاکستان مفسر قرآن شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے اپنی مختلف تصانیف میں دے دیا ہے۔ مثلاً بحث علم غیب کا جواب ازالۃ الريب و اظہار الغیب میں بحث حاضر و ناظر کا جواب تبرید النواظر و تفریح الخواطر میں حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث کا جواب تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین و اتمام ابرہان حصہ سوم اور عبارات اکابر میں۔

بحث نداء یا رسول اللہ کا جواب تبرید النواظر و کلدستہ توحید تنقید متین میں۔ اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا کا جواب کلدستہ توحید و اتمام ابرہان حصہ اول۔ تنقید متین۔

بحث بدعت۔ کا جواب راہ سنت و باب جنت میں اعتراضات کے جوابات۔

عبارات اکابر میں۔ اس طرح تمام حصہ کا مدلل جواب لکھا ہے۔

ہر شخص یہ کتابیں دیکھ سکتا ہے۔ ہم بھی آخر میں بریلویوں کے کچھ عقائد نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رضا خانیوں کے عقائد باطلہ

(۱) مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ایک پیر بھائی "مولوی برکات احمد صاحب"

کی قبر میں وہ خوشبو آتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے (معاذ اللہ منہ) خافضاً بالقابہم کے ملفوظات حصہ دوم مطبوعہ حسنی پریس بریلی کے صفحہ ۲۵ پر ہے۔

(۲) علم حضرت نے ایک طویل کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا، جب انکا (یعنی خاں صاحب کے پیر بھائی برکات احمد صاحب کا) انتقال ہوا اور میں دفن کے وقت ان کی قبر میں اُترا مجھے بلا مبالغہ

وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی مرتبہ روضہ انور کے قریب آئی تھی۔ انتہی مسلمان ایمانی کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر اپنے قلوب سے فیصلہ لیں کیا یہ الفاظ کسی سچے مسلمان کے زبان و قلم سے نکل سکتے ہیں؟ کیوں مسلمانوں۔ کیا مدینہ طیبہ کا وہ بقیعہ نور جو آخر الانبیاء خاتم الاصفیاء حضور رسالت پناہ حبیب الدو عالم کے شاہ میرے سردار مدینہ کے تاجدار کو اغوش میں لئے فلک الافلاک کو بھی شرمسار ہے اور حب تصریح علماء امت عرش الہی پر بھی فوقیت رکھتا ہے اسی قابل ہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب کے ایک پیر بھائی کی قبر کو طیب رائحہ (خوشبو) میں اُس کے ہمسر کہا جائے کیا وہ روضہ پاک جو نہ صرف عالم انسانی کا قبلہ ہے بلکہ آسمانی مخلوق کی بھی زیارت گاہ ہے اسی لائق ہے کہ چودھویں صدی کے ایک ہندو نسل انسان کے مدفن کو اس کے ہم پلہ بتلایا جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آہ خان صاحب نے خوش عقیدہ لوگوں کے لئے اس تاویل کی بھی گنجائش نہ چھوڑی کہ یہ صرف ایک مادحانہ مبالغہ ہے جس کی حقیقت کچھ اور ہے بلکہ صاف فرما دیا مجھے بلا مبالغہ وہ خوشبو محسوس ہوئی الخ

کیوں نہیں آخر تو آپ اسی چودھویں صدی کے مجدد ہیں جس کی مجددیت کا دوسرا دعویدار مرزا غلام احمد قادیانی ہے آخر اس اشتراک کا کچھ اثر تو ہونا چاہیے خدا نہ کردہ اگر ایسے ہی دو چار مجدد اور پیدا ہو گئے تو پھر قیامت بھی کچھ دور نہیں ہے کیا یہی آپ کے اعلیٰ حضرت عاشق رسول اور چناں و چنیں ہیں۔

سے کار شیطان میکند نامش دلی گردلی این است لعنت برولی

۲۔ رضا خانیوں کے اعلیٰ حضرت مجدد البدعات فاضل بریلوی نے معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی امامت کی وہ خود فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ کی نماز (جس میں بقول ان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے) میں نے پڑھائی فاضل موصوف کے ملفوظات حصہ دوم پر ہے۔

ان کے (یعنی خان صاحب کے) ایک پیر بھائی مولوی برکات احمد صاحب کے انتقال کے دن مولوی سید امیر احمد صاحب مرحوم خواب میں زیارت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے گھوڑے پر تشریف لے جاتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ حضور کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے الحمد للہ یہ جنازہ مبارک میں نے پڑھایا انتہی۔

مسلمانو تمہیں حضور سرور عالم حبیب اعظم شفیع اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا واسطہ خدا رتھو دی کے لئے اپنے اس دل میں جو خدا اور اس کے رسول (جل ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت ہی کے لئے بنایا گیا ہے انصاف کو جگہ دے کر غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ان مدعیان عشق کے دعویٰ عشق و محبت کی کیا حقیقت ہے۔

اے عالم قدس کے جس شہنشاہ نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں از آدم تا عیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کی قدرت نے جس کے سر پر امامت انبیاء کا تاج رکھا فرشتوں نے جس کو امام المرسلین کہہ کے سلامی دی آج بریلی والے خان صاحب اس امام الانبیاء کی امامت کے مدعی ہیں نہ ہوا زمانہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ورنہ اس چلے ہوئے دماغ کا یہیں علاج ہو جاتا۔

آج ایک مسلمان اس دار الکفر میں بجز اس کے اور کیا کہہ سکتا ہے خان صاحب نیچے کی چمک کے کہاؤ یہ منہ اور مسور کی دال،

۱۳۔ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ناپاک گالیاں دے جن کی نظیر پادریوں پندتوں کھلے کافروں مشرکوں کی کتابوں میں بھی نہ پائی جائے۔ پھر ان سڑی گالیوں میں کسی تاویل و توجیہ کی بھی گنجائش نہ ہو اور مزید براں یہ کہ ان ناپاک گالیوں سے سرکار دو عالم حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت اور دکھ پہنچے دیکھنے سننے والوں کے کلیجہ بھی ٹکڑے ٹکڑے اور دل پاش پاش ہو تو ان رضا خانی صاحبان اور ان کے خان والاشان کے نزدیک ایسا شخص مسلمان ہے اُسے ہرگز

کافر نہ کہا جائے اُس کو کافر کہنے والا بے احتیاط سلامتی سے دور اور راہ استقامت سے بھٹکا ہوا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔

توضیح

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی کتاب "الکوکبۃ الشہابیہ" میں شہید مرحوم مظلوم اہل بدعت پر تبرا بھیجتے ہوئے اپنے نامہ اعمال کو اس طرح سیاہ فرماتے ہیں مسلمانو! مسلمانو! خدا را ان ناپاک شیطان ملعون کلموں کو غور کرو..... پادریوں پندتوں وغیرہم کھلے کافروں مشرکوں کی کتابیں دیکھو..... ان میں بھی اس کی نظیر پاؤ گے..... مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ کس جگہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح سب و دشنام کے لفظ لکھ دیئے۔

..... مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انہیں ایذا نہ پہنچی۔ ہاں ہاں واللہ واللہ انہیں اطلاع ہوئی واللہ واللہ انہیں ایذا پہنچی..... اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں..... اس غبیث بد دین نے جو ہمارے عزت والے رسول دو جہاں کے بادشاہ بارگاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ لعنتی کلمات لکھے انہوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا۔ انتہی بلفظ از کوکبۃ شہابیہ ص ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳۔

یہ تو خدا خوب جانتا ہے کہ شہید مرحوم کا دامن ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے بلکہ یہ سب یاروں کی کار سازی کے کرشمے ہیں لیکن یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں اس جگہ ہمارا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ خان صاحب کے نزدیک شہید مرحوم تمام ان سنگین جرموں کے مرتکب ہیں۔ جن کا ذکر ہم نے عقیدہ کے ذیل میں کیا ہے سوا الحمد للہ وہ تمامہ کوکبۃ شہابیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا۔

اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ باوجود ان سنگین جرموں کے خان صاحب شہید مرحوم کو کافر نہیں کہتے بلکہ تکفیر کو خلاف احتیاط مخالف حکم نبوی بتلاتے ہیں اور عدم تکفیر کو مذہب مفتی

قرار دیتے ہیں اسی میں سلامتی بتلاتے ہیں وہی ان کے نزدیک راہ استقامت ہے ملاحظہ ہو
خان صاحب باقائیم تمہید ایمان ص ۲۳ پر ارقام فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ (اسمعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اہل لالہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔

نیز اسی تمہید ایمان ص ۲۳ پر ہے۔

”علمائے محاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے وہو الجواب و بہ لفتی و علیہ الفتویٰ و ہو المذہب
و علیہ الاعتماد و فیہ السلا مہ و فیہ السداد یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب
ہے اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں استقامت۔

خان صاحب کی کل عبارتیں حاضر ہیں نتیجہ صاف ہے کہ خان صاحب کے نزدیک ایسے
سنگین جرموں کا مرتکب بھی مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان
ہے سخت بے احتیاط اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے۔

حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو بد بخت ایسے مجرم کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

(شفا شریف و بزاز یہ)

فتاویٰ خیرہ وغیرہ میں ہے تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ
بھی کافر ہے تمہید ص ۲۳

نیز اس کے ص ۲۵ پر ہے۔

مجمع الانہر و در مختار میں ہے جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی
طرح قبول نہیں اور جو اس کے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

پھر اس کے ص ۳۵ پر ہے۔

”نہ کہ ایک کلام تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیاء علیہم السلام و الثناء میں صاف صریح

ناقابل تاویل و توجیہ ہوا اور پھر بھی حکم کفر نہ ہوا اب تو اُسے کفر نہ کہنا کفر کو اسلام ماننا ہوگا۔
اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے ابھی شفا و بزاز یہ و در بحر و نہر و فتاویٰ خیرہ و مجمع الانہر و
در مختار وغیرہ کتب معتدہ سے سن چکے ہو کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے
کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اب خان صاحب کی پہلی عبارت کو ان تینوں عبارتوں کے ساتھ ملائیے نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ
مولوی احمد رضا خان صاحب خود اپنے اقرار سے کافر ہیں ان کے کفر پر ساری امت محمدیہ کا اجماع
ہے اب جو ان کے کافر یا معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی انہی کے فتوے سے ایسا ہی کافر
ہے و بتم جراً

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
۱۵۔ جو شخص قرآن عظیم میں جا بجا شرک مانے وہ مسلمان ہے اُسے کافر کہنا بے احتیاطی اور
ہلاکت میں پڑنا ہے۔

۱۶۔ جو بد بخت کہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بکثرت شرک ہوئے وہ مسلمان ہے الخ۔

۱۷۔ علی ہذا جو ملانکہ کو مشرک بتلائے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے الخ۔

۱۸۔ جس شخص کے کلام میں شرک کے انبار ہوں وہ بھی ان کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان ہے۔

توضیح حضرت شہید مرحوم کے متعلق کو کہہ شہابیہ ص ۲۹ پر یوں گہرا فاشی فرماتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں خان صاحب کے اس فقرہ نے فیصلہ کر
کر دیا کہ کسی کو کافر نہ کہنا اس کے مسلمان سمجھنے کو مستلزم ہے کیونکہ اب بھی یہ مطالبہ درست ہے کہ ان اعلیٰ حضرت نے مولوی اسماعیل
صاحب دہلوی کو مسلمان لکھا ہے اگرچہ خان صاحب کا کفر ثابت ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ
شہید مرحوم کو کافر نہ کہیں جیسا کہ ان عبارات سے ظاہر ہے لیکن ہم نے بحمد اللہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ خان صاحب
حضرت شہید مرحوم کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ منہ غفرلہ

۱۔ جا بجا قرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ صاف اُسے غلط باطل کہہ جائے۔۔۔۔۔

۲۔ اس کے طور پر قرآن عظیم میں جا بجا شرک موجود۔

۳۔ اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شرک صادر ہوئے،

۵۔ کھلے شرکوں کے بھاری طور سے خود اس کے کلام میں برساتی حشرات الارض کی طرح پھیلے ہیں انتہی۔

لیکن باوجود ان تمام خرافات کے وہ خانصاحب کے نزدیک مسلمان ہی ہیں انہیں کافر کہنا گناہ ہے (دیکھو عبارات مذکورۃ الصدر)

۹۔ جو بے دین اللہ سبحانہ کے علم کو ضروری نہ جانے بلکہ اس کا جاہل رہنا بھی (معاذ اللہ منہ) ممکن سمجھے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے کافر نہیں کہا جاسکتا (استغفر اللہ منہ)

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کو کبہ شہابیہ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں:

(اس نے) یہاں اللہ سبحانہ کے علم کو لازم و ضروری نہ جانا اور معاذ اللہ اس کا جہل ممکن مانا؛

لیکن ہیں پھر بھی مسلمان لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

۱۰۔ جو شیطان تمام امت محمدیہ کو کافر مانے وہ علماء امت کے نزدیک تو یقیناً قطعاً کافر ہے لیکن رضا خانی صاحبان کے نزدیک مسلمان ہی ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں۔

توضیح موجد رضا خانیت جناب مولوی احمد رضا خان صاحب حضرت شہید مرحوم کے متعلق کو کبہ کے ص ۱۲ پر فرماتے ہیں۔

(اُس نے) ”اسی قول میں تمام امت کو کافر مانا“ لیکن رہے پھر بھی مسلمان (دیکھو عبارات مذکورۃ الصلح)

۱۱۔ جو ملعون علم الہی کو قدیم نہ مانے وہ مسلمان ہے ان کے نزدیک اُسے ہرگز کافر نہیں کہا جاسکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق ”کو کبہ شہابیہ“ ص ۱۲ پر فرماتے ہیں۔

تو (اس کے نزدیک) علم الہی قدیم قدیم نہ ہوا، لیکن باوجود اس کے خان صاحب کے آخری

فیصلہ کے مطابق وہ مسلمان ہی ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا۔

۱۲۔ جو مرد و دصاف اقرار کرے کہ خدائے تعالیٰ کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں

کوئی حرج نہیں وہ مسلمان ہے الخ

توضیح خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کو کبہ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں:

یہاں صاف اقرار کر دیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹ ہو جانے میں تو

حرج نہیں لیکن فتویٰ اسی پر ہے کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں ان کو کافر کہنا ہلاکت میں پڑنا ہے (کما سبق آنفاً)

۱۳۔ جو جہنمی کہے کہ صفات انسانی کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا

غرض سب کچھ خدا کے لئے روا ہے وہ بھی رضا خانی مذہب میں مسلمان ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کو کبہ شہابیہ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں:

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی

ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا سونا پاخانہ پھرنا پیشاب کرنا جلنا ڈوبنا مرنا سب کچھ

داخل ہے۔

لیکن واہ رے رضا خانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ مسلمان ہی ہیں جیسا کہ

پہلے معلوم ہو چکا

۱۴۔ جو ملعون اللہ تعالیٰ کے جھوٹ کو مستنع بال غیر در محال عادی بھی نہ مانے بلکہ صاف

اقرار کرے کہ (معاذ اللہ) خدا جھوٹ بولتا رہتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اُسے

کافر کہنا خلاف احتیاط۔

توضیح خانصاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق اسی کو کبہ شہابیہ ص ۱۵ پر فرماتے ہیں

اس میں صاف اقرار ہے کہ اللہ عزوجل کا جھوٹ بولنا مستع بال غیر بلکہ محال عادی بھی نہ ہو۔

لیکن فتویٰ وہی ہے ”علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں“ اللہ رے احتیاط۔

۱۵۔ جو مرد و صراحتہ کہے کہ اللہ عزوجل میں ہر عیب و آلائش کا آنا جائز ہے مگر وہ اپنی بنی رکھنے کے لئے مصلحتاً اس سے بچتا ہے وہ بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے اس کے کفر پر حکم نہیں کیا جاسکتا۔

توضیح خان صاحب موصوف حضرت شہید مرحوم کے متعلق کو کتبہ شہابیہ ص ۱۶ پر فرماتے ہیں۔ اسی قول میں صراحتہ مان لیا کہ اللہ تعالیٰ میں عیب و آلائش کا آنا جائز ہے مگر مصلحتاً ترفع کے لئے اس سے بچتا ہے۔

لیکن فیصلہ وہی ہے کہ میں اسمعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا الخ (عبارت پہلے گزر چکی ہے)

۱۶۔ جو شقی ازلی صاف طور پر کہے کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے وہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ میں ہو سکتی ہیں مثلاً سونا اور لکھنا بہکنا جو رو بیٹا بیٹی والا ہونا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہت میں شریک کر لینا ذلت و خواری کے باعث کسی دوسرے کو اپنا بازو بنالینا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ خدا میں پایا جاسکتا ہے وہ مرد و بھی ان کے نزدیک مسلمان ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف کو کتبہ شہابیہ ص ۱۶ پر شہید مرحوم و مظلوم کے متعلق لکھتے ہیں "اس قول میں صاف بتایا کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالیٰ کی مدح کی جاتی ہے وہ سب باتیں اللہ عزوجل کے لئے ہو سکتی ہیں ورنہ تعریف نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے لئے سونا اور لکھنا بہکنا جو رو بیٹا بندوں سے ڈرنا کسی کو اپنی بادشاہی کا شریک کر لینا ذلت و خواری کے باعث دوسرے کو اپنا بازو بنانا وغیرہ وغیرہ سب کچھ روا ہے۔"

لیکن واہ رے رضا خانیوں کے اسلام تیری وسعت کہ پھر بھی وہ تیرے آغوش میں ہیں۔ ۱۷۔ جو مرد و حضرات انبیاء علیہم السلام و ملائکہ عظام اور قیامت جنت دوزخ غرض تمام ایمانیات کے ماننے سے انکار کرے وہ بھی ان کے مذہب میں مسلمان ہے نہ معلوم ان بزرگوں

کے خیال میں اسلام کس چیز کا نام ہے۔

توضیح خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کو کتبہ شہابیہ ص ۱۶ پر فرماتے ہیں: یہاں انبیاء و ملائکہ و قیامت و جنت و نار و غیرہ تمام ایمانیات کے ماننے سے صاف انکار کیا "لیکن رہے پھر بھی مسلمان (جیسا کہ خان صاحب کی کئی عبارتوں سے معلوم ہو چکا ہے) حالانکہ یہ تمام چیزیں ضروریات دین میں سے ہیں اور جس طرح ضروریات دین کا منکر کافر ہے اسی طرح منکر کو کافر نہ کہنے والا یہی کافر و مرتد ہے۔ خان صاحب موصوف ازالہ لغات ص ۱۶ پر فرماتے ہیں۔

"جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جانا بھی کفر ہے" ہمارے ناظرین خود نتیجہ نکال لیں کہ اب خان صاحب اپنے اقرار سے کون ہوئے ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے۔

۱۸۔ جو شخص یہ تصریح کہے کہ بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر و ہمسرہ ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی۔ وہ بھی مسلمان ہے اس کو کافر کہنا نہ چاہیے۔

۱۹۔ جو شخص غیر بنی کو نبی بتلائے وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح خان صاحب بالقاہم شہید مرحوم کے متعلق کو کتبہ ص ۲۲ پر فرماتے ہیں۔ اس قول ناپاک میں اس قول بیباک نے بے پردہ و حجاب صاف صاف تصحیح کیں بعض لوگ علم میں انبیاء کے برابر و ہمسرہ ہوتے ہیں فرق اتنا ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انہیں باطنی وہ انبیاء کے مانند معصوم ہوتے ہیں اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے یہ کھلم کھلا غیر بنی کو نبی بتلانا ہے۔

لیکن فیصلہ وہی ہے جو ہمارے ناظرین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں الخ"

۲۰ :- جو خبیث ایسی بات کہے جو بہت سی وجہ سے باجماع اہلسنت یقیناً کفر ہو جی کہ اس میں نبوت کا دعویٰ ہو وہ بھی مسلمان ہے۔

توضیح: خان صاحب موصوف شہید مرحوم کے متعلق کوکبہ شہا بیہ ص ۳۳ کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں :-

(اس کا) یہ قول باجماع اہلسنت بہت سی وجہ سے کفر ہے ازاں جملہ یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بے وساطت نبی احکام شرعیہ ملنے کا ادعا ہے اور یہ نبوت کا دعویٰ ہے۔

لیکن واہ رے رضا خانیوں کے اسلام کہ تجھ میں دعویٰ نبوت بھی کفر نہیں باوجود اس سنگین جرم کے شہید مرحوم مسلمان کے مسلمان ہیں حضرت شہید توفی الحقیقت بھی مسلمان ہیں لیکن وائے قسمت کہ خان صاحب کسی گھاٹ کے نہ رہے کیا ہے؟ کوئی بدعتی کہ خان صاحب کو ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی ثابت کر سکے واہ رے شہید تیری کرامت :-

مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کی ذریت کے نزدیک مندرجہ ذیل تیس عقیدے اسلامی عقیدے ہیں۔ ان عقیدوں کا رکھنے والا کافر نہیں مسلمان ہے اُسے کافر کہنے والا بے اعتناء سلامتی سے دور اور ہلاکت میں پڑنے والا ہے وہ عقائد ملعونہ ہیں نقل کفر کفر نہ باشد :- ۲۱۔ خدا وہ ہے جسے مکان زمان جہت ماہیت ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقہ کے قبیل سے ہے اور صریح کفروں کے ساتھ شمار کرنے کے قابل ہے۔

(۲۲)۔ خدا کی بات کا اعتبار نہیں۔ (۲۳) خدا کی بات قابل استناد نہیں

(۲۴)۔ اس کا دین لائق اعتماد نہیں (۲۵) خدا وہ ہے جس کا بہکنا غافل ہونا

(۲۶)۔ ظالم ہونا (۲۷) حتیٰ کہ سر جانا

(۲۸) ناچنا (۲۹) تنہرنا (۳۰) نٹ کی طرح کلا کھینا (۳۱) عورتوں سے جماع کرنا

(۳۲) لواطت جیسی بیجانی کا سر تکب ہونا (۳۳) حتیٰ کہ خود مخنث کی طرح مفعول بنا۔

سب ممکن ہے (۳۴) کوئی خباثت کوئی فیضیت خدا کی شان کے خلاف نہیں (۳۵) خدا کھانے کا مہ

(۳۶) بھرنے کا پیٹ (۳۷) مردی زنی کی علامت رکھنا ہے اور بالفعل موجود ہیں (۳۸) خدا صد نہیں جوت دار کھل ہے (۳۹) سبوح قدوس نہیں (۴۰) خنثی مشکل ہے (۴۱) خدا وہ ہے جو اپنے آپ کو جلا سکتا ہے (۴۲) خدا وہ ہے جو اپنے آپ کو ڈبو سکتا ہے (۴۳) خدا وہ ہے جو زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر یا بندوق مار کر خود کشی کر سکتا ہے (۴۴) خدا کے ماں باپ جو رو بیٹا سب ممکن ہے (۴۵) خدا ماں باپ سے پیدا ہوا ہے (۴۶) خدا بڑ کی طرح پھیلتا پھٹتا ہے (۴۷) خدا برہا کی طرح جو کھٹا ہے (۴۸) خدا ایسا ہے جس کا کلام فنا ہو سکتا ہے (۴۹) خدا بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ بولنے سے بچتا ہے کہ نہیں جھوٹا نہ سمجھیں (۵۰) خدا بندوں سے چرا چھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے۔

توضیح: فاضل بریلوی مولوی احمد رضا خان صاحب بالقابہم نے اپنے فتاویٰ کے ص ۴۶، ۴۷ پر ان عقائد ملعونہ کو حضرت شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا لیکن بایں ہمہ فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

اور امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ تمہید ایمان ص ۳۳ دوسروں کے لئے ارشاد ہے۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی جواب ہے یہی مذہب مفتی ہے اسی میں سلامتی اور استقامت ہے۔ تمہید ایمان ص ۳۴ (ملخصاً)

مسلمانو! خدا را انصاف جس ظالم مردود کے ایسے خبیث عقیدے ہوں کیا وہ بھی اہل لا الہ الا اللہ میں سے ہے کیا ایسے ہی شخص کی تکفیر سے عمل خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے علیٰ ہذا جو شقی ازلی ان ناپاک ملعون عقیدوں کو اسلامی عقیدے بتلائے ان کے معتقد کو کافر نہ کہے کیا اس کے کفر میں کوئی کلام ہو سکتا ہے۔

اے مالک عرش تو شاہد ہے کہ ہمارے نزدیک ایسے ملعون عقیدوں کا رکھنے والا کافر

اکفر ہے ہمارا ایمان ہے کہ اُس کا کفر ابو جہل اور ابولہب کے بھی بڑھا ہوا ہے۔
 اے سمیع و بصیر اے علیم و خبیر دیکھئے یہ بھی علم ہے کہ شہید مظلوم اور جملہ اکابر کا دامن
 ان تمام آلودگیوں سے پاک ہے (سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ
 ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ہ
 ملحوظ رہے کہ یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ سب خان صاحب کا مسئلہ ہے جس
 میں کسی بدعتی کو مجال انکار نہیں۔

رؤبریلویت پر مشہور مشہور کتب

| | | |
|------------------------------------|-------------------------------------|---------------------------------------|
| (۱) ازالۃ الريب | (۱۳۲) تامل علی قا اور مسئلہ علم غیب | (۲۴) تقدس حریم |
| (۲) اظہار العیب | (۱۵) راہ سنت | (۲۸) بریلوی فتوے |
| (۳) تبرید النواظر | (۱۶) باب جنت | (۲۹) ابراہیم القاطعہ |
| (۴) تفریح الخواطر | (۱۷) عبادات اکابر | (۳۰) مجموعہ رسائل چاند پوری |
| (۵) دل کا سرور | (۱۸) فیصد کن مناظرہ | (۳۱) سیف یمانی بر مقتادہ فرخ رضا خانی |
| (۶) راہ ہدایت | (۱۹) حفظ الایمان۔ نجم ارشاد | (۳۲) سیف علی |
| (۷) نور و بشر | (۲۰) الشہادت الثابت | (۳۳) فیصد خصوصیات از محمد دارالقضاۃ |
| (۸) گلدستہ توحید | (۲۱) مطالعہ بریلویت جلد ۳ | (۳۴) المہند علی المفند |
| (۹) تنقید متین | (۲۲) شاہ اسماعیل شہید پر | (۳۵) الحنفیہ لابل السنۃ |
| (۱۰) اتمام برہان | (۲۳) اعتراضات کے جوابات | (۳۶) مقام الحدید |
| (۱۱) حکم الذکر بالبر | (۲۴) نماز کا مقام توحید | (۳۷) فتح بریلی کا دلکش نظارہ |
| (۱۲) اخفاء الذکر | (۲۵) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے | (۳۸) دلیل الخیرات |
| (۱۳) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ | (۲۶) علم جنات و ملائکہ | (۳۹) چراغ سنت |

سیفِ نعمان

اس رسالہ میں غیر مقلدین کے اشتہار کا

جواب دیا گیا ہے

جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم

فِتنہ حنفی

حصہ اول

جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ



ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

تائید الحنفیہ
یعنی
فِتنہ حنفی

اعتراضات کے جوابات

محترم ناظرین کرام ! ہمارے ایک ساتھی نے غیر مقلدین کا ایک اشتہار لا کر دیا۔ یہ اشتہار فوٹو سٹیٹ کو کر تقسیم کیے گئے ہیں اس میں فقہ حنفی پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ اعتراض اصل میں مولانا یوسف جے پوری غیر مقلد کی کتاب حقیقۃ الفقہ سے سرقہ کیے گئے ہیں۔ اس لیے ہم نے اعتراض نقل کرتے ہوئے حقیقۃ الفقہ کا حوالہ دیدیا ہے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

جمع و ترتیب : سید مشتاق علی شاہ

ناشر : مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

352
550
802

| نمبر شمار | نام کتاب | قیمت |
|-----------|---------------------------------------------------|--------|
| ۱ | تعارف فقہ پنجہ حصے | ۱۰۰-۰۰ |
| ۲ | احادیث نبوی اور فقہ حنفی حصہ اول | ۶-۰۰ |
| ۳ | احادیث نبوی اور فقہ حنفی حصہ دوم | ۶-۰۰ |
| ۴ | بیس رکعات تراویح کا ثبوت | ۳-۰۰ |
| ۵ | سیفِ نعمان | ۳-۰۰ |
| ۶ | تائید الحنفیہ | ۱-۵۰ |
| ۷ | حفت امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جوابات | |
| ۸ | امام ابوحنیفہ کا مقام محدثین کی نظر میں | ۶-۰۰ |
| ۹ | تقلید جائز اور ناجائز | ۱۵-۰۰ |
| ۱۰ | معین الفقہ یعنی فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات مع | ۱۵-۰۰ |
| ۱۱ | ابحاث غیر مقلدین | ۱۸-۰۰ |
| ۱۲ | مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی | ۵۰-۰۰ |
| ۱۳ | مجموعہ رسائل مولانا محمد امین اوکاڑی | ۷۵-۰۰ |